خوش ذوق خواتین کا خوب صورت انتخاب

ماہنامہ

دلکش کراچی

اکتوبر 2006

نگران اعلیٰ

معراج رسول

https://pdfbookkorner.blogspot.com

زہے نصیب:

کیوٹی وی کے

ڈائریکٹر خلیل وارثی سے خصوصی ملاقات

دلکش رنگ:

"اچھا کام کرنے والا ہی اپنی شناخت بناتا ہے"

فرحانہ اویس کا اظہار خیال

PAKISTANIPOINT

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

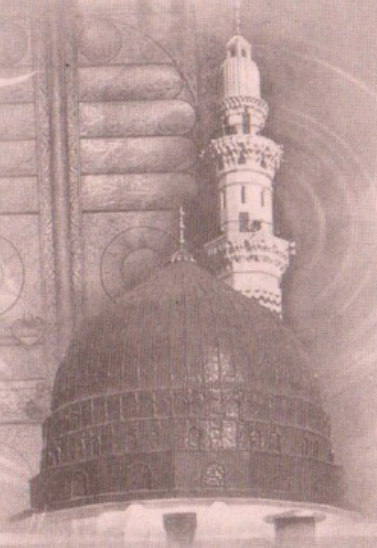

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

یہ ارماں تو الٰہی زندگی میں کم سے کم نکلے
طواف کعبہ سے پہلے نہ موت آئے نہ دم نکلے

یقین مغفرت پایا، ملا تھا کیف روحانی
بہت ہی مطمئن ہو کر تری محفل سے ہم نکلے

نشیب آئے فراز آئے، مگر منزل ملی آخر
مری زلف حیات معتبر کے پیچ و خم نکلے

جو جان و مال کی ہر آزمائش سے گزر آئے
وہی ایمان والے تھے، وہی ثابت قدم نکلے

ترا بندہ ہوں تری بندگی ایمان ہے میرا
زباں سے یہ ہی مصرعہ یاالٰہی دم بدم نکلے

جہاں تک روشنی پھیلے مسلماں ہی مسلماں ہوں
کسی دن مہر جب خاور سے یارب صبح دم نکلے

کلام: مہر وجدانی

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

بشر کو آشنائے کیف ایماں کر دیا تو نے
بنی آدم کو قرآں دے کے انساں کر دیا تو نے

ہر اک سینے میں روشن نور ایماں کر دیا تو نے
دل تاریک عالم میں چراغاں کر دیا تو نے

مودّت فرض کر کے اپنے قربا کی ہر انساں پر
نجات اخروی پانے کا ساماں کر دیا تو نے

یہ اک ادنیٰ کرشمہ ہے تیری ذرّہ نوازی کا
خذف کو غیرت لعل بدخشاں کر دیا تو نے

منور کر دیا کون و مکاں نور ہدایت سے
بجھی شمعوں کو ضو دے کر فروزاں کر دیا تو نے

ترے در سے ملا مدّاح اہلبیت کا رتبہ
خوشا قسمت کہ شیدا کو بھی سلماں کر دیا تو نے

کلام: سید علی حسنین نقوی شیدا

خوش ذوق خواتین کا خوب صورت انتخاب
ماہنامہ دلکش کراچی

اداریہ — حرفِ اول — 11 — نزہت اصغر
تیسری آپ بیتی — میری وفا کا پھول — 51 — تحسین اختر
مفاہیم قرآن — 12 — ادارہ
سلسلے وار ناول — شہرِ دل سے نہ جانا — 58 — انجم انصار
افسانے — رنگِ حیات — 80 — عطیہ عمر
مفاہیم حدیث — 13 — ادارہ
تو جیون کی ہری گلی — 96 — زاہدہ پروین
واپسی کا سفر — 121 — ناہید فاطمہ حسنین
خصوصی انٹرویو — زہے نصیب — 14 — حنا عروج
ناولٹ — راہیں جو گم ہوئیں — 166 — بلقیس ظفر
یہ عبرت [illegible] — 197 — نوخیز انجم
پہلی آپ بیتی — زندانِ دوستی — 20 — صائمہ قیصر
عشق دعا ہے — 140 — فرحانہ ناز ملک
محبت مان ہوتی ہے — 133 — علیزہ احمد
دوسری آپ بیتی — آزمائش یا عذاب — 45 — صدف اعجاز
آبلہ پائی سے شناسائی تک — 206 — شہلا شکور
گہن زدہ حسن — 191 — ممتاز خانم

شریکِ زندگی ہم ہیں — 293 — افشاں عباس
خوشبو کا دھلا — 305 — فصاحت فاطمہ
عالمی ادب — فرزانوں میں دیوانہ — 233 — امر جلیل
دعائیں — 295 — ادارہ
سوسنار کی — 311 — نزہت اصغر
مکمل ناول — آنکھیں بھیگ جاتی ہیں — 239 — صائمہ اکرم
پذیرائی — 297 — دلکش بہنیں
تسکین ذوق — 313 — صغریٰ زیدی
فکاہیہ کالم — ڈھنگ رنگ — 229 — انجم انصار
دلکش ذائقے — 298 — دلکش آپی
اپنے ناک سے خود کو بچایئے — 315 — محمود عالم کمالی
مستقل سلسلے — دلکش رنگ — 276 — یمنیٰ احمد
دارالصحت — 301 — ڈاکٹر عدنان اکرم
قانونی راہ نمائی — 317 — ناصر اے رضوی
خوش آمدید — 283 — نزہت اصغر
آرائش و زیبائش — 303 — رضوانہ خان
اسماء الحسنیٰ — 319 — ایس ایم قادری

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, Main Korangi Road Karachi,
Postal Address: Box No. 230, G.P.O. , Karachi - 74200
Phone: (021) 5802552, Fax: 5802551, E-Mail address: jdp group@hotmail.com

پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول، مقام اشاعت: 63 سی فیز II (ایکس ٹینشن) ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: ابن حسن پرنٹنگ پریس۔ ہاکی اسٹیڈیم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں جو دلکش ہوں فقط حُسنِ نظر ہے تیرا
تیری تنقید ابھی اور نکھارے گی مجھے

حرفِ اول

رمضان المبارک کا مقدس و بابرکت مہینہ اپنے فیوض و نعما سمیت ایک مرتبہ پھر ہمیں لامتناہی اجر و ثواب بخشنے حاضر ہے۔ یہ ہم سبھی کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے کہ رب کریم نے اتنی زندگی عطا کی کہ ہم سب ایک مرتبہ پھر اس مقدس ماہ کی برکات سے فیض یاب ہو رہے ہیں تاکہ اپنے گناہوں کی بخشش کا سامان اپنے ہاتھوں سے ہی کر جائیں۔

قارئین کرام! اگر روزے کے فلسفے پر غور کیا جائے تو بلاشبہ تزکیہ و تہذیب نفس کا بہترین ذریعہ ہے اگر ہم اس ماہ کے فیوض اور اجر و ثواب پر رتی برابر بھی غور کر لیں تو دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی سنور جائے گی۔

دنیاوی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں زیادہ منافع دینے کی بات ہے انسان وہیں سرمایہ لگانا چاہتا ہے تو کیوں نہ ہم اپنے نیک اعمال کا سرمایہ دُگنا اور چہار گُنا کرنے کی غرض سے ان عبادات میں لگائیں جس کا اجر و ثواب اس دنیا کے ساتھ ساتھ اُس دنیا میں بھی بھرپور ملے گا جو ہمارے عقیدے کے مطابق حیات ابدی ہے۔

جس طرح رمضان المبارک میں گناہوں سے دوری اور عبادات سے قربت اختیار کی جاتی ہے، چاہے وہ حقوق العباد ادا کرنا ہوں یا حقوق اللہ..... تو پورا سال کیوں نہیں اس کی مشق کی جا سکتی۔ اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ ہم یہ صفات و خواص خود اپنے میں نہیں بلکہ دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہیں اگر ہر بندہ اپنا احتساب خود کر لے تو سارا سال ہی ان فیوض و نعما سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ اس ماہ جہاں اپنے لیے دعا کریں وہاں دوسروں کے لیے بھی دعا کریں۔ اپنے مرحومین، عزیزوں، دوستوں، ہمسایوں کے ساتھ غریبوں، فقیروں اور مظلوموں کو بھی شامل کریں۔

جو لطف خدا کے محتاج بندوں کی مدد کرنے اور ان کی پریشانیاں دور کرنے میں ہے وہ لطف و سرور انسان کو صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھان کر اور پتھروں سے سر ٹکرا کر خدا کو تلاش کرنے میں ہرگز نہیں مل سکتا۔

تلاش اس کو نہ کر بتوں میں
وہ ہے بدلتی ہوئی رتوں میں
جو دن کو رات اور رات کو دن
بنا رہا ہے وہی خدا ہے

اور اس خدا کو پانے کی لیے اس ماہ سے بڑھ کر کوئی موقع نہیں جب بندہ ضیافت خدا کا منتظر رہتا ہے۔ وہ بھی صرف اپنے اعمال صالح کی بدولت..... سو اسے چاہیے کہ ضیافت کے آداب ملحوظ رکھے اور حقیقی روزہ دار بننے کی کوشش کرے تاکہ اپنے میزبان کے الطاف و نیاز اور انعامات و برکات سے مستفید ہو۔ یہ انعامات بے شک دنیوی انعامات سے کئی درجے قیمتی اور بالاتر ہیں۔

پروردگار عالم اس مہینے کے فیوض سے ہم سب کو حتی المقدور سیراب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نزہت اصغر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○

مفاہیم قرآن

احکام روزہ آیات قرآنی کی روشنی میں

☆ اے ایمان داروں! روزہ رکھنا جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کیا گیا تا کہ اس کی وجہ سے بہت سے گناہوں سے بچو (وہ بھی ہمیشہ نہیں بلکہ) گنتی کے چند روز اس پر بھی (روزے کے دنوں میں) جو شخص تم میں سے بیمار ہوں یا سفر میں ہوں تو اور دنوں میں (جتنے قضا ہوئے ہوں) گن کے رکھ لے اور جنہیں روزہ رکھنے کی قوت ہے (اور نہ رکھیں) تو ان پر اس کا بدلہ ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے اور جو شخص اپنی خوشی سے بھلائی کرے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اور اگر تم سمجھدار ہو تو (سمجھ لو کہ فدیہ سے) روزہ رکھنا تمہارے حق میں (بہرحال) اچھا ہے۔ (روزوں کا) مہینہ رمضان ہے جس میں قرآن نازل کیا جو لوگوں کا رہنما ہے اور اس میں رہنمائی اور (حق و باطل کے) تمیز کی روشن نشانیاں ہیں (مسلمانو!) تم میں سے جو شخص اس مہینے میں اپنی جگہ پر ہو تو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں (روزے کی) گنتی پوری کرے خدا تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی کرنا نہیں چاہتا اور (شمار کا حکم اس لیے دیا ہے) تا کہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کرو اور تا کہ خدا نے جو تم کو راہ پر لگا دیا ہے اس نعمت پر اس کی بڑائی کرو اور تا کہ تم شکر گزار ہو......

بقرہ......۱۸۲تا۱۸۶

☆ حم واضح و روشن کتاب (قرآن) کی قسم ہم نے اس کو مبارک رات (شب قدر) میں نازل کیا بے شک ہم (عذاب سے) ڈرانے والے تھے اسی رات کو تمام دنیا کے حکمت و مصلحت کے (سال بھر کے) کام فیصل کیے جاتے ہیں۔

دخان ۱تا۲

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا اور تم کو کیا معلوم شب قدر کیا ہے، شب قدر (مرتبہ اور عمل میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس (رات) میں فرشتے اور جبریل (سال بھر کی) ہر بات کا حکم لے کر اپنے پروردگار کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، یہ رات صبح کے طلوع ہونے تک (از سرتاپا) سلامتی ہے۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ○

مفاہیم حدیث

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و احکامات صوم

☆ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا روزہ (صوم) (دوزخ کی) سپر ہے۔ روزے میں فحش باتیں نہ کرے نہ جہالت کی باتیں...... اگر کوئی آدمی اس سے لڑے یا گالی دے تو دو بار کہہ دے میں روزہ دار ہوں...... قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے روزہ دار میرے لیے اپنا کھانا پانی چھوڑ دیتا ہے اور اپنی خواہش ترک کر دیتا ہے۔ روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا اور ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔

☆ روزہ گناہوں کا اتار ہے...... بہشت کا دروازہ ریان روزہ داروں کے لیے ہے...... روزہ داروں کے سوا اور کوئی اس میں نہ جائے گا۔ پکارا جائے گا۔ روزہ دار کہاں ہیں؟ وہ اٹھ کھڑے ہوں گے...... ان کے سوا اس میں سے کوئی نہ جائے گا جب وہ جا چکیں گے تو یہ دروازہ بند ہو جائے گا کوئی اور اس میں نہ جا سکے گا' جب رمضان آتا ہے تو بہشت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطان زنجیروں میں کس دیے جاتے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ لوگ اپنی نیتوں کے موافق اٹھائے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا جو کوئی شب قدر میں ایمان رکھ کر ثواب کی نیت سے عبادت میں کھڑا ہو اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے...... اور جو کوئی رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رکھے، اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں سب دنوں سے زیادہ سخاوت کیا کرتے تھے...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹ بولنا اور دغا بازی کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو یہ احتیاج نہیں کہ کوئی اپنا کھانا پینا چھوڑے۔

☆ جب تم رمضان کا چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب شوال کا چاند دیکھو تو روزہ افطار کرو۔

☆ اگر کوئی شخص اس حالت میں مرجائے کہ اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھ لے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے واجبات کی ادائیگی اس دنیا میں ہی کر کے جاؤ۔

☆☆☆

کیوٹی وی کے ڈائریکٹر خلیل وارثی سے دلچسپ ملاقات

قارئین دلکش! یوں تو ہم ہزاروں کامیاب لوگوں کے بارے میں پڑھتے دیکھتے اور سنتے ہیں کہ فلاں نے وہ کارنامہ سرانجام دیا اور فلاں نے وہ شاندار کام کیا مگر ان کا یہ کام دیگر مخلوقِ خدا کے کتنے کام آیا یہ تو وہی بہتر جانتے ہوں گے مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خود پس منظر میں رہ کر دوسروں کو نمایاں کرتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں اور ہنرمندیوں کے باعث ان کا کام ہی ان کی پہچان و شناخت ہوا کرتا ہے۔

انہی شخصیات میں سے ایک ایسی ہی شخصیت آج ''زہے نصیب'' کے صفحات کی زینت ہے..... اگر چہ ان سے رابطہ کرنے پر ہمیں یہی معلوم ہوا کہ وہ انٹرویو دینے سے گریزاں رہتے ہیں مگر بھلا ہو جناب مہر وجدانی صاحب کا کہ جن سے کی گئی ملاقات ہمارا کام بنا گئی..... اور ان کی زندگی کا سب سے پہلا انٹرویو کرنے کا اعزاز دلکش کے پاس آیا۔ تو قارئین اے آر وائی کے چینل کیوٹی وی کے ڈائریکٹر جناب خلیل وارثی سے گفتگو حاضر ہے جو خاص طور پر رمضان المبارک کے تناظر میں ہوئی۔

دلکش ﴿ سب سے پہلے تو رمضان المبارک کے استقبال کی تیاریوں کے متعلق بتائیں کہ کیوٹی وی کیا کر رہا ہے؟

خلیل ﴿ مت پوچھیں کہ آج کل کیا ہو رہا ہے..... بے پناہ مصروفیت چل رہی ہے جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ اس مبارک مہینے میں اکثر نشریات لائیو جاتی ہیں اور لائیو پروگرام کرنا بذاتِ خود کتنی بڑی ذمے داری ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ ویسے رمضان کے حوالے سے افطاری ٹائم، سحری ٹائم و تراویح، خلاصۂ قرآن، استخارہ، احکامِ شریعت، روحانی دنیا، خوابوں کی تعبیر، خواتین ٹائم..... یہ تمام پروگرامز لائیو ہیں پھر آپ کو پتا ہی ہوگا کہ پاکستان میں لائیو تراویح پیش کرنے کا بانی میں ہی ہوں مدینہ کے بعد میرے علاوہ کسی اور نے پوری دنیا میں لائیو تراویح نہیں کی۔

دلکش ﴿ اس پروفیشن میں آنا کیسے ہوا؟

خلیل ﴿ ہا..... ہا..... ہا اب اس عمر میں کس کو یاد رہتا ہے کہ زندگی کے سفر کا آغاز کب اور کیسے ہوا تھا ہاں بس اتنا یاد ہے کہ بچپن میں گھر سے بھاگے تھے اور آج تک بس سفر میں ہیں اب تو بڑھاپا آ گیا بلکہ ہم تو نانا بن چکے ہیں۔

دلکش ﴿ بچپن میں آپ گھر سے بھاگے تھے..... سوچ لیجیے یہ ہم لکھ دیں گے۔ (دھمکی)

خلیل ﴿ بالکل بالکل لکھیے..... شوق کے لیے بھاگے تھے گھر میں رہتے تو شاید یہ سفر جاری ہی نہ رہ پاتا (خلیل وارثی نے بلاخوف و خطر ہماری دھمکی سے بے نیاز ہو کر جواب دیا بلکہ ہمیں لاجواب سا کر دیا) ہم تو اپنے پروگرامز میں گھسے رہتے اور گھر والے ڈھونڈتے رہ جاتے اور جب بھی ان کے ہاتھ لگتے تو اللہ معافی..... بس جو حشر ہوتا ہوگا آپ خود ہی سوچ لیجیے۔ (اور ہم نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا)

دلکش ﴿ اچھا یہ بتائیے کہ اس دشت کی سیاحی میں کتنا عرصہ گزر چکا؟

خلیل ﴿ جناب سینتیس سال ہو گئے ہیں اب آپ خود ہی سوچیے کہ اتنے سال پہلے کیسے پلٹ سکتا ہوں۔

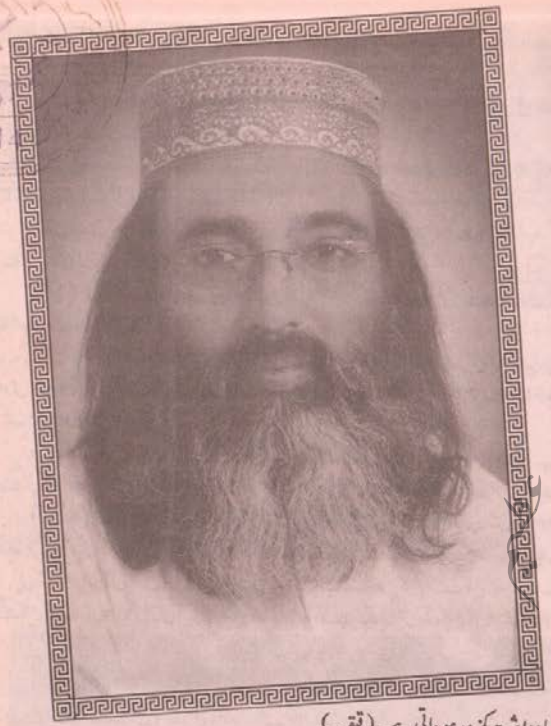

بڑھاپے میں ویسے بھی یادداشت کمزور ہو جاتی ہے۔ (قہقہہ)

دلکش ﴿ کس سے متاثر ہو کر آپ اس طرف آئے؟

خلیل ﴿ نہیں نہیں! میں کسی سے متاثر نہیں ہوتا..... ارے مجھ سے متاثر ہو کر تو لوگ اس طرف آ رہے ہیں۔ (بہت خوش دلی سے یہ انٹرویو جاری تھا..... خلیل صاحب کی طبیعت میں ظرافت کا احساس ان سے بات چیت کے دوران ہو رہا تھا۔)

دلکش ﴿ QTV کے پلیٹ فارم سے ہی کام کرنے کا خیال کیسے آیا..... اور اتنے بڑے پیمانے پر ایسا کام..... کس کا آئیڈیا تھا؟

خلیل ﴿ بس جی کیا بتائیں اللہ کے بعد حاجی عبدالرؤف بھائی کا تعاون ملا تو اس پلیٹ فارم سے کام کرنے کا موقع بھی مل گیا اور شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے مجھے اس کام کے لیے منتخب کیا۔

دلکش ﴿ ایک الگ چینل کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا دیگر چینلز اسلامی خدمات انجام نہیں دے رہے تھے؟

خلیل ﴿ کیوٹی وی کا الگ سے چینل پیش کرنے کا خیال بھی حاجی عبدالرؤف صاحب کا تھا کیونکہ جب ہم مل کر کام کرتے تھے تو اکثر و بیشتر آپس میں چھوٹے موٹے جھگڑے ہو جاتے تھے..... جس سے کام کا حرج ہوتا تھا اور ماحول بھی بوجھل ہو جاتا تھا لہٰذا حاجی صاحب نے کہا کہ چلو میں تمہارے لیے مذہبی چینل ہی الگ سے بنا دیتا ہوں تاکہ وہاں آپ آرام سے مذہبی پروگرام معیاری انداز میں پیش کر سکیں تو ظاہر ہے QTV کا سہرا بھی حاجی

عبدالرؤف کے سر ہی جاتا ہے جنہوں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا اور پورے ایشیا میں ایک الگ سے شناخت دی۔

دلکش ﴿ اچھا کچھ اپنے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں بتائیں؟

خلیل ﴿ لو بھلا بتاؤ جو شخص بچپن میں ہی گھر سے بھاگ کھڑا ہوا ہو اس کا پھر اپنی فیملی سے واسطہ ہی کہاں رہ جاتا ہے۔ (شرارت ان کے لہجے سے عیاں تھی)

دلکش ﴿ اوکے..... (ہم نے بات آگے بڑھائی تاکہ گفتگو کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے) اچھا تعلیم کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے کتنی اور کہاں سے.....؟

خلیل ﴿ (خلیل وارثی حسبِ مزاج بات کو کاٹتے ہوئے گویا ہوئے) تعلیم..... ہا ہا..... ماشاءاللہ بہت ہے..... اتنی کہ یاد بھی نہیں۔

دلکش ﴿ (ہم خلیل وارثی کی غیر سنجیدگی پر تھوڑا جھنجلا گئے) سر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی آپ تو انتہائی عام سے جواب دے رہے ہیں؟

خلیل ﴿ (برجستہ بولے) اس لیے کہ میں ایک عام سا ہی انسان ہوں۔ بس خرابی یہ ہے کہ سچ بولتا ہوں جو بھی ہوں، جیسا بھی ہوں بتا دیتا ہوں۔ (قہقہہ) ہاں ایک بات بتاتا چلوں کہ اتنا مزے دار انٹرویو آپ کو کسی نے اب تک نہ دیا ہوگا۔ (شاید)

دلکش ﴿ (ہم نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اور جلدی سے اگلا سوال کر ڈالا) آپ کو QTV کے حوالے سے کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا یعنی ناظرین میں اس کی الگ شناخت بنانے کے حوالے سے؟

خلیل ﴿ بات یہ ہے کہ قرآن میں وضاحت سے کہا گیا ہے کہ انسان خسارے میں ہے اور جو دین کا کام کرے گا تو ظاہر ہے وہ بھی ٹینشن میں رہے گا یعنی دنیاوی مشکلات کا شکار رہے گا لیکن مجھے اچھا لگتا ہے چاہے جتنی دشواریاں پیش آئیں میں گھبراتا نہیں ہوں اور پھر یہ مسئلہ بھی ہے کہ جب تک مجھ پر کام کرنے کا پریشر نہ پڑے یا مجھے ٹینشن نہ ملے تو مجھے کام کرنے میں مزہ بھی نہیں آتا۔ (شاید وہ یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ نیکی کے کام میں مشکلات زیادہ ہوتی ہیں)

دلکش ﴿ اچھا اتنے سارے چینلز کی موجودگی میں ایک مزید مذہبی چینل کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

خلیل ﴿ (گہرا سانس لیتے ہوئے) ہاں یہ سوال مجھے اچھا لگا بات یہ ہے کہ جب 1947 میں یہ نعرہ لگا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی ہم ایک اسلامی ملک بنائیں گے، بنا تو پھر..... مگر حکومتِ پاکستان نے خاص طور پر اس ضمن میں کوئی قدم نہیں اٹھایا..... آج جو لوگ مذہبی چینل کے لیے کام کر رہے ہیں ان کا دُور دُور بھی واسطہ نہیں تھا کہ وہ لوگ یہ کام کریں گے جو خالصتاً کاروباری لوگ تھے لیکن اللہ نے ان کو ہدایت دی تو وہ یہ نیک کام کر رہے ہیں۔ یعنی اللہ جس کو ہدایت دے دے اسی کے حصے میں یہ کام آتا ہے بہرحال یہ کام پچاس سال لیٹ ہو گیا ہے اسے تو پچاس سال پہلے ہو جانا چاہیے تھا۔

دلکش ﴿ تو ان کے جو نظریات یا مقاصد تھے کیا وہ پورے ہو رہے ہیں؟

خلیل ﴿ ہاں ہاں بالکل..... یہ تو ایک جھنڈا لے کر نکلے تھے۔ قافلہ اپنے آپ ہی بننا شروع ہو گیا۔

دلکش ﴿ اچھا یہ چینل معاشرے میں کیسی تبدیلی کا باعث بنا ہے؟

خلیل ﴿ ارے اگر آپ غور کریں تو پتا چلے گا کہ سیکڑوں لوگوں کو مسلمان کیا ہے QTV نے..... نئی نسل جو گانے بجانے میں مصروف تھی اب نعت خوانی اور مذہب کی جانب راغب ہو رہی ہے اب دیکھیے گا ڑیوں میں..... مختلف دُکانوں میں..... گھروں میں گانوں کی آواز کے بجائے نعت خوانی کی آواز آ رہی ہوتی ہے۔ مذہبی نکات سے لوگ گھر بیٹھے آگاہ ہو رہے ہیں۔ ہمارا مشن تھا کہ ہم کونے کونے میں دین کا پیغام پہنچائیں..... الحمدللہ ہم کامیاب رہے ہیں تقریباً.....

دلکش ﴿ پروگرام استخارے میں آپ ڈائریکٹ جواب دیتے ہیں یہ اسلامی نظریے کے تحت کہاں تک درست ہے؟

خلیل ﴿ ارے بھئی غلط فہمی کا شکار ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے یہ بالکل شرعی ہے..... ہم جو طریقہ اختیار کرتے ہیں وہ مذہبی لحاظ سے بالکل درست ہے۔

دلکش ﴿ مذہبی پروگرام کی بہتات سے کیا معاشرے میں انتہا پسندی کو تقویت نہیں مل رہی؟

خلیل ﴿ میرا پروگرام چلتا ہے قرآن سنیے سنائیے، ہم مسلمان ہیں۔ آپ یقین کریں کہ میں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ ہم لوگ بسم اللہ کی ادائیگی بھی ٹھیک طرح سے نہیں کرتے..... قرأت درست نہیں ہوتی..... جس سے معنی تک بدل جاتے ہیں..... اور پھر نئی نسل جو مذہب سے دور ہوتی جا رہی تھی QTV نے اسے مذہب سے قریب کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ انتہا پسندی کی بات کر رہی ہیں میرے خیال میں تو معاشرے میں توازن کے باعث بہت سی آسانیاں پیدا ہوئی ہیں۔ آپ دیکھیے گا کچھ عرصے بعد مفتی بھی بنائیں گے ہم اپنے پروگرامز کے ذریعے لوگوں کو۔

دلکش ﴿ آج کل نعت خوانی میں موسیقیت کی اتنی جھلک کیوں مل رہی ہے؟

خلیل ﴿ موسیقیت سے آپ کی کیا مراد ہے؟..... (انہوں نے الٹا ہم سے ہی سوال کر ڈالا) حضرت بلال کا واقعہ ہمارے پاس موجود ہے کہ وہ بہت سُر یلے تھے تو سُر کا ذکر تو قرآن میں بھی موجود ہے حالانکہ ان پر اعتراض ہوا کہ یہ ہکلاتے ہیں یا لکنت آتی ہے اذان کوئی اور دے گا اور جب کسی اور نے اذان دی تو اس دن سحر ہی نہیں ہوئی تو.....

حضرت بلال نے جو اذان سحر نہ دی
قدرت خدا کی دیکھیے نہ مطلق سحر ہوئی

سُر یا من تو حضرت بلال سے چلا آ رہا ہے جو کانوں کو بھلا لگتا ہے۔ علما نے کہا ہے کہ اذان بھی وہ شخص دے کہ جس کی آواز میں اتنا درد ہو کہ جب وہ اذان دے تو لوگ فوراً رجوع کریں۔ رہا سوال نعت خوانی میں موسیقیت کا تو جہاں سُر اور لے کا ساتھ ہوگا وہاں نہیں گے کہ گائیکی آ گئی۔ جب تک گائیکی نہیں آئے گی تو سُر اور لے میں تعلق قائم نہیں ہو سکتا یہ شرعاً بالکل درست ہے۔

دلکش ﴿ آپ لوگوں کو کس بنیاد پر آگے بڑھاتے ہیں ذاتی پسند یا میرٹ پر؟

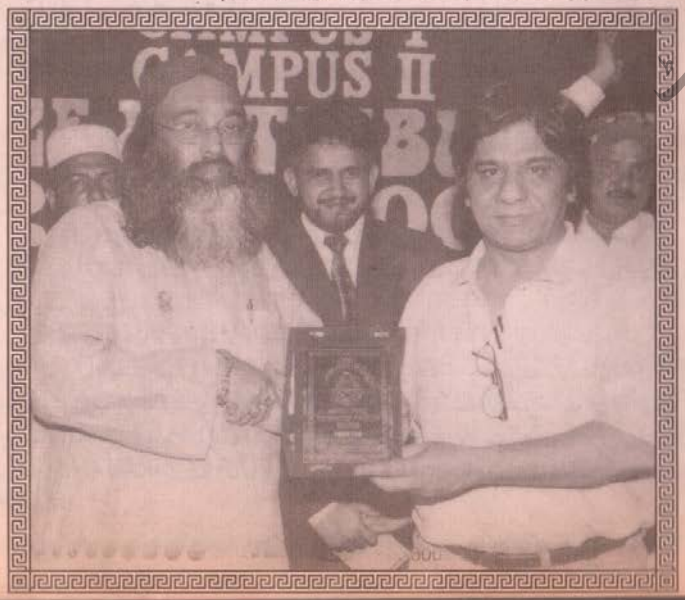

خلیل ﴾ ٹوٹل میرٹ پر کام کرتے ہیں ہم لوگ۔ ہم نے بیشتر نئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی ہے اور کُھلے دل سے انہیں آگے بڑھنے کا موقع دیا ہے...... پی ٹی وی نے پچاس سال میں پانچ نعت خواں دیے میں نے تین سال کے اندر 500 نعت خواں دیے ہیں اگر اسکرین پر کچھ چہرے بار بار نظر آتے ہیں تو ان کی ظاہر ہے ویورشپ ہے لوگ پسند کرتے ہیں فرمائش کرتے ہیں اس لیے وہ بار بار نظر آتے ہیں۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ دم میست قلندر نے ایک ریکارڈ قائم کیا تھا جس پر گوروں نے بھی ریسرچ کی مگر میں نے اپنا ہی ریکارڈ خود ہی توڑا، النبی صلو علیہ کے ذریعے۔

دلکش ﴾ آپ جس مقام پر ہیں آج...... کس حد تک مطمئن ہیں اس سے؟

خلیل ﴾ بہت مطمئن ہوں اللہ کا شکر ہے...... بہت مزہ آرہا ہے مجھے یہ کام کر کے دشواریاں بھی میرے مزے کو خراب نہیں کرتیں۔

دلکش ﴾ اسلامی چینل کمرشل نکتۂ نظر سے کن مشکلات کا شکار ہوتا ہے؟

خلیل ﴾ اللہ کے فضل سے ہمارے مالکان کے پاس اتنا ہے کہ ان کا دھیان ہی نہیں ہے کمرشل کی طرف، ویسے بھی آپ دیکھیے کہ کوئی بھی اشتہار بغیر لڑکی کے نہیں چلتا۔

دلکش ﴾ آپ جو دینی معلومات لوگوں کو دیتے ہیں تو اس کی صحت کتنی مستند ہوتی ہے؟

خلیل ﴾ ہمارے ہاں باقاعدہ ریسرچ سینٹر قائم ہے جہاں لوگ بہت انہماک سے اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان معلومات کی صحت نہ صرف مستند ہیں بلکہ سو فی صد درست ہیں۔

دلکش ﴾ پاکستان میں اتنے سارے فرقے ہیں کیا آپ ان سب کو مطمئن کرنے میں کامیاب رہے ہیں؟

خلیل ﴾ جی بالکل...... سارے فرقے ہمارے اپنے ہیں۔ ہمارے پاس ہر اعتراض کا مدلل جواب ہوتا ہے۔

دلکش ﴾ چینل کا کام کُل وقتی ہے اس سے آپ کی پرسنل لائف تو ڈسٹرب ہوتی ہوگی؟

خلیل ﴾ جب آدمی دین کے لیے نکلتا ہے تو بیوی بچوں کو گھر کو سب کو بھولنا پڑتا ہے ناں...

دلکش ﴾ آپ کے کتنے بچے ہیں؟

خلیل ﴾ میرے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے اور ماشا اللہ میں نانا بن چکا ہوں۔

دلکش ﴾ اچھا تو بچوں میں کسی کا رجحان اس فیلڈ کی جانب؟

خلیل ﴾ ہاں دو بیٹے میرے ہیں اس فیلڈ میں مگر وہ ٹیکنیکل سائڈ پر ہیں۔

دلکش ﴾ بعض اوقات آپ کے تمام پروگرامز یکسانیت کا شکار ہوتے محسوس ہوتے ہیں، کیوں؟

خلیل ﴾ چونکہ کام مذہب کے حوالے سے ہوتا ہے لہٰذا ممکن ہے کہ ایسا لگتا ہو مگر ہم لوگ تبدیلیاں لاتے رہتے ہیں۔

دلکش ﴾ ایشیا میں QTV نے اپنی کیا شناخت بنائی ہے؟

خلیل ﴾ QTV اس وقت پوری دنیا میں مقبول ہو چکا ہے۔ اس کے پروگرامز لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

دلکش ﴾ زندگی کا کوئی خوشگوار یا ناخوشگوار واقعہ شیئر کرنا چاہیں گے؟

خلیل ﴾ (یاد کرتے ہوئے) بھلا ہماری زندگی کا خوشگوار واقعہ کیا ہوگا...... بات یہ ہے کہ غربت کی زندگی گزری ہے جس سے طبیعت میں بغاوت پیدا ہوئی اور گھر بار چھوڑ چھاڑ کر باہر نکل آئے اس کے بعد اب جو پوزیشن ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ مجھے زندگی میں دوست بہت اچھے ملے جنہوں نے میری حوصلہ افزائی کی جس آدمی کو زندگی میں دو چیزیں اچھی مل جائیں اسے زندگی میں کوئی مسئلہ شاید نہیں ہوتا ایک اس کے دوست اور گھر میں بیوی۔

دلکش ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی شریکِ حیات آپ کے لیے معاون رہی ہیں؟

خلیل ﴾ ہاں ہاں...... جب ہی تو یہاں تک آ پہنچے ہیں۔

دلکش ﴾ آپ سے اگر آپ کے ایک دن کی مصروفیات پوچھی جائیں تو؟

خلیل ﴾ ہاہا...... ہاہا...... ایک دن کی مصروفیت...... شام چار بجے چینل پر آتا ہوں اور اگلے دن دو بجے جاتا ہوں...... بس یہی زندگی ہے۔

دلکش ﴾ (بڑے ہی عجیب مزاج کے مالک لگے تھے خلیل وارثی اپنی باتوں سے) نئے آنے والوں سے کچھ کہنا چاہیں گے کوئی نصیحت کوئی مشورہ؟

خلیل ﴾ آج کل سنتا ہی کون ہے کسی کی نصیحت کو...... بہرحال بس یہی کہوں گا کہ ایک دوسرے کا راستہ کاٹنے کے بجائے ایک دوسرے کو فالو کریں۔ عزت کریں اور اپنی صلاحیتوں پر بھروسا کریں انشا اللہ راستہ بنا دے گا۔ وہ کہتے ہیں نا۔ باادب بانصیب، بےادب بدنصیب یا بےنصیب......

دلکش ﴾ نوجوانوں میں احساسِ ذمے داری یا دین کا شعور اجاگر کرنے میں آپ کا چینل کیا کردار ادا کر رہا ہے......؟

خلیل ﴾ آپ دیکھیے آج نعت خوانی کا اجتماع ہو تو لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے...... جہاں کئی دینی مسئلے مسائل ڈسکس کیے جاتے ہیں۔ آج دین کے مسائل کا پوچھنا مشکل نہیں رہا...... کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ فلاں پروگرام میں کیا پیش کیا جاتا ہے کن مسائل پر بات کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ خوابوں کی تعبیر اسلام کے نقطۂ نظر سے معلوم کرنا بھی کتنا آسان بنا دیا ہے ہمارے چینل نے۔

دلکش ﴾ آپ کی اپنی زندگی کتنے فیصد مذہب سے قریب ہے؟

خلیل ﴾ جب تک مجھے کچھ معلوم نہیں ہوگا تو میں لوگوں کو کس طرح کوئی معلومات پہنچا سکتا ہوں......؟ (وارثی صاحب نے معصومیت سے سوال کرتے ہوئے کہا) بہرحال بحیثیت انسان کے غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ دینی احکامات پر کوشش کرتا ہوں کہ مکمل طور پر عمل کروں اب کہاں تک کامیاب ہوں یہ تو لوگ میرے اردگرد کے بہتر طور پر جانتے ہیں۔ کوئی بھی کام کرنے کے لیے جذبہ ہونا ضروری ہے میں اپنے کام کو اپنے وظائف اور عبادت سمجھ کر کرتا ہوں۔

دلکش ﴾ اپنے ناظرین اور ہمارے قارئین کے لیے کوئی خاص پیغام دینا چاہیں گے؟

خلیل ﴾ آپ نے ناظرین اور قارئین کی بھی خوب کہی...... (قہقہہ) بس پیغام یہی ہے کہ بڑوں کا ادب کریں مذہب سے قریب رہیں، نماز کی پابندی کریں۔ یہیں سے بخشش ہوگی اور کہیں سے نہیں ہوگی۔

دلکش ﴾ ہمارے دلکش کے لیے کیا کہنا چاہیں گے؟

خلیل ﴾ آپ اور آپ کے ادارے کے لیے ڈھیر ساری دعائیں...... اللہ آپ لوگوں کو کامیابیاں، کامرانیاں عطا کرے...... (آمین)

عزیز قارئین! یہ انٹرویو اپنی نوعیت کا منفرد انٹرویو اس لحاظ سے تھا کہ ہم نے جس شخصیت سے بات کرنے سے پہلے کئی بار سوچا...... مگر اس سے بات کر کے اندازہ ہوا کہ انسان بڑا نہیں ہوتا بلکہ اس کا کام اور اخلاق اسے منفرد اور نمایاں مقام عطا کرتا ہے۔ اتنی بڑی شخصیت کا اتنا سادہ سا اندازِ گفتگو...... آپ بھی یقیناً خلیل وارثی کی باتوں سے لطف اندوز ہوئے ہوں گے۔ اپنی رائے کا اظہار کرنا مت بھولیے گا اگلے ماہ پھر کسی کامیاب شخصیت کے ساتھ حاضر ہوں گے...... اللہ حافظ!

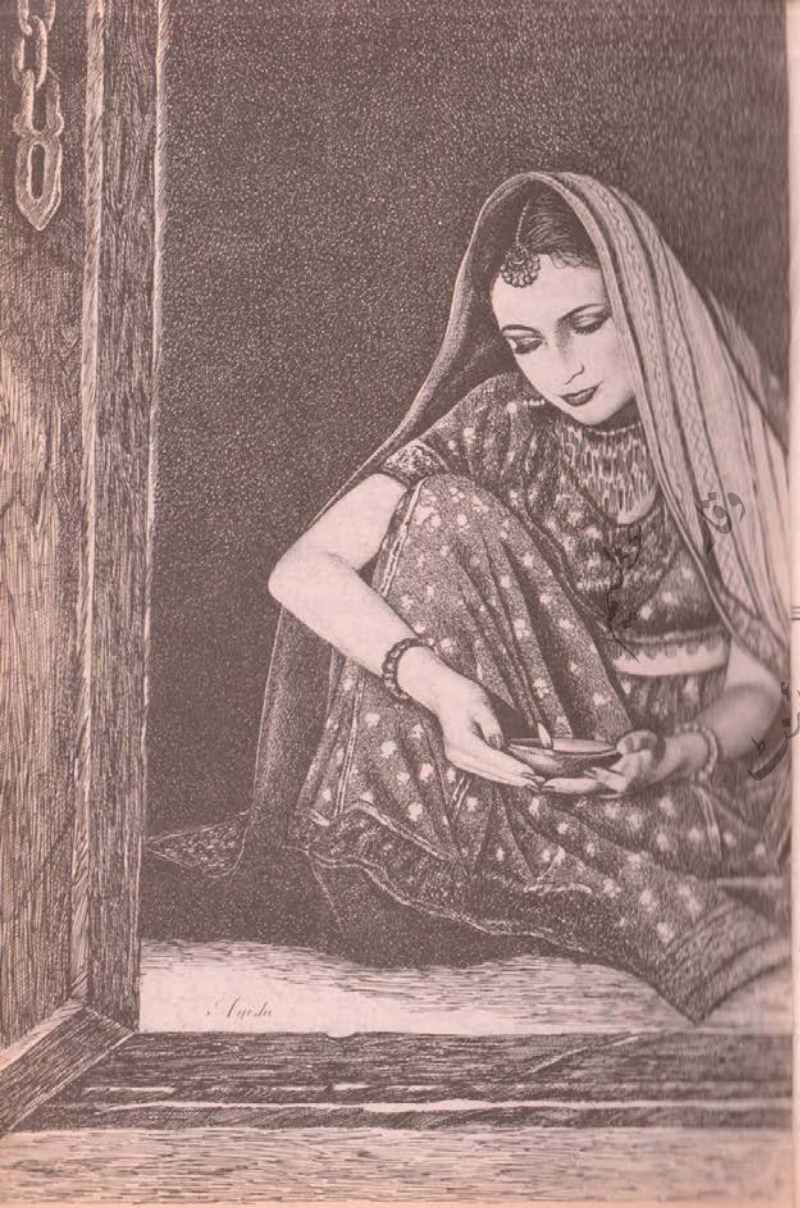

جو ہم پہ گزری.....!

زندگی ایک سفر مسلسل ہے۔ ایسا سفر جس میں نہ صرف ان گنت دکھ سے بھری پُر پیچ گھاٹیاں، غموں سے معمور لق و دق صحرا، پُراذیت خارزار راہیں اور ایذا و آزار دیتے تاریک جنگلات ہیں بلکہ اسی زندگی میں پُرکیف و فرحت آگیں گل رنگ وادیاں، سرور بے کراں سے دوچار کرتے گنگناتے جھرنے، اپنی سرسبزی و شادابی سے روح تک کو سرشار کرتے نشیب و فراز اور راحت کا سامان فراہم کرتے رم جھم پھوارسے ایام بھی ہیں جن میں ہر ایک کا رنگ لطف اور مزہ جدا جدا ہے۔

انہی متضاد و مخالف کیفیات و حالات سے ہر شخص دوچار رہتا ہے۔ وہ حالات اور وہ کیفیات جن کے بطن سے سچی کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ آپ کا شمار بھی یقیناً ان میں ہوتا ہے جنھوں نے زندگی کے یہ رنگ دیکھے اور محسوس کیے ہیں تو اپنی زندگی کا کوئی بھی ایسا رنگ جس کی سچائی کے گواہ آپ خود ہوں ان صفحات کی زینت بن سکتا ہے۔

دیکھیے اور سوچیے کہ جو آپ پر گزری ہے کیا وہ کسی کے لیے سبق، عبرت یا اصلاح کا باعث بن سکتی ہے اگر ایسا ہے تو پھر آپ چاہے خاتون ہوں یا حضرت قلم اٹھائیے اور لکھ ڈالیے وہ سچ، وہ اعتراف یا وہ احساسات جن میں آپ دوسروں کو شریک کرنا چاہیں۔

پہلی آپ بیتی

زندانِ دوستی

صائمہ قیصر

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

میری خوش اخلاقی عروج پر ہوتی جب ٹرن ٹرن..... کی صدا پر میں ہیلو کہتی اور دوسری جانب سے میری کوئی نہ کوئی جانِ عزیز سہیلی کسی ہیوی بائیک کی سی اسپیڈ سے میرے حال احوال سے لے کر گھر کے چند پرندتک کی ''آج کی سرگرمیاں'' گزرے کل کی خوشیاں یا ملنے والی پریشانیاں سب پر بھرپور تبادلۂ خیال کرنے لگتی اور میں..... اپنی سہیلیوں کی خود پہ جان نثاری اور ان کی اپنے متعلق محبت میں ڈوبی تشویش پر صدقے واری ہو ہو جایا کرتی تھی۔

''کیا ہو رہا تھا؟'' پہلا فقرہ بڑے ٹھنڈے انداز میں پوچھا جاتا کہ جیسے کرنے کو کوئی بات ہی نہ ہو۔ حالانکہ مجھے علم ہوتا کہ اصلی نان اسٹاپ ایکسپریس تو اس کے بعد چلنے والی ہے۔

''بس بچوں کی اسکول واپسی سے پہلے ڈھیروں کام نمٹانے ہیں سو انہی چکروں میں پڑی ہوں۔'' میری پہلی گرہ کھلتی۔

''کام والی نہیں آئی کیا؟'' بڑے ہی ہمدردانہ

لہجے میں پوچھا جاتا۔
"آتی تو ہے۔ پر تمہیں تو پتا ہی ہے کہ ساتھ ساتھ پھر کے کام نہ کرواؤ تو...... آدھا کام بعد میں خود ہی کرنا پڑتا ہے...... ہے ناں" میری اکثر فرینڈز ہمیشہ قہقہہ لگا کر جملہ پورا کرتیں۔

"کھانا تیار کرلیا کیا؟" گاڑی آگے بڑھتی۔
"نن...... نہیں تو، قسم سے یہ روز روز کیا پکایا جائے کی سمجھ نہیں آتی۔ ان کے پاپا سبزیوں سے یوں بھاگا کرتے ہیں جیسے نامعلوم کیا کھلا رہی ہوں۔ بچوں کا پوچھو ہی مت فاسٹ فوڈ ہی سے دل نہیں بھرتا"

"شکر ہے یار نائلہ! میرے بچے اور ان کے پاپا...... ہم سب ہی تقریباً سارا کچھ کھا لیتے ہیں بلکہ ہم تو گھر میں اصول پسندی کے قائل ہیں ایک دن سبزی، دوسرے روز دال تو تیسرے دن گوشت سے بنی کوئی ڈش......" میری سہیلی مجھے اپنے گھر کے شاندار قرینے سے آگاہ کرتی اور میں اپنا دل مسوس کر رہ جاتی۔ "کاش گھر کا کوئی فرد ہی میرے کہنے میں ہوتا۔" میں نے سوچا۔

"اچھا خیر چھوڑو...... تم بھی کوئی کم محنت تو نہیں کرتیں کھانا بنانے میں کئی بار تمہارے گھر آئے تو تمہاری ہنرمندی و سلیقہ شعاری کونے کونے سے جھلکتی دکھائی دی...... بس قدر کرنے کی بات ہوتی ہے۔ اگلا قدر کرے تو محنت خود ہی داد وصول کرلیتی ہے۔" میری طویل خاموشی کے جواب میں دوسری جانب سے بھرپور دلاسا دیا جاتا تو میں پھر سے تروتازہ ہو اٹھتی۔

"قدر کی تم بات نہ کرو۔ قدر تو قسمت والوں کی ہوا کرتی ہے۔ مجھے دیکھو اچھے بھلے گھر سے آئی۔ آئینہ دیکھوں تو خود سے شرما جاتی ہوں اللہ نے بیٹے سے بھی نوازا اور بیٹی بھی عطا کی۔ میرے آنے سے یقین مانو نبیل کی کھٹارا سی گاڑی ایک نئی کار میں تبدیل ہوگئی میں خوش فہمیوں سے بھرے لہجے میں اپنے تئیں سناتی چلی جاتی اور پھر خوب مطمئن ہو جاتی۔ دوسری طرف کے اس جواب پر کہ "نکال کرواپنے دل کی بھڑاس نائلہ! اگر تم یہ سب اتنا نازک سے من میں رکھے رہو تو خدانخواستہ کن کن بیماریوں میں مبتلا ہو جاؤ۔"

"ہائے اللہ...... خدا تمہیں خوش رکھے۔ کتنا خیال ہے تمہیں میرا" میں چہکتی۔
"کیوں نہ ہو یار آخر کو ہم بہترین دوست ہیں" انتہائی حلیم لہجے میں مجھے وفا کا یقین دلایا جاتا جو سارا دن میں ہوتی اور سہیلیوں کے دلاسے جو معمول سے کام پہ ہونے والی عام سی تھکن پر بھی مجھے سنبھالے رکھتے۔" میں مسز نائلہ نبیل کی حیثیت سے ایک خاتونِ خانہ ہوں جب کہ نبیل ایک کامیاب بزنس مین ہیں۔ اب اچھے بزنس مین کو صرف ایک امیر آدمی کے معنوں میں ہی لیا جائے تو یہ بھی درست نہیں۔ ہاں بس وہ ایک اچھے بزنس مین ہیں۔ اپنے کام اور مقام سے بخوبی واقف، اسی طرح جیسے کہ ایک اچھی خاتونِ خانہ کو کوئی معرکۃ الآرا قسم کے گھریلو کام کرنے والی کوئی ہستی تو گردانا نہیں جا سکتا۔ ہاں بس وہ ایک اچھی خاتونِ خانہ ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں شروع سے ہی انسان میں خوش اخلاقی کے عنصر کو سب سے پہلے کھوجتی ہوں...... اگر مخالف صرف خوش اخلاق ہی نہیں ہنس مکھ بھی نکل آئے تو بے شک میری دوستی کی خصوصاً اگر وہ کوئی خاتون ہو تو میری نوازشوں کے پنچھی اگلے کے سر پر محبت بھری برسات کا اعلان لیے منڈلانے لگتے ہیں۔ مجھے اپنی سہیلیوں کے "جم غفیر" پر بھی ہمیشہ ناز رہا کرتا ہے اور پھر ایک ایسا خوش قسمت انسان جس کے اردگرد خوش طبع و جانثار دوستوں کا ہجوم ہو وہ اپنی زندگی اور اپنی بہترین قسمت پر جتنا بھی رشک کرے کم ہے۔ نبیل بالکل بھی...... اس حق میں نہیں رہے کہ "لاتعداد لوگوں" کو اپنا دوست مان لیا جائے۔ وہ تو ایک دوست بنانے سے پہلے اس کی عادات و اطوار، اخلاق و رہن سہن، چال چلن اور اسی طرح کی دوسری "چیزوں" کی بھی شاید اسکینگ کرواتے ہوں گے......
مجھے حقیقت میں ایک ایسی ہستی کا اس خوبصورت عادت (دوست بنانا) سے اختلاف بے پناہ کھلتا کہ جو ہر لمحہ کی نگران اور جیون ساتھی ہے۔ میں چاہتی بھی ہمیشہ ہی سے کہ وہ اپنی یہ "بے رونق" سی عادت جلد نہ سہی مگر آہستہ آہستہ ترک کر دیں کیونکہ میرے اپنے خیال میں ایسا کرنے والے لوگ جانے کن کن احساسِ کمتریوں کے مارے ہوا کرتے ہیں۔ نہ کسی سے گھنٹوں گپیں لگانا، نہ کسی کے کارڈز اور تحفے کا انتظار کرنا، نہ ہی دوست کی یاد میں آہیں بھرنا، نہ کوکنگ یا بزنس پہ گھنٹوں لمبی ٹیلی فونک گفتگو کرنا اور نہ ہی آپس میں مہکی مہکی سی "چغلیاں" کھانا "اف کتنے بور شخص ہیں" میں ان پہ نظر ڈال کر من ہی من میں تڑپتی رہتی۔
حمنہ نہ صرف میری پھوپی زاد بہن تھی بلکہ وہ میری بہترین دوست کے عہدے پر بھی فائز تھی۔ ہم بیاہ کے ایک ہی شہر آئیں تو باتوں کی خیالی محفل میں ہی نہیں حقیقت میں بھی ہم نے اسی خوشی میں ایک دوسرے کی دعوت کر ڈالی۔ یہ الگ بات تھی کہ دعوت کا اصل مقصد ہم دونوں کے علاوہ آج تک اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا حتیٰ کہ ہمارے پیارے خاوندوں کو بھی نہیں۔ ہاں البتہ وہ دونوں جانے کیسی خوردبینی نگاہیں رکھتے تھے کہ ہماری دیدہ اور نادیدہ خوشی کو بھانپ ضرور گئے۔ (شاید سارے شوہر ہی ایسے ہوتے ہوں گے) اور لازماً مرد کے ازلی خار نے ایک الارم ہی نہیں کوئی بھونپو ان کے ذہنوں میں بجا ڈالا ہوگا کہ جس کے بعد ہم دونوں آج تک ایسی ہی لاجواب دعوت اور ملن کو ترستی رہیں۔
خاوند کے عہدوں پہ بحث اسی دعوت میں چھڑ گئی تھی۔ وہ مجھے "اپنے والے" کے گریڈ بتاتی بلکہ سناتی رہی اور میں اسے نبیل کے اچھا بزنس مین ہونے کے دعوے پر مثالیں دیتی رہی۔ دائیں صوفے پر اس کے میاں احمر اور بائیں پر میرے

ہر لمحہ شوخیاں، ہر سطر شرارتیں اور بے شمار ہنگاموں پر مبنی معرکۃ الآرا سلسلہ
اناڑی
شکاری اور مداری جیسے ناقابلِ فراموش سلسلوں کے خالق
احمد اقبال
کے شرر بار اور شعلہ فشاں قلم کی نئی جادوگری
محمد رفیق عرف فیکے کی رنگینی و سنگینی اور ایڈونچر و سسپنس سے بھرپور دلچسپ افسانہ
ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ
کے تازہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

نبیل صاحب بڑی بے چینی سے پہلو بدل بدل کر ہمیں سنتے رہے۔

☆☆☆

کھانے کی میز کو میں نے بڑے شوق اور قرینے سے سجایا۔ بچے اور اردگرد بیٹھے نہ صرف ''چیچ میوزک'' بجا رہے تھے بلکہ اسکول کی سرگرمیوں پر تبصرے بھی جاری تھے۔ گرما گرم پلاؤ کباب کی ڈش لاتے ہوئے میں نے نبیل کو گیلے بالوں پر تولیا رگڑتے آتے دیکھا۔ ان کے چہرے پر اپنے پُر سکون خاندان اور خوشگوار ماحول کے باعث ایک گونا گوں اطمینان ثبت تھا۔ آج ہفتہ وار تعطیل تھی مگر میں اچھی طرح واقف تھی کہ ان لوگوں کی تعطیل میری بھرپور ڈیوٹی کا دن ہوا کرتا ہے سو... حتی المقدور ادا کر رہی تھی۔

کھانا شروع ہوا میں نے بچوں کی پلیٹوں کو ان کی مرغوب غذا یعنی چاولوں سے بھرا۔ نبیل سب سے پہلے کھانے کی شروعات کر چکے تھے مگر میں نے جونہی بسم اللہ کی...... میرا سیل فون گنگنا اٹھا۔ نبیل نے مجھے ایک بے زاری نظر سے دیکھا اور میں من ہی من میں شرمندہ ہوئی...... مگر اوپر سے مسکراتے ہوئے اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔

''ہاں حمنہ کہو کیسے یاد کیا مجھے......؟'' سیل فون کی اسکرین پر اس کا نام جگمگایا تھا اور مجھے اس کا فون آنا بے حد اچھا لگا۔ بہت سے دن گپیں ہانکے بغیر جو گزرے تھے۔

''بریکنگ نیوز سنانے کی لیے مائی ڈیئر نائلہ۔'' وہ بھی چہکی۔

''جلدی کرو میرے کان ترس رہے ہیں کسی اچھی سی خبر، خوبصورت سی بات اور شرارتی سی گفتگو کو۔''

''کیا نبیل شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں؟'' اس نے ہنس کر پوچھا۔

''جی نہیں! وہ شہر سے باہر ہوں یا اندر...... سدا ایک سا ہی موڈ رہتا ہے۔ کسی گورنمنٹ اسکول کے ہیڈ ماسٹر کا سا...... !!'' میں نے بات کر کے ایک ہوٹر نما قہقہہ چھوڑا۔ ''خیر نیوز کیا ہے جلدی بتاؤ۔''

''میں آ رہی ہوں......''

ایک خاموشی چھائی جیسے وہ میرے ردِ عمل کا انتظار کر رہی ہو اور میں جو معمولات کے تواتر سے جلد ہی اوب جانے والی بندی...... بے پناہ خوش ہو گئی تھی۔ ''زہے نصیب! وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے......'' میں نے خندہ پیشانی اور حسنِ سلوک کا بھرا برتن جیسے اس کی نذر کر دیا۔

اِدھر نبیل اور بچے میرے بنا دستر خوان کے ادھورے پن کا شکار ہو رہے تھے۔ انہیں گرما گرم پھلکا چاہیے تھا اور بچوں کو مزید چاول۔

''کہاں چلی گئی تھیں تم یار، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ چھٹی والے دن بھی تمہاری سہیلیاں جان نہیں چھوڑتیں۔ یہ بھی کوئی اخلاقیات ہیں بھلا ان لوگوں کی کہ شاید ہی کوئی خبر چھوڑتی ہوں تمہیں دیے بنا۔'' نبیل ہمیشہ کی طرح گرم ہو رہے تھے۔

''ماما۔ پلیز یہ مومو کو سنبھالیں۔ نہ خود کھا رہی ہے اور نہ ہمیں ہی کھانے دے رہی ہے۔'' بچوں کی التجا سنائی دی۔ میرا دل تنگ آنے لگا۔ ''دو لمحے کی بات حمنہ سے کیا کر لی۔ سب میرے پیچھے ہی پڑ گئے۔'' میں منہ بسور کر کہنے لگی۔

''اچھا تو میں چلا۔'' اتنا کہہ کر نبیل کھانا ادھورا چھوڑ کر اٹھ گئے۔ میں نے جیسے تیسے کر کے بچوں کو باقی کھانا کھلایا تھا کیونکہ وہ بھی تسلسل ٹوٹنے سے کنٹرول سے باہر ہو گئے تھے۔

پھر میں نے پورے ایک گھنٹے کی مشقت سے بچوں کو سلایا اور نبیل کے قریب آ بیٹھی۔ انہوں نے دھیرے سے کروٹ بدلی تو مجھے احساس ہوا کہ وہ خفا ہیں۔

''روٹھے ہو تم...... تم کو کیسے مناؤں پیا......''

گریٹ نیرّہ نور کا گایا ہوا گانا اس لمحے مجھے یاد آ گیا بلکہ غنیمت لگا تو میں ان کے کان کے قریب جا کر گنگنائی کیا منمنائی۔ نبیل بے حس پڑے رہے تو مجھے

ابھی یاد سا آ گیا۔ ''کیا ہے نبیل آپ کو...... ایسے تو دیکھ رہے ہیں۔ میں نے کوئی حمنہ سے خود تو نہیں کہا تھا ناں کہ وہ آ جائے۔''

''بلکہ تم یہ تو کہہ سکتی تھیں کہ ہم سب مل کر کھانا کھا رہے ہیں یا تم مصروف ہو۔''

''نبیل آپ اتنی سی بات پر کتنی دیر خفا رہتے ہیں۔'' مجھے کچھ نہ سوجھا۔

''بات یہ نہیں۔ تم خود بتاؤ، پورا ہفتہ ہم یعنی میں اور بچے تمہیں اپنے ساتھ باندھتے ہیں......؟ نہیں ناں تو پھر ایک دن پورے کا پورا ہمیں دو نا......'' وہ پھر سمجھانے لگے مگر مجھے ان کی باتیں خود ''ہٹلر گروپ کا قبضہ'' کے علاوہ اور کچھ نہیں لگیں تو میں رونے لگی۔

''اوہ...... اچھا یار سوری!'' انہوں نے بڑے پیار سے مجھے تھام لیا۔ میرے آنسو پونچھے ساتھ کہا۔ ''بس اب یہ کھانا چھوڑیے۔ ایک کپ گرما گرم چائے لائیے اور پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد بچوں کو فن لینڈ لے کر چلیں گے...... بولو اب راضی؟'' وہ مجھے اس قدر چاؤ سے منانے لگے تھے مگر کوئی اور موقع ہوتا تو خوشی ہوتی ناں۔ مجھے ان کی یہ بات بھی محض یکطرفہ سی لگی۔ میری مصروفیت تو ظاہر ہے حمنہ آ رہی تھی اور مجھے اس کے اور اس کی فیملی کے لیے بہت کچھ کرنا تھا تاکہ اس کے میاں کے آگے اس کی عزت اور مان بڑھتا کہ کس بہترین فیملی کے ہاں لے کر گئی پھر رشتے داری کا پاس بھی تو تھا۔

''وہ...... وہ نبیل!'' میں پھر منمنائی کیونکہ نبیل کی طبیعت سے واقف تھی۔

''کہو جانِ نبیل۔'' وہ تو اب ''فل موڈ'' میں آ رہے تھے۔

''پلیز آپ برا تو نہیں منائیں گے ناں۔''

''اب کہہ بھی چکو کیا فن لینڈ کے علاوہ کہیں اور جانے کا پروگرام ہے؟''

''نہیں...... نہیں تو، ہم کسی اور دن سیر کے لیے جائیں گے۔ حمنہ آ رہی ہے ناں۔'' میں نے جی کڑا کر کے ذرا مضبوط سے لہجے میں گویا بم پھاڑ دیا تھا۔

''اوہ نو یار...... حمنہ again'' وہ تڑپ کر رہ گئے تھے یہ میں نے محسوس کیا مگر مجھے ان کا یہ انداز بالکل اچھا نہیں لگا۔

وہ رات آٹھ بجے آ رہی تھی مع اپنی فیملی کے۔ یہ مجھے اس کے دوسرے طویل ترین فون سے پتا چلا۔ شام بھی قریب ہی تھی۔ مجھے ہی سب کچھ کرنا تھا سو میں تو دعائیں کر کے اس کے ٹیلی فون کے اختتام کا سوچنے لگی گھر پر اک طائرانہ نگاہ ڈالی تو بہت کچھ عام سے انداز میں بکھرا پایا۔ سو اپنے لیے ترستے میاں کو آخر کار سوتا چھوڑ کر سمیٹا سمیٹی میں لگ گئی۔ بکھرے گھر کو سمیٹتے سجاتے ہوئے میں نے کئی بار حیرت سے یہ سوچا کہ واقعی حمنہ کو اتنی لمبی چوڑی ٹیلی فونک گفتگو سمیت گھر کے دوسرے ڈھیر سارے کاموں کا وقت کیسے مل پاتا ہے پھر اک نقطے کو میں نے اہم سمجھ کر سر جھٹک دیا کہ لازماً ایک قدر شناس خاوند کی بیوی اپنی لاڈلی بیگم کو خوش رکھنے کے لیے ''ایک میں ہوں'' میں نے یکدم ہی خیال کے گھوڑے کی باگ اپنی بدنصیبی کی جانب موڑ لی۔ ''اچھے خاصے کاروباری بندے کی بیوی ہونے کے باوجود میرا کوئی مقام یا اہمیت ہے ہی نہیں۔''

آٹھ بھی کے بج چکے...... نبیل اور بچوں سمیت رات دس بجے تک میں بھی پیٹ میں کسی ہاتھی کی طرح اُدھم مچاتی بھوک پر قابو پانے کی آخری کوششوں میں مصروف تھی۔ اس کا آخری فون پندرہ منٹ پہلے آیا کہ ''ہم تمہارے گھر کی قریبی مارکیٹ میں بچوں کو آئس کریم کھلانے کے بعد نکلنے ہی والے ہیں۔''

نبیل نے انتہائی خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھورا اور پھر ایک نگاہ ہم دونوں کی بچوں کی جانب اٹھ گئی۔ وہ میرے ہی کہنے پر انتہائی ''شریف'' بنے ایک لائن میں صوفے پر خاموش بیٹھے تھے۔ آئسکریم والی بات ان تک بھی پہنچ چکی تھی اور اب

وہ عجیب سے انداز میں آنکھیں مٹکا مٹکا کر مجھے کچھ پیغام دے رہے تھے۔ مجھے عجیب سی وحشت ہوئی مگر حمنہ کو برا بھلا کہہ کر میں شاید...... اپنے شوہر کی نظر میں اسے چھوٹا ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

صبح اس کے آنے کی خبر پر میں نے اپنے شوہر اور بچوں کے سارے پروگرام ملتوی کرنے کے بعد گھر کو اک نئی طرز پر سجایا پھر بعد میں باورچی خانے کو بھاگی۔ اس کے میاں ساتھ آ رہے تھے اور ساتھ میں اس کی ایک عدد بھاوج بھی۔ میں ان لوگوں کے سامنے اپنی سہیلی کا سر فخر سے بلند دیکھنے کی خواہش مند ہو رہی تھی۔ سو تین چار کے بجائے میں نے کئی ڈشز بنا کر ہی دم لیا اور یہ بھی حقیقت تھی کہ ناراضی کے باوجود نبیل نے پچاس فی صد میری مدد کرا ہی دی جو سودا سلف کم پڑ رہا تھا انہی سے منگوایا۔ ساتھ میں چائے کے لوازمات...... ٹھنڈی کھیر اور پھل وہ خود ہی لیتے آئے بعد میں بچوں کی تیاری میں بھی خفا سا انداز لیے پیش پیش رہے اور پھر آخر کار وہ آ ہی گئی۔ بڑی تر و تازہ لگ رہی تھی وہ بریزے کا خوبصورت اور ظاہر ہے مہنگا سا انگوری سوٹ پہنے ساتھ میچنگ جیولری اور پنک میک اپ میں اس کا سانولا سا رنگ خوب دمک رہا تھا۔ حقیقتاً تبھی مجھے احساس ہوا کہ اس کی آمد کی خوشی اور تیاری کی مصروفیت کے باعث مجھے اپنا کوئی ہوش ہی نہ رہا تھا۔ بوتیک کا خوبصورت جوڑا بھی میلا ہو رہا تھا اور چہرے کو کیا سجاتی کہ آئینے کی جانب جانے کو ایک پل بھی نہ ملا تھا اس سے ملتے لمحے مجھے عجیب سا ایک احساس ہوا کہ وہ میری کھلتی ہوئی مگر میلی گلابی رنگت اور لباس کے میلے کچیلے پن سے نہ صرف پُر اعتماد سی ہو گئی تھی بلکہ ایک نادیدہ سی مسکراہٹ اس کی آنکھوں سے عیاں ہو رہی تھی۔

"چھوڑو جی اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے خود کو سمجھا ڈالا۔

"ہاں تو کہو دیر لگا کے کیوں آئیں؟" دعا سلام کے بعد انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور پھر چھوٹتے ہی گلہ کر ڈالا۔

"ارے ارے بیٹھنے تو دو پھر بتا دوں گی سب۔" وہ اپنی جگہ مطمئن سی تھی۔ سو اور بھی دھرنا مار کے بیٹھ گئی۔

"دوپہر سے ہم آپ لوگوں کے ساتھ انگیجڈ ہیں اور پھر نائلہ تو آٹھ بجے سے آپ کا انتظار کرنے لگی تھی۔" نبیل کہاں پیچھے رہنے والے تھے۔

"بس بھائی صاحب کیا بتاؤں۔ چھٹی کا دن اوپر سے یہ ہمارے بھائی بھاوج بھی خیر سے صبح گیارہ بجے کی فلائٹ سے پہنچ گئے...... بیچ میں مصروفیت بے پناہ بڑھ گئی مگر یہ بھی سچ کہوں گی کہ چھٹی کا دن تو میں ہمیشہ اپنے بچوں اور احمر کے نام کرتی ہوں۔ لاکھ مصروفیت ہو مگر ان کی اہمیت اپنی جگہ......" وہ بولتی اور بولتی...... ہی چلی جا رہی تھی اور میں کبھی پلکیں جھپکاتے اور کبھی آنکھیں گھماتے ہوئے اور "مسکراتے ہوئے" اس کی چھٹی کے دن کی تفصیل سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اب یہ بات تو سیانوں نے ہی کہی ہے کہ اول خویش بعد درویش ہر عقل مند عورت ظاہر ہے کہ پہلی اہمیت تو اپنے گھر ہی کو دے گی۔"

"بالکل بالکل۔" سامنے بیٹھے احمر صاحب نے اپنی سمجھدار بیگم کی اصلاحی تقریر پر داد دیتے ہوئے کہا۔ میری بہترین سہیلی نے اپنے اور میرے دونوں شوہروں کے سامنے سرخرو ہونے کی خاطر اور بھی بہت کچھ کہا جیسے کہ "دیکھ لیں ہمیں ادھر آنے کی جلدی تھی مگر بچوں کی ضد اور ان کے پاپا کی خواہش پر ہم لوگ پہلے فن لینڈ سے ہو کر اور آپ کی قریبی مارکیٹ سے آئس کریم کھا کر ہی آئے ہیں" مگر اچانک ہی مجھ پر گھڑوں پانی گرتے دیکھ کر فوراً تعریف کا نقلی وائپر لیے میری جانب مڑی۔

"ہائے اللہ بھائی جان! ایک یہ میری سہیلی ہے۔ اللہ میاں کی گائے...... بہت محبت کرنے والی، ہر لمحہ میرے کام آنے والی۔ گھر کا یہ بھی خوب خیال رکھتی ہے بلکہ میں تو کہوں گی کہ یہ نائلہ تو

عورت کی قربانی کی اک لازوال مثال ہے۔ آپ یقین کریں بنا نوکرانی کے گزارہ کر رہی ہے...... بڑی باہمت ہے میری دوست۔" اس کی آنکھوں نے حیرت انگیز طور پر اس کی فر فر چلتی زبان کا مسلسل ساتھ دیا۔

کھانے کا دور چلا تو اپنے بچوں کو میں نے سب سے پہلے کچن میں گھس کر نصیحتیں داغیں۔ "دیکھو ہر بانی چٹ نہیں ہونی چاہیے...... اور پیپسی کی طرف تو کسی نے دیکھا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

کھانے کے دوران حسب عادت پلیٹ میز سے نیچے تشریف نہ ہی لائے تو بہتر ہے...... سمجھ گئے کہ نہیں۔" وغیرہ وغیرہ۔ "پہلے حمنہ خالہ اور دوسرے مہمان کھانا لے لیں تب اپنی پلیٹ میں نکالنا۔" یہ جملہ بچوں کو بگڑنے کے موڈ میں دیکھ کر میں نے آخری پکار کے طور پر کہہ ڈالا۔ وہ شرافت کے پہلے اور آخری علمبردار بنے بیٹھے رہے اور...... اور پھر میرے دل سے شدت سے آہ نکلی۔ میری پیاری دوست اپنے بچوں کی پلیٹوں کو چھت سے دو انچ نیچے تک بھر چکی تھی۔ خود وہ آہ...... اُف کرنے لگی۔

"یار میرا آدھا کھانا تو سائڈ پر رکھ لو۔ ایک تو ہم مجھ سے اتنا کھایا نہیں جاتا اور دوسرے مائیکرو ویو میں جھٹ سے فریش کر لیں گے جب بھی باتوں کے درمیان بھوک لگی تو" ان کی بھابی صاحبہ خوب کھانے سے انصاف کر رہی تھیں۔ کھانا چلتا رہا اور چلتا ہی رہا۔ مجھے بچوں کی خاطر اس دوران الگ سے پیڑے بیلنے پڑے۔

چائے کا دور اگر نبیل کی تعریفوں کا دور نہ کہا جاتا تو غلط ہوتا۔ جان سے پیاری میری حمنہ احمر اپنے میاں، بھابی اور تو اور میرے آگے بھی صرف اور صرف نبیل کو ہی سراہتی رہی۔ مجھے حقیقت میں ان خوبیوں کا خود بھی پہلی بار ہی علم ہوا تھا بدرجۂ اتم پائی جاتی ہوں گی۔ وہ مسلسل الفاظوں کے ڈھیر لگائے جا رہی تھی۔ "نبیل بھائی! آپ تو قسم سے گریٹ آدمی ہیں جو...... میری اس قدر سر پھری سہیلی کو قابو کیے بیٹھے ہیں۔ ارے یہ تو ریس کی گھوڑی مشہور تھی۔ بخدا ایک پل ٹک کے بیٹھتی نہیں تھی یہ۔ ہماری ممانی مرحومہ اللہ بخشے یہی کہا کرتی تھیں جو نائلہ کا شوہر بنے گا اللہ میاں نے اسے حقیقتاً خاص مٹی سے بنایا ہوگا۔ ہاہاہا۔" وہ بات کو مزاح کا رنگ دیتے دیتے میری جانب مڑی اور میں...... ہنوز مسکرا رہی تھی۔ چاہے جلے دل سے ہی۔ "بھئی میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بڑی شوخ و ہر دلعزیز تھی نائلہ۔" اس جملے پر میرے سینے میں ابلتے جذبات پر ٹھنڈی پھوار پڑ گئی۔

"ارے احمر! جیسے نبیل بھیا کو بہت زیادہ آنا جانا پسند نہیں ہے ناں بالکل اسی طرح کا حال میرا بھی ہے۔ بھئی مجھے تو نفرت ہے بہت زیادہ ملنے ملانے اور آنے جانے سے اور ہاں خاص طور پر دائیں بائیں رہنے والی دو کوڑی کی ہمسائیوں کے گھر پھیرے لگانے سے۔ اللہ کی قسم یہی آگ لگایا کرتی ہیں لوگوں کے گھروں میں۔ مجھے تو نائلہ نے سو بار کہا تب آنا ہی پڑا یہاں بھی۔" وہ تو مہمانِ خصوصی بنی بس سب کو اپنی جانب متوجہ کیے جا رہی تھی۔ کسی کے بھی جواب کا انتظار کیے بنا۔

"ہاں بھئی نائلہ تم نے ہم سب کو اتنی ضد کر کے بلوایا۔ اس پر تمہارا تہہ دل سے شکریہ۔" اس نے کہا اور نبیل میری جانب ایسے دیکھنے لگے کہ جیسے چور کو سپاہی...... "حمنہ خود آ رہی ہے۔" ایسا میں نے اپنے منہ سے خود نبیل کو کہا تھا اور سو فیصد ایسا ہی تھا۔

"کیسا لگا بھابی! آپ کو ہمارے ہاں آ کر؟" میں نے موضوع بدلا۔

"بہت اچھا نائلہ! حقیقت میں تمہاری مہمان نوازی کا لطف آیا اور تم نے جو اتنے چاؤ سے ہمارے لیے اس قدر مزیدار کھانا تیار کیا تو بہت خوشی ہوئی۔ ہاں یہ رکھو بچوں کے لیے۔" اسی دم بھابی نے پانچ سو کا کرارا سا نوٹ بچوں کی ہی جانب بڑھایا۔ میں نے نہ نہ کی تو حمنہ عجیب سے بھاری لہجے میں اپنی بھابی کو نصیحت کرنے لگی۔ "بوی شاہ

خرچ ہیں ہماری بھابی بھی...... ارے بھابی جان! پھر سہی۔ نہ نائلہ کہیں بھاگی جارہی ہے اور نہ میں۔ آیندہ سہی۔" مگر اسے فوراً ہی اپنے منہ کو بریک لگانا پڑا کیونکہ بچوں نے آدھی بات سنتے ہی نوٹ مسکراتے ہوئے بھابی صاحبہ کے نازک ہاتھوں سے اچک لیا تھا۔ مجھے بھی ٹھنڈ پڑ گئی......"کم از کم کولڈ ڈرنکس اور میٹھے کا خرچہ تو برابر ہوا۔"

"ہاں تو نبیل بھائی میں کہہ رہی تھی۔" وہ تو پھر وہیں سے شروع ہو گئی ۔"آپ بڑے باہمت انسان ہیں گھر بھر کو تنِ تنہا مضبوط قوتِ ارادی کے بل پر بڑے ہی احسن انداز میں چلا رہے ہیں۔ بھئی احمر تو صاف بات ہے جلد گھبرا جاتے ہیں ذمے داریوں سے۔"

وہ جانے کیوں نبیل کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی تھی؟ یہ سوال میرے دل نے کیا تو عقل نے منطق گھڑی۔ "شاید آتے ہی نبیل کا سوجا ہوا چہرہ دیکھا ہو گا تبھی جان بوجھ کر اہمیت دینے کا ڈراما رچا رہی ہے۔ کتنی عقل مند ہے میری کزن۔" مگر ساتھ ہی مجھے یاد آیا کہ پچھلے کئی سالوں سے تو وہ مجھے ہمیشہ ایک مشکل شخص کی بیوی ہونے کا خطاب دے کر اپ سیٹ کرتی رہی ہے۔ وہ انہیں کسی احساسِ کمتری کا مارا ہوا انسان قرار دے چکی تھی اور اکثر ہی وہ نبیل کے حد سے زیادہ کیئرنگ ہونے کو میری قید سے تشبیہ بھی دیتی رہتی تھی۔ میں یہ سب کچھ تسلیم کر چکی تھی۔ وہ ایک کم گو، حساس، ذہین اور خیال رکھنے والے انسان تھے...... مگر ان کی کم گوئی کو میں احساسِ کمتری، ذہانت کو میں اپنے ساتھ کی گئی چالاکیاں، حساسیت کو دقیانوسیت اور حد سے زیادہ خیال رکھنے کو اپنے لیے قید ہی تصور کرتی تھی۔ حمنہ کے جانے کے بعد جو باورچی خانہ مجھے کھانے کو آ رہا تھا سارا سمیٹ سنبھال کر میں جونہی لاؤنج سے گزری، نبیل سر جھکائے بیٹھے نظر آئے۔ ان کے یوں یہاں بیٹھنے پر حیرت اس لیے ہوئی کہ ٹی وی آف تھا۔ بچے سو چکے تھے اور وہ بڑے خاموش......

"کیا بات ہے کیوں منہ سجائے بیٹھے ہیں جناب۔" میں لہجے میں شوخی بھر کر پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں نائلہ، بس یونہی۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"آپ کو ہمیشہ میری سہیلیوں کے آنے پر تپ چڑھ جاتی ہے نبیل۔" میں ان کے انداز بھانپ گئی تھی۔ تبھی خفگی بھرے لہجے میں کہہ ڈالا۔

"دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا...... نائلہ بیگم۔" وہ ایک لمبی سی سانس کھینچ کر بولے مگر ان کی بات شروع ہونے سے پہلے ہی مجھے غصہ آنے لگا۔ "اب کیا کہہ دیا حمنہ نے...... ارے وہ تو پورا وقت بس آپ ہی کی تعریفوں میں سر کھپاتی رہی۔ نبیل بھیا آپ ایسے ہیں، نبیل بھیا آپ ویسے ہیں گریٹ اور عقل مند ہیں وغیرہ وغیرہ مگر صاحب آپ تو نہ جانے کس مٹی سے بنے ہیں نہ کسی کو محبت سے دیکھا اور نہ کسی کی چاہ کو سمجھا۔"

"مجھے نہیں چاہیے ثبوت اپنی عقل و فراست اور کارکردگی کے کسی اور سے۔ میرے لیے تو یہی انعام ہے کہ میرا گھر میرے لیے باعثِ سکون ہے اور رہی بات حمنہ صاحبہ کی تعریفوں کی۔ تو سن لو...... کہ دوست وہ نہیں جو تمہاری تعریفوں کے پُل باندھ کر تمہیں عقل کا اندھا بنا دے بلکہ اچھا دوست ہمیشہ تمہیں تمہاری خامیوں، غلطیوں اور بھول پر آئینہ دکھاتا ہے تاکہ تم آیندہ ٹھوکر کھانے سے بچی رہو...... اور نائلہ بیگم! یہ بھی تم کان کھول کر صاف صاف سن لو کہ حمنہ تمہاری دوست...... نہیں ہے۔" انہوں نے پہلے سے زیادہ سخت الفاظ میں مجھے "لیکچر" دیا اور اٹھ کر اندر چلے گئے۔

میں وہیں صوفے پر کسی تھکے ماندے مسافر کی طرح ڈھے سی گئی اور لگی اپنے نصیبوں پہ کڑھنے۔ "چند لمحوں کی خوشی تک تو برداشت نہ ہو سکی میری تمہیں نبیل......" وغیرہ وغیرہ اور بہت کچھ...... میں دیر تلک سوچتی چلی گئی۔

☆☆☆

شوہر کے لیے بناؤ سنگار

شوہر کی محبت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کے لیے زیب و زینت کرے، میک اپ کرے، مہندی لگائے، شوہر کے لیے بنے سنورے، اپنے آپ کو شوہر کے سامنے بہت خوبصورت انداز میں پیش کرے اس طرح عورت بہت آرام سے شوہر کو اپنی طرف راغب کر سکتی ہے۔ عورت تو بچپن سے زیب و زینت و زیور کے لیے بنائی گئی ہے یہ چیزیں تو بچپن سے عورت کی فطرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے لیے زیور کو فطری چیز قرار دیا ہے پھر عورت نے اب انہیں کیوں ترک کر دیا ہے؟ اپنے شوہر کے لیے زیب و زینت کیوں نہیں کرتی؟

حضرت سلمان فارسیؓ اپنے اسلامی بھائی ابودرداؓ سے ملنے ان کے گھر گئے۔ سلمانؓ نے ابودرداؓ کی بیوی کو نہایت خستہ حالت اور بہت سیدھے سادے کپڑوں میں دیکھا تو حیران ہوئے۔ حضرت ابودرداؓ کی بیوی نے کہا کہ تمہارے بھائی کو دنیا کی چیزوں سے (اور مجھ سے) کوئی دلچسپی نہیں وہ عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ سلمانؓ نے ابودرداؓ کو نصیحت کی کہ "تمہارے اوپر بیوی کا بھی حق ہے اور حضورﷺ نے حضرت سلیمانؓ کی باتوں کی تائید فرمائی کہ سلمانؓ بالکل سچ کہتے ہیں۔

ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ مہندی کے بارے میں آپﷺ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا! میرے محبوب پیارےﷺ کو مہندی کا رنگ بہت اچھا لگتا تھا یعنی مہندی لگا کر اپنے شوہر کے لیے زیب و زینت کیا کریں۔ یہ سب فرامین اس بات کی تائید میں ہیں کہ عورات اپنے شوہر کے لیے زیورات، اچھے کپڑے اور خوشبو کے ذریعہ زیب و زینت کرے اور شوہر کو خوشیاں دے کر اس کی محبت حاصل کرے۔

شوہر کی محبت حاصل کرنے کا علاج اور تدبیر عورت کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے میاں بیوی ایک دوسرے کو خوشیاں دیں گے تو پھر انشاءاللہ جنت کی باغ و بہار دیکھیں گے کیونکہ شوہر کا بہت حق ہے اسے خوش رکھیے اور اس سلسلے میں بے پروائی سے کام نہ لیجیے۔ یہ بھی جان لیجیے کہ زیب و زینت و بناؤ سنگار کرنے کی بھی کچھ حدود ہیں۔

"اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔" (القرآن)

دوسری برائی یہ ہے کہ اس میک اپ، زیب و زینت میں بیچارے شوہر کا کوئی حصہ نہیں ہوتا کہ اپنا حسن و جمال شوہر کو دکھایا جائے بلکہ یہ تو اپنی سہیلیوں اور خاندان کی عورتوں کے سامنے فخر و نمائش اور اپنی برتری جتانا مقصود ہوتا ہے تاکہ دوسری عورتوں سے اس زیب و زینت پر تعریف سنی جائے لہٰذا یہ چیز درست نہیں اور اگر زیب و زینت کر کے غیر مردوں کی سامنے آئیں اور اپنا حسن و جمال انہیں دکھائیں تو یہ بالکل حرام ہے۔ آپﷺ نے فرمایا جو عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوتی ہیں، یعنی بہت چست یا باریک لباس میں لوگوں کے سامنے آتی ہیں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں یا ان کی طرف مائل ہوتی ہیں وہ جنت میں نہیں جائیں گی۔ (مسلم)

آپﷺ نے فرمایا جو عورت عطر لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھیں تو وہ بری عورت ہے اور اسے دیکھنے والی آنکھیں بھی۔ (حاکم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ قبیلہ مزینہ کی ایک عورت زیب و زینت کے ساتھ اتراتی ہوئی مسجد میں آئی تو آپﷺ نے فرمایا لوگو تم اپنی عورتوں کو زیب و زینت کر کے اتراوٹ والے انداز میں آنے سے منع کرو۔

شریعت کا حکم ہے کہ عورت کو شوہر کے لیے خوب زیب و زینت کرنا چاہیے۔ اس صورت میں اس کو زینت کرنے سے ثواب ملتا ہے۔ بناؤ سنگار عورت کا فطری حق ہے اور اسلام اس جذبے کو مٹاتا نہیں بلکہ اُبھارتا ہے البتہ وہ اس جذبے کے لیے ایک مرکز مہیا کرتا ہے اور عورت کو تاکید کرتا ہے کہ اس کی ساری زیب و زینت اور رعنائی صرف اپنے شریکِ حیات کے لیے ہونا چاہیے۔

نبیﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تاکید فرمائی کہ:

"جب دور دراز سفر سے واپس آؤ تو اچانک گھر میں نہ چلے جایا کرو بلکہ اپنی عورتوں کو اتنا موقع دیا کرو کہ وہ بناؤ سنگار کر کے تمہارا استقبال کریں۔"

وہ دوسرے روز ہی اچھے موڈ میں آ گئے یہ سوچ کر کہ شاید مجھ پر ان کی نصیحتوں کا کوئی تو اثر ہوا ہوگا مگر یہ ان کی خوش فہمی ہی تھی کہ مجھے تو احساسِ کمتری کا مارا پند و نصائح کا ہر لیکچر نہایت برا لگا کرتا اور اب بھی حسبِ عادت اسے میں نے کسی پتنگ کی طرح اپنے سر کے اوپر سے گزرنے دیا۔ دراصل میرا اپنا یہ خیال تھا کہ میں کوئی بچی تھوڑا ہی ہوں۔ نبیل شاید ہمیشہ ہی مجھے کوئی بچہ یا پھر عقل سے پیدل شخصیت گردانتے تھے مگر ان اوپر نیچے راستوں پر چل کر بھی مجھے اپنے بچوں، گھر اور شوہر سے بے پناہ محبت تھی اور یہی بات مجھے باندھے رکھتی تھی۔

☆☆☆

میں نے گھر بھر کے دُھلے کپڑے دو سے تین گھنٹوں کی محنت کے بعد استری کر ڈالے تھے اور اب انہیں الماری کے مختلف خانوں میں ترتیب وار رکھ رہی تھی کہ اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔ کل وقتی ملازم تو کوئی تھا نہیں سو خود ہی لپکی۔ نبیل کی بتائی ہوئی دروازہ کھولنے کی سو احتیاطوں میں سے ایک پر عمل کرتے ہوئے میں نے دروازے کی جھری میں سے باہر جھانکا۔ ایک نوجوان دانتوں سے ناخن کاٹتے ہوئے منتظر دکھائی دیا۔ میں نے سنبھل کے پوچھا۔ ”کون ہے؟“

”آپی جی دروازہ کھولیے۔“ باریک سی آواز میں جواب آیا۔

”کیوں کیا کام ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ نائلہ نبیل صاحبہ کا گھر ہے ناں۔“ پھر پوچھا گیا بڑی امید سے......

”ہاں، ہاں بھئی۔“ اپنا نام سن کر احتیاط کا پہلا پنچھی رخصت ہوا۔

”آپ حمنہ احمر کی دوست اور کزن ہیں ناں؟“ یہ سنتے ہی اجنبیت کی ایک اور دیوار گری اور میں نے کھٹاک سے دروازہ کھول دیا مگر ایک اور منظر اس نوجوان کے عین پیچھے میرے سامنے تھا۔ کوئی خاتون ایک ٹیکسی کے اندر سے جھانکتے ہوئے مجھے دیکھ کر زبردست سی مسکراہٹ بکھیر رہی تھیں۔

”ہائیں...... یہ کون ٹپک پڑی؟“ تذبذب کے عالم میں، میں نے سوچا مگر پھر نگاہوں کا زاویہ نوجوان کی جانب موڑتے ہوئے سوالیہ انداز اختیار کرلیا۔

”یہ میڈم نگہت آرا ہیں۔“ اس کا اشارہ ٹیکسی میں بیٹھی خاتون کی جانب تھا۔ ”آپ سے ملنے کی مشتاق ہیں۔ حمنہ باجی کی تعریفوں نے انہیں آپ سے ملنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ پچھلے تین روز سے آپ کا ہی گھر تلاش کر رہی ہیں۔“ نوجوان جوں جوں اس خاتون کا تعارف کرواتا گیا میرے دل میں اپنی ”بہن“ حمنہ کی قدر و منزلت میں پہاڑ سا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ”نبیل کبھی نہیں سمجھ سکیں گے دوستی کے عظیم رشتے کو۔“ یہ دوسرا خیال تھا جو پراگندگی لیے میرے دماغ میں ابھرا۔

”آیئے آیئے ناں باہر کیوں کھڑی ہیں۔“ اب میرے لہجے میں مہنگی ترین ہونے کے باوجود کم از کم سو بوری شکر کی مٹھاس اُنڈ آئی۔ وہ اندر آ گئیں۔ میں نے ڈرائنگ روم کھولا اور اندر گھستے ہی خاتون کو ”خوش آمدید“ کہتے ہوئے اس زور سے بھینچا کہ انہیں لازماً کسی کے گلے لگ کر دبائے جانے کا ”سواد“ آ گیا ہوگا۔ بھئی آخر کو وہ میری مداح بن کر آئی تھی اور پھر حمنہ کی عزت کا سوال تھا۔

”ہائے اللہ نائلہ جی 40 ڈگری سے اوپر کی گرمی نے تو مار ہی ڈالا ہے اور پھر پورے تین روز سے میں آپ کا گھر تلاشتے تلاشتے نڈھال ہو گئی ہوں۔“ وہ ہمارے ڈرائنگ روم میں ایک ادائے بے نیازی کے ساتھ اپنا دوپٹا منہ کے آگے جھلاتے ہوئے بولیں۔

”ارے تو آپ کسی روز حمنہ کے سنگ چلی آتیں ناں کیوں تردد میں پڑیں۔ وہ اگر مجھے فون ہی کر دیتی تو میں اپنے میاں سے کہہ کر آپ کو خود ہی لینے آ جاتی۔“ میرا اخلاق عام لوگوں سے ہمیشہ دو میل آگے ہی رہتا تھا اور یہی تو میری ضد تھی نبیل سے کہ اعلیٰ اور

زیادہ اچھا اخلاق لوگوں کے دل جیت لیتا ہے۔

”بس نائلہ سوچا کہ......“ کہ وہ نائلہ جی سے [illegible] جلد ہی آ گئیں ”سوچا کہ خود ہی تکلیف [illegible] بے چاری حمنہ کو تنگ کس لیے کروں۔“ حمنہ کا نام [illegible] ہی کئی رنگ اس کے چہرے پر آ کر گزر گئے۔ [illegible] بھی محبت کے ہوں گے۔

”اس سست رو لڑکی کو میں ابھی فون کر کے خبر لیتی ہوں۔ خواہ مخواہ جلا ڈالا گرمی میں اپنی ایک [illegible] کو۔“ مجھے سچ میں حمنہ کی سستی پر تاؤ سا آ گیا۔

”ارے ارے نہیں نہیں۔ ایسا غضب بھی نہ [illegible] گا۔ وہ میری بہت اچھی دوست ہے آپ کے ایسا [illegible] سے وہ ناراض ہو جائے گی بلکہ بہتر ہے انہیں بالکل بھی فون نہ کریں۔“ وہ جلدی سے [illegible]

”اچھا چلیں جیسے آپ کی مرضی۔“

”قسم دیجیے حمنہ کو فون کر کے ناراض نہ کرنے کی۔“

”اچھا چلیں۔ قسم سے ہم اس سستی کی ماری کو فون نہیں کرتے۔“ میں نے ہنستے ہوئے پرانے بادشاہوں کی سی اداکاری کر کے کہا تو ان کے چہرے پر آئی گھبراہٹ، سکون میں تبدیل ہو گئی۔ یکدم مجھے احساس ہوا کہ خاتون گرمی کی شدت سے بے حال ہو رہی ہیں۔ کیوں نہ انہیں ایئر کنڈیشنڈ کی تازہ ٹھنڈی ہوا میں کول کر دیا جائے۔ دعائیں [illegible] بے چاری اور پھر سوال حمنہ کے اور میرے [illegible] کا بھی تھا اور پھر وہ خاتون بھی اپنے حلیے سے اچھی خاصی پرسنالٹی کی مالک تھیں۔

”اے سی سے نکل کر گھر ڈھونڈتے ہوئے کتنی بے حال ہوئی ہوں گی۔“ یہ سوچ کر مجھے تو تھوڑا سا [illegible] شرمندگی نے گھیر لیا۔

”آیئے نگہت آپا! ادھر ہمارے بیڈ روم میں تشریف لے آیئے۔ آپ تو گرمی سے بے حال ہوئی جا رہی ہیں۔“

”ہائے اللہ کتنی اچھی ہیں آپ۔ جیسا سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔“ وہ بھی جلدی جلدی سے صوفہ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اب وہ میرے خوبصورت سے بستر کے جاذبِ نظر کراؤن پر ٹیک لگائے، ہاتھ پیر ڈھیلے انداز میں چھوڑے یوں لم لیٹ تھیں کہ جیسے بچوں کی خالہ سیکڑوں میل کا سفر طے کر کے مجھ سے ملنے آئی ہوں۔ مجھے ان کا یہ انداز شدت سے کھٹکا مگر یہ شدت انہوں نے بھی بھانپ لی۔

”میرے معدے، آنتوں اور جگر کے تین بڑے بڑے آپریشنوں نے مجھے سیدھا بیٹھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ امید ہے آپ برا نہیں منائیں گی۔“

”ارے ارے، ایسا کیا؟ آپ نے مجھے غیر سمجھا ہے تو سن لیں کہ جیسے حمنہ کی دوست ویسے ہی آپ میری بھی اپنی ہیں...... خیر چھوڑیے ان باتوں کو کیا لے آؤں ٹھنڈے میں آپ کے لیے؟“ مجھے ڈھیر سارے آپریشنوں کی لسٹ ڈرانے کو کافی تھی۔

بس میری بیماریوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہلکا پھلکا کام چلا دیجیے۔“ مجھ پر احسان کے سے انداز میں دھیرے سے کہا گیا تو میں اٹھ کر سافٹ ڈرنک کے ساتھ تازہ آموں کو کیوبز کی شکل میں کاٹ کر لے آئی۔ ہاں ایک گلاس دودھ لال شربت ڈال کر بھی لانا نہ بھولی...... چند ہی لمحوں بعد خالی ٹرے میرے ہاتھ میں تھی۔ اب کھانے کی تیاری کا مرحلہ میرے سر پر تھا۔ وقت دیکھا تو بچے اسکول سے واپس آنے والے تھے۔ میرے اندر کا الارم جلدی کرو کی گھنٹی بجانے لگا۔

”اچھا بہن آپ آرام سے کچھ دیر لیٹیے میں کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔ آپ کے لیے گوشت میں سبزی ڈالنا ہوگی لازماً؟“ جاتے جاتے میں نے پوچھا۔

”اوہو۔ اتنا تکلف تو نہ کریں۔ سبزی ڈالنا کیا ضروری ہے......؟“ میں ان کا مطلب سمجھ گئی اور

عجلت میں باورچی خانے کو بھاگی۔ کچن کے ایک ریک میں رکھا موبائل گنگناتا ہی چلا جا رہا تھا میرے پہنچنے تک بند ہوگیا۔ لسٹ دیکھی تو نبیل تھے۔ رنگ بیک کرنے لگی تو لسٹ میں حمنہ کا نام بھی چلا آیا۔ ایک بار دل چاہا بات کرلوں پھر قسم یاد آ گئی۔ اتنے میں موبائل پھر جاگا۔

''ہیلو یار سن کیوں نہیں رہیں ہے'' نبیل پوچھنے لگے۔

''بس بزی تھی۔ مہمان آئے ہیں ناں۔'' کہتے ہوئے الجھن سی ہو رہی تھی۔

''کون آ گیا..... ہاں وہ آنٹی مقصودہ کا سنا تھا کہ یہاں کا دورہ لگے گا۔ کیا وہی ہیں ہے'' وہ ہنستے ہوئے بولے۔

''نہیں تو..... وہ..... حمنہ کی دوست ہیں کوئی.....''

''کوئی.....؟ کوئی سے کیا مراد تمہاری؟''

''نبیل میں ذاتی طور پر تو نہیں جانتی انہیں۔ ہاں مگر وہ میری دوست نواز طبیعت اور اخلاق کے چرچے حمنہ کی زبانی سن کر مجھ سے ملنے چلی آئی ہیں۔'' میں نے انہیں سمجھانا چاہا۔

''اوہ تو نائلہ یار! اب کیا کر رہی ہیں وہ۔''

''لیٹی ہیں آرام سے۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''کیا مطلب اپنے بیڈ روم میں لے گئی ہو تم انہیں۔''

''بے چاری آپریشنوں کی ماری ہے بیٹھا کہاں جائے گا ان سے اتنی دیر تلک۔'' میں حسب عادت نبیل کی جرح پر غصے میں آنا شروع ہوئی۔

''بھاڑ میں گئے اس کے آپریشن اور وہ.....''

''اب اتنے کٹھور بھی نہ بنیں نبیل! اچھی خاصی پرسنالٹی ہے ان کی۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ نکالو اسے گھر سے ابھی اور اسی وقت۔ خدانخواستہ یہ تم پر، بچوں یا گھر پر کوئی مصیبت کی دستک ہوئی تو میں..... کہیں کا نہ رہوں گا۔'' وہ کراہ اٹھے۔

''آپ کی سوچ ہمیشہ منفی تھی اور رہے گی۔'' میں نے فون کینسل کر ڈالا۔ نبیل کے ساتھ ہونے والی تکلیف دہ سی گفتگو کے بعد بھی میرا اصل مقصد تو اب وقت پر ڈھیر سارا کام ختم کرنا ہی تھا۔ سو میں نے اپنی ایک اور ہمسائی کو کال کر کے بلانے کی ٹھانی۔ جلدی سے نمبر ملایا۔ اس سے آنے کی زبردست درخواست کی تو وہ میرا لحاظ کرتے ہوئے اور پھر موقع محل دیکھتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں آ گئی۔ میں نے بڑے فخر سے اسے بتایا کہ یہ خاتون میری دوست حمنہ کی طرف سے صرف اور صرف میرے اخلاق کی تعریفیں سن کر ملنے آئی ہیں تو وہ بھی بڑی مرعوب سی ہوئی۔

''ہاں واقعی نائلہ! تمہارا اخلاق اور بہنایا تو اہل محلہ میں بھی مثال کی طرح ہے۔'' اس نے کہا اور لگی میرے ساتھ مل کر پیاز، لہسن وغیرہ کاٹنے..... کچھ دیر بعد جب مجھے اس خاتون کی ''تنہائی'' کا درد جاگا تو میں نے اپنی ہمسائی ثمینہ سے ان کے پاس بیٹھنے اور گپ شپ لگانے کو کہا۔ وہ بھی میرے کہنے پر اندر چلی گئی۔ بچے آ چکے تھے بعد میرے بے حد سمجھانے کے بعد انہوں نے وقتی طور پر ہر طرح کی شرارتوں اور اُدھم مچانے سے پرہیز کا پکا وعدہ کرلیا۔ میں نے سکھ کا سانس لیا۔

''ماما! پاپا نے ڈرائیور کے ہاتھ میسج بھیجا ہے۔''

''اب کیا.....؟'' میں بھنا کر پوچھنے لگی۔

''احتیاط کرنا..... اور جتنی جلدی ہو آنٹی کو فارغ کر دینا۔''

''اچھا.....! تم اپنا کام کرو۔ تمہارے پاپا کا کہا میں دیکھ لوں گی۔''

''ہم بھی آنٹی سے مل آئیں ہے'' بچے پُرتجسس انداز میں پوچھنے لگے۔

''ہاں جاؤ۔'' میں نے ہاتھ جوڑے۔ تو وہ بھی ہنستے ہوئے اندر چلے گئے۔

پلاؤ، کڑاہی، سبزی گوشت اور پھلکے..... جلدی

میں بس اتنا ہی ہو سکا۔ میں نے ثمینہ کے سنگ مل کر نگہت آرا کے لیے کھانا لگا دیا۔ ہم بھی وہیں بیٹھ گئے تو انہوں نے کھانے سے انصاف کرنے کے بعد ان خواتین وحضرات کی خوب تعریفیں کر ڈالیں جو اندھا دھند..... کھانے کے عادی ہوا کرتے ہیں.....

''شادی بیاہ کی تقریبات، سالگرہ کا موقع یا پھر کوئی آس پڑوس کا فنکشن ہو..... لوگوں کو کھاتے ہوئے دیکھنا ثمینہ تم قسم سے ایسے بے ہودہ انداز میں کھانے پر ٹوٹتے ہیں جیسے صدیوں کے بھوکے ہوں۔'' ایسا انہوں نے تیسری بار کھانا لیتے ہوئے کہا اور ثمینہ سے مخاطب تھیں۔ ثمینہ ان سے ہر بات کر رہی تھی۔ یکسر مجھے ان کی آپس کی فرینکنیس کا شدید اندازہ ہوا مگر کیونکہ ثمینہ کا شمار بھی میری اچھی دوستوں میں ہوا کرتا تھا سو ہمیشہ کی طرح میں فقط مسکرا کر رہ گئی۔

''بھئی تمہارے اخلاق ومحبت کے چرچے سن کر تو میں تم سے ملنے چلی آئی مگر یہاں تو تم سے بھی بڑے بڑے محبت والے لوگ بیٹھے ہیں۔'' اب کے وہ مجھ سے کہہ رہی تھیں۔

''جی..... جی ہاں ثمینہ میری اچھی دوست ہی نہیں بذاتِ خود بھی ایک بہترین خاتون ہے۔''

میرے لہجے میں تو ہر ایک کے لیے شہد چھپنی تھی ہی..... اب ثمینہ برتنوں کا ڈھیر اٹھائے کچن کی جانب بڑھ گئی۔ تل گھلنے کی آواز پر نہ صرف علم ہوا بلکہ حوصلہ بھی کہ وہ برتن دھو کر میری مدد کرنے کے موڈ میں بھی ہے۔ اب میں گھی اور وہ نگہت آرا بیگم۔

''پیاری بہن نائلہ! تم بہت بہت اچھی ہو تم سے مل کر اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے مگر مجھے تم سے کچھ کہنا ہے اور سچ مانو کہ میرے آنے کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔'' کھانے سے دو دو ہاتھ کرنے کے بعد اب وہ باقاعدہ ہوش وحواس میں آ کر مجھ سے مخاطب تھیں۔

''جی جی کہیے۔'' یقیناً مجھے کچھ تحفہ دینے دلانے کی بات کریں گی ایسا میں نے یونہی سوچ ڈالا۔

''ہم کرائے کے مکان میں رہتے ہیں ناں۔ تمہارے بھیا تو اللہ بخشے کب کے وفات پا چکے۔ عرصے سے کرایہ ادا نہیں کر سکی میں۔ ہاں مگر جونہی کوئی بندوبست ہوگا تو..... دراصل مجھے دس ہزار روپوں کی ضرورت آن پڑی تھی۔ سوچا تم سے بات کروں۔ چلو تم بہن ہو۔ تم پر اتنا بھی بوجھ نہیں ڈالوں گی اور پانچ چھ سے کام چلا لوں گی۔ سخت مالک مکان کا منہ تو بند ہو۔'' وہ بولتی چلی گئیں اور میں..... جیسے کسی طوفانی بھنور میں گھرنی جا رہی تھی۔

''اوہ..... نبیل..... نبیل کیا سوچیں گے۔ وہ تو پہلے ہی پریشان بیٹھے ہیں۔'' مجھے ایسے لوگوں کے بارے میں نبیل کے خیالات کا بخوبی اندازہ تھا مگر..... میری رحمدل فطرت نے ان سے ہر قیمت پر بات کرنے کی ٹھانی۔

''ہیلو۔ نبیل..... خفا ہیں کیا؟'' میں نے ان کو فون کر ڈالا۔

''وہ خاتون کیا کر رہی ہیں نائلہ!'' ان کا ایک ہی سوال تھا۔

''چائے پی رہی ہیں۔'' میں نے انتہائی مطمئن انداز میں کہا۔

''کب جائیں گی؟''

''ٹیکسی بک کروا رکھی ہے۔ ڈرائیور کو شام پانچ کا وقت دیا ہے انہوں نے۔''

''دھت تیرے کی۔ ابھی تو پورے تین گھنٹے پڑے ہیں۔ بس میں آ رہا ہوں۔ جیسے بھی ہو سکا نکال باہر کروں گا اسے میں، جانے کون ہے کہاں سے آئی ہے اور کیا ارادہ کیے بیٹھی ہے۔'' وہ بڑبڑے۔

''ہاں ہاں ضرور اور جلدی آیئے۔ دراصل ان کو کچھ روپوں کی انتہائی ضرورت آن پڑی تو انہوں نے ہمارے گھر کا رخ کیا ہے۔''

''واٹ'' وہ چلائے۔

''دیکھیں یا نبیل آخر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس قابل سمجھا تو موقع دیا ہے کسی کی مدد کرنے کا ہمیں کر

دینی چاہیے۔"

"تمہارا تو دماغ خراب ہے نائلہ۔ کتنے روپے مانگے محترمہ نے؟"

"زیادہ سے زیادہ دس ہزار اور کم سے کم پانچ چھ ہزار۔" میں نے رک رک کر بتایا۔ "ہاں دو چار دن کے لیے موبائل فون بھی ادھار مانگ رہی ہیں۔"

"نائلہ..... نائلہ حد کرتی ہو تم بھی۔ نکالو..... ابھی اور اسی وقت فارغ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے چند مددگاروں کو تمہارا گھر لوٹنے کے لیے دعوت نامہ بھیج دے۔"

"میں آپ کی طرح نہیں ہوں اور کسی کو دھکے مار کر تو گھر سے نکالنے سے رہی پھر وہ ایسی نہیں لگتیں۔ آپ کے آنے کا انتظار کر رہی ہیں۔ بتائیں کچھ دینے کا ارادہ ہے کہ نہیں؟"

"یوشٹ اپ نائلہ! میں دور سے گھر کو واچ کر رہا ہوں اور تم بھی جلدی اس نوسر باز قسم کی عورت کو رخصت کرو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ شکر کرو کہ اب تک تم لٹنے سے بچی ہوئی ہو۔ ورنہ تمہارے اور بچوں کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔" دوسری جانب سے وہ چیخ چیخ کر بول رہے تھے۔ مجھے بھی ایسا سوچ کر خوف کی ایک جھرجھری سی آئی۔ "تو میں کیا کہوں ان سے؟"

"کہہ دو کہ مجھ سے رابطہ نہیں ہو رہا اور نہ ضرور رقم دے دیتی اور ہاں یہ کہنا مت بھولنا کہ میں کسی بھی وقت آنے والا ہوں۔" اور پھر میں نے ایسا ہی کہہ دیا۔ شام کے سائے بڑھنے لگے اور وہ خاتون بستر چھوڑ کے کہیں دے رہی تھیں۔ "بھیا! اچھی سی آئسکریم کھایا کرتی ہوں میں شام کے ٹائم۔" وہ مسکرا کر بتانے بلکہ سنانے لگیں مگر اب میرا ڈر ابھرنے لگا تھا سو میں نے کوئی بھی جواب دینے کے بجائے اِدھر اُدھر کی باتیں کہنا سننا شروع کیں۔

"نائلہ! میں چلتی ہوں۔" ثمینہ بھی اکتا کر جانے لگی تو میرے اندر خوف کا ایک سایہ سا آ کے گزر گیا۔ اتفاق سے باہر سے گاڑی کی آواز سنائی دی۔ اس کا ڈرائیور آ گیا تھا مجھے جو بات دروازے پر ہی کہہ دینا چاہیے تھی وہ اب کہنے کی ہمت پیدا کی۔

"میرے شوہر سے تو فی الحال کوئی رابطہ نہیں ہو رہا نگہت آپا۔ ہاں مگر وہ کسی بھی لمحے آنے ہی والے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ گھر میں میرے پاس اتنے روپے کہاں اور موبائل فون میرے لیے بہت ضروری ہوا کرتا ہے۔ سو اس کی معذرت۔"

"پھر میں جاؤں؟" ان کا منہ لٹک گیا تھا۔

"اچھا جی خدا حافظ!! اصل میں میرا وقت بہت قیمتی ہے کیونکہ شام میں بچوں کو پڑھانا جو ہوتا ہے۔" میں نے خوش اخلاقی کو لپیٹا اور اتنا ہی کہا اور وہ مجھے پھر ملنے کا کہہ کر رخصت ہو گئیں۔ ثمینہ بھی ان کی تعریفوں کے پُل باندھ کر گھر کو رخصت ہو گئی۔ شام گہری ہونے لگی۔ مجھے نبیل کا انتظار تھا اور یہ ڈر اس سے بھی زیادہ کہ وہ جو میری ناسمجھی کے باعث میرے پورے گھر کا گھور گھور کے جائزہ لے گئی ہیں کسی بھی وقت اپنے باقی ساتھیوں سمیت ہم آن دھمکیں، یک لخت مجھے حمنہ کی یاد آئی۔ "مجھے اسی کو فون کر کے ان خاتون کا پتا کرنا چاہیے۔" ایک روشنی کی کرن دکھائی دی مگر یہ کام مجھے اس خاتون کو گھر میں داخل کرنے سے پہلے کرنا چاہیے تھا۔

"ہیلو حمنہ....." اور میں نے پوری بات اس کے گوش گزار کر دی۔

اس نے تفصیل سنی تو پوچھنے لگی۔ "کیا وہ خاتون موٹی سی مناسب سے قد والی اور عینک والی صاحبہ تھیں۔ سانولا سا رنگ بغیر میک اپ کے قدرے واجبی سا چہرہ....." "ہاں ہاں بالکل وہی نگہت آرا۔"

"تو نائلہ سمجھ لو۔ واقعی تم بچ گئیں۔"

"جانے وہ کہاں رہتی ہیں مگر محلے میں ختم قرآن یا پھر میلاد کی محفلوں میں اکثر ایک کونے میں بیٹھی نظر آتی ہیں پچھلے دنوں اپنی نند کے ساتھ ایک محفل میں شریک تھی۔ وہیں تمہاری اچھائیاں

انہوں نے گوش گزار کیں۔ اصل میں میری نند تم سے سوئیٹر کی بُنائی کا وہ ڈیزائن سیکھنا چاہتی تھی جو تم نے پچھلے سال مجھے تحفتاً دیا تھا۔ کہنے لگی خود جا کر سیکھ آؤں گی۔ اب تمہارا ایڈریس ہمارے منہ سے سن کر اس نے تمہیں ڈھونڈ لیا جس نے محلے کے سبھی گھروں سے ایک دوسرے کے ناموں کا حوالہ دے کر ہزاروں روپے حاصل کر لیے ہیں۔"

"کیا؟" میں ہکا بکا رہ گئی۔ لوگ کس طرح سے لُوٹنے لگے ہیں۔

"ہاں۔ میں نے خود اپنی ایک اور سہیلی مائرہ کی خاطر اسے دو ہزار روپوں سے نوازا ہے چلو مگر شکر ہے کہ تم بچ گئیں۔" وہ بتاتی رہی اور میں حواس باختہ ہوتی چلی گئی.....

"ہاں جی اب کہیں..... کیسی رہی آج کی ہانڈی روٹی" نبیل رات گھر آ کر مجھے خوب سنا رہے تھے اور میں خاموشی سے سن رہی تھی۔

"یاد رکھو نائلہ! دور بھلے کا نہیں رہا۔ اب تو ہر ایک سے خود ہی خود کو بچانا پڑتا ہے۔ راہوں میں، گلیوں میں، بازاروں، کاروباری مراکز، تعلیمی اداروں، حکومتی اداروں حتیٰ کہ گھروں کے اندر بھی آپ شریسندوں اور نوسر بازوں کے شر سے محفوظ نہیں رہے۔ عقل مندی اسی میں ہے کہ انسان موقع پر عقل سے کام لے۔ خاص کر ہر خاتونِ خانہ کو چاہیے کہ وہ تنہا ہوں تو زیادہ محتاط رہیں۔ کسی انجانے کو بالکل نہ داخل ہونے دیں۔ اخبارات و رسائل ہر قسم کا میڈیا اپنے اپنے انداز سے آپ کو محتاط رہنے کا سبق دیتا ہے مگر بعض اوقات عقل کی ناقص کارکردگی کے باعث انسان اپنی پریشانی و نقصان کو خود دعوت دیتا ہے۔ سب سے بڑھ کر ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان خواتین کے لیے ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے خاوند کی اجازت اور ہمراہی کے بغیر کسی انجانے کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت بالکل نہ دیں۔ باہر آئے اجنبی مرد سے سخت لہجے میں بات کریں تاکہ اسے کسی قسم کا نرم گوشہ نہ مل سکے۔" نبیل پہلے جتنے سخت ہو رہے تھے۔ مجھے سمجھاتے ہوئے ان کا لہجہ نہایت نرم و شیریں ہو گیا۔ مجھے خود پر غصہ اور ان پر پیار سا آ گیا کہ انہوں نے میری اتنی بڑی غلطی کو معاف کر دیا۔

"مگر نبیل یہ بھی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی فرمان ہے کہ دوستوں کے ساتھ بھلائی کرو۔ ان سے نرمی اور اخوت سے پیش آؤ۔" میں نے نبیل کو اس پوائنٹ پر آتے دیکھا تو سوچا آج ان کی ضد کا راز بھی کھل جائے۔

"ہاں نائلہ فرمایا ہے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ سب حق ہے۔ یہ بھی کہ دوستوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ ہاں مگر دوستوں کے ساتھ..... دوست نما دشمنوں کے ساتھ نہیں اور ایسے لوگوں کو پہچاننا نہ صرف ہمارا اپنا کام ہے بلکہ اس بارے میں بھی بہت سی احادیث موجود ہیں۔"

"نبیل! حمنہ مجھے بے حد پسند ہے اور میری جگری دوست بھی۔ پلیز آپ اس اکیلی کو ہی برداشت کر لیا کریں۔" مجھ دوست کی ماری کو ایک آخری دوست کے چھٹ جانے کا خوف پیدا ہوا۔

"او کے یار! کسی روز وہ بھی تم پر کھلے گی۔" وہ میری خاطر مسکرا دیے میں نے ایک بھرپور انداز میں ان کا شکریہ ادا کیا بلکہ ان کی بہت سی الٹی سیدھی فرمائشیں بھی خندہ پیشانی سے پوری کر ڈالیں.....

میری اور نبیل کی زندگی کچھ اس انداز سے گزر رہی تھی کہ وہ مسلسل اصلاحی انداز اختیار کیے رہتے اور ایسے میں میری ناقص عقل کے علاوہ میری تمام دور اندیشی ہم جولیوں کا اندازہ صرف یہ ہی رہا کرتا کہ نبیل صاحب تو بس اپنی برتری قائم کرنے اور قائم رکھنے کی ہر ممکن کوششوں میں مصروف رہتے ہیں اور ایسے میں حمنہ کی طرف سے موصول کردہ تمام ٹوٹکوں پر بلا تامل عمل کر کے بظاہر نبیل کے ہر ہر شاٹ کو باؤنڈری لائن کے پار جانے اور کچھ رنز

بنانے سے پہلے ہی کیچ آؤٹ کر دیتی۔ وہ جھلا جاتے تو میں من ہی من میں مسرور اور مطمئن سی ہو جایا کرتی۔ آخر میں ان کی بیوی ہوں کوئی شاگرد یا اولاد میں سے تو نہیں کہ لیکچرز اور اسباق کو سختی اور ان پر عمل کرتی رہوں۔ میں بے دردی سے ان کی نصیحتوں کو رد کرتی رہی اور اس کی پوری رپورٹ حمنہ کو باقاعدگی سے S.M.S کر ڈالتی۔ کبھی کبھار ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھی بڑے بڑے قہقہوں کے درمیان نبیل کی بے بسی کے بعد کی کیفیات کو ڈسکس کرتیں۔ وہ بڑی توجہ، انہماک اور دلچسپی سے ایک ایک لمحے کو کریدا کرتی اور مجھے اس کا یہ شوق جانے کیوں مزے دار سا لگتا۔ شاید خود کو زیر بحث لا کر مجھ جیسے کچھ لوگوں کی ذات تسکین پاتی ہوگی۔

وہ پوچھتی۔ ”ہاں تو سناؤ نائلہ! اس بار جب تم ضد کر کے میکے میں نبیل بھائی کی اجازت کے بغیر آٹھ روز سے دس روز مزید گزار کے آئیں تو کیا کیفیت تھی ان کی؟ وہ تو بھئی آٹھ روز کی رخصت پہ بھی تم سے اندر خانے خفا ہی ہوں گے۔“ وہ بستر پر کروٹ بدلتے ہوئے بھری مسکراہٹ چہرے پر لاتی اور مجھے سوالیہ انداز سے تکتی۔ میں قہقہہ لگاتی جس میں تفاخر بھرا ہوتا۔

”میں سوچتی ہوں حمنہ! کہ اگر میں تمام عمر بھی مسٹر نبیل سے نہ کہوں تو شاید صاحب جی مجھے کبھی میکے جانے ہی نہ دیں۔ وہ تو بھلا ہو تمہاری ترکیب نمبر 421 کا..... وہاں جاتے ہی میں نے اماں کی سخت بیماری کا پہلا ..... فون کر ڈالا اور پھر اٹھارہ روز تک چل سو چل والا کام..... ارے ہاں مگر ایک روز تو کمال نہیں ”باکمال“ ہونے لگا تھا جب نبیل کا فون اماں نے ہی اٹھا لیا اور لگیں سچ بولنے کہ میں تو بھلی چنگی ہوں..... وغیرہ وغیرہ۔ قسم سے بات سنبھالنی ان ”کائیاں“ کے آگے مشکل ہو گئی۔ بڑی دیر بعد انہیں یقین آیا کہ ہماری اماں کسر نفسی سے کام لے رہی ہیں بلکہ آپ کو بھی پریشان کرنا بالکل نہیں چاہتیں۔“

”واہ نائلہ واہ..... تم تو زبردست بہانے باز نہیں بہانے ساز نکلیں۔“ وہ جیسے مجھے ایسی داد دے ڈالتی جو بعد میں بھی میرے کام آتی۔ ایک بار میں سوچتی کہ وہ کتنی رحمدل اور دریا دل قسم کی اللہ لوک خاتون ہے جو صرف مجھے سنتی رہتی ہے۔ کبھی اپنی تو سناتی ہی نہیں۔ میرے شوہر کو بہتر بنانے کی ہر کوشش میں معاون بددگار تو ہے مگر اپنے خاوند کی مطلق فکر نہیں، نہ ہی کبھی میں نے یا اس نے احمر بھیا پر کوئی ”ریسرچ“ ہی کی پھر خود ہی ایک کھڑا کھڑایا سا جواب میرے اندر گونجتا۔ ”اس کے میاں تو ہیں ہی قابل تعریف اور قدر کرنے والے مرد، انہیں ٹھیک کرنے کی اسے ضرورت بھی کیا۔“ خیر میری دفاعی زندگی روز و شب رواں دواں تھی.....

نبیل کے والدین ہر سال کی طرح ان گرمیوں میں بھی ہمارے ہاں آ کر رہنے والے تھے۔ ابا نے انہیں دوپہر میں آفس میں فون کر کے اطلاع دی اور شام کو خبر مجھ تک تھی۔ میں جو پہلے ہی بچوں کی چھٹیوں، نبیل کی بے پناہ آفس کی مصروفیت اور گھر کے کاموں سے سخت گھبرائی ہوئی تھی اب اس نئی اطلاع پر مرنے کے قریب آ گئی۔ ہمارا شہر قدرے معتدل موسم والے علاقوں میں سے تھا سو ابا اور اماں تین چار ماہ آرام سے گزار کر بڑے بھیا کے پاس بہاولپور چلے جاتے اور باقی سال وہیں رہا کرتے تھے۔ اب کے یہ خبر مجھے اس لیے بھی گراں گزری کہ میں نے اور حمنہ نے اور اصل میں حمنہ ہی نے گرمیوں کا پورا ایک ماہ کسی بھی طور مل کر شمالی علاقہ جات کی سیر کو جانے کا پروگرام صرف اس افواہ کو سننے کے بعد بنا رکھا تھا کہ ابا اماں اس سال شاید بڑے بھیا کی بڑی صاحبزادی کے رشتے دیکھنے اور پھر کسی کو منتخب کرنے کے چکر میں بے حد مصروف ہیں سو آنا مشکل ہوگا۔ جیسے یہ خبر میرے لیے گرم موسم میں بھیگی بھیگی رُت کی طرح دلکش تھی بالکل ایسے ہی ان کے آنے کی خبر میرے لیے گرمیوں میں دھوپ میں ننگے پاؤں جلتی سڑک پہ

کھڑے رہنے کے مترادف..... ”خود غرضی بھی کتنی کریہہ شے ہوتی ہے۔“ حمنہ کو بھی سن کر بہت برا لگا۔ پہلے تو اس نے میرے دل کو ڈھیر سارے ان القابات سے ٹھنڈا کیا جو اس نے میری سسرال کے لیے چن رکھے تھے اور پھر ان کے رہنے کے دوران ان اچھی اچھی ترکیبوں پر عمل کرنے کے نسخے بتانے کا وعدہ بھی.....

اماں، ابا آ چکے تھے۔ آج دو دن سخت روٹین اور مؤدب پنے میں گزرے تھے۔ حمنہ کا پہلا S.M.S بھی موصول ہو گیا۔

”دیکھو فرینڈ! اگر وہ دونوں آ چکے ہیں تو..... تو لے دے رہنا..... زیادہ بچھ بچھ جانے سے تمہارا ہی نقصان ہوگا۔ کل کو کہاں ان عادی لوگوں سے پیچھا چھڑاؤ گی میری جان..... او کے خدا حافظ! صرف تمہاری طرف سے شبنم حمنہ.....“

میں نے پڑھا جلدی سے ڈیلیٹ کیا اور پورا دن اس پر ہی عمل کیا۔ ابا نے ناشتے کے ساتھ اخبار مانگا۔ میں نے کہا کہ ”اخبار والے کو بند کر دیا۔ کہاں لیتے پھریں اخبار اور کون پڑھتا ہے اتنی مصروفیت میں۔“ ابا جز بز ہو کر رہ گئے۔ مجھے اچھا لگا..... میں نے بھاگ کر گھر کے سارے اخبار چھپا دیے اور فقط ایک لمحے کی کال کر کے کل سے اخبار والے کو آنے سے روک دیا۔

اماں صبح کی چائے کی عادی تھیں۔ میں نے بڑی محبت سے رات دیر تک جاگ کر بچوں کو سلانے کا بہانہ بنایا اور خوبصورت الفاظ میں درخواست کر ڈالی۔ ”اماں جانی۔ ذرا ہمت کر کے آپ خود ہی صبح ایک کپ بنا لیا کریں۔ اٹھی ہوئی تو ہوتی ہیں ناں آپ اور ہاں بے شک ڈھیروں بالائی ڈال کر پیا کریں۔ یہاں آتی ہیں تو کچھ صحت درست کر کے جائیں اپنی۔ میرے لاڈ دلار کے باوجود ان کی آنکھوں میں کوئی سوال تھا۔ دوپہر کا کھانا چار بجے تک لیٹ کر دیا اور شام کی چائے صرف چائے تک محدود رکھی۔ وہ جو ہر قسم کے بسکٹ نبیل لاتے تھے میں نے الماری کے آخری کونے میں گھسا دیے۔ شام کو ہی ذرا کی ذرا چھت پر جا کر دو منٹ کی کال حمنہ کو کی۔ میری ذہانت پر شاید وہ انگشت بدنداں رہ گئی ہوگی۔ کبھی تو آدھا منٹ خاموش رہی۔ (دوسری جانب وہ ہنسی روک رہی تھی یہ مجھے قطعاً علم نہ تھا)

”شاباش۔ ایسے ہی چلنے دو سلسلہ۔ ایک دو روز میں کہاں بات بنے گی۔ میری اپنی سسرال جان نہیں چھوڑتی تھی اور پھر مجھے بھی..... بس ایسے ہی پیچھا چھڑانا پڑا۔“ اس کے بے رحم اور عاقبت نا اندیش بھرے الفاظ پر میں نے اطاعت بھرا قہقہہ لگایا۔

میری کلاس شروع ہو چکی تھی۔ یعنی نبیل اور میں ہر کام سے فراغت کے بعد اپنے کمرے میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ چند باتوں کے بعد ہمیشہ کی طرح میں کسی ”نصیحت کی منتظر، بڑی بڑی انکھیاں کھولے اپنے وجیہہ سی شخصیت کے مالک شوہر کو تک رہی تھی اور پھر وہی ہوا۔ انہوں نے بات شروع کی۔ ”نائلہ! عورت کی ذات ایک ایسی تصویر کی طرح ہے جس میں ان گنت رنگ بھرے ہوں۔ دور سے دیکھو تو ان رنگوں کی کشش اپنی جانب کھینچ لے اور اگر بہت قریب سے نظر بھر کر دیکھو تو ہر رنگ اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے مقام کو اجاگر کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ہاں سناؤ کیسا رہا آج کا دن۔ بزرگوں کی آمد کے بعد۔“ یہ سوال دوسرے دن بھی پہلے دن جیسا تھا۔

”ظاہر ہے نبیل، ہر ممکن کوشش کی ہے انہیں خوش رکھنے کی۔ آگے.....“

”کیا آگے؟“ میرے رکنے پر انہوں نے پوچھا۔

”آگے ان کی نیتوں پر منحصر ہے کہ کیا سوچتے اور رائے قائم کرتے ہیں وہ میرے بارے میں۔ کسی پر کوئی زور نہیں۔“ میں نے گول مول سے جواب سے کم از کم اپنے بارے میں نبیل کو مطمئن کرنا چاہا۔

''یار! کیا رائے قائم کرنی ہے ان بے چاروں نے کسی کے بھی بارے میں۔ اب تو بس اللہ اللہ کرنے کا وقت ہے ان کا اور پھر کونسا انہوں نے تمہیں نیا دیکھا ہے۔''

''نہ بھئی نہ...... بہو تو ایک ایسی ''چیز'' ہوتی ہے کہ روزِ اوّل کی طرح شاید روزِ آخر بھی اسے نئے نئے سرے اور زاویوں سے پرکھا جاتا ہے۔'' جانے میرے دل میں کیا شبہات تھے یا پھر حمنہ کی محبت، جو یہ میلا ہی رہتا تھا۔

''اچھا خیر جو بھی ہے۔ چند دن جو انہوں نے تمہارے ساتھ گزارنا ہیں۔ انہیں خوش رکھنے کی کوشش ضرور کرنا۔ تمہارا احسان ہوگا مجھ پر......'' نبیل حسبِ عادت جھنجلانے لگے تو میں نے کروٹ بدل لی۔

خدا خدا کر کے وہ ایک مہینہ گزرا جو پورے کا پورا میرے لیے یکسانیت اور بدمزگی کا تحفہ لیے آیا تھا۔ یوں تو حقیقت میں، میں صرف نبیل کے گھر سے، چلے جانے کے بعد لمحہ بھر بھی محبت اور توجہ کا ان کے ماں باپ کے سنگ نہ گزارا کرتی مگر ان کے یوں مستقل ''مسلط'' رہنے کے باعث مجھے اپنی بہت سی دلچسپ سرگرمیوں کو وقتی طور پر ہی سہی مگر پس پشت ڈالنا پڑا۔ سہیلیوں کی تابڑ توڑ ٹیلی فون کالز کا تانتا بند، میری جانب سے گپ شپ اور آنے جانے کے سلسلے موقوف، صرف ونڈو شاپنگ پر اور کبھی شاپنگ پر خرچ کیے کئی کئی گھنٹے موٴخر...... دعوتیں، بحثیں، دوست بنانے کے انتہائی اخلاقی سلسلے...... یعنی کہ سبھی کچھ جو میرے مزاج سے متعلق تھا رکا ہوا تھا۔ مجھے اپنی ذات انتہائی ارزاں اور بے مول سی لگی اور میرے مزاج میں چڑچڑا پن چھانے لگا...... مگر وہ دونوں شفقت کے پیکر میری ہر بے توجہی اور قدرے گستاخیوں کو جانے کس حوصلے سے برداشت کرتے چلے جا رہے تھے۔ وہ جانے کیوں پُرسکون تھے۔ ان کا سکون میرے لیے خطرے کی گھنٹی تھا...... لو اب دو ماہ اور رہنے کا ارادہ کر لیں گے شاید۔'' میں سوچتی۔ ان کے لبوں پہ تو کوئی شکایت تک نہ تھی الٹا وہ میرے مددگار بنے بیٹھے تھے۔ اماں گھر کے بیشتر کام سنبھال لیتیں اور ابا باہر کے وہ سب کام دوپہر سے پہلے نمٹا ڈالتے کہ جن کے لیے مجھے گھنٹوں دھوپ میں جلنا پڑتا تھا مگر ان کی ہر خوبی اور احسان کو سمجھنے سے میں قاصر رہی۔ میرے سر پر حمنہ کی دوستی و نصیحتوں کی پُرفریب ''چھاؤں'' جو تھی۔

وہ اس روز میرے ہی کہنے پر میرے ہاں چلی آئی۔ ہاں میں اس سے پہلے بے حد اداس تھی۔ وہ میری بہن اور سہیلی ہی نہیں میری ہر قدم پہ ''ہمدم'' بھی تھی۔ ہم پورا وقت ایک دوجے کے آمنے سامنے بیٹھی گپیں لگاتی رہیں جب کہ اماں گڑیا کے ساتھ مل کر حقیقت میں ہماری تواضع کرتی رہیں۔ میں نے حسبِ عادت غور تک نہ کیا ہمارے لیے چائے، پکوڑوں، بسکٹ، میٹھے قتلوں اور بازار سے منگائی مٹھائی کا تھال سجا لانا کون سی بڑی بات تھی کھانے کے وقت بچوں کو کھانا گرم کر دینا اور ہم دونوں جانے کتنے دن کی بچھڑی سہیلیوں کو کھانے کی سجی سجائی میز پر بلا کر دس بارہ ہلکے ہلکے پھلکے بنا کر دینے میں بھی کتنی محنت صرف ہو رہی تھی جو مجھ پر کچھ اثر ہوتا۔ میں نہایت مطمئن سی بنی وہ ساری کارروائیاں اپنی ہمدرد کے گوش گزار کرتی رہی جو اس گزرے ایک ماہ میں، میں ان دونوں اماں باوا کے ساتھ حمنہ ہی کے کہنے پر کرتی رہی تھی۔ وہ میری ہاں میں ہاں ایک عدد ''واہ'' ملا کر کہتی جاتی تھی مگر جانے وہ کس بات پر الجھن میں تھی یہ میں محسوس کیے بنا نہ رہ سکی پھر اچانک ہی میں نے دیکھا اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں اور پھر وہ نمکین پانی چھلک پڑا۔

''ارے ارے حمنہ! کیا ہوا...... کیا ہوا میری جان تجھے؟'' میں جیسے تھرا گئی۔

''بس...... بس کچھ بھی تو نہیں۔'' اس نے جلدی سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں کوئی تو بات ہے یار! پلیز مجھے بتاؤ ناں۔'' میں نے بڑی محبت سے اس سے دریافت کرنا چاہا مگر اب اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ ''کچھ نہیں بس میں تو یہی سوچ کر دکھی ہوئی کہ میری سسرال والوں کو کبھی میرا خیال نہ آیا۔ ادھر میں نے ذرا کی ذرا احمر اور بچوں کو الگ کرنے کی تجویز ان کے آگے رکھی ادھر انہوں نے بڑی والی کوٹھی ہمارے لیے خالی کر ڈالی اور خود دوسرے مکان میں چلے گئے۔ بھلا یوں بھی کوئی اتاؤلا ہوا جاتا ہے بہوؤں کے حکم پر گھر چھوڑ کر چلا جائے اور پھر وہ دن اور آج کا دن...... میں نے اگر خبر نہیں لی تو ان کم بختوں کا دل بھی نہ کیا میرا، احمر کا پتا کرنے کو۔'' اس نے تو اچھی خاصی ایک کہانی سنا ڈالی۔ مجھے اس کے سسرال پر رج رج کے غصہ آیا۔ ''اتنی اچھی بہو جو دوسروں کے کام آئے۔ کیسے خود سے جدا کر رکھا ہے ظالم کہیں کے۔''

رات کو یہی کہانی نبیل کے گوش گزار کرنے میں ایک لمحے کی دیر میں نے نہ لگائی جانے مجھے یقین تھا کہ وہ یہ سب سن کر یقیناً حمنہ کی بندہ نوازی پر سچا پکا سا کرنے لگیں گے اور وہ ان کی نظروں میں معتبر ٹھہرے گی مگر ڈھاک کے وہی تین پات ان کا کا جواب انتہائی زہریلا تھا۔ ''وہ خود ہی غلط ہے......'' میں تلملا اٹھی اور پھر جو بحث صرف حمنہ کے اچھا ہونے یا نہ ہونے پر ہم دونوں میں چھڑی وہ ناقابلِ بیان حد تک جا پہنچی۔ سحر ہونے میں شاید چند لمحے باقی تھے جب میری چیخ چیخ کے باعث جاگتے رہنے کے بعد آخر کار نبیل نے مسلسل خاموشی اختیار کر لی اور شاید وہ سو گئے...... حمنہ جو کل تک محض میری ایک سہیلی ہی تھی آج ہم دونوں میاں بیوی کے درمیان ایک حساس اور نازک مسئلہ بن گئی تھی۔ میں تو ان کے اس رویّے سے تنگ تھی ہی اوپر سے ساس سسر کے ہلکے پھلکے خیالات حمنہ کے بارے میں سن کر اور بھی بپھر گئی۔ وہ میری انا کا مسئلہ بھی بننے لگی۔ وہ میری ہر رپورٹ، ہر فون کال پر بہت نازاں و فرحاں ہوتی مجھے شاباش دیا کرتی تھی کہ کیسے میں نے ایک دیوار کی طرح ان لوگوں کے غلط واروں کو روک رکھا ہے۔ میں اب اس کے معاملے پر بحث کرتے کرتے گستاخ ہونے لگی تھی۔ میں اکثر سوچتی تھی کہ ''آخر ان سب کو اور خاص کر نبیل کو حمنہ احمر سے کیا خار ہے۔ کیا بس وہ میری ہمدرد ہے یہی......؟'' تو میں اس معاملے میں ہارنا نہیں چاہتی تھی آخر بات اصولی تھی۔ ایک ہمدرد و غمگسار کو خود سے دور کیوں کیا جائے۔ محض چند لوگوں کے جلاپے ماری خواہش کی خاطر...... ایسا ناممکن تھا۔

صبح سے سارے ہی کام بہت جلدی میں نے نمٹا ڈالے اس روز نبیل کی بھی 14 اگست کے باعث چھٹی تھی۔ وہ انتہائی خوشگوار طبیعت کے ساتھ میری مدد کروا رہے تھے۔ اماں ابا سے ہنسی مذاق بھی ساتھ ساتھ چل رہا تھا مگر اپنے کاموں کو جلد از جلد مکمل کرتے ہی میں نے ان سے حمنہ کے ہاں مجھے چھوڑ کے آنے کی خواہش کی۔ اس نے گزشتہ روز ہی مجھے چھٹی کا دن ادھر گزارنے کی پیش کش کر رکھی تھی۔ میں اندر سے دلبرداشتہ سی تھی۔ سو ارادہ کر لیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ نبیل نے خلافِ توقع بہ خوشی مجھے چھوڑ آنے کی بات کی۔ میرے لیے تو بہت حیرت اور خوشی کا مقام تھا۔ میں دوڑ کر تیار ہونے چل دی۔ شاور لیتے ہوئے پانی کی ہر پھوار کا میں نے بے پناہ مزہ لیا اور پھر ہلکے پھلکے ذہن کے ساتھ آئینے کے آگے براجمان ہو کر اپنے لمبے گھنے بال سنوارنے لگی۔ نبیل کی گنگناہٹ میرے عقب سے آئی اور میرے ہاتھ سے ہیئر برش لے کر لگے وہ میری لٹوں کو سلجھانے مگر اس سے پہلے کہ

لٹ الجھی سلجھا جا رے بالم

میری طرف سے بھی گنگنایا جاتا باہر سے بچوں کے شور اور ابا کی پریشان کن سی آوازوں نے ہمیں چونکا دیا۔ ہم بھی لپک جھپک باہر کی جانب بھاگے۔ اماں صحن میں لگے واش بیسن پر درد سے دہری

ہو ہو کے الٹیاں کر رہی تھیں۔ ابا نے کندھوں سے انہیں تھام رکھا تھا اور بچے ''کیا ہوا دادی جان'' کی رٹ کسی طوطے کی طرح لگا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر نبیل تو ماں کی جانب لپکے جب کہ میں منہ کھولے اپنے دکھ میں مبتلا وہیں کھڑے سوچ رہی تھی کہ جو سورج میرے لیے حیرت انگیز مناظر لیے نکلا تھا۔ یہ اس کا انجام ہے۔ یعنی کہ حمنہ کے گھر کی یاترا ٹائیں ٹائیں فش ہوتی دکھائی دینے لگی پھر کچھ سوچ کر میں بھی نبیل کی مدد کو لپکی اور بھاگ دوڑ کے ہم سب اماں کے سنگ اسپتال چلے۔ انہیں بدہضمی ہو گئی تھی)۔ ڈاکٹر نے انہیں داخل کر کے ڈرپ لگا دی تھی۔ ہم بھی ان کے سرہانے موجود تھے۔ وہ پوچھ رہا تھا۔ ''بزرگو کو زیادہ کھانے کی عادت تو نہیں؟''

''ارے کہاں ڈاکٹر صاحب۔ انہیں تو ضد کر کے کھلانا پڑتا ہے اور پھر انتہائی سادہ غذا کھانے کی عادی ہیں اماں جی۔'' نبیل گھبرائے گھبرائے سے انداز میں اسے بتانے لگے۔

''تو پھر باسی کھانا کھا لیا ہو گا...... شاید غلطی سے......'' وہ ان کی ڈرپ کے گرتے قطروں کی رفتار متعین کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''یہ نہیں ہو سکتا جناب! میری بیگم ہر روز انہیں تازہ اور بہترین کھانا بنا کر دیتی ہیں اور پھر ہمارے گھر میں کوئی کمی نہیں کہ ہم انہیں باسی کھانا کھلائیں۔'' نبیل کو اس کی بات بری لگی تھی مگر میرے اندر جو آندھی چل رہی تھی اس کی خبر ان کو نہ ہوئی مجھے یاد آیا کہ گزشتہ روز کھانے میں دیر ہونے پر میں نے دو روز پہلے کا بچا ہوا سالن فریزر سے نہیں بلکہ فریج سے نکالا اور گرم کر کے دو روٹی انہیں بازار سے منگوا دی تھیں وہ بوڑھی تھیں...... شاید ان سے ہضم نہ ہو سکا ہو گا۔ مجھے ملال ہوا مگر اب نہ تو خود سے اس غلطی کا اقرار کرنے کی پوزیشن میں تھی اور نہ ہی انہیں تندرست کر سکتی تھی۔ شاید میرے اندر چھپی ایک اچھی عورت نے ایک ماں کے لیے بہت سی دعائیں کیں۔ ان کی تندرستی کے لیے...... زندگی کے لیے، نبیل پر ان کی ٹھنڈی برکت بھری چھاؤں کے قائم رہنے کے لیے اور اپنی ایک ہمدرد و غمگسار ساس کے لیے جو جلد قبول ہوئیں اور تین روز کی سخت پریشانی کے بعد بخیر و عافیت گھر لے آئے۔

''بڑی پکی ہے تمہاری ساس۔ اتنا زبردست جھٹکا برداشت کر گئی۔'' اگلے روز حمنہ میری فون کال کے جواب میں مذاق اڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جانے مجھے اس کا یہ انداز اور کلام دونوں بہت بھونڈے سے لگے تو میں نے جلد ہی فون بند کر دیا۔

وہ آسانی سے جان چھوڑنے والوں میں سے کب تھی اگلے دن عین اس وقت اس کا فون آ گیا کہ جب میں، نبیل اور بچے اماں ابا کے کمرے میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وقت بے وقت تو شاید ''بہت اپنوں'' کا آنا بھی کھلتا ہے۔ دوسروں کی طرح مجھے بھی پہلی بار الجھن ہوئی کیونکہ اب اس نے کوئی چھوٹی مختصر سی بات تو کرنا نہیں تھی میرے گھر کی ہی رپورٹ لینے کے لیے چند ہمدردانہ سے جملے ادا کرنے تھے اور پھر میں لحاظ کی ماری آدھ گھنٹا گزار آتی پھر بھی ناچار مجھے اٹھنا ہی پڑا۔

''ہاں حمنہ یار!'' اپنی بے بسی کو میں خوبصورتی سے دبا گئی۔

''بس ہو گئی جناب بس۔'' وہ دوسری طرف مسکرا مسکرا کر پوچھنے لگی۔ ''کیوں...... کیا بات ہے۔ میری دعوت کو گول کر گئے ناں حسبِ عادت نبیل بھائی۔''

''نہیں حمنہ۔ حقیقت میں وہ تو اس روز ہی چھوڑ کے آنے والے تھے مگر اماں جان کی طبیعت......''

''چھوڑو یار نائلہ! ایک عدد دوستی تک تم سے سنبھل نہ پائی۔ مجھے تم سے اس قدر محبت ہے اور یہی بات تو نبیل بھیا کو بری لگتی ہے اور ہاں سن لو...... میں نے تمہیں بہت عرصے تک دیکھنے کے بعد نتیجہ نکالا ہے کہ نبیل بھائی صرف اور صرف تمہیں ایک ملازمہ کے طور پر لیتے ہیں نہ کہ گھر والی، گھر کی مالکن...... ایک خودمختار سی خاتونِ خانہ، گھر پہ راج کرنے والی ایک بیوی...... ترس آتا ہے مجھے ہمیشہ تم پر اور تمہاری حالتِ زار پر، جانے تم کس مٹی کی بنی ہو کہ اس دور میں بھی تم نے محض گھر، شوہر، بچوں ...... اور باورچی خانے جیسے روگ پال رکھے ہیں۔''

وہ رک نہیں رہی تھی اور میں بھی دم سادھے اسے سنتی چلی گئی۔ ''تمہاری بدقسمتی...... کہ تمہیں ایک مطلق العنان قسم کا شوہر ملا اور اوپر سے سونے پہ سہاگا یہ کہ وہ تمہاری بات کو معمولی سی بھی اہمیت نہیں دیتا۔ دوستی تو دور کی بات...... تم یہ ہی بتا دو کہ پچھلے نو سالوں کے دوران آخر کتنی بار تم اپنے میکے ہی ہو آئی ہو۔ اس نے تم پر قبضہ جما رکھا ہے اور تم...... صرف ایک کٹھ پتلی کے مانند اس کی ہلائی ہوئی ڈور پر ناچ رہی ہو اور ناچتے ناچتے اسی کی شان میں راگ بھی الاپتی رہتی ہو......'' وہ شاید دوسری جانب سے بولتی رہی مگر میں نے رابطہ منقطع کر دیا۔

''شاید وہ درست کہہ رہی تھی۔'' میں نے اس کے تجزیے کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہا۔ ہاں درست ہی تو تھا۔ کب سنی گئی تھی میری؟ وہ اس گھر میں تنہا راج کرتی ان کی حیثیت سے رہتے تھے اور میں ان کی ایک ادنیٰ سی باندی بن کر۔ میرے نصیب میں گھر کے کام، بچوں کی دیکھ بھال، سسرالی عزیزوں کی مہمان نوازیاں اور خاوند کی نصیحتیں ہی لکھی گئی تھیں ناں اور کیا......

''کیا ہوا نائلہ تم ابھی تک واپس کیوں نہیں آئیں یار!'' اکتائے ہوئے لہجے میں میری پشت سے نبیل کا سوال ابھرا۔

''کیا بات ہے آخر نبیل آپ کو......؟'' میں چیخ اٹھی ''کیوں میرا پیچھا اور جاسوسی کرتے پھرتے ہیں آپ ہمہ وقت، کیا اعتبار نہیں آتا آپ کو مجھ پر، کوئی غیر نہیں، کوئی مرد نہیں، فون پر صرف حمنہ تھی۔ میری ایک عورت دوست، وہی حمنہ جس کے پیچھے آپ ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔'' میری زبان زہر کے چھینٹے اڑانے لگی اور وہ میری اس حالت پر ساکت...... حیران و پریشان کھڑے مجھے تکتے چلے گئے۔

''آپ نے سمجھ کیا رکھا ہے آخر مجھے اپنی کوئی زرخرید غلام، اپنے بچوں کی آیا...... یا پھر ایک ظالم بادشاہ کی باندی......'' میرا انداز ہذیانی ہونے لگا اور ہوش و خرد سے بے گانہ۔ نبیل کے پیچھے مجھے اماں ابا اور بچوں کے متوحش اور پریشان چہرے نظر آئے مگر جانے اس لمحے میری عقل کہاں کھو چکی تھی کہ مجھے نفرت سی ہونے لگی ان سب سے میں متواتر چلا چلا کر بول رہی تھی۔ ''آپ کسی بھول میں مت رہیے گا نبیل صاحب! یہ غلط فہمی بھی آج دور کر ہی لیں کہ میں نے اپنی ذات کو آپ کے آگے گروی رکھ چھوڑا ہے اور میری اپنی کوئی شخصیت کوئی اہمیت یا شناخت ہے ہی نہیں۔ کوئی بچہ یا پالتو جانور نہیں تھی میں کہ جسے ہر لمحہ بھاشن دیے جاتے یا پھر سدھانے کی کوشش کی جاتی۔'' میرا لہجہ درشت ہو گیا تھا اور نبیل مجھے تھامنے آگے بڑھے مگر میں نے بے دردی سے ان کو جھٹک دیا۔ اٹھی اور چند کپڑے الماری سے نکال کر بیگ میں ڈالے پھر ایک جھٹکے سے اسے اٹھا کر باہر کی طرف جانے لگی۔ نبیل نے مضبوطی اور سخت غصے کے عالم میں میرا بازو تھام لیا۔

''نائلہ! تم یہ سب بلاوجہ کر رہی ہو اور...... اور بالکل بھی اچھا نہیں کر رہیں۔''

''لیو می نبیل، لیو می پلیز......! ایک کٹھ پتلی کو ٹوٹ جانے دیجیے، بکھر جانے دیجیے۔ جب اس کی کوئی ذات ہی نہیں تو اس بے مول کو گھر میں سجانے کا فائدہ؟'' میری آنکھوں میں کڑوا پانی اترنے لگا۔ بچے مجھ سے لپٹنے لگے۔ میں رو دی مگر جانے کی کوشش جاری رکھی۔ ایسے میں جانے کب سے خاموشی اور برداشت کا مظاہرہ کرتے اماں ابا میرے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

''بہو! ہم تو ہر جگہ بیٹھ کر تمہارے پُرسکون گھر، تمہارے سکھوں، اطمینان اور محبت کے گن گایا کرتے ہیں۔ ہمیں تو علم ہی نہ تھا کہ تم اس حد تک کرب میں مبتلا ہو۔ ہماری طرف سے ستائی ہوئی،

نبیل کی جانے کن کوتاہیوں سے تنگ...... پھر بیٹی تمہیں ہم سے بات تو کرنی چاہیے تھی ناں۔ ہم بھی تمہیں ستانے نہ آتے بھی دکھ میں مبتلا نہ کرتے اپنی بیٹی کو اور...... نبیل کو بھی اپنا گھرانا سکھی رکھنے کی ہدایت کرتے۔ بس بیٹی تم مت جاؤ کہیں بھی۔" وہ بہت محبت سے مجھے سمجھانے لگے مگر دوسری جانب میرے کانوں میں حمنہ کے دیے طعنے گونجنے لگے اور میں ہر محبت بھری رکاوٹ توڑتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی......

"ٹھہرو، سنو نائلہ...... لگتا ہے آج تم نہیں رکنا چاہتیں۔ چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں جہاں تم جانا چاہو...... بولو کہاں جانا ہے۔" نبیل دہلیز پار کرنے سے پہلے میرے ساتھ تھے۔

"حمنہ کے گھر......" میں نے جلتے دماغ مگر پُرسکون آواز میں جواب دیا۔

"یہ درست نہیں۔ وہ کیا سوچیں گے۔" نبیل اس بات سے ناواقف تھے کہ اسی کے کہنے پر میرے اندر کا سویا انسان جاگا ہے......"

"وہ بہت اچھے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر سوچنے نہیں بیٹھ جاتے نبیل...... اور پھر حمنہ میری بہترین دوست اور ہمدرد ہے اور شاید اس دنیا میں اس کے علاوہ میرا اور کوئی بھی سگا نہیں۔"

"یہ تمہاری بھول ہے۔" نبیل کے لب دھیرے سے ہلے اور ہم دونوں ایک گاڑی میں حمنہ کے گھر کی طرف سفر کرتے ہوئے دو اجنبیوں سے زیادہ نہ تھے۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ یہ سب پہلی بار ہوا تھا اور پھر حمنہ کے شوہر کا اس بارے میں کیا خیال ہوگا یہ سوچ کر میرا پریشان دماغ مزید ابلنے لگا۔ جانے مجھے کیا ہوا تھا اور کیسی عورت تھی میں کہ گھر بار اولاد چھوڑ کر یوں اچانک جاتے ہوئے بھی میں اپنی دوست اور اس کے گھر والوں کی پریشانی کا سوچ رہی تھی۔ میں نے ایک فون کال اس کے گھر پہنچنے سے پہلے کرنے کا ارادہ کیا اور پھر ساری بات اس کے گوش گزار کی۔ کن انکھیوں سے نبیل کو دیکھا تو وہ لبوں کو سختی سے بھینچے تنی ہوئی رگوں کے ساتھ جانے کن سوچوں میں محو ڈرائیو کر رہے تھے جیسے میری کسی بھی بات سے ان کا کوئی ناتا نہ ہو۔ مجھے کب ان کی پروا تھی اور پھر حمنہ کے تسلی بخش جواب سے میں کم از کم اپنے ٹھکانے کے بارے میں تو مطمئن ہو گئی۔ اس نے بڑی محبت سے مجھے نہ صرف ویلکم کیا تھا بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ میں نے جو کچھ کیا ٹھیک ہی تھا...... چلو تمام عمر کے لیے نہ سہی چند دن کی دوری، گھر کے مسائل سے نمٹنے اور آفس کے جھمیلوں سے نبرد آزما ہو کر خود ہی نبیل میاں کے دماغ ٹھکانے آ جائیں گے اور پھر میں بھی اپنی مرضی سے جی سکوں گی...... چند منٹ بعد حمنہ کے گھر کا بیرونی دروازہ میرے سامنے تھا۔ میں نے ایک اچٹتی نظر اترتے سمے نبیل پر ڈالی وہ بہت غمگین اور شکست خوردہ لگ رہے تھے۔ مجھے ایک کمینی سی تسکین ہوئی...... بے وفاؤں کی طرح۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ ایک دن حمنہ کی دوستی کا مزہ بھی تم چکھو گی۔ وہ تمہیں آزمائش میں ضرور ڈالے گی......" انہوں نے یہ کہہ کر ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ میرا دل ہول گیا۔ زندگی کا ہمدم یوں خفا خفا سا دور...... جا رہا تھا اور زندگی میں ملنے والی بہترین دوست کا کھلا دروازہ مجھے بانہیں کھولے اندر آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ میں نے پھر ایک نگاہ طویل سڑک کے آخری موڑ پر مڑتی نبیل کی گاڑی کو پشت سے دیکھا جانے کیوں لگا کہ متاعِ حیات تو اس کے اندر رہ گئی پھر خود کو حوصلہ دیتے ہوئے اس کھلے در سے میں نہایت خاموشی اور یاسیت لیے اندر داخل ہوتی چلی گئی۔ مجھے حمنہ کے بولنے کی آواز اندر سے آ رہی تھی۔ کمرے کے قریب آتے ہی میں ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ ٹیلی فون پر کسی سے محوِ گفتگو تھی۔

"ہاں ہاں ممانی جان! میں ہمیشہ سچ ہی کہتی ہوں آپ سے، یقین کیجیے...... نائلہ صاحبہ گھر کو چھوڑ آ رہی ہیں اور اس وقت میرے گھر کے راستے میں ہوں گی۔ اب بھلا مصیبت کی ماری میں ہی رہ گئی تھی کہ یہاں کی راہ لی۔ میاں بیوی کے سو بکھیڑے، سو جھگڑے جھمیلے اب آپ خود ہی سوچیے کہ کہاں نمٹاتی پھروں گی میں۔" وہ میری چچی اور اپنی ممانی سے ہم کلام تھی۔ میرے اندر اس کے اندازِ گفتگو سے آندھیاں چلنے لگیں۔ میں دروازے پر رکی رہی شاید دانستہ...... وہ اپنے دھیان میں ان سے کہتی رہی۔

"جی جی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ شروع دن سے ہی اس کے اپنے بہترین خاوند کے ساتھ نہیں بنتی تھی۔ ارے لوگ تو ایسی اللہ میاں کی گائے قسم کے بر کو ترستے ہیں مگر بے وقوفی کی انتہا کر رکھی ہے اس نائلہ نے، اب میری تو ہم عمر بھی ہے اولیٰ بھی کہتی ہے مجھے...... اور پھر اکٹھی آئیں شادی ہو کے یہاں اس شہر میں کچھ تو حق سمجھانے کا میرا اپنا ہی ہے ناں...... سو سمجھاتی رہی پورے نو سال، دماغ خرچ کر ڈالا میں نے اس کڑھ مغز پر مگر...... اب آپ ہی انجام دیکھ لیں لگتا ہے لڑ کے آ رہی ہوگی میاں سے اور ہاں ہاں سسرالی بھی آئے ہیں ناں، کاموں سے بھاگتی ہے۔ جی، جی میں اچھی طرح جانتی ہوں اسے...... منٹ منٹ تو موبائل کھڑکاتی ہے میرا حمنہ یہ ہوا۔ حمنہ اب یہ کہا۔ حمنہ اب فلاں آ گیا۔ میں مر رہی ہوں...... جی رہی ہوں۔ یہی چلتا ہے اس کی طرف سے۔"

"حمنہ...... یہ تم ہو، یہ تمہاری آواز ہے، یہ جذبات ہیں تمہارے دل میں میرے لیے...... یہ تم ہو یا...... نبیل کی کوئی بددعا ہے میرے لیے یا پھر ان کا صبر، میرے بچوں کی آہ اور میرے گھر کی فریادیں......" میرے دماغ میں گھومنے والے بھنور آج شاید مجھے جکڑ لینا چاہتے تھے۔ میرا دم گھٹنے لگا تو میں نے دھیرے سے بیگ کو فرش پر رکھا۔ شاید ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئی تھی تبھی بے وجہ باہر دروازے کی طرف بھاگی لمبی سڑک کو آنکھیں مل مل کر گھور گھور کے کھوجنے لگی۔ شاید نبیل سڑک کے کنارے اپنی گاڑی میں میرے انتظار میں بیٹھے ہوں...... مگر وہاں اڑتے ہوئے سوکھے پتوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں دل بند ہونے سے چند سیکنڈ پہلے کسی جگہ پر گرنا چاہتی تھی سو اندر کی طرف خود کو کھینچا مگر حمنہ کے بیڈروم کے دروازے پر چکرا کر گر گئی۔

شاید مجھے ایک دن اور ایک رات کی تاریک نیند یا بے ہوشی کے بعد پھر ہوش آنے لگا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ پیر ہلانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر بے سود رہی ہاں مگر پھر وہی حمنہ کی آوازیں میرے کان کے پردوں، دیواروں اور کونوں میں بازگشت بن کر گونجنے لگیں مگر اب تو کچھ اور باتیں تھیں...... ذرا اور قسم کی۔ میں نے سن بدن مگر کھلے ذہن کے ساتھ سننے کی تگ و دو کی اور میں مزید حیران رہ گئی۔ وہ نبیل سے مخاطب تھی۔

"نبیل بھائی! نائلہ اگرچہ آپ سے جدائی کے غم میں ہمارے گھر پہنچتے ہی بے ہوش ہو گئی مگر یہ ضرور کہوں گی کہ اسے آپ کی قدر کرنا نہیں آئی۔" جانے وہ کیا تھی جو لمحوں میں رنگ بدل لیتی تھی...... نبیل البتہ گمبھیرتا کے گھیرے میں خاموش تھے۔

"آج میں ایک بات ضرور کہوں گی آپ سے" ایسے ان کی خاموشی اور میری بے ہوشی کی کوئی پروا نہ تھی۔ "وہ یہ کہ اگر آپ جیسا کوئی شخص مجھے شادی سے پہلے مل جاتا تو...... تو میں اسے ہی اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کرتی......" اس کی آواز بوجھل سی ہو گئی اور یہ سن کر نبیل کرسی سے اچھل پڑے۔ "یہ کیا کہہ رہی ہیں حمنہ آپ...... کچھ تو خیال کریں۔"

"نہیں نبیل صاحب آج جب کہ قدرت نے مجھے یہ موقع دیا ہے کہ میں آپ سے اپنا درد بیان کر سکوں تو میں رکوں گی نہیں۔ ہاں آپ ہی وہ شخص ہیں جسے میں نے ہمیشہ آئیڈیلائز کیا۔ مجھے آپ شروع ہی سے نائلہ کے ہم پلہ نہیں لگے۔ آپ جیسے ہیرا شخص کے لیے تو کسی قدر دان عورت کو بیوی ہونا چاہیے تھا...... اور میں نے خود کو ہمیشہ آپ کے سنگ آپ کی ساتھی کے روپ میں مکمل پایا۔ یہ......

یہ تو ناقدری ہے، ناسمجھ اور بے وقوف...... آپ کے والدین نے ہمیشہ اس کی قدر و عزت کی مگر اسے سمجھ نہ آئی۔ آپ نے اسے دنیا کے جھمیلوں سے دور ایک خوبصورت موتی کی طرح اپنی محبت کے سیپ میں بند رکھنا چاہا یہ الجھتی رہی۔ آپ کی چاہت کے سنہری حصار کو جال سمجھ کر توڑنے میں لگی رہی۔ آپ جیسے مخلص شوہر کی توجہ کو قبضہ تصور کرتی رہی......" اس کا ایک ایک لفظ میرے دل و دماغ میں کسی زہر خند نیزے کی انی چبھوتا چلا جا رہا تھا۔ میں ہوش میں آ چکی تھی...... مگر جسمانی طور پر اپنے آپ کو سن رکھا۔ میں اسے اور...... اور...... اور سننا چاہتی تھی۔ اپنی ہتک، ذلت اور رسوائی کے ہر نشتر کو اپنے سینے میں خود اتارنا چاہتی تھی۔ یہ میری ہی حماقتیں تھیں جو میری آنکھیں ہمیشہ بند رہیں حالانکہ ایک خوبصورت صاف اور مکمل راہِ حیات میرے سامنے تھی۔

"بس کریں حمنہ پلیز...... نائلہ ہوش میں آ گئی تو کیا سوچے گی۔ کاش یہ اب اٹھ جائے اور میں اسے لے کر گھر چلا جاؤں......" نبیل حمنہ کی باتوں سے جیسے آندھی طوفان کی زد میں آ گئے مگر کڑے وقت کی آزمائش سمجھ کر بے بس بنے بیٹھے رہے۔

"اس نے کہاں ہوش میں آنا ہے...... جس جھلی کا خاوند آپ جیسا قدردان ہو اسے ایسا کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ اتنا کچھ یہ کر بیٹھی ہے اور آپ ابھی تک اس کے بستر کی پٹی سے لگے بیٹھے ہیں۔ بھول جائیے اسے نبیل صاحب...... میں تو...... میں تو خود احمر جیسے فضول، بدوضع اور کاٹھ کے الو جیسے شخص سے تنگ آ چکی ہوں۔ نبیل! آپ اور میں......"

تڑاخ...... ایک زوردار آواز میرے سنسناتے کانوں میں گونجی اور میں ایک جھٹکے سے بستر پر اٹھ بیٹھی۔ حمنہ سرخ گال پہ ہاتھ دھرے بے پناہ غضیلی نگاہوں سے نبیل کو گھور رہی تھی جو سامنے ہی مٹھیاں بھینچتے ہوئے اور لبوں کو کاٹتے ہوئے دکھ کا گہرا بادل بنے کانپ رہے تھے۔ مجھے اور کچھ نہ سوجھی...... بھاگ کر ان کے پیروں پر ہاتھ رکھ دیے۔ میرے لبوں پہ معافی نامہ بھی نہ تھا اور جسم میں ایسی ہمت بھی نہیں تھی کہ روتی کرلاتی۔ بس اشک پشیماں تھے جو سارے بند توڑ کر دل کی گہرائیوں میں گرتے چلے جا رہے تھے۔

نبیل نے کندھوں سے تھام کر مجھے اٹھایا اور اپنی بانہوں کے گھیرے میں جذب کر لیا پھر ساتھ لگائے باہر کی جانب چل دیے۔ انہوں نے ایک نظر بھی سلگتی، پھنکارتی حمنہ...... "میری بہترین دوست" کو نہیں دیکھا تھا۔

ہم گھر کی طرف جاتے راستے میں بہت خاموش تھے مگر شاید...... اجنبی نہیں۔ میرے راہبر نے مجھے دوستی نما دشمنی کی اندھیری راہوں پر فنا ہو جانے سے بچا لیا تھا۔ وہ حقیقت میں ایک سچے اور مخلص دوست ثابت ہوئے۔

"اپنے" گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی احساس ہوا کہ یہ در وا ہے۔ سامنے خوشی، پریشانی اور امید کے ملے جلے احساسات حلیم چہروں پر سجائے اماں جان اور بابا ہاتھوں میں تسبیح پر اس ذاتِ باری تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ہمارے سکھ کی دعائیں کر رہی ہوں گی۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر ان کے دعاؤں بھرے ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگا لیے۔ میں ان دونوں سے دیوانہ وار لپٹ گئی اور میری ممتا کے منتظر میرے بچے مجھ سے......

میرے سبھی سچے اور مخلص دولت و غمگسار میرے اردگرد موجود تھے اور میں ان کے گھیرے میں ہونٹوں پر حقیقی پرسکون، محبت بھری مسکان سجائے اطمینان کے سرور میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو کتنی عزت و محبت کے تحفوں سے نوازا ہے...... بے شک گھر، شوہر اور اولاد کی صورت میں سچی دوستی عطا کر دی۔

نبیل نزدیک ہی کھڑے اطمینان بھری سانسیں لیتے ہوئے مجھے والہانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

آزمائش یا عذاب

صدف اعجاز

حالِ دِل کوئی یہاں کس کو سنائے ساقی
لوگ سینے میں تو دِل تنگ لیے پھرتے ہیں

دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو بلاوجہ ہی دوسروں سے اختلاف رکھتے ہیں اور یہ اختلافات بڑھ کر حسد و رقابت کے گھناؤنے جذبوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ یہ ایک ایسے ہی خاندان کی کہانی ہے شاید یہ ہر دوسرے گھرانے کی روداد ہو — بے حس و نادان انسان اپنی خوش فہمی اور گھمنڈ میں یہ سب دیکھ نہیں پاتا کہ انسان جس چیز کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے درحقیقت وہ اپنے لیے عذاب اکٹھا کرتا چلا جاتا ہے۔ دوسروں کی زندگی میں آگ لگانے والے اپنے گھر میں لگی آگ کی تپش کو کیسا پاتے ہیں اس کہانی سے اندازہ کیجیے۔

☆☆☆

"بول بی بی، تو کیا چاہتی ہے؟" ہال نما کمرے میں موجود شاہ صاحب نے اس کی باری آنے پر اپنا رخ اس کی جانب کرتے ہوئے پوچھا۔

یہ شاہ عالم صاحب کا آستانہ تھا۔ شہر کے بڑے مشہور پیر سمجھے جاتے تھے دور دور سے لوگ ان کے دربار میں اپنی اپنی پریشانیاں لے کر حاضر ہوتے

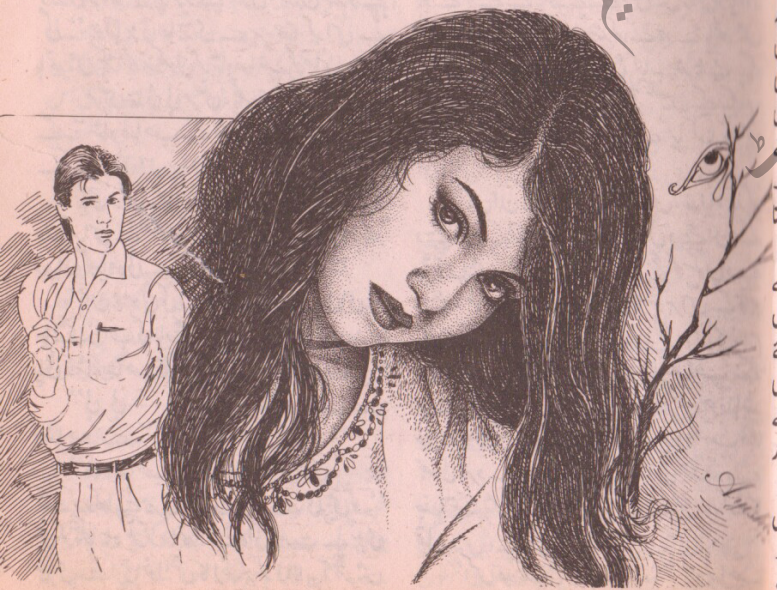

تھے۔ مزے کی بات یہ تھی کہ جناب شاہ صاحب کے آستانے میں تمام امراض کا مکمل علاج اور ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا جیسے بیماری سے شفا، بے روزگاری کا خاتمہ، رشتوں کی بندش کا توڑ، شادی میں رکاوٹ دور، ظالم شوہر کو قابو میں کرنا، اولاد کی بندش کا خاتمہ، سسرال سے چھٹکارا سو فیصد پکی کامیابی کے ساتھ ان پڑھ عورتیں تو کیا بڑی بڑی پڑھی لکھی کانوینٹ سے تحصیل شدہ خواتین کا بھی یہاں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ بڑی سے بڑی مشکل کا حل شاہ صاحب چٹکی بجا کر نکال دیتے اور نوٹوں کی گڈیاں ان کے سامنے ڈھیر ہوئے چلی جاتیں۔ وہاں آنے والی ہر عورت کو ان کے چہرے پر نور نظر آ جاتا تھا۔ منہ سے جھڑتے پھول ہی ان کے دلوں پر یوں اثر کر جاتے کہ یہ بے وقوف عورتیں دل و جان سے ان کی جھوٹی پُراثر باتوں پر ایمان لے آتیں۔

''یہ کچھ نام ہیں شاہ صاحب ذرا اپنی کرم نوازی تو مجھ حقیر پر کر دیجیے بندی احسان مند رہے گی۔'' جواباً بڑی عاجزی سے سر جھکا کر اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ کھول کر شاہ صاحب کو تھما دیا۔

''مرضی بتا بی بی مرضی، پھر ہی حل تلاش کریں گے۔'' شاہ صاحب نے اس کے ہاتھ سے پرچہ لے کر ایک نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''جی، بس کچھ ایسا کیجیے کہ......'' ایک لمحے کو رک کر اس نے لفظوں کو ذہن میں ترتیب دیا اور پھر دوبارہ گویا ہوئی۔

''ان ناموں کی زندگی میں بھی بے سکونی سی ہو جائے۔'' اب کی بار بھی وہ اپنا اصل مدعا بیان نہ کر پائی۔ شاہ صاحب کا بھی تو ردِعمل دیکھنا مقصود تھا۔

''بی بی...... ذرا صاف صاف بات کرو، وضاحت سے۔''

''شاہ صاحب، ان کی تباہی و بربادی...... بڑا تنگ کر رکھا ہے میری بھولی بھالی غریب سی بیٹی کو۔'' بیٹی کو ہچکچاتا دیکھ کر ساتھ آنے والی عورت نے بڑی تیزی سے اپنی خواہش کا اظہار کر ڈالا۔ آخر میں آواز میں ہلکی نمی سی بھی بھر گئی۔ بے چاری بھولی بھالی بیٹی تو یوں سر جھکائے بیٹھی تھی جیسے مظلومیت کی تصویر ہو۔

''بی بی، کام تو خالی خولی نہیں ہوتا ذرا تھوڑا ہمارا خیال بھی کرو۔'' شاہ صاحب کے مرید نے لقمہ دیا۔

زمانہ شناس شاہ صاحب ان دونوں کے آنے کا مقصد جان چکے تھے وہی صدیوں پرانی شکایت سسرال والوں کے ظلم و زیادتی، خاوند قابو میں کرنا وغیرہ وغیرہ سو حل بتانے سے پہلے اپنی خواہش کا اظہار آنکھوں ہی آنکھوں میں مرید سے کر دیا۔

''جی......'' اسی عورت نے پرس کھول کر ہزار ہزار کے کئی نوٹ نکال کر شاہ صاحب کی گدی کے نیچے رکھ دیے۔ رات ہی تو شوہر کے پرس سے چرائے ہوئے پیسے بیٹی نے اماں کی ہتھیلی میں تھمائے تھے یہاں جو آنا تھا۔

اسی مرید نے انہیں اٹھا کر اپنے پیچھے پڑے ہوئے لوہے کے چھوٹے سے بکس میں ڈال دیا اور شاہ صاحب نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی تسبیح پر کچھ پڑھنا شروع کیا۔ چند ثانیے کے لیے خاموشی چھا گئی پھر یونہی بند آنکھیں کیے وہ پوچھنے لگے۔ ''بتاؤ، ذرا جلدی سے کیا کرنا چاہتی ہو۔''

''میں ان کی بربادی چاہتی ہوں، خدایا، بند کر دیجیے ان کے تمام کام، رکاوٹ ڈال دیجیے ان کے رشتوں میں، رزق میں اور میری بچی کو سکون دے دیجیے، سکون چاہیے۔ میری بچی کا شوہر اس کے قابو میں پوری طرح سے آ جائے وہ بالکل اس کا غلام بن جائے۔'' اماں سر جھکائے شاہ صاحب کے سامنے یوں بیٹھی تھی جیسے سامنے والا شخص نعوذ باللہ خدا ہو اور اس کے آگے سر جھکانے پر وہ حسبِ منشا جھولی بھر دے گا۔ بولتے بولتے آخری جملہ قدرے جذباتیت میں بول گئی جس پر بیٹی نے کہنی مار کر ٹوکا تھا۔

''کس حد تک صحیح کام کرنا ہے؟'' شاہ صاحب نے ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑے کاغذ پر موجود ناموں کو دیکھتے لگے۔

''اگر سو فیصد ہو تو۔'' اماں کے ساتھ بیٹھی بیٹی اب کی بار بول اٹھی۔

''بی بی، ان کاموں میں روپیہ، پیسا بہت لگتا ہے ہوتا ہے۔''

''جی آپ اس کی فکر نہ کریں۔'' بیٹی نے ایک نگاہ ماں پر ڈالتے ہوئے دھیرے سے شاہ صاحب کو تسلی دی۔

''شوہر کیا کرتا ہے تیرا؟'' شاہ صاحب اب ذرا اصل کر تفصیلی بات چیت کرنے لگے۔

''جی جاب کرتے ہیں پرائیویٹ فرم میں منیجر کی پوسٹ پر ہیں۔'' آنکھوں کو گول گول گھما کر گردن فخر سے اکڑائے وہ بتا رہی تھی۔

''بچے کتنے ہیں؟'' انہوں نے ابرو اچکائے۔

''جی کوئی نہیں۔''

''کتنا عرصہ ہو گیا شادی کو؟''

''جی چھ سال'' اس کی بات سن کر انہیں بڑا تعجب ہوا تھا۔ ''بی بی، کمال کی بہادر خاتون ہو اپنی پریشانی میں بھی دوسروں کی بربادی کی فکر پڑی ہے۔'' وہ اسے تنبیہہ کرتے ہوئے دھیرے سے گویا ہوئے۔ دونوں ماں بیٹی کی نگاہیں آپس میں ٹکرائی تھیں۔

''بس اللہ کی آزمائش ہے۔'' نازیہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بڑے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

شاہ صاحب سے ملنے کے بعد وہ ماں بیٹی کافی مطمئن ہو گئی تھیں۔ طبیعت میں بڑھتی بے تابی اور بے سکونی میں ذرا ٹھہراؤ آ گیا تھا مگر اتنا عقل میں کبھی نہیں آیا کہ اگر واقعی پہنچے ہوئے بزرگ ہوتے تو ہرگز اتنی تفصیل نہ پوچھتے۔

گزرتے وقت کے ساتھ شاہ صاحب کے تمام عمل کام کرنا شروع ہو گئے تھے۔ اپنے دل میں لگی آگ جب دشمن کے گھر میں لگتی ہے تو بڑا سکون محسوس ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔

بڑی حاسد طبیعت کی مالک تھی وہ اور خود نمائی کی بے حد شوقین بھی...... ہر محفل، ہر جگہ خود کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اسے بہت بھلا سا لگتا تھا۔ اپنی ذات کی نفی کہیں، کسی بھی جگہ اچھی نہ لگتی تھی۔ شادی ہوتے ہی وہ جوائنٹ فیملی میں آئی تھی خاندان بھر میں اپنی جگہ بنانے کی بڑی کوشش کی تھی اور کرتی بھی کیوں نہ آخر کو گھر کی بڑی بہو جو ٹھہری مگر کبھی کبھار بڑی نند کی اہمیت اپنے سے زیادہ دیکھ کر وہ جل جاتی تھی۔ حالانکہ ساجد اس کمی کو بڑے پیار اور سبھاؤ سے پوری کر دیتا تھا۔

شاہ صاحب کے ہاں سے آنے کے بعد کچھ یہ تبدیلی آئی کہ اس کے میکے کی خوب بڑھا چڑھا کر مالی حالت بیان ہونے لگی اور تو اور خود اس کے گن بھی سب ہی گانے لگے۔ وہ معمولی دولت کی مالک ایک دم ہی ساجد کے بولنے پر کروڑوں کی مالک بن جاتی۔ بڑی ممنونیت سے وہ ساجد پر نثار ہونے لگی تھی۔ لوگوں کی خود پر یکدم حیرت زدہ سی نگاہیں اسے ہواؤں میں لے اڑتی تھیں۔ (بے چاری اس بات سے بالکل انجان تھی کہ لوگ اس کی حالت پر بے یقینی سی کیفیت میں مبتلا ہو جاتے تھے کہ یہ کروڑوں کی وارث خاتون، غریب سے ساجد کے گھر میں کیا کرنے آ گئی ہے۔)

کتنا پیارا لگتا تھا اسے ساجد جب وہ لوگوں میں اس کے موٹے بھدے فگر کے گن گاتا پھرتا تھا۔ بس جب سے شاہ صاحب نے ساجد کو اس کی مٹھی میں بند کر دیا تھا تو وہ بے حد خوش تھی۔ ابھی کل ہی تو ساجد اسے بتا رہا تھا۔

''آپا کی بیٹی کا رشتہ ٹوٹ گیا۔'' ساجد افسردہ تھا اور اس کی اتنی افسردگی اسے ایک آنکھ نہ بھائی تھی خود پر ضبط کرتے ہوئے وہ ساجد کا دل بہلانے کو بڑی چاہ سے بولی تھی۔ ''اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ چلیں ذرا باہر تک ہو آتے ہیں۔ آپ کی

اداسی بھی کم ہو جائے گی۔" ساجد کی نظر سے بچا کر پانی میں شاہ صاحب کا دیا تعویذ گھول کر انہیں پکڑا کر کہنے لگی۔ "آپ پانی پئیں۔" ایک تھکا سا سانس بھرتا ساجد اپنی پیاری حساس دل بیوی کو تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھتا ہوا پانی پینے لگا۔

☆☆☆

"آئیں بٹو بھائی۔ میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" دروازہ کھولتے ہی بٹو بھائی کو سامنے کھڑا دیکھ کر وہ بڑی خوش دلی سے ملی، چار فٹ نو انچ کے بٹو بھائی اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہو گئے۔

"کیوں بھئی ہمارا کیوں انتظار ہو رہا تھا!" بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی ان کے لبوں پر یہی تو کمال تھا بٹو بھائی کا ہر بات مذاق میں ہی اڑا دیتے تھے اور ساجد کی بے انتہا مصروفیت پر اسے خوب کمپنی بھی دیتے تھے۔ ان کی سنگت میں وہ بھی بڑی خوش رہتی تھی۔ کافی بڑے بڑے راز و نیاز بھی وہ ان سے کر لیتی تھی اور ان کے مشورے بھی اسے کافی ہیلپ دیتے تھے۔ بٹو بھائی ساجد کے کافی پرانے دوست تھے۔ کافی پڑھی لکھی اور اچھی فیملی سے ان کا تعلق تھا لیکن چھوٹے قد کو اپنی خامی سمجھ کر ابھی تک شادی نہ کی۔ شروع شروع میں اچھا خاصا مذہبی رجحان تھا پھر نہ جانے کیوں بھٹک گئے۔ کہتے ہیں عورت میں بڑی طاقت ہوتی ہے مگر مظلوم نازیہ کو ان کے چھوٹے سے کندھے کی طاقت کی اچھی خاصی ضرورت رہتی اور اللہ کے دکھی بندوں کی مدد کرنا بھی تو ان کے فرائض میں شامل تھا سو اس کا دل بہلانے کو وہ چلے آتے تھے۔ چائے کھانے کا دور بھی ساتھ ساتھ چلتا رہتا گفتگو کے درمیان بڑے ہنس ہنس کر نازیہ بٹو بھائی کو بتانے لگی۔

"لوگ میری اور آپ کی دوستی سے بڑا جلتے ہیں۔"

"ارے وہ کیوں بھئی؟" بڑی مصنوعی حیرت چہرے پر سجائے ہوئے وہ پوچھنے لگے۔ "سادہ سی بات ہے ان کے پاس آپ جیسے دوست کی کمی ہے اور نہ ہی وہ میری طرح اتنی مسحور شخصیت رکھتی ہوں گی۔" یہ کہہ کر بڑے زور سے قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی اور اس کے ان قہقہوں میں بٹو بھائی کی کمزور سی ہنسی شامل ہو گئی۔

☆☆☆

آج کل وہ بڑی خوش تھی۔ شاہ صاحب کے کیے گئے تمام عمل دشمن کو بری طرح سے زیر کیے ہوئے تھے۔ ساجد بھی پوری طرح سے اس کے قابو میں آ چکا تھا۔ اتنی خوشی سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔ اماں نے اس خوشی میں ایک تقریب کر رکھی تھی تقریباً سبھی جاننے والی خواتین مدعو تھیں۔ چائے کا دور شروع ہوا تو وہ بھی کپ تھامے ہوئے آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ مختلف موضوعات سے بات کرتے ہوتے ہوئے مذہبی رخ اختیار کر گئی تو نازیہ تیز تیز سے بولنے لگی۔

"بھئی آپ لوگ اگر ایک بار ڈاکٹر بخش کا لیکچر سن لیں تو میری طرح آپ سب بھی ان کے گرویدہ ہو جائیں گے۔" سر پر سرکتے اسکارف کو دوبارہ سر پر جماتے ہوئے وہ زور زور سے بول رہی تھی۔ کمرے میں بیٹھے تمام حاضرین کے علم میں ڈاکٹر صاحب کا اتنا ہی امیج تھا کہ ان کا شمار مذہبی علما میں ہوتا تھا۔ نازیہ ان کے گن گانا شروع ہوئی تو ایک رشتے دار عمر رسیدہ خاتون اس سے کہنے لگی۔

"یہ آپ کے ڈاکٹر صاحب غیر محرم سے تعلقات اور شرعی پردے پر بھی کچھ فرماتے ہیں نہیں شاید کہ لوگ اس جانب بھی توجہ دینے لگیں۔ ہم بھٹکے ہوئے لوگ بھی سدھر جائیں۔" بڑی ذو معنی بات کی تھی خاتون نے، بڑی واضح چوٹ تھی نازیہ کے ادھ کھلے سر پر ویسے بھی اڑتی اڑتی نازیہ اور بٹو بھائی کی دوستی بھی ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی سو پرانی رنجش کا بدلہ چکانے کا اچھا موقع ملا تھا انہیں نازیہ کے بڑھ چڑھ کر خود کو ایکسپوز کرنے پر، قریب بیٹھی دوسری خاتون نے ایک ثانیے کے لیے نازیہ کا پڑتا چہرہ دیکھا تھا مگر وہ بڑی ڈھٹائی سے گویا ہوئی۔ "آپا، آپ بھی ضرور ان کا درس سنیے گا۔"

"ہوں؟" عورت نے ناک چڑھا کر منہ دوسری طرف موڑ لیا مگر بڑبڑاہٹ اب بھی جاری تھی۔ "بی بی، یہ باتیں تو وہ لوگ کرتے اچھے لگتے ہیں جو خود بھی عمل کریں۔" نازیہ نے ان کی واضح آواز سنی تھی لیکن جواباً وہ کچھ نہ بولی یہ سوچ کر کہ انہیں منہ لگانے کا کیا فائدہ، ضرور مجھ سے جلتی ہوں گی۔ میں ہر لحاظ سے پرفیکٹ جو ہوں۔" ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ سجائے وہ ساتھ بیٹھی خاتون سے باتیں کرنے لگی۔ بے چاری کی بڑی بیمار سوچ ہو گئی تھی۔ اس بات سے قطعاً انجان کہ حسد ایک ایسا زہر ہے جسے پیتے ہم ہیں اور توقع دوسروں کے مرنے کی کرتے ہیں لیکن وہ اور کر بھی کیا۔ یہی تو دستورِ زندگی ہے۔ خدا سے محبت کرنے کا ڈھنڈورا پیٹنے والے ہی تو کامیاب ہوتے ہیں اور یہی پالیسی نازیہ بیگم کی تھی کہ دوسرے لوگوں میں دینی باتوں کا پرچار کر کے اپنی کمزوریوں کو چھپایا جائے۔

☆☆☆

"کیا ہوا اماں؟" وہ اندر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے افسردہ سی بیٹھی اماں سے پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں، تم آؤ، بیٹھو یہاں پر۔" اسے ہنوز دروازے میں ایستادہ دیکھ کر وہ اندر آنے کا کہنے لگیں۔

"اماں...... کچھ بتائیں تو۔" وہ صوفے پر ان کے نزدیک آ بیٹھی۔ زینت بیگم یونہی خاموش بیٹھی رہیں تو بالآخر وہ خود ہی بول پڑی۔ "اماں دیکھیے میں آپ کا بیٹا ہوں بیٹی نہیں بتائیں مجھے...... ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟" بڑی نرمی سے وہ ان کا ہاتھ تھپکتے ہوئے انہیں دلاسا دے رہی تھی۔

"تمہارے ابو اب کبھی نہیں دیکھ سکیں گے۔" وہ اس پل بڑی رنجیدہ دکھائی دے رہی تھیں۔ "ان کی بینائی ہمیشہ کے لیے ضائع ہو گئی ہے اس کے علاوہ دایاں پاؤں بھی سوکھتا چلا جا رہا ہے۔ اب تو وہ بستر پر ہی پڑ جائیں گے۔" بہ مشکل وہ چہرے پر افسردگی کا تاثر دے پائی تھیں حالانکہ بیٹی کے سامنے یہ تاثر دینا بے معنی سا تھا۔ ان کے گھر میں شوہر کی کیا حیثیت تھی۔ وہ اس سے واقف تھی۔ خود ساجد کو بھی اس نے ایک غلام ہی سمجھ رکھا تھا۔

"اوہ۔" ہونٹوں کو سکیڑ کر وہ ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے بے ساختہ بول پائی پر ایک حیرت اس کے چہرے اور آنکھوں دونوں سے عیاں تھی کہ اماں، ابو کے لیے اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ دل میں اٹھنے والا سوال بار بار سر اٹھا کر اس سے پوچھ رہا تھا کہ کب ابو کی شخصیت ان کے لیے اتنی اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ وہ اتنی رنجیدہ کیوں دکھائی دے رہی ہیں جب کہ ان کے بارے میں جذبات، احساسات سے وہ بالکل عاری ہو چکی تھیں...... شاید انہیں اپنے شوہر کی خدمت کرنا پڑ جائے گی۔ وہ اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی کہ اچانک الماری میں نصب آئینے میں ابھرتے عکس پر نگاہ پڑی۔ سامنے ہی باسم بھائی کھڑے تھے۔ اس کے اکلوتے بہنوئی۔ اماں کا ڈراما بالآخر اس کی موٹی کھوپڑی میں سما گیا تھا۔ خود کو بڑا آزردہ ظاہر کرتے ہوئے وہ رندھی ہوئی آواز میں بول اٹھی۔ "اماں صبر کریں، اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش ہے ہمیں حوصلے سے کام لینا ہے۔" اماں کو تسلی دیتے ہوئے وہ باسم بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں ذرا ابو کو دیکھ آؤں۔" ماں کا کندھا تھپتھپا کر وہ باہر نکل آئی۔

☆☆☆

"آئیں بھابی۔ کیسے آنا ہوا؟" وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی جب ساجد کی بھابی یعنی اس کی جیٹھانی چلی آئیں۔ بڑی خوش دلی سے وہ انہیں ویلکم کرنے لگی۔ یہ وہی جیٹھانی تھیں کہ جن کے پہلوٹھی کے بیٹے کے اچانک انتقال پر وہ دل ہی دل میں کھل اٹھی تھی۔

”بس کل تمہارے بھائی بتا رہے تھے کہ تم لوگ نریمان کو ڈاکٹر کے ہاں لے کر گئے تھے۔ میں یہی پوچھنے آئی ہوں، کیا کہا ڈاکٹر نے؟“ وہ اس کے مقابل صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

”بس بھابی۔ کچھ ٹیسٹ کروائے ہیں۔ اب دیکھیں کیا نکلتا ہے۔“

خدا نے نازیہ کو اولاد تو دے دی تھی مگر یہ اولاد شاید اس کا امتحان تھی ...... یا نازیہ کا دوسروں کے لیے کیے گئے برے اقدامات کا نتیجہ...... دو سال کی ہونے کے باوجود اس کی بچی چھ ماہ کی دکھائی دیتی تھی۔ سو سب کے کہنے پر اس کا میڈیکل چیک اپ کرایا گیا تھا۔ بھابی نازیہ کے افسردہ چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے اسے تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

”انشاءاللہ، اللہ بہتر کرے گا۔ خاص خیال رکھا کرو اس کا۔ چھ سال بعد اللہ نے خوشی دکھائی ہے۔“

”جی بھابی، اللہ جب آزمائش میں ڈالتا ہے تو نکال بھی ضرور دیتا ہے۔“ دل میں لیے چور کو چھپانے کے لیے اس نے ایک بار پھر خدا کا سہارا لیا تھا۔ لوگوں کو دھوکا دیتے ہوئے اپنے آپ کو بھی اب دھوکا دینا شروع کر دیا تھا ورنہ دل و دماغ تو کچھ اور ہی رام کہانی سنا رہے تھے لیکن اعترافِ گناہ تو تب کیا جاتا ہے جب کسی کا ضمیر جاگ رہا ہو۔ سویا ہوا ضمیر جب جاگتا ہے اور دلوں پر لگی مہر اتنی آسانی سے کہاں ختم ہوتی ہے۔ بڑے سے بڑا حادثہ ان کے لیے کیا معانی رکھتا ہے۔ لوگوں کی ہمدردی تسلیاں وجود میں لگی حسد کی آگ کو تھوڑا کم کر دیتی ہیں جیسا کہ بھابی کے لفظوں نے کیا تھا۔

حالانکہ وہ اس لمحے حقیقتاً اپ سیٹ تھی۔ ڈاکٹرز نے نریمان کو ابنارمل قرار دے دیا تھا۔

وہ سال بھر سے نوٹ کر رہی تھی کہ اس کی حرکات و سکنات عام بچوں کی طرح نہ تھیں۔ اس کی physique بھی مختلف تھی وہ دو سال میں بہ مشکل بڑھی تھی۔ لوگوں کے بار بار ٹوکنے اور متوجہ کرانے پر ہوش آیا تب تک تمام راستے بند ہو چکے تھے۔ اکلوتی اولاد کی تکلیف کے بارے میں شا... صاحب سے کہہ کر تنگ آ چکی تھی۔ انہوں نے ... طرح کا علاج کر لیا تھا لیکن نتیجہ سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آیا تھا۔ سو زبردستی خدا کی رضا جان کر خاموشی اختیار کر لی تھی یا پھر کرنی ہی تھی۔ اپنی جانب میں وہ بڑے حوصلے سے خدا کی اس آزمائش پر پورا اترنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی او... کتنے بدقسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو خدا کے عذاب کو اپنی آزمائش سمجھ کر اپنے کانوں اور دل کو بند کر لیتے ہیں۔ سوئے ہوئے بے حس دلوں کے اندر احساسات، جذبات اتنی جلدی کہاں جاگتے ہیں......؟ برائی کی طرف جانے والا راستہ بڑا سادہ اور صاف ہوتا ہے مگر اس راستے کے کھلنے کی د... ہوتی ہے پھر آپ اس دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔ نازیہ نے بھی حاسدانہ طبیعت پائی تھی اور ایک ایسے ہی راستے کا انتخاب کر لیا تھا۔ بے حس اور بے ضمیر لوگ بڑے بڑے عذاب کو خدا کی جانب سے دی گئی آزمائش سمجھ کر خود کو بھی مطمئن کر لیتے ہیں اور لوگوں کو بھی...... پر کیا وہ اس بات سے ناواقف ہوتے ہیں کہ خدا تو دلوں کے بھید بہ خوبی جانتا ہے کیا وہ ان کے حال سے ناواقف ہو گا۔ یہی و... نادان ہیں جو اپنے غلط کیے کا حساب نہیں رکھتے بلکہ دوسروں کو ہی موردِ الزام ٹھہراتے ہیں یا پھر اپنے آپ کو نیک بندوں کی صف میں لا کر آزمائش کا نام دے ڈالتے ہیں۔ شاید وہ اس سے آگاہ نہیں کہ خدا تو بندوں کے معاملات دنیا میں ہی برابر کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جب تک اُس بندے سے معافی نہ مانگی جائے جس کا دل دکھایا یا جس کے ساتھ برا کیا ہے تب تک خدا بھی معاف نہیں کرتا۔

قارئین کیا اپنا احتساب کرنے والے لوگ اس دنیا میں پائے جاتے ہیں؟ اس کا جواب آپ لوگ خود ہی دے سکتے ہیں۔

میری وفا کا پھول

تحسین اختر

مرے روز و شب کے دیار میں، ہیں عجیب خواب سی حالتیں
کبھی قربتوں میں بھی فاصلے، کبھی فاصلوں میں بھی قربتیں

”حسام اٹھ جائیے ناں نو بجنے والے ہیں پھر آپ کو دیر ہو جائے گی۔“ میں نے نیم تاریک کمرے کے پردے سمیٹتے ہوئے حسام کے قریب آ کر اسے دھیرے سے چھوا تھا۔ میرے لمس سے پہلے ہی سورج کی شریر روپہلی کرنیں حسام کے چہرے پر رقص کرنے لگی تھیں جن کی وجہ سے حسام کے سوئے ہوئے وجود میں حرکت پیدا ہو رہی تھی۔

”اچھا بھئی...... اٹھتا ہوں۔“

”اب مزید دیر نہیں، آپ آل ریڈی لیٹ ہو چکے ہیں۔“ حسام نے مندی مندی آنکھوں سے میرے مہکتے، خوشبوئیں بکھیرتے وجود کو اپنے قریب کرنا چاہا۔ وہ ہمیشہ مجھے دیکھتے ہی مجھ پر اپنی محبتوں کی عنایتیں نچھاور کرنے کی کوشش کرنے لگتے لیکن اس وقت ان کی محبت کا جواب محبت سے دینے کا مطلب ہوتا انہیں آفس سے لیٹ کر دینا اور آفس سے لیٹ ہونے کا نتیجہ حسام کی ناراضی اور غصہ اور ان دو باتوں کی کم از کم میں متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے میں ان کے قریب سے اٹھ کر وارڈ روب کی طرف چلی گئی۔ مجھے لباس نکالتا دیکھ کر انہیں مجبوراً

اٹھنا پڑا تھا۔ میرے ہاتھ سے اپنا نفاست سے پریس کیا ہوا سوٹ لے کر وہ واش روم میں گھس گئے اور میں ایک شوخ سے گانے کی دھن گنگناتے ہوئے ان کی پھیلی چیزیں اکٹھی کرنے لگی۔ ابھی مجھے اس وقت تک کمرے میں رہنا تھا جب تک حسام تیار نہیں ہو جاتے۔ یہ میری روٹین کا ایک حصہ تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واش روم سے نکلے تو میں نے آگے بڑھ کر ان کی ٹائی کی ناٹ باندھی، انہوں نے برش اٹھا کر بال سنوارے تب تک میں ان کے پسندیدہ پرفیوم کی بوتل لیے ان کے پاس کھڑی رہی تھی۔ انہوں نے قدِ آدم آئینے میں اپنے عکس کے ساتھ میرا چمکتا دمکتا روپ دیکھا تو شرارت سے اپنا ہیئر برش میری کھلی زلفوں میں پھیرنے لگے۔ میں نے ہنستے ہوئے ہیئر برش اپنے ہاتھ میں پکڑا اور ان پر پرفیوم اسپرے کرنے لگی۔ کمرے میں ایئر فریشنر کی بھینی بھینی خوشبو کے ساتھ ''ایکوابلو'' کی مسحور کن مہک ہلچل مچانے لگی تھی۔

ڈائننگ ٹیبل پر ہر چیز حسام کی پسند کی ہوتی وہ ڈائٹ کانشس تھے۔ سو میں ان کے ٹیسٹ کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی۔ میں نے بہت اصرار اور محبت سے انہیں ڈٹ کر ناشتا کروایا اور پھر پورچ تک چھوڑنے چلی آئی۔

''لیجیے جناب اور روانگی پکڑیے۔'' میں نے اپنی گلابی ہتھیلی ان کے آگے کی جس پر گاڑی کی چابی رکھی ہوئی تھی۔

''شاز ڈیئر! دل تو چاہتا ہے آج آفس سے چھٹی کر لوں اور تمہارے حسین چہرے کو دیکھ دیکھ کر شام کر دوں'' میری ہتھیلی چابی کا بوجھ لیے پھیلی رہی تھی۔ حسام نے میری دھڑکنوں کے قریب آ کر گمبھیر لہجے میں کہا تھا۔

''یہ چند گھنٹے آپ کی طرح مجھ پر بھی بھاری ہیں لیکن وہ فیض صاحب نے کہا ہے ناں کہ

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا، تو اس لیے باقی کی فکر بھی کرنا چاہیے۔''

''تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا ک ہے۔ غالباً یہ بھی کہا ہے۔'' حسام کو لفظوں میں مار دینا ایک مشکل کام تھا۔ اس لیے میں نے چا زبردستی انہیں تھمائی اور گاڑی کی طرف دھکیل دیا گاڑی اسٹارٹ کرنے کے لیے گیٹ سے نکلنے تک و مجھے بھرپور نظروں سے دیکھتے رہے تھے۔ میں بھ اس وقت تک وہیں کھڑی رہی تھی جب تک ان گاڑی میری نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

''اُفوہ'' ان کے جانے کے بعد میں نے ایک گہرا سانس بھرا اور اپنے اعصاب کو ریلیکس کرتے ہوئے اندر آ گئی۔ کچھ دیر میں بیڈ پر آرام دہ حالت میں لیٹی رہی تھی پھر میں ملازمہ کو بتا کر اپنی گاڑی لے کر باہر آ گئی۔ میں عموماً خود تیار ہونے کے بعد حسام کو جگانے کے لیے جاتی تا کہ ان کی صبح مزید خوشگوار کر سکوں۔ آج بیوٹیشن سے میرا اپائنٹ منٹ تھا۔ میں اور کئی کام مس کر دیتی تھی لیکن اپنی بیوٹیشن کے پاس باقاعدگی سے جاتی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں پارلر پہنچوں آپ سے اپنا مزید تعارف کروا دوں۔

میں شازمہ حیدر، حسام درانی سے شادی کے بعد شازمہ حسام بن گئی اور پھر یہاں سے میری زندگی میں ایک نیا موڑ آیا بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ زندگی کو ایک ہمسفر کیا میسر آیا زندگی کی ڈگر ہی بدل گئی۔ میرے شوہر حسام درانی ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے مالک ہیں۔ ان کا کام ایسا ہے کہ ہمہ وقت رنگین اور سنگین چہرے تتلیوں کی طرح ان کے اردگرد منڈلاتے ہیں۔ وہ خود بھی کافی باذوق اور رنگین مزاج آدمی ہیں۔ شادی کے کچھ دنوں بعد ہی میں ان کا مزاج اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ میں شازمہ حسام خود بھی ماشاءاللہ کافی خوبصورت شخصیت کی مالک ہوں لیکن بیوی کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو ہر آدمی ایک ہی چہرے کو صبح و شام دیکھ دیکھ کر اکتا جاتا ہے اور پھر ایسا شخص جس کے اردگرد حسین چہروں کی بہتات ہو، اپنا ایک چہرہ اور اپنا وجود اس کی نظروں کے سامنے اور دل کے قریب رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

میری شادی کو الحمدللہ چار سال ہو چکے ہیں، میرا ایک بیٹا بھی ہے جس کی عمر ڈھائی سال ہے لیکن میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ ان چار سالوں میں، میں نے حسام درانی کو اپنے وجود اور اپنے چہرے سے غافل نہیں ہونے دیا۔ اس میں کمال میرے چہرے یا میرے وجود کا نہیں بلکہ میرے دماغ کا ہے، ہو سکتا ہے مجھ سے زیادہ خوبصورت چہرے اور وجود حسام کی نظروں سے گزرے ہوں لیکن مجھے یقین ہے حسام نے انہیں کبھی بھی اس حیثیت اور اہمیت سے نہ دیکھا ہو گا جس طرح وہ مجھے دیکھتے ہیں۔ ''میرا پارلر'' آ گیا ہے۔ اس لیے باقی سب آپ میرے شب و روز کی روٹین سے جانیے کہ کس طرح میں نے اپنے شوہر کو اپنا رکھا ہوا ہے۔

''نوشی میرے بالوں کو نئی شیپ دے دو تا کہ میرے چہرے کی تازگی بڑھ جائے اور میں بدلی بدلی نظر آؤں۔'' مینی کیور اور پیڈی کیور کے بعد میں نے اپنی بیوٹیشن سے کہا تھا۔

''آپ کے اسٹیپ بالوں کو کچھ کرلی لک دے دوں......؟ اس سے آپ کی شخصیت میں کافی چینج آ جائے گا۔''

''او کے۔'' مجھے نوشی کی مہارت پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ اس لیے میں نے اس کی رائے کو فائنل کر دیا۔

''واؤ! کسی زمانے میں مادھوری ڈکشٹ ایسی لگا کرتی تھی۔'' نوشی نے اپنے کام سے فارغ ہو کر میری تعریف کی تھی۔ میں خود بھی آئینے میں ایک بدلی ہوئی شازمہ حسام کو دیکھ رہی تھی۔ میں پے منٹ وغیرہ کر کے باہر نکلی تو دوپہر ڈھلنے کو تھی، آج میرا ارادہ اپنی دوست زوبیہ کی طرف جانے کا تھا لیکن نومی کی وجہ سے گھر آ گئی تھی۔ میں کوئی ایسی عورت نہ تھی جسے صرف اپنا یا شوہر کا خیال ہی ہو۔ مجھے اپنا بیٹا نومی اپنی جان سے بڑھ کر عزیز تھا۔ شوہر کی محبت اپنی جگہ مگر اولاد کی محبت ہر جذبے پر حاوی تھی۔

''بیگم صاحبہ! صاحب جی دو بار فون کر کے آپ کا پوچھ چکے ہیں۔'' گھر میں داخل ہوتے ہی ملازمہ نے مجھے بتایا تھا۔ نومی بھی اٹھ چکا تھا اور لاؤنج میں بیٹھا کھیل رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ میری طرف بھاگا آیا تھا۔ میں اسے گود میں اٹھا کر ٹیلی فون اسٹینڈ کی جانب آ گئی تھی۔ ''ہیلو۔''

''شکر ہے تمہاری آواز تو سنی۔'' میرے ہیلو کہنے پر حسام نے فوراً کہا تھا۔ اس کے لہجے کی بے تابی نے مجھے قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ''آپ چپ کیوں کر گئے آگے کچھ نہیں کہیں گے۔''

''یار تمہاری نقرئی ہنسی کی آواز سماعتوں اور لبوں کو منجمد کر گئی ہے۔ صبح سے اب تک اس ہنسی کو سننے کے لیے میرے کان ترس گئے تھے۔''

''واقعی!'' میں شوخ ہوئی تھی۔

''تمہاری قسم بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔''

''یہ لیں جناب اپنے بیٹے سے بات کریں۔ موصوف مجھے گھور رہے ہیں کہ میں ان کے پاپا سے خود ہی باتیں کیے جا رہی ہوں۔'' میری بات پر انہوں نے دل کھول کر قہقہہ لگایا تھا۔

''نومی بیٹا پاپا سے بات کرو۔'' میں نے ریسیور نومی کے کان سے لگا دیا۔

☆☆☆

شام کو میں دوسرے کپڑے بدل کر ہلکا ہلکا میک اپ کر کے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ ویسے بھی پارلر میں گزارے گئے چار پانچ گھنٹوں نے میرے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے اور میں اس حسن کا خراج وصولنے کو بے تاب تھی۔ اس لیے شدت سے حسام کی منتظر تھی۔ پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی تو میں تیزی سے باہر کی جانب لپکی تھی لیکن باہر نکلنے سے پہلے ہی میرے قدم ٹھہر گئے۔ گلاس وال سے پرے کا منظر بہت واضح تھا۔

حسام کسی لڑکی کی گاڑی سے نکل رہے تھے۔ انہیں ڈراپ کر کے وہ لڑکی ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی واپس لے گئی تھی اور حسام اندر آ گئے تھے۔ اس لڑکی

کے چمکتے چہرے کو دیکھ کر میں دور سے بھی اس کی خوبصورتی کا اندازہ بہ خوبی کرسکتی تھی۔ حسام کی اپنی گاڑی کہاں تھی اور وہ اس کے ساتھ کیوں آئے تھے؟ ان سوالوں نے چند لمحوں کے لیے میرے دماغ کو شل کردیا تھا۔ میرا مطمئن و مسرور وجود کچھ پل کے لیے ڈانواں ڈول ہوا تھا لیکن حسام کو قریب آتا دیکھ کر میں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' انہیں دوبارہ مڑتے دیکھ کر میں نے فوراً پوچھا تھا۔

''ایکسکیوزمی میں شاید غلطی سے کسی اور کے گھر میں آ گیا ہوں۔'' ان کی نظروں میں میرے لیے ستایش ہی ستایش تھی۔ انہوں نے ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''سرکار! یہ آپ کا ہی گھر ہے'' میں نے آگے بڑھ کر بریف کیس ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ میرا گھر ہے تو پھر یہ خوبصورت خاتون کون ہیں؟''

''یہ خوبصورت خاتون آپ کی مسز شازمہ حسام ہیں۔''

''رئیلی! شازمہ یہ تم ہو۔''

''کیسی لگ رہی ہوں.....'' میں نے اترا کر پوچھا تھا۔

''بہت پیاری، بہت حسین، یار تمہارے کتنے روپ ہیں، ہر بار جب تمہیں دیکھتا ہوں تو خود پر فخر کرتا ہوں۔''

''اچھا..... مگر وہ لڑکی کون تھی جس کے ساتھ آپ آئے ہیں۔'' اپنی تعریف پر بھی دل میں ابھی تک انکی پھانس نہیں نکلی تھی لیکن اس وقت میں اس کے بارے میں پوچھنے کی غلطی نہیں کرسکتی تھی کیونکہ صبح کے گھر سے نکلے وہ شام کو لوٹے تھے۔ یقیناً تھکاوٹ بھی ہوگی اور بھوک بھی لگی ہوگی۔ ایسے میں میری تفتیش کوئی غلط رنگ اختیار کرسکتی ہے۔ اس لیے میں نے جملہ لبوں پر ہی روک لیا۔ حسام فریش ہونے کو چلے گئے اور میں بریف کیس رکھ کر کچن میں آ گئی۔

☆☆☆

''یار ایک مزے کی بات بتاؤں۔''

''جلدی سے بتائیے۔'' میں نے اپنا کام چھ کر توجہ ان کی جانب مبذول کی۔

''میری ایک کلائنٹ ہے ستارہ۔ عجیب سر پھری اور شوخ سی لڑکی ہے۔ کل میری گاڑ ورکشاپ میں تھی میں ٹیکسی کرکے آنے لگا تو اس مجھے لفٹ آفر کی اس کے اصرار پر میں نے اس آفر کو قبول کرلیا اور وہ مجھے گھر ڈراپ کرگئی اور آ اس کا حال دیکھو۔ بڑے دھڑلے سے میرے آفس میں چلی آئی اور لنچ کے ساتھ ساتھ دوستی کی آفر کی۔ میں نے اسے کہا کہ دیکھو بی بی! تمہاری آفر کچھ زیادہ نہیں ہوگئی ہیں۔ میں اس قسم کا بندہ نہیں ہوں کہ باہر منہ ماری کرتا پھروں۔ میری بیوی میری دوست بھی ہے اور محبت بھی۔ اس لیے مجھے تم معاف ہی رکھو، بے چاری منہ لٹکا کر چلی گئی۔ سو مجھے ترس آیا اس پر۔'' وہ اس کا مذاق اڑا رہے تھے ا میرے دل میں انکی کل کی پھانس نکل چکی تھی۔ کل سے بہت بے چین تھی لیکن میں حسام لڑکی کے بارے میں کچھ پوچھ نہ سکی تھی۔ یہ اگ بات کہ رات کو اس لڑکی کا چہرہ مجھے خواب میں ڈراتا رہا تھا اور آج حسام نے مجھ سے یہ بات شیئر کی مجھے پھر سے معتبر کررہا تھا۔

''اچھا ترس بھی آیا؟'' مجھے لفظ ''ترس'' ا بھی کھٹک رہا تھا۔

''نہیں یار مجھے تم پر ترس آ گیا تھا۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے مجھے اپنی طرف کھینچا تو میری ہنسی بھ ان کا ساتھ دینے لگی تھی۔

زندگی ایسے ہی شب و روز کے گورکھ دھندو میں الجھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی عقلمندی، شبانہ رو کی محنت اور بے تحاشا چاہت کی وجہ سے اپنے شوہر کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا تھا۔ میرا فلسفہ یہ تھا کہ بعد میں رونے اور پچھتانے سے بہتر ہے کہ پہلے ہی ایسی عملی ترتیب دے دی جائے کہ جس سے زندگی سہل ہوسکے۔ اس لیے میں سکون کی نیند سوتی اور سکون سے جیتی تھی۔

☆☆☆

''یار اب تم کوئی کام نہیں کروگی، اپنی ڈائٹ کا مکمل خیال رکھوگی اور بھرپور ریسٹ کروگی۔''

میں ایک بار پھر پریگننٹ تھی اور حسام نے مجھے ہتھیلی کا چھالا بنا چھوڑا تھا، یہ نہ کرو وہ نہ کرو، وہ کھاؤ یہ مت کھاؤ وغیرہ وغیرہ ہر وقت میرے اردگرد ان کی ایسی ہی باتیں گھومتی رہتی تھیں۔

''حسام خدا کے لیے میری اتنی فکر مت کریں۔ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔'' میں نے ان کے بکھرے کپڑے سمیٹتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''رہنے دو، یہ سب کام ملازموں کے کرنے کے ہیں۔'' انہوں نے میرا ہاتھ تھام کر مجھ سے کہا تھا۔

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں آپ کا ہر کام میں اپنے ہاتھ سے کرتی ہوں ورنہ مجھے تسلی نہیں ہوتی۔''

''جانتا ہوں اور بہت اچھی طرح جانتا ہوں اگر کچھ عرصہ تم یہ کام نہیں کروگی تو قیامت تھوڑی آجائے گی۔''

''اچھا بابا نہیں کرتی۔'' میں جانتی تھی وہ اس وقت تک مجھ سے بحث کرتے رہیں گے جب تک میں ان کی بات مان نہیں لوں گی اس لیے میں نے ادھر دل سے انہیں کہہ دیا تھا جب کہ کام تو مجھے کرنا تھا ان کے سامنے نہ سہی بعد میں ہی سہی۔ میرے مانے پر وہ خوش ہوگئے تھے۔ ان کی خوشی میرے دل پر بھی ایک انوکھا خمار بن کر اترتی تھی اگر محنت کے بعد آپ کو اس کا پھل مل جائے تو پھر دل ایسے ہی خمار میں ڈوب جایا کرتا ہے۔ میں ان کی محبت کی خوشبو اپنے اندر اتارتے ہوئے مدہوش سی ہوجاتی۔

جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا میری ہزار کوشش کے باوجود میری تیزی و طراری کم ہوتی جا رہی تھی۔ نومی کی دفعہ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ طبیعت عجیب بوجھل سی ہوجاتی تھی اور پھر پورے وجود پر ایک سستی سی چھا جاتی تھی۔ دل کرتا تھا بس آنکھیں بند کیے لیٹی رہوں حالانکہ میں کوئی ست الوجود عورت نہیں تھی لیکن پھر بھی ان دنوں میں ایسی ہورہی تھی۔ آج موسم بہت اچھا ہورہا تھا گہرے بادل آنکھ مچولی کا کھیل کھیل رہے تھے اور ہوائیں مست ہوئی جا رہی تھیں، میں کچھ دیر باہر لان میں بیٹھی موسم سے لطف اندوز ہوتی رہی تھی پھر میں لیٹنے کے خیال سے بیڈ روم میں آ گئی تو حسام خوب بن سنور کر آئینے کے سامنے کھڑے تھے اور شوخ سی دھن پر بال بنا رہے تھے۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے میں انہیں سوتا چھوڑ کر باہر نکلی تھی۔

''آپ کہیں جارہے ہیں؟'' میں اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے ان کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ آئینے میں حسام کے اسمارٹ اور ایکٹیو وجود کے سامنے اپنا بے ڈھب اور پھیلا ہوا وجود بہت عجیب لگا تھا میں جلدی سے وہاں سے ہٹ کر بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔ یہ میری لاشعوری حرکت تھی۔ شاید حسام نے اس بات کو نوٹ بھی نہ کیا ہو لیکن مجھے اس وقت ان کے قریب کھڑا اپنا وجود ذرا نہیں جچا تھا۔

''ہاں ایک دوست سے ملنا ہے شاید لیٹ ہو جاؤں۔'' انہوں نے ڈھیر سارے پرفیومز کے درمیان سے اپنا پسندیدہ پرفیوم ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، ان کی پسندیدہ خوشبو میری نظروں کے سامنے تھی میں نے آگے بڑھ کر پرفیوم کی بوتل اٹھائی اور ان پر اسپرے کرنے لگی۔

''تھینک یو۔''

''ارے تھینک یو کس بات کا محبت کسی شکریے کی محتاج نہیں ہوتی۔'' میں نے بوتل واپس رکھ کر کہا تھا۔

''او کے! آئندہ خیال رکھوں گا، میں جارہا ہوں تم بھی اپنا خیال رکھنا۔'' وہ میرا گال تھپتھپا کر باہر نکل گئے تھے۔ میں بیڈ پر لیٹ کر آنے والے

دنوں کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

☆☆☆

کلاک کی مخصوص ٹک ٹک نے رات کے بارہ بجائے تو میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا جواب بھی بند تھا اور اس بات کا ثبوت تھا کہ حسام ابھی تک گھر نہیں لوٹے، کچھ دنوں سے اکثر شام کو کہیں چلے جانا اور رات کو لیٹ آنا ان کا معمول سیا بن گیا تھا۔ میں ان کا انتظار کرتے کرتے تھک جاتی تھی، میری آنکھیں نیند کے بوجھ تلے دبنے لگتی تھیں جب وہ بنا آہٹ کیے اندر آتے اور مجھے جاگتا دیکھ کر کہتے کہ میں سو جایا کروں ان کا انتظار نہ کیا کروں، ان سے تفتیش کرنا میری عادت نہیں تھی بس ایک دو بار میں نے سرسری سا پوچھا تو انہوں نے اتنا ہی کہا کہ ایک پرانا دوست مل گیا ہے جس کے ساتھ اکثر دیر ہو جاتی ہے۔ میں اگر چاہتی تو مزید پوچھ سکتی تھی کہ یہ پرانا دوست اچانک کہاں سے مل گیا ہے جس کے لیے بیوی کو تنہا اس حالت میں چھوڑ... کر آپ کئی کئی گھنٹوں کے لیے غائب ہو جاتے ہیں لیکن میں ان سے کچھ نہ پوچھ سکی، مجھ میں اپنا بھرم ٹوٹتا دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔

”بھابی! لگتا ہے آج کل حسام بھائی آپ کی حالت کا بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں اور خوب خوب مزے اڑا رہے ہیں، کل میں نے انہیں ایک بے حد ماڈرن لڑکی کے ساتھ ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا دونوں ایک دوسرے میں اس قدر گم تھے کہ حسام بھائی نے مجھے بھی نہ دیکھا حالانکہ میں بھی وہاں موجود تھی اور پھر دو چار دن پہلے بھی میں نے ایک شاپنگ سینٹر میں اکٹھے دیکھا تھا۔“ فون پر میرا حال چال پوچھنے کے بعد ندا جو حسام کی خالہ زاد بہن تھی اس نے مجھے یہ سب بتایا تو ایک پل کو تو مجھے لگا کہ کسی نے میرے وجود میں بم نصب کر کے میرے چیتھڑے اڑا دیے ہوں لیکن اگلے ہی پل میں نے اپنے ریزہ ریزہ وجود کو سمیٹ کر اسے اور خود کو بیک وقت تسلی دی تھی۔

”ندا ایسی بات نہیں ہے، حسام کبھی مجھ سے بے وفائی نہیں کر سکتے، تم تو جانتی ہو ان کا پروفیشن ... ایسا ہے تو انہیں لڑکیوں سے ملنا پڑتا ہے۔ تمہیں ضر... کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”بھابی جان مختلف لڑکیوں سے ملنا اور با... ہے لیکن ایک ہی لڑکی کو اتنا سر پر چڑھانا تو غلط ... نہیں پیدا کر سکتا نا۔ انی وے میرا فرض آپ کو بتا... تھا میں نے بتا دیا۔ ہو سکتا ہے آپ صحیح کہہ رہی ہو... بلکہ اللہ کرے ایسا ہی ہو پھر بات کریں گے خ... حافظ!“

”خدا حافظ۔“ میں نے ریسیور کریڈل پر ر... کر خود کو کچھ بھی الٹا سیدھا سوچنے سے بہت روکا... لیکن سوچیں آپ کی پابند نہیں ہوتیں اس لیے مختلف قسم کے خیالات اور اندیشے مجھے ستانے لگے تھے... یہ پرانا دوست یقیناً وہی ماڈرن لڑکی ہو گی، کبھی زند... میں ایسا مقام بھی آتا ہے کہ ایک لڑکی کی دوستی کی آ... ٹھکرا کر اس کا قصہ مذاق بنا کر سنایا جاتا ہے اور کبھی ... مرحلہ بھی آتا ہے کہ ایک لڑکی سے دوستی کر کے بھ... نہیں بتایا جاتا بلکہ اس پر دبیز پردے ڈالے جا... ہیں، شاید یہ مقام ہر عورت کی زندگی میں ایک دف... ضرور آتا ہے جب اس کی تمام محنت کے باوجود ا... کی گرہستی آندھیوں کی زد میں آ جاتی ہے یا صرف ... ایسا میرے ہی ساتھ ہو رہا ہے۔

انہی اندیشوں میں لرزتے ہوئے کچھ دیر بع... میں نے حسام کی ایک فون کال بھی ریسیو کی تھی... انہوں نے جلدی میں مجھے صرف اتنا ہی بتایا تھا ک... آج وہ پھر لیٹ آئیں گے۔ میں نے بہت خاموشی اور تحمل سے ان کی بات سنی تھی اور خود کو سنبھالا تھا۔

☆☆☆

”بھابی! جمشید کہہ رہے تھے، حسام بھائی ”رینا“ کے ساتھ خطرناک حد تک انوالو ہو رہے ہیں اب تو ان کے اردگرد کے لوگ بھی ”رینا“ کے ساتھ ان کو اسکینڈلائز کرنے لگے ہیں۔“ جن دنوں میں خود سے بے زار اور حسام کی طرف سے پریشان تھی کیونکہ اب گھر کی نسبت ان کا زیادہ وقت باہ... گزر رہا تھا۔ ندا مجھے اور ہولا رہی تھی۔

”کون رینا۔“ میں نے بے خیالی میں کہا تھا۔

”ارے وہی جس کے بارے میں، میں نے آپ کو اس دن بتایا تھا“ وہ میری غائب دماغی پر جھنجھلاتے ہوئے بولی تھی۔

”سنو! وہ لڑکی کیسی ہے میرا مطلب ہے sincere ہے یا حسام کے ساتھ محض وقت گزاری کر رہی ہے۔“

”ایسی لڑکیاں کیسی ہوتی ہیں بھابی sincerity ان میں نام کو نہیں ہوتی وہ تو مفاد پرست ہوتی ہیں بس اپنا مفاد نکالنا جانتی ہیں بعد میں کون، میں کون اگر ابھی اسے حسام بھائی سے موٹی کوئی اور آسامی مل جائے ناں تو وہ ابھی انہیں چھوڑ دیتی ہے ایسی لڑکیوں کی اوقات......“

”کیسے جان چھوٹے گی حسام کی اس ......؟“

”ہوں یہ سوچنے کی بات ہے، بھابی ایک آئیڈیا ہے میرے ذہن میں۔“

”وہ کیا؟“ میں بے تاب ہوئی تھی۔

”اگر جمشید کسی اور سے بات کر کے اس لڑکی کو کوئی چانس دلوا دیں۔ ماڈلنگ وغیرہ کا تو حسام بھائی کی جان چھوٹ سکتی ہے۔“

”ندا میری بہن اگر ایسا ہو سکتا ہے، تو تم جمشید بھائی سے بات کرو ناں، میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔“

”کیسی بات کر رہی ہیں بھابی میں آج ہی جمشید سے بات کرتی ہوں۔“

میری ڈیلیوری کے دن قریب آتے جا رہے تھے میں آج کل حسام کو بہت پریشان اور بکھرا بکھرا سا دیکھ رہی تھی۔ اس میں ہو سکتا ہے کچھ پریشانی میری وجہ سے بھی ہو لیکن اس کا بڑا سبب رینا کی جدائی ہے، جمشید بھائی نے اسے اپنے ایک دوست کے پاس چانس دلوا کر اسے اپنے دوست کا دیوانہ بنا دیا تھا۔ رینا حسام کی جان چھوڑ کر دوسری طرف لگ گئی تھی۔ رینا کی جدائی یا بے وفائی نے حسام کو بکھیر کر رکھ دیا تھا اور اب مجھے حسام کو سمیٹنا تھا ایک اچھے ساتھی کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ بے شک اپنے شکوک کا اظہار نہ کرے، اپنی محبت کو لٹتا دیکھ کر واویلا نہ مچائے، چپ چاپ صبر سے وقت گزارے لیکن اپنے ساتھی کی پریشانی میں ضرور اس کا ساتھ دے۔ اب میں اکثر حسام کے چہرے پر شرمندگی اور تاسف کے سائے لہراتے دیکھتی تھی اور اِدھر اُدھر ہو جاتی تھی۔ یہ شرمندگی کے سائے میری گرہستی کو ضرور مضبوط بناتے تھے لیکن میرے دل پر لگی حسام کی اپنے ساتھی کی بے وفائی کی مہر نہیں مٹا سکتے تھے۔

☆☆☆

ایک سہانی اور خوبصورت سی صبح کو میں نے ایک گلابی سی بچی کو جنم دیا تھا۔ حسام نومی کا ہاتھ پکڑے اسپتال کے اندر پرائیویٹ روم میں داخل ہوئے تھے۔ ان کا چہرہ ایک بار پھر پہلے جیسا ہشاش بشاش تھا کہیں کسی شرمندگی یا تاسف کے آثار نہیں تھے۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے میں اس سارے قصے سے بے خبر ہوں اور میں چاہتی ہوں کہ میں ان کی نظر میں بے خبر ہی رہوں کیونکہ باخبری بھرم، اعتبار اور اعتماد کو توڑ دیتی ہے اور بے خبری انہیں قائم رہنے دیتی ہے۔ میرے دل میں دو پھول کھلے تھے ایک میری وفا کا پھول اور دوسری حسام کی وفا کا پھول، اس دھرتی پر کھلا حسام کی وفا کا پھول مرجھا گیا تو کیا ہوا میری وفا کا پھول تو ابھی شاداب تھا اور اس کی شادابی کا سبب میرے بچے تھے، عورت کی وفا کے پھول کی نمو کا سبب اس کے بچے ہوتے ہیں۔ مرد کی وفا کا کیا ہے...... کیا خبر کب بدل جائے لیکن آپ کو ایک راز کی بات بتاؤں ایک عورت کی وفا اور بچوں کی زنجیر اس کی وفا کو بدل سکتی ہے۔ ختم نہیں کر سکتی۔ اسے ایک نہ ایک دن واپس پلٹنا پڑتا ہے۔ آپ کا کیا خیال......؟

سلسلے وار ناول

نہ جانا شہر دل سے

انجم انصار

محبت دکھ دیتی ہے تو سکھ بھی دیتی ہے۔ محبت سے اگر زخم لگتا ہے تو
محبت مرہم بھی بن جاتی ہے۔ محبت کہیں خوشی بن کر پھوٹتی ہے تو کہیں
غم بن کر دل کی بستی ویران بھی کردیتی ہے۔ محبت اگر کیف و مستی بخشتی
تو کبھی مکمل ہوش میں بھی لے آتی ہے۔ غرض محبت کے رنگ ہزار ---! یہ
ایسا رنگ سرور ہے جو حزن دے کر بھی دل کو مسرور کرجاتا ہے۔ مگر اس کا ہر
پہلے سے زیادہ روشن اور حسین تر ہوتا ہے۔

محبت رنگ ہے ایسا کہ روکے سے نہیں رکتا
کبھی پھولوں میں بکھرے گا، کبھی تاروں میں چمکے گا

حسین و رنگین الھڑ دوشیزاؤں کا فسانہ حیات جہاں محبت جزو لازم ہے۔ کون کہاں
اپنی محبتوں کا سرور حاصل کرپایا۔

پڑھیے انجم انصار کے کہنہ مشق قلم سے نکلی محبتوں کے رنگ میں ڈوبی ایک دلگداز تحریر

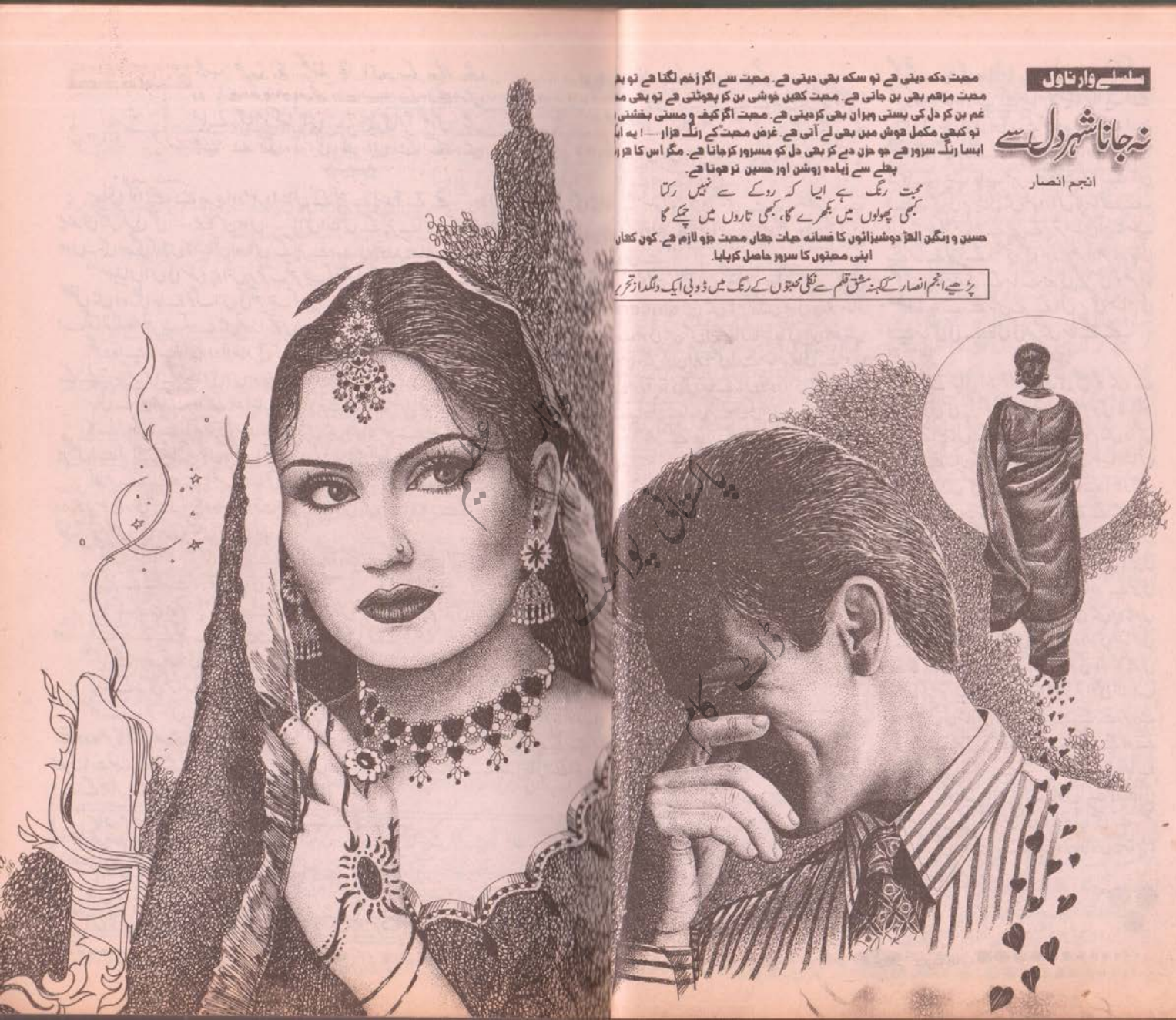

عجیب طرح کا گھمنڈ تھا اس کے لہجے میں
وہ بات کرتا رہا مجھ سے خدا کے لہجے میں
نبانے کیا دیکھا اس نے میری آنکھوں میں
عجب بے چینی آ گئی پھر اس کے لہجے میں

☆☆☆

سہانی کو اچھے، نئے جدید اور منفرد اسٹائل کے کپڑے پسند آتے تھے...... وہ ایسے کپڑے تو کبھی پہن... پسند ہی نہیں کرتی تھی...... جو کامن ہوں...... یا اس اسٹائل کے کپڑے اس کے حلقۂ احباب میں پہنے جار... ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا اسٹائل اور اس کے کپڑے سب ہی بغور دیکھا کرتے تھے۔

''سہیلیاں اس کی منفرد چوائس پر خوب تعریف کیا کرتی تھیں اور یہی سب وہ چاہتی بھی تھی...... کہ جس محفل میں وہ چلی جائے لوگ اس کی تعریف کریں...... اس کے کپڑے نت نئے اسٹائل کے ہوتے تھے مگر اسے لگتا تھا کہ عامر تعریف کرنے میں تھوڑا کنجوس ہے۔

مگر وہ اپنے آپ کو از خود دلاسا دیتی کہ ایسا آئندہ ہرگز نہیں ہوگا... بلکہ عامر کے لب صرف اس کی تعریف کے لیے ترسا کریں گے...... اپنی اس سوچ پر اسے خود ہی ہنسی آ جایا کرتی تھی۔

سہانی نے کتنی بھاگ دوڑ کے بعد اپنا یہ پسندیدہ سوٹ دبئی سے منگوایا تھا جو وہ آج بطورِ خاص پہن رہی تھی۔ کالے ٹراؤزر کے ساتھ سرخ نیٹ کا ٹاپ جس میں اس کا سونے جیسا جسم بے حد نمایاں ہو رہا تھا...... ہر شخص اسے آنکھیں پھاڑ کر یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی اور ہی مخلوق ہو۔

''عامر کے دیے ہوئے ٹائم کے مطابق جب وہ اس کے پاس پہنچی تو عامر اسے دیکھتے ہی پھٹ پڑا...... وہ جو یہ سوچ رہی تھی کہ آج وہ سارا وقت اس کے کانوں میں شہد ٹپکاتا رہے گا...... انتہائی غصے میں کہہ رہا تھا۔ ''شرم نہیں آتی سہانی تمہیں؟''

''کیوں، کیا ہوا؟......'' مارے حیرت اور دکھ کے وہ گنگ ہو گئی تھی۔ ایسا لہجہ اس نے کہاں سنا تھا!

''یہ کپڑے پہننے سے بہتر تھا کہ تم ننگی چلی آتیں!''

''کیا بک رہے ہو تم......'' مارے غصے کے وہ پسینے میں شرابور ہو گئی۔ ''تم اندھی ہو یا دوسروں کو اندھا سمجھتی ہو...... ایسے دو ٹکے کے کپڑے پہن کر میرے سامنے مت آیا کرو۔''

''کیا مجھے صرف تمہاری پسند کے کپڑے پہننے ہوں گے؟''

''پسند کے نہ سہی مگر انسانوں والے تو پہنو!''

''اوکے......!'' اس نے سر جھکا کر کہا۔ عامر کی بلند ہوتی آواز سے اردگرد کے لوگ بھی متوجہ ہو رہے تھے اور عامر کا تمام غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ''سہانی تمہاری یہی بات تو میرے دل میں گھر کر لیتی ہے کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آ جاتی ہے۔'' عامر نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ سہانی نے اس کی بات کے جواب میں صرف اپنا سر ہلانا ہی ضروری سمجھا!

''سہانی تم بہت خوبصورت ہو۔'' وہ بڑے جذب سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے معلوم ہے۔!''

''تم جو بھی کپڑا پہنو۔ کپڑے کا نصیب بڑھ جاتا ہے۔''

''ہوں......''

''اس ٹائپ کے کپڑے تو ان لوگوں کو پہننے چاہئیں جو صرف جسم کے زور پر اپنے آپ کو تسلیم کرانا...

''ہوں......'' اس نے بے اعتنائی سے سنا!

''اب تم جب مجھ سے ملنے آؤ گی...... شلوار قمیص میں آؤ گی اور وہ بھی بڑے سے دوپٹے کے ساتھ......'' اس نے سہانی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا!

''تم کہو تو برقع پہن کر آ جاؤں!''

''ایسا تو میں نے نہیں کہا...... اور یوں بھی برقع پہننا کوئی بری بات تو نہیں ہے۔ لڑکیاں برقع پہنے ہوں تو کسی کی نظر نہیں پڑتی۔''

''بھابی آپ کی اکلوتی بہن تھیں آپ نے انہیں کیوں نہیں پہنوایا؟'' اس کا لہجہ تمسخر بھرا تھا!

''میری بہن کالج اور یونیورسٹی چادر اوڑھ کر جاتی تھی!''

''اس کے باوجود بھی عشق کر کے شادی کی؟''

''پسند کی شادی کرنا تو کوئی برائی نہیں۔ ہم دونوں بھی تو باہمی پسند سے ایک رشتے میں جڑے ہیں۔''

''ہوں۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ!''

''سہانی میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں...... اور اپنی اس محبت میں اس حد تک آگے بڑھ گیا ہوں کہ نہیں چاہتا کہ کوئی نرم گرم نظریں میری سہانی کو چھوتے ہوئے گزریں۔''

''شادی کے بعد تم مجھے گھر میں قید کر لینا...... تاکہ سورج کی کرنیں اور باغ کی ہوا بھی مجھے چھو نہ سکے!''

''گھر میں تو نہیں مگر اپنے دل کی کوٹھڑی میں تو ابھی سے قید کر لیا ہے۔'' اس کی بات سے مزہ لیتے ہوئے عامر نے ہنس کر کہا! تب سہانی بھی مسکرا دی... اور اس کو مسکراتا دیکھ کر...... عامر کو یوں لگا جیسے ہر طرف اجالا سا ہو گیا ہو۔

☆☆☆

اور پھر چند روز بعد ہی وہ عامر کی کسی بات پر زور سے قہقہہ مار کر ہنسی تھی۔ اس کی ہنسی کا چھنا کا دور تک بکھر گیا تھا۔ تب عامر کو پھر غصہ آ گیا۔ ''کیسی ہو تم؟ ہنسنے تک کی تمیز نہیں ہے......'' وہ غصے سے بولا تھا۔

''کیوں، کیا کبھی کھل کر ہنسنا بھی نہیں چاہیے......'' وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر پوچھ رہی تھی!

''ایسے چیخیں مار کر گھر کی چہار دیواری میں ہنسا جاتا ہے، سڑک پر نہیں......! دیکھا نہیں تم نے کتنے بہت سارے لوگ ہماری جانب متوجہ ہو گئے تھے...... میں تو یہ منظر دیکھ کر شرم سے گڑ گیا۔''

''بات ہی کچھ ایسی تھی...... جو سنتا اسے بھی میری ہی طرح ہنسی آ تی تھی......'' وہ خجل سی ہو کر بولی۔

''لگتا ہے...... تمہیں کسی نے شائستگی سکھائی ہی نہیں...... گھر سے باہر یوں نہ زور سے بولا جاتا ہے نہ ہنسا جاتا ہے......'' وہ سمجھاتے ہوئے بولا

''ٹھیک کہہ رہے ہو عامر...... مجھے کبھی کسی نے زور سے بولنے اور ہنسنے پر نہیں ٹوکا!''

''اب میں تمہیں سکھاؤں گا ناں......'' وہ پیار سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

انتباہ

ماہنامہ دلکش میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحقِ ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورتِ دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

''اگر میں نہ سیکھ پائی تو......؟''اس نے نظریں نیچے کیے کیے پوچھا!
''پھر یہ مولا بخش کام آئے گا۔'' وہ اس کے شانے پر ہلکا سا ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ تو وہ دور خلاؤں میں دیکھنے لگی! ''کیا سوچ رہی ہو تم؟''
''کچھ بھی نہیں......'' وہ پھیکے سے لہجے میں بولی۔
''نہیں......کوئی بات تو ہوگی؟''
''واقعی اب کوئی بات نہیں......'' اس نے اپنے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

وہ جب گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ آج عامر کی امی شادی کی تاریخ لینے آئی تھیں اور امتحان سے فوراً بعد کی تاریخ ماما نے دے بھی دی ہے۔

''امی آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر تاریخ کیوں دی؟'' وہ غصے سے بولی۔
''حتمی تاریخ نہیں دی ہے......تم چاہو تو آگے پیچھے کرلو......مگر میرا یہی خیال ہے کہ امتحان کے بعد اپنے گھر جاؤ۔ وہیں اپنا رزلٹ دیکھنا......چاہے فیل ہو یا پاس......'' ماما کو اس کی شکل دیکھ کر ہنسی آرہی تھی۔
''نہیں ماما......آپ ایسا کچھ نہ کریں......آپ بالکل ٹھیک کہتی تھیں......بھابی کا یہ بھائی واقعی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے شادی کی جائے!''
''یہ بات تو بیٹا، میں نے تم سے اس وقت کی تھی جب تمہاری منگنی بھی نہیں ہوئی تھی......'' وہ خاصی بوکھلا گئی تھیں۔
''ممی صحیح بات ہر وقت صحیح ہی رہتی ہے۔ آپ تجربہ کار ہیں......جو بات آپ سمجھ سکتی ہیں......وہ میں کہاں سمجھ سکتی تھی!''
''سہانی اصل بات کیا ہے؟ یہ تم الٹی سیدھی باتیں کیوں کررہی ہو؟ پرانی باتوں پر مٹی ڈالو......اب تمہاری شادی ہونے والی ہے......اور لڑکیاں شادی کو مذاق نہیں بنایا کرتیں!''
''ماما......جب قسمت ہی مذاق کرنے پر آجائے تو کیا کرسکتی ہوں......عامر اب ویسا نہیں رہا جیسا پہلے تھا......اسے بات بے بات غصہ آتا ہے......اور میں کسی ایسے شخص کے ساتھ ہمیشہ رہنے کا تصور تک نہیں کرسکتی جسے میری عزتِ نفس کا خیال تک نہ ہو۔''

عامر نے جب فون پر دسویں مرتبہ یہ کہا کہ سہانی تمہیں آج ہی میرے پاس آفس آنا ہے......تو وہ اس کے پاس پہنچ گئی۔

''شادی سے کیوں انکار کردیا تم نے؟'' گھر کی بات اس کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔
''کیا یہی بات پوچھنے کے لیے......تم نے مجھے اپنے آفس بلایا ہے؟'' وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
''سہانی......کیا تمہارے لیے، یہ بات بہت معمولی ہے۔ شادی کو گڈے گڑیا کا کھیل سمجھنے لگی ہو تم؟ تمہارے لیے ہر بات اتنی معمولی ہوتی ہے کہ جو چاہے فیصلہ کرلو......تمہیں اس سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا......ایک تعلیم یافتہ لڑکی ہو کر بھی ایسی حرکتیں کیوں کررہی ہو تم......؟'' عامر کا لہجہ غصے سے لبریز ہوگیا تھا!
''سنو......یہ بات اتنی اہم بھی نہیں تھی کہ میں اسے اٹھا کر سنبھال کر کسی طاقچے میں بند کرکے رکھ دیتی۔''
''تم جانتی ہو ناں کہ جب ہم دونوں کی شادی کا فیصلہ ہوا تھا تو اس میں ہم دونوں کی باہمی رضامندی بھی شامل تھی۔'' وہ دوسری کرسی گھسیٹ کر اس کے پاس بیٹھا کہہ رہا تھا۔
''ہاں مجھے معلوم ہے......'' وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔
''تو پھر اب......ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟'' سہانی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے......وہ شکایتی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''عامر......میں اتنی جلدی شادی کے بندھن میں قید نہیں ہونا چاہتی......'' اب اس نے اپنے ہاتھ چھڑا کر اپنی گود میں رکھ لیے تھے۔
''کیا تم شادی کو صرف ''قید'' سمجھتی ہو؟'' حیرت سے اس نے پوچھا تھا۔
''ہاں......قید بامشقت......'' وہ پھر بات کو مذاق کا رنگ دینے لگی۔
''سہانی تم جانتی ہو کہ میں نے زندگی کے ہمسفر کے روپ میں ہمیشہ تمہیں ہی دیکھا ہے!''
''اب اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے......!''
اس کو یوں لاتعلق سا دیکھ کر وہ......کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''کہیں کوئی اور بات تو نہیں، جو تم نے اچانک فیصلہ کرلیا ہے۔''
''میرے فیصلے تو اچانک ہی ہوا کرتے ہیں......'' اسے یوں پریشان دیکھ کر وہ بدستور مسکرائے جارہی تھی۔
''کہیں تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا......؟'' وہ اس کے بال بگاڑتا ہوا......پھر پہلی روٹین پر لوٹ آیا۔
سہانی ایسی کی ہے......خوامخواہ اسے تنگ کررہی ہے۔ یہ خیال اس کے دل میں آیا تھا......جسے جان کر اب وہ خود بھی مسکرا رہا تھا!
''میرا کیوں ہونے لگا دماغ خراب......ہر ایک کو اپنا جیسا سمجھنے لگتے ہو....اچھا چلتی ہوں......میری کلاس شروع ہونے والی ہے!''
''مگر سہانی میری بات تو سنو......ابھی تو میں نے تمہارے لیے آئس کریم بھی نہیں منگائی......'' اس کو یوں جاتا دیکھ کر وہ گڑبڑا کر بولا۔
''گلا خراب ہے میرا......آئس کریم نہیں کھاسکتی......بائے......'' وہ ایک ہاتھ سے اپنے بال صحیح کرتے ہوئے باہر کی جانب تیزی سے بڑھی......تب اسے یوں جاتا دیکھ کر عامر ایک عجیب الجھن کا شکار ہوگیا......اور اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا!

☆☆☆

شاداب بیگم اپنے بالوں میں رولرز لگائے بیٹھی تھیں۔ نادیہ فٹنگ کرتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہی تھی......تب سہانی باہر سے اندر داخل ہوئی اور صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔
''کہاں سے آرہی ہو؟'' اسے تھکا تھکا سا دیکھ کر ماں نے متوحش لہجے میں پوچھا۔
''استاد جی کی بیٹھک سے، آج تو گا......گا......کر حلق ہی چھل گیا ہے۔''
''تب دوا لئے، چار سیدھے......اور ایک جوڑا اُبن کر......'' نادیہ نے ٹی وی دیکھتے ہوئے سہانی سے کہا۔
''سہانی اتنے عرصے سے تم گانا سیکھ رہی ہو......مگر ابھی تک کچھ سیکھ تو نہیں پائیں۔ یہ سا......رے......گا......ما......کب تک چلے گا تمہارا......!''
''ہر چیز کی سمجھ آنے میں ٹائم تو لگتا ہے......'' اس کا لہجہ لاابالی سا تھا۔
''کب تک گانا سیکھ سکوگی، کوئی مدت تو ہوگی......!''
''پتا نہیں......'' وہ صوفے پر ہی مزید ڈھے گئی اور پھر کچھ سوچ کر چونک کر اٹھ بیٹھی اور ماں سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگی۔ ''ماما......میرا کوئی فون تو نہیں آیا؟......آج میرا موبائل مینا جی کے ہاں ہی رہ گیا۔ ڈانس کی کلاس بھی بڑی ٹف تھی آج!''
''ہاں کسی سرمد کا فون آیا تھا۔'' شاداب بیگم نے اپنے نیل فائل کرتے ہوئے بے پروائی سے بتایا۔

''یہ بھی گانا اور ڈانس سیکھ رہے ہوں گے۔'' نادیہ نے سلائیاں چلاتے ہوئے رائے دی۔

''اوہ نو...... وہ تو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ایگزیکٹو پوسٹ پر ہے۔''

نادیہ نے سہانی کو تنقیدی نظروں سے دیکھنے کے بعد چونک کر پوچھا۔ ''یہ کون حضرت ہیں؟''

''ہے کوئی......'' سہانی نے ہنس کر نظریں جھکا کر کہا۔

''میں بھی تو یہی پوچھ رہی ہوں...... کون موصوف ہیں اور کہاں پائے جاتے ہیں؟''

''ارے بھابی! آپ کو کیا بتائیں...... موصوف اسی شہر میں ہوتے ہیں...... اور مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟''

''بے وقوف لڑکی انٹ شنٹ بکے چلی جا رہی ہو......'' شاداب بیگم نے غصے سے کہا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ممی...... یہ شخص پاگلوں کی طرح میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تمہیں بتا دینا تھا...... کہ تم اس سے کسی صورت شادی نہیں کر سکتیں۔''

''ارے...... سب کچھ کہہ دیا مگر وہ باز ہی نہیں آ رہا۔''

''تم ڈانٹ دو اسے، سختی سے...... وہ پھر کبھی تمہاری راہوں میں نہیں آئے گا...... بعض لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جب تک ان کو ڈانٹا نہ جائے ان کی عقل ٹھکانے نہیں آتی!'' ممی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں ممی آپ بھی......!''

''کیوں، کیا غلط کہا ہے میں نے......؟''

''بالکل غلط...... محبت کرنے والوں کو بھلا ڈانٹا جاتا ہے......!'' وہ معصوم سے لہجے میں بولی۔

''سہانی کیا تم بھی؟'' نادیہ بھابی حیرت سے اس سے پوچھ رہی تھیں۔ اون سلائیاں تو کب کی ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی تھیں۔

''نہیں بھابی! میں تو اسے لفٹ ہی نہیں دے رہی ہوں۔''

''تھینکس گاڈ!......'' نادیہ نے پُرسکون ہوتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ تب شاداب بیگم نے ہنس کر کہا۔

''سہانی...... ہر وقت مذاق کرنے کی عادت اچھی نہیں ہوتی۔ اب مجھ میں اتنی طاقت نہیں رہی کہ مذاق کی ہر بات سہہ سکوں۔''

''مذاق کہاں کر رہی ہوں، ممی...... میں......'' سہانی مسکرا کر مگر حیرت سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''میں تو ہر بات سچ کہہ رہی ہوں آپ سے، وہ تو صرف چند بار ملا ہو گا مجھ سے! پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔ میرے سوا اسے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔''

''پھر شروع کر دی بکواس تم نے...... میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم ان دنوں ایسا الل ٹپ کیوں بولنے لگی ہو...... ماں کا لحاظ تک ختم ہو گیا ہے...... جو منہ میں آ جائے بکے چلی جاتی ہو......'' شاداب بیگم کو پھر غصہ آ گیا مگر سہانی ان کے غصے، ان کے لہجے کو قطعی نظر انداز کر کے ایک عجیب سے کھوئے کھوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''ہاں...... ممی...... سرمد میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ عجیب سر پھرا سا ہے وہ...... میں کتنا ہی اسے بے نقط سنا دوں...... اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ میری کسی بات کا برا مانتا ہے......!''

''لگتا ہے وہ بڑا اکائیاں انسان ہے۔ جھوٹ بول رہا ہے۔ تجھے شیشے میں اتار رہا ہے۔''

''نہیں ممی ایسا نہ کہیں...... سرمد ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہ تو کسی چکور کی طرح میرے گرد گھومتا ہے...... مجھے

آپ کو بھول جاتا ہے۔''

پانی کی بوتل سے ایک گلاس پانی پینے کے بعد نادیہ بھابی اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔

''سہانی...... وہ تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔ ایسے فلرٹی لوگوں سے تمہیں خود بچ کر رہنا چاہیے۔''

''بھابی آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں؟ کیا میں فیصلہ کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتی......'' سہانی نے تنگ آ کر کہا۔

''میں تمہیں بھی خوب جانتی ہوں اور تمہارے فیصلوں کو بھی...... تم نے از خود جو بھی فیصلے کیے ہیں، ہمیشہ غلط ہی کیے ہیں......'' نادیہ نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''اچھا!!'' سہانی غصے سے لفظ چبا کر بولی۔

''اور یہ راہ چلتے لوگوں پر ایسا یقین اور بھروسا کب سے ہونے لگا تمہیں...... میڈیکل کالج سے ڈاکٹر بننے چلی تھیں...... بی اے کرنے تک کے تجربوں نے کیا تمہیں کچھ بھی نہیں سکھایا۔'' نادیہ کا لہجہ تمسخر آمیز تھا۔

تب سہانی نے انتہائی غصے سے اپنی بھاوج کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بھابی جان! مجھے نہیں معلوم تھا...... آپ کو میری ذات سے اس قدر دشمنی بھی ہو سکتی ہے...... اگر میں آپ کے بھائی سے شادی نہیں کر رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کو سرمد میں اس قدر کیڑے نظر آنے لگیں۔''

''ایسا نہ کہو سہانی...... عامر صرف میرا ہی بھائی نہیں ہے، تمہارا منگیتر بھی ہے۔''

''ہے نہیں...... تھا......'' اس نے تصحیح کی۔

''تمہاری اس سے رشتے داری بھی ہے۔ وہ کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے...... سر راہ تم سے ملاقات نہیں ہوئی اس کی...... وہ ایک باعزت گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا معاشرے میں مقام بھی ہے۔''

''میں یہ مانتی ہوں کہ عامر کی بہن ہونے کے ناتے آپ اس کی جتنی بھی تعریفیں کریں کم ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ عامر نہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اور نہ ہی اسے بات کرنے کی تمیز ہے، اسے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اپنی منگیتر کی عزت کس طرح کی جاتی ہے۔ سر راہ چیخنا چلاّنا تو اس کا روز مرہ کا معمول ہے اور اس کی شخصیت میں یہ کجی اس لیے ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں ہے...... باہر رہ کر دو چار الٹے سیدھے ڈپلومے کر لینے سے کوئی فرق نہیں پڑا کرتا ہے۔ ظاہر ہے ان ڈپلوموں کے طفیل پاکستان میں جاب نہیں ملی تو اپنا چھوٹا موٹا بزنس کرنا پڑا مگر اس بزنس نے اس کی شخصیت کو اٹھایا نہیں ہے بلکہ مزید گرایا ہے۔

''اگر وہ کسی اچھے ادارے میں باعزت حیثیت سے جاب کر رہا ہوتا تو اس کی شخصیت بھی مسحور کن ہوتی اور اسے اونچی سوسائٹی میں موو کرنا بھی آتا۔

''اور بھابی...... ایک تعلیم یافتہ انسان کی باتیں کتنی خوبصورت ہوتی ہیں اس کا ادراک تو آپ کو کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔'' سہانی ایک جذب کے عالم میں بولے جا رہی تھی جیسے کہ وہ کوئی اول فول بک رہی ہو یا شاید اس کے دماغ پر کچھ اثر ہو گیا ہو۔

☆☆☆

اعتبارِ وقت جھنجلا کے رو پڑے
کھو کے اسے، کبھی، تو کبھی پا کے رو پڑے
خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر کبھی ہنسے کبھی گھر آ کے رو پڑے

ایک عجیب سا خوف تھا اسے، کہ یہاں اس کا دل کبھی نہیں لگ پائے گا۔

کوچنگ کی عمارت بھی اسے بڑی آسیب زدہ سی معلوم ہوتی تھی اور خالی بیٹھ کر تو اس کی کوفت میں ہر لمحہ

اضافہ ہی ہو رہا تھا۔

''خواہ مخواہ میں، ممی کی باتوں میں آ گئی...... اپنے اسکول میں اچھا خاصا دل لگا ہوا تھا اور وہاں کا ماحول بھی کتنا اچھا تھا......'' یہاں لڑکیاں پڑھنے تو ضرور آتی تھیں مگر ہم عمر لڑکوں کو جس انداز میں وہ دیکھا کرتی تھیں اُس کا دل چاہتا کہ پڑھائی کے بجائے انہیں اخلاقی لیکچر دے کہ حیا ایمان کا جز وہے اور جہاں حیا گئی وہاں ایمان بھی گیا مگر وہ ہنوز چپ چاپ تھی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر ذوالفقار صاحب اسے کلاسز نہیں دیں تو وہ ان سے معذرت کر کے گھر جائے گی کہ اس طرح بیٹھ کر اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا تماشا سا بنا ہوا ہو۔

ایک دو میل ٹیچرز نے جب اس سے پوچھا کہ آپ کو پیریڈز کیوں نہیں ملے تو اسے یہ بتاتے ہوئے کوفت سی ہوئی کہ ''شاید کلاسز کلیش ہو رہی ہیں۔''

''اچھا!......'' وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کر چلتے بنے۔

شاید وہ اس کی بات کا الٹا ہی مطلب نکال رہے تھے اور وہ اس شعر کی تفسیر بنی بیٹھی تھی۔

میں سوچتی ہوں یہ بھی فریب خلوص ہے
ہنس کر جو بات کرتا ہے کوئی کسی کے ساتھ

مگر یہ لف ٹائم اسے زیادہ دن دیکھنے کو نہیں ملا، سر ذوالفقار نے اس کی بات مان لی۔

ٹائم ٹیبل ملنے کے بعد شہلا انتہائی اطمینان سے اپنی کلاسز لے رہی تھی...... اس کوچنگ سینٹر میں آئے ہوئے اسے دس روز ہو گئے تھے...... وہ انتہائی سکون سے پڑھا رہی تھی۔ پڑھانے کا شوق اسے ہمیشہ سے تھا۔ اس کا شمار ان ٹیچرز میں ہوتا جو اپنے اسٹوڈنٹس کو پڑھا کر کچھ سکھا کر خوش ہوا کرتے ہیں۔ اسکول میں تو اس کا صرف لڑکیوں سے ہی رابطہ تھا مگر یہاں لڑکے، لڑکیوں دونوں کو پڑھا رہی تھی۔ شہلا کے علاوہ میل ٹیچرز بھی تھے مگر ان سے اس نے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔ یوں بھی شہلا اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی حالانکہ اس سینٹر میں اس کے علاوہ دو لیڈی ٹیچرز اور بھی تھیں مگر وہ مرد اساتذہ کی محفل میں بیٹھ کر زیادہ خوش ہوتی تھیں...... چائے، کھانا، پینا اور خوش گپیاں ان کے ساتھ چلتی رہتی تھیں۔ شہلا لنچ ٹائم میں گھر آ جاتی تھی۔ کھانا کھا کر، نماز پڑھ کر وہ دوبارہ سینٹر جایا کرتی تھی۔

ایک شام بارش کی وجہ سے اسٹوڈنٹس بہت کم تعداد میں آئے تھے اور وہ خالی پیریڈ میں اسٹاف روم میں تنہا بیٹھ کر کاپیاں چیک کر رہی تھی۔ چپڑاسی اس کے لیے چائے اور کیک لایا تو اس نے پوچھا کہ وہ کیوں لے کر آیا ہے، اس نے تو اس کا کوئی آرڈر نہیں کیا تھا۔

''ذوالفقار صاحب نے چائے بھیجی ہے آپ کے لیے......'' وہ جاتے جاتے کہہ گیا۔

''ارے واہ...... اس موسم میں تو واقعی مجھے چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے......'' وہ ابھی چائے پی ہی رہی تھی کہ ذوالفقار صاحب بھی آ گئے۔

''کیا میں یہاں آپ کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی سکتا ہوں'' کیتلی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیوں نہیں سر، یہ تو آپ نے ہی بھیجی تھی۔''

''شکریہ۔'' وہ اس کے مدِ مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے ''آپ کا دل یہاں لگا یا نہیں......؟'' وہ بدستور نیچی نظریں کیے پوچھ رہے تھے۔

''یہ بات میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں سر، یہاں پڑھا کر مجھے واقعی مزہ آ رہا ہے۔ اسکول آنے جانے میں واقعی تھکان ہو جاتی تھی، یہاں تو ایسا کوئی مسئلہ بھی نہیں ہے گھر سے نکلو تو سامنے ہی کوچنگ سینٹر۔''

''مگر آپ نے تو یہاں کسی سے کوئی دوستی بھی نہیں کی ہوئی۔ بوریت نہیں ہوتی آپ کو۔ وہ بھی فارغ پیریڈ میں یوں تنِ تنہا بیٹھ کر۔''

اوہ گویا سر سب کے بارے میں پوری معلومات رکھتے ہیں اس نے سوچا اور پھر مسکرا کر کہنے لگی۔ ''سر میں فری پیریڈز میں کریکشن کا کام کر لیتی ہوں۔ مجھے اکیلا پن لگتا ہی نہیں ہے۔''

''اچھی بات ہے مگر پھر بھی آپ بور ہوں تو میرے پاس آفس آ سکتی ہیں، چپڑاسی سے اپنے لیے چائے منگوا سکتی ہیں اور اگر اچھی کتابیں پڑھنے کا شوق ہو تو میری ذاتی لائبریری سے مستفید ہو سکتی ہیں۔''

''سر مجھے تیسرا آپشن زیادہ پسند آیا...... کتابیں پڑھنا مجھے اچھا لگتا ہے...... میں آپ کی لائبریری سے روزانہ ہی کتابیں لینا چاہوں گی۔''

''آیئے تو پھر ابھی چلتے ہیں آپ ہماری کتابیں بھی دیکھ لیجیے گا۔'' سر ذوالفقار نے اپنا خالی کپ میز پر رکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ان کی تقلید میں وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ لائبریری کے کل چار شیلف تھے جو ان کے آفس کے اندرونی اسٹور کی جانب رکھے ہوئے تھے...... ملحقہ بالکونی میں بھی خاصی تاریکی تھی۔

''سر کتابیں آپ نے اندھیرے میں رکھی ہوئی ہیں۔'' اسے وہاں عجیب پُراسراریت سی محسوس ہوئی۔ جیسے وہ کوئی آسیب زدہ سا حصہ ہو۔

''کتابیں پڑھنے کا شوق اب کسی کو رہا ہی نہیں۔ لگتا ہے یہاں کا بلب فیوز ہو گیا ہے...... آپ میرے آفس میں بیٹھیے۔ میں چپڑاسی سے بلب لگواتا ہوں۔''

وہ دس پندرہ منٹ آفس میں بیٹھی رہی...... سر ذوالفقار راؤنڈ پر نکل گئے۔ چپڑاسی نے بلب لگایا تو وہ ایک ساتھ چار کتابیں لے کر باہر نکل آئی۔

وہ لدی پھندی جب باہر نکلی تو سر ذوالفقار اسے سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ ''ارے اتنی ساری کتابیں پڑھیں گی آپ......'' ان کے لہجے میں تحیر تھا۔

''میں نے سوچا ایک ہفتے کے لیے لے جاؤں...... تاکہ بار بار آنا نہ پڑے۔''

''مس شہلا کیسے تکلف سے بات کرتی ہیں آپ؟ یہ کوچنگ سینٹر، یہ لائبریری...... آپ اساتذہ کا نہیں ہو گا تو کس کے لیے ہو گا۔''

''تھینک یو سر!'' وہ کتابیں سینے سے لگائے لگائے اسٹاف روم میں چلی آئی۔

''تمہیں بھی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے؟'' مس نسرین نے اس سے پوچھا۔

''بھی سے کیا مطلب؟''

''ہمارے ہاں کتابیں صرف سر ذوالفقار ہی پڑھتے ہیں۔ جب بھی ان کے آفس جاؤ، کوئی نہ کوئی کتاب ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے، مطالعہ تو ذہن کو وسعت دیتا ہے۔''

''ہم تو نہیں پڑھتے، اس لیے اس بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔'' مس نسرین نے کاندھے اچکا کر ہنس کر کہا۔ تب شہلا چپ ہو گئی۔ بیکار کی باتیں کرنے کا یوں بھی اسے کوئی شوق نہ تھا۔

جب سے لائبریری سے کتابیں لانا شروع کی تھیں۔ وہ ہفتے میں ایک بار ذوالفقار صاحب کے پاس آفس جانے لگی تھی۔ وہ عموماً جمعہ کی شام کو کتابیں واپس کر کے دوسری کتابیں لے لیا کرتی تھی۔ اس نے نوٹ کیا کہ ان اوقات میں ذوالفقار صاحب نہ صرف آفس میں موجود ہوتے تھے بلکہ اسے زبردستی چائے بھی

پلانے لگے تھے جب کہ اس سینٹر کا یہ ماحول نہیں تھا کہ ٹیچرز اونر کے کمرے میں بیٹھ کر خوش گپیاں کریں یا چائے وائے پئیں مگر ذوالفقار اس قدر بضد ہو جاتے کہ اسے چائے پیے بغیر چھٹکارا نہ ملتا۔

اس کو اس آفس میں جاتے دیکھ کر مس نسرین خاصا مسکرانے بھی لگی تھیں اور بعض دفعہ تو ایک دوسرے کو ٹہوکے بھی دینے لگی تھیں۔ یہ سب دیکھ کر شہلا نے کتابیں لینا اور پڑھنا بند کر دیں! اس بات کو ابھی ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ذوالفقار صاحب اس کے پاس آئے اور پوچھا۔ ''کیا بات ہے مس شہلا آپ نے کتابیں پڑھنا کیوں چھوڑ دیں؟''

''میں نے تقریباً ساری ہی کتابیں پڑھ لی ہیں اور جو باقی رہ گئی ہیں وہ میری پڑھی ہوئی ہیں۔''

''میں نے ایک ہفتے پہلے چار کتابیں لا کر رکھیں۔ آپ نے انہیں دیکھا تک نہیں۔''

''اچھا، دیکھ لوں گی......'' اس نے ان میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔

''یہ کیا بات ہوئی میں آپ کے لیے اتنے خوبصورت شعری مجموعے لایا اور آپ نے انہیں پڑھا تک نہیں، چلیے میرے ساتھ اور دیکھیے میرا انتخاب......''

بادل نخواستہ وہ اٹھی تو وہ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ وہ لائبریری کی راہداری میں آئی تو اپنے پیچھے اسے یوں لگا جیسے ان کا سانس اس کی گردن سے مَس ہو رہا ہو۔

وہ برق رفتاری سے کتابیں لے کر واپس اپنی کلاس میں چلی گئی۔ نجانے کیا بات تھی کہ چھٹی حس اسے مسلسل خبردار کر رہی تھی کہ ذوالفقار صاحب سے دور دور رہو یا اس کا شاید وہم تھا کہ ذوالفقار صاحب قصداً اس کے بہت قریب کھڑے ہوئے تھے۔ گھر آ کر سوچا تو خود پر نفرین بھیجی...... انہوں نے تو کبھی اس سے آنکھ ملا کر بات نہیں کی تھی...... ہمیشہ نظریں جھکائے رہتے تھے۔

اس واقعہ کے بعد وہ مزید محتاط ہو گئی۔ الگ تھلگ رہنے کے بجائے دیگر خواتین ٹیچرز کے ساتھ رہنے لگی۔ ان کی باتوں سے اسے یہ جان کر قدرے سکون ہوا کہ وہ شادی شدہ ہیں اور چار بچوں کے باپ ہیں۔ ان کی وائف دوسرے کوچنگ سینٹر کی پرنسپل ہیں۔

وقت جوں جوں گزر رہا تھا۔ شہلا کو یہ دیکھ کر مزید وحشت ہوتی کہ ذوالفقار صاحب کو اس کا خیال بہت زیادہ رہنے لگا تھا۔

اس کے زبردستی تین پیریڈز فری کر دیے گئے تھے۔ پہلے اسٹاف روم میں پنکھا چلتا تھا۔ شہلا کو گرمی زیادہ لگتی تھی تو اسٹاف روم میں ایک اسپلٹ لگوا دیا گیا۔

نظریں وہ نیچے رکھتے ضرور تھے مگر بات چیت میں وہ کہنے لگے تھے۔ ''ارے آج یہ فیروزی رنگ تو آپ پر بے حد کھل رہا ہے۔ کل والا گلابی دوبارہ پہنیے گا ناں۔''

ایک دن گھر آ کر اس نے امی سے کہا۔ ''یہ ذوالفقار صاحب ہر وقت اس کی فکر کرتے رہتے ہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''تو تو پاگل ہے۔ ایک محلے کی ہونے کی وجہ سے تیرا خیال رکھتے ہیں، ورنہ ذوالفقار صاحب تو بڑا لیے دیے رہنے والے شخص ہیں۔''

''پھر بھی مجھے اچھا نہیں لگتا......'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''عجیب لڑکی ہے...... لوگ سختی کو ناپسند کرتے ہیں اور تمہیں نرمی بری لگ رہی ہے۔ زمانہ نہیں دیکھتی...... ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا خیال رکھا جائے، اسے سہولتیں ملیں اور ایک تم باؤلی ہو ان باتوں سے ناراض ہو رہی ہو۔''

''ہاں امی مجھے ایسی چھچھوری باتیں اچھی نہیں لگتیں۔''

''پاگل ہو تم...... تو کیا کیا جائے......'' ماں کو غصہ ہی آ گیا تھا مگر اگلے دن ہی اس کے شبے نے یقین کا لبادہ پہن لیا جب وہ چھٹی کے وقت لائبریری کی کتابیں الماری میں رکھنے گئی تو اس کے پیچھے دروازے کو بند کر کے ذوالفقار صاحب اس کے پاس آ گئے۔ ''اس صورتِ حال کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹی تو اسے نظروں میں تولتے ہوئے اسے بازوؤں میں لے لیا۔ ''شہلا تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو...... تم میں جو بات ہے وہ نہ کسی ٹیچر میں ہے اور نہ کسی اسٹوڈنٹ میں! تمہارا حسن میرے دل کو گرماتا ہے!''

''سر یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' وہ انہیں پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔

''پریشان مت ہو، اندر کوئی نہیں آ سکتا۔''

''پلیز مجھے باہر جانے دیں......'' اس نے گلوگیر سے لہجے میں کہا۔

''پہلے وعدہ کرو...... کل چھٹی کے بعد یہاں لائبریری میں آؤ گی؟''

''ہاں آؤں گی......'' یہاں سے نکلنے کا یہی راستہ تھا کہ وہ اسے یہ یقین دلا دے کہ وہ اس کی بات مانے گی۔

''سچ کہہ رہی ہو ناں!'' انہوں نے ایک بار پھر اسے کلیجے میں سمیٹ لیا!

''ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''یاد رکھو جانو...... میں تمہیں دل سے چاہتا ہوں۔'' ذوالفقار صاحب اسے ایسی آنکھوں سے دیکھ رہے تھی کہ اس کا دل چاہا گرم سلاخیں ان کی آنکھوں میں بھونک دے...... اور جب انہوں نے دروازہ کھولا تو وہ تیر کی طرح بھاگتی ہوئی گھر چلی آئی اور اپنے کمرے میں بند ہو کر اس وقت تک روتی رہی جب تک تمام آنسو باہر نہ نکل آئے۔

''پاگل تو نہیں ہو گئی...... جو بھری تھالی پر لات مار رہی ہے۔'' امی نے اس سے غصے سے کہا۔

''بس میں نے کہہ دیا کہ اب میں کوچنگ سینٹر نہیں جاؤں گی......''

''یہی تو کہہ رہی ہوں کہ تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو؟ کون عاشق ہو سکتا تمہاری معمولی شکل پر۔ اپنے بارے میں غلط فہمی کچھ زیادہ ہی ہے۔'' امی کی لتاڑ ہی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

''ہاں میں بدشکل سہی مگر میں لچے لفنگوں کے ہاں جاب نہیں کر سکتی۔''

''ٹھیک ہے مت جاؤ...... ڈھونڈو کسی تھرڈ کلاس اسکول میں نوکری...... جہاں محنت پوری لی جائے اور تنخواہ برائے نام ہو۔''

''ہاں ڈھونڈ لوں گی مگر بدمعاشوں کے سینٹر میں نہیں جاؤں گی۔''

''ہماری بلا سے جو دل چاہے کرو...... اپنی مرضی کی مالک ہو، ہماری پہلے کہاں سنتی تھیں جواب سنو گی!''

تب اس کا دل چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر کہے کہ میں نے آپ ہی کی تو سنی تھی...... جو آج بہ مشکل اپنی عزت بچا کر آ سکی ہوں۔ بعض لوگ ہوتے ہی بدنصیب ہیں۔ ان کے راستے میں اگر دشواریاں نہ آئیں تو وہ خود پریشانیوں کو ڈھونڈتے ہیں۔

''غضب خدا کا۔ اس سینٹر میں تم اکیلی ٹیچر تو نہیں تھیں دوسری لیڈی ٹیچرز اور بھی تھیں مگر تم ہی ایک پری تھیں کہ ذوالفقار صاحب کا دل تم پر ہی آیا اور وہ تم سے عشق بگھارنے لگے۔

بقیہ رذیل حرکتیں اس نے بتائی نہیں تھیں اور اماں کو صرف ڈائیلاگز سنانے کا مسئلہ اتنا بڑا ابھی نہیں لگ رہا تھا۔ پتا نہیں کیسی ہوتی ہیں وہ مائیں جو اپنی بچیوں کو اپنے سائے تلے رکھتی ہیں۔ ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ ان کی بچیوں پر کسی کی نرم گرم نظر نہ پڑے۔ وہ ان کی بیٹیوں کو کوئی برا لفظ نہ کہنے پائے اور ایک میری ماں

ہیں...... جو میری پریشانی سن کر بھی پریشان نہیں ہو رہیں۔

"کم از کم یہ مہینہ تو پورا کر لیتیں...... دس دن ہی تو رہ گئے ہیں...... اس سے تمہاری تنخواہ پر تو کوئی اثر نہ پڑتا۔ یکدم بتائے بغیر جانا چھوڑو گی تو شاید وہ تمہاری تنخواہ ہی مار لیں۔" اب انہیں اس کی تنخواہ کے بارے میں تشویش شروع ہو گئی۔

"امی میں یہ آپ سے آخری بار کہہ رہی ہوں کہ نہ تو میں اب وہاں پڑھانے جاؤں گی اور نہ ہی مجھے تنخواہ لینے جانا ہے۔"

"نقصان تو تمہارا ہو گا۔" وہ اسے سمجھانے لگیں۔

"پلیز امی...... اب آپ اس معاملے میں بالکل نہیں بولیں گی اور سینٹر سے کوئی آئے تو کہہ دیجیے گا کہ پرانے اسکول والوں نے بلا لیا ہے۔ وہاں جا رہی ہوں۔ اس لیے نہیں آ سکتی بلکہ بالکل نہیں آ سکتی۔"

"پرانے اسکول والے اتنے اچھے کہاں ہو سکتے ہیں جو تمہیں دوبارہ رکھ لیں گے۔"

"میں ٹرائی کر کے دیکھوں گی۔ شاید رکھ لیں۔" اس نے کہا اور دل میں مسز عابدی کو ہزاروں دعائیں دیں جن کے کہنے سے اس نے اسکول سے بیماری کی چھٹی لی تھی۔

☆☆☆

ساحلِ سمندر پر وہ سرمد کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی...... دونوں ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہے تھے اور سامنے کھیلتے ہوئے بچوں کو شوق سے دیکھ بھی رہے تھے۔

بچے ایک بڑی سی بال ایک دوسرے کو مار رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔ بال ایک دوسرے کے پاس سے ہوتی ہوئی اس کے آ کر لگی تو اس نے ان کی جانب واپس اچھال دی۔ چھوٹے چھوٹے سے بچے اس کے پاس آ گئے اور بڑی محبت سے کہنے لگے...... "باجی آپ بھی ہمارے ساتھ کھیلیے ناں......"

سہانی بچوں کے مابین خود بھی بچہ بن گئی۔ ان کے ساتھ پانی میں شپڑ شپڑ کرتے ہوئے اب وہ ایک دوسرے کو بال مار رہے تھے اور خوشی سے اچھل رہے تھے...... سرمد یہ سب بڑی خوشی کے ساتھ دیکھ رہا تھا...... اور اسے یہ سب بہت اچھا بھی لگ رہا تھا۔ بچوں کے مابین کھیلتی ہوئی سہانی بھی اسے کسی معصوم بچی کی طرح ہی لگ رہی تھی۔

ساحل پر وہ جب آگے کی جانب بڑھی تو ہاتھ کے اشارے سے اس نے سرمد کو بھی بلا لیا تب سرمد اس کی جانب بڑھنے لگا۔

سہانی نے شرارت سے بال سرمد کی جانب پھینکی اور تیزی سے آگے کی جانب بھاگ گی۔ اسے معلوم تھا...... بال لگتے ہی سرمد کی بال کا نشانہ وہ خود ہو گی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تیزی سے آگے کی جانب بھاگ رہی تھی۔ دفعتاً وہ کسی سے ٹکرا کر نیچے گری مگر جب کسی نے اسے اپنے شانوں میں سنبھالا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ظفر اسے لیے کھڑا تھا۔

"آپ یہاں کیسے؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"اپنے ایک فرینڈ کے ساتھ پروگرام بنا تو یونہی چلی آئی۔" وہ بے پروائی سے بولی۔

اس کے دوست کو دیکھنے کے لیے جب ظفر نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اس وقت تک سرمد اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"ظفران سے ملو۔ یہ میرے دوست سرمد ہیں۔" اس نے تعارف کرایا۔

"اور سرمد یہ ظفر ہیں...... ہماری ان سے رشتے داری ہوتی ہے۔"

"اچھا!" سرمد نے ایک سرسری سی نظر ظفر پر ڈالی اور دوستانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

"شاداب خالہ ٹھیک ہیں؟" اس نے یونہی پوچھ لیا۔ ورنہ دل تو اس کا یہ چاہ رہا تھا کہ پوچھے "عامر کیسے ہیں؟ کیا بات ہو گئی ہے جو تم ان کے بغیر کسی نئے دوست کے ساتھ گھوم رہی ہو؟"

"کیا میرے بعد تم عامر سے بھی بور ہو گئی ہو......؟" مگر یہ وقت ان باتوں کے لیے نہیں تھا حالانکہ دل میں کھد بد تو بہت ہو رہی تھی اس لیے وہ کچھ پوچھنے گچھنے کے پروگرام کو آئندہ پر ٹالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ تھوڑا آگے جا کر اس نے مڑ کر دیکھا...... وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ٹہل رہے تھے اور ان کا انداز یہ بتا رہا تھا کہ دونوں کے درمیان ایک خاص ربط ہو چکا ہے۔

ستارہ خوبصورت ہے کہ ذرہ خوبصورت ہے
ابھی یہ فیصلہ ہونے کو ہے کیا خوبصورت ہے
یہ مانا عشق کی تقدیر میں اجرت نہیں کوئی
مگر یہ بھی تو دیکھو کام کتنا خوبصورت ہے

☆☆☆

کچھ خوف بھی تھا...... کچھ ڈر بھی لگ رہا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنی سہیلیوں کو ساتھ لے کر کنسرٹ ہال پہنچ گئی تھی۔ "اگر عمیر نے میری سہیلیوں کے سامنے مجھے پہچاننے سے ہی انکار کر دیا تو" یہ سوال بار بار اس کے دل میں آ رہا تھا۔ "نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا......" فون پر جتنی بار بھی اس سے بات ہوتی تھی...... اس نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی تھی اور اس کا لہجہ اتنا کیئرنگ تھا کہ وہ بعد میں بھی مسحور ہوتی رہی۔

آج جب وہ میری محبت کا اقرار کرے گا۔ تب یہ سہیلیاں مجھے جانیں گی...... مجھے پہچانیں گی......" یہ خیال اسے اونچی اڑانوں میں لیے جا رہی تھی۔

خوشی کے احساس نے اسے ایک عجیب سا احساس عطا کیا تھا...... شاید...... سرشاری کے بہت سے رنگ تو قوسِ قزح سے بھی زیادہ ہوتے ہیں...... اس وقت اس کا انگ انگ مسکرا رہا تھا...... گاڑی سے اترنے کے بعد وہ تصور میں نجانے کب تک مگن رہتی۔

"کیا یہیں کھڑی رہو گی...... ہال میں بھی تو لے کر چلو...... باہر کھڑا ہونا تو کوئی اعزاز کی بات نہیں۔" فری نے اس سے تمسخر سے کہا تو وہ یکدم گھبرا سی گئی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی سہیلیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

ایک جمِ غفیر تھا جو گیٹ پر کھڑا تھا اور سب کی یہ خواہش تھی کہ وہ ہال میں پہلے داخل ہو...... اور اسی وجہ سے خاصی دھکم پیل ہو رہی تھی۔ رابعہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ جب وہاں پہنچی تو رش دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"ہم تھوڑی دیر رک جاتے ہیں تاکہ کچھ بھیڑ چھٹے تو ہم ہال میں بہ آسانی داخل ہو سکیں۔" فری نے کہا۔

"ارے ہم تو عمیر کے خصوصی مہمان ہیں۔ رابعہ ان کا کارڈ دکھا کر ہمیں فوراً اندر لے جائے گی، ہمیں کیا ضرورت پڑی کہ باہر بے کار میں کھڑے رہیں"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" "رابعہ تم کسی طرح گیٹ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔" شہلی نے رابعہ سے کہا۔ رابعہ نے فری کا ہاتھ تھاما اور لائن میں کھڑی ہو گئی اور جب آدھ گھنٹے بعد اس کی باری آئی تو اس نے ٹکٹ کے بجائے عمیر کا کارڈ دکھاتے ہوئے کہا۔ "ہم عمیر کے خصوصی مہمان ہیں اس لیے کارڈ پر پانچ لڑکیاں جائیں گی۔" گیٹ کیپر نے تمسخرانہ نظر رابعہ پر ڈالی اور ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ طریقہ بہت بھونڈا ہے اندر داخل ہونے

کا..... آپ ٹکٹ کے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکتیں۔''

رابعہ کے ساتھ ساتھ فرح کے چہرے پر بھی شرمندگی چھا گئی۔

''دیکھیے مجھے خود عمیر نے کہا تھا۔'' وہ سراسیمہ سی ہو رہی تھی۔

''عمیر کہہ دیں گے تو آپ آ جائیے گا۔''

''اچھا پلیز..... آپ ان کو بلا دیں۔'' رابعہ کا لہجہ لجاجت بھرا تھا۔

''ابھی تو وہ آئے بھی نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ دوسروں کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''اسے کہتے ہیں بے عزتی.....'' فرح کو جلال آ رہا تھا۔

''رابعہ تم خود بھی تماشا بنیں اور ہمیں بھی بنوایا۔'' شہلی کو بھی غصہ آنے لگا۔

''غضب خدا کا ہماری یہ اوقات رہ گئی کہ گیٹ کیپر ہمیں دھتکار دے۔'' رابعہ کا مارے خجالت کے حال تھا۔ ایسا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہال میں داخل ہونا ہی اس کے لیے مسئلہ بن جائے گا۔

''تم کیا سمجھ رہی تھیں۔ عمیر تمہارے انتظار میں گیٹ پر لٹکا ہوا ملے گا۔''

''اس نے تو مجھ سے کہا تھا کہ اپنے ساتھ اپنی سہیلیوں کو بھی ضرور لانا.....'' وہ بدستور اپنے مؤقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

''تم نے شاید اس کی آدھی بات سنی ہو گی اس نے شاید اس وجہ سے کہا ہو گا کہ اس کے شو کے زیادہ سے زیادہ ٹکٹ سیل ہوں۔''

''اس نے تمہیں بے وقوف بنایا ہو گا۔''

''وہ سراسر تمہیں پاگل سمجھا ہو گا۔''

''فینز کی اوقات ہی کیا ہوتی ہے۔''

''اب تو ہم تمہاری کسی بات پر اعتبار ہی نہیں کر سکتے۔'' وہ چاروں ایک آواز ہو کر رابعہ کو باتیں سنا رہی تھیں اور ٹیکسی بھی ڈھونڈ رہی تھیں تاکہ گھر واپس جایا جائے۔

اس سے قبل کہ فری سامنے آتی ہوئی ٹیکسی کو ہاتھ دیتی رابعہ نے اس کا اٹھتا ہوا ہاتھ پکڑ کر نیچے کیا اور وفورِ مسرت سے بولی۔ ''دیکھو تو ذرا..... یہ جو گاڑی آ کر رکی ہے اس میں عمیر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''تو تم جا کر کیوں نہیں کہتیں کہ کب سے انتظار میں خوار ہو رہے ہیں.....'' شہلی نے اس سے طنز کیا..... اور وہ سچ مچ بھاگتی ہوئی گاڑی تک چلی گئی اور فرح یہ دیکھ کر بے ہوش ہوتے ہوتے بچی کہ عمیر رابعہ کی بات سن کر اس کے ساتھ ان کی جانب آ رہا تھا۔ ''آپ سب کا بے حد شکریہ کہ آپ لوگ رابعہ کے ساتھ آئی ہیں۔ آیئے نا پلیز اندر ہال میں۔''

وہ چاروں..... حیرت زدہ سی رابعہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگیں۔ ''عمیر نجانے کیا کچھ رابعہ کے کان میں کہہ رہا تھا اور رابعہ کا چہرہ مارے خوشی کے سرخ ہو رہا تھا۔ عمیر نے ان سب کو آگے کی سیٹوں پر بٹھایا اور خود ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

''اب بولو کیا کہتی ہو؟'' رابعہ نے ناز سے گردن تان کر اپنی سہیلیوں سے پوچھا۔

''ارے یار..... ہمیں تو واقعی پتا ہی نہیں چلا کہ تو نے اتنی اونچی جگہ ہاتھ مارا ہے.....'' شہلی نے ہنس کر کہا۔

فرح تو ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جس میں حیرت اور تعظیم نمایاں تھی۔ ہاں نسرین گم صم بیٹھی سب دیکھ رہی تھی..... عمیر کا رابعہ کے لیے اتنا التفات خود دیکھنے کے باوجود اس کا ذہن یہ سب ماننے کے

لیے تیار نہیں ہو رہا تھا۔

ایک لڑکی جو ہمارے طفیل پہلی مرتبہ کسی کنسرٹ میں گئی ہو وہ آج اس قابل ہو گئی کہ اس کے طفیل ہم دگرام دیکھ رہے ہیں..... یہ بات اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد عمیر اسٹیج پر گا رہا تھا..... اور ہال میں بیٹھی ہوئی تمام لڑکیاں اس کی آواز پر جھوم رہی تھیں۔

اس کی خوبصورت آواز رابعہ کے دل کے تاروں میں ایک جلترنگ سا بجا رہی تھی۔

ایک پیکر جمال ابھی تک نظر میں ہے
محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے وہ گھر میں ہے
اک روشنی سی پھیلی ہوئی ہے درونِ دل
اک کہکشاں سی بکھری ہوئی چشم تر میں ہے
اک عالم سکوت ہے ایسا کہ یوں لگے
اک نغمگی سی جاگی ہوئی بام و در میں ہے
وہ تو چلا گیا مگر اس کے وجود کی
خوشبو بسی ہوئی مرے شام و سحر میں ہے
یہ واہمہ ہے یا کہ حقیقت خبر نہیں
میں اس کا ہم سفر ہوں وہ جس رہگذر میں ہے

(حمایت علی شاعر)

نسرین نے چونک کر رابعہ کو دیکھا..... وہ اپنی سیٹ سے کھڑی ہو گئی تھی اور بن پیے جھوم رہی تھی۔

اسے دیکھ کر اور بھی کئی لڑکیاں سائڈ میں کھڑے ہو کر رقص کرنے لگی تھیں۔ یہ سب عمیر کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ عمیر نے جونہی گیت شروع کیا تھا۔ وہ بڑی شوخی سے لڑکیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے گا رہا تھا۔

دھوپ میں بھی جو چھاؤں کی طرح ہو
ایک ایسا ہم سفر مہرباں چاہتے ہیں
ہر سمت کھلیں الفتوں و محبتوں کے پھول
چاہتوں کا ایسا جہاں چاہتے ہیں

تب رابعہ کو یوں لگا..... جیسے عمیر نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا ہو۔

''اب جناب کو آیا یقین..... وہ مجھے کتنا چاہتے ہیں'' اس نے مبہوت سی بیٹھی نسرین کو ٹہوکا مارتے ہوئے کہا۔

''ہاں..... آں.....'' وہ چونکی۔ ایک نظر عمیر کو دیکھا اور پھر..... دوسری نظر رابعہ کے گلگوں چہرے پر ڈالی..... ''تم ٹھیک کہتی ہو رابعہ.....'' نسرین کو یقین آ گیا تھا اور تب رابعہ نے طمانیت سے آنکھیں میچ لیں۔

☆☆☆

اپنا اسکول دوبارہ سے جوائن کر کے اسے سکون و طمانیت کا احساس ہوا تھا..... اگر وہ ماں کے کہنے پر ریزائن دے دیتی تو اتنے اچھے اسکول میں دوبارہ سے جاب ملنا مشکل ہوتی۔

اس نے کئی بار مسز عابدی کا شکریہ ادا کیا تھا جن کے مشورے پر عمل کر کے..... اس کی پریشانیاں از خود ختم ہو گئی تھیں۔

امی کو جب اس کے اسکول کی جاب کا پتا چلا کہ دوبارہ مل گئی ہے تو انہوں نے بھی سکون محسوس کیا۔ کماتی

ہوئی لڑکی اگر بیروزگار ہو جائے تو وہ بدمزاج ہونے کے ساتھ ساتھ بدتمیز بھی ہو جاتی ہے یہ ان کی رائے جس پر وہ صدق دل سے قائم تھیں۔

''کوچنگ سینٹر میں پڑھانے کا تجربہ کیسا رہا؟'' ایک دن مسز عابدی نے آہستگی سے اس سے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے دوسرے لوگوں کے لیے ایسا نہ ہوتا ہو مگر میرے لیے تو بہت برا رہا۔''

''کیا بہت سختی تھی۔ کلاسز زیادہ لینی پڑتی تھیں؟''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔''

''تو پھر؟'' انہوں نے چشمہ اتار کر اسے حیرت سے دیکھا!

''کوچنگ سینٹر کے اونر مجھے بدقماش سے لگے...... بظاہر وہ بڑے شریف سے نظر آتے تھے مگر جیسے دِکھتے تھے ایسے حقیقت میں تھے نہیں۔''

''پھر تو اچھا کیا کہ تم نے جانا چھوڑ دیا...... عزت سے قیمتی کوئی شے نہیں اس پر آنچ نہیں آنی چاہیے!''

''یہاں آ کر مجھے ایسا اچھا لگ رہا ہے کہ آپ کو بتا نہیں سکتی۔ یوں بھی جن لڑکیوں نے کبھی مخلوط ادارے میں کام نہ کیا ہوا نہیں...... وہاں کام کرنا اچھا ہی نہیں لگ سکتا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

''تمہاری امی کو تو وہاں کی جاب چھوڑنا اچھا نہیں لگا ہوگا۔''

''جی۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

''بعض ماؤں میں یہ شعور ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بچوں کا اچھا یا برا دیکھ سکیں۔'' انہوں نے کہا۔

''میرا مسئلہ بھی کچھ ایسا ہی ہے......'' وہ پھیکے سے لہجے میں ہنسی۔

''تمہاری امی سے میں مل چکی ہوں، میں اندازہ کر سکتی ہوں۔'' وہ دوبارہ بولیں۔

''شہلا بیٹا تمہیں زندگی کے ہر گام پر اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنا ہوگا۔'' شہلا ان کی بات سن کر گم سی ہو گئی۔ اس کی شادی ختم کرنے کا فیصلہ اس کی ماں کا تھا وہ تو ایسا ہرگز نہیں چاہ رہی تھی...... اول نہ ہی اپنے اندر اتنی طاقت رکھتی تھی کہ ماں کو ایسا کرنے سے روک سکے۔ اسے یوں چپ چپ سا دیکھ کر مسز عابدی نے پوچھا۔ ''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟''

''جی......'' وہ آہستگی سے بولی۔

• اور پھر ایک دن وہ اسکول سے گھر آئی تو امی نے بڑی خوشی سے اسے بتایا۔ ''آج ذوالفقار صاحب آئے تھے پورے مہینے کی تنخواہ دے کر گئے ہیں۔ تمہیں بڑا پوچھتے ہوئے کہہ رہے تھے میری چھوٹی بہن کی طبیعت کہیں ناساز تو نہیں جو اس نے یکدم کوچنگ سینٹر آنا چھوڑ دیا ہے۔

''اس نیک اور شریف آدمی سے مجھے یہ کہنا پڑا کہ اسے گرلز اسکول میں پڑھانے کی عادت ہے، اس لیے اس کا دل آپ کے کوچنگ سینٹر میں نہیں لگا اور تو اور بےچارے عید کا جوڑا تک دے کر گئے ہیں کہ شہلا میری بہن ہے اور یہ بھائی کا فرض ہوتا ہے کہ تہوار پر اپنی بہن کو تحفہ ضرور دے!''

''ان کے منہ پر مارنا چاہیے تھا یہ جوڑا، کیوں رکھ لیا آپ نے۔'' اس نے غصے سے کہا۔

''اس لیے رکھ لیا کہ وہ نیک آدمی ہے اس نے تمہاری تنخواہ بھی نہیں کاٹی، دس دن غیر حاضر رہیں اس کے باوجود پوری رقم دے گیا اور یہ علیحدہ کہہ گیا ہے کہ جب دل چاہے اپنے بھائی کے پاس آ سکتی ہیں۔''

''میں تو وہاں جا کر تھوکوں گی بھی نہیں؟''

''یہ تمہارے اپنے دماغ کا خناس ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں...... ہر شخص اپنے ذہن سے ہی سوچتا ہے

اگر کسی کے سیدھے سادے جملوں کو تم نے ٹیڑھا کر کے دیکھ لیا تو یہ تمہارے اپنے دماغ کی گندگی ہوئی امی بھی اسے کلسانے کا کوئی موقع نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

''آپ اس شخص کی کتنی ہی وکالت کر لیں مگر میں وہاں ہرگز نہیں جاؤں گی۔''

''مت جاؤ...... مگر یہ ضرور جان لینا کہ تم ایک انتہائی بےوقوف اور گھامڑ لڑکی ہو...... جسے نہ کسی کی بات سمجھ آتی ہے اور نہ کوئی فیصلہ کرنا آتا ہے۔ جب جب تم اپنا کوئی فیصلہ خود کرو گی۔ ہمیشہ نقصان اٹھاؤ گی۔''

تب مسز عابدی کی بات اس کے ذہن میں گونج گئی۔ انہوں نے بھی یہی بات کی تھی...... مگر اسے اپنا فیصلہ خود کرنے کو کہا تھا۔

''میرے خدایا...... میں نہیں جانتی کہ میری ماں...... سیدھی ہے، پاگل ہے یا تیز و چالاک مگر ان کے دل میں احساس ضرور پیدا کر دے کہ وہ میرے بارے میں کبھی منفی انداز میں نہ سوچیں کہ ان کا یہ انداز مجھے اندر سے چھلنی کر دیتا ہے۔''

☆☆☆

''ایمان سے...... تیری قسم، جھوٹ تھوڑی بول رہی ہوں۔''

''پھر تو آپ کی سہیلیاں حیران رہ گئی ہوں گی۔'' نازیہ نے کہا۔

''اور کیا...... وہ تو مجھے مان گئی ہیں......'' رابعہ نے فخر سے سینہ تان کر کہا۔

''پھر تو کالج میں آپ کی بڑی ٹور ہوتی ہوگی۔'' چھوٹی بہن نے ہنس کر پوچھا۔

''ہاں...... اب تو سب مجھے عمیر کے نام سے چھیڑنے لگی ہیں۔'' رابعہ نے شرما کر اسے بتایا۔

''آپا...... کیا عمیر آپ سے شادی کر لے گا؟''

''کیوں نہیں کرے گا، جب وہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو شادی بھی اسے مجھ سے ہی کرنا ہوگی؟''

''مگر ہم لوگ تو غریب ہیں...... گھر بھی اتنا چھوٹا سا ہے گھر میں کوئی ایسی عزت کی چیز بھی نہیں ہے جو عمیر کو اچھی لگ سکے۔''

''نازیہ تو بھی بڑی پاگل ہے...... عمیر ہمارے گھر رخصت ہو کر تھوڑی آئے گا جو اسے اس گھر سے کوئی شکایت ہوگی وہ تو مجھے بیاہ کر اپنے گھر لے جائے گا۔''

''پھر بھی کسی نہ کسی حوالے سے اسے ہمارے گھر تو آنا ہوگا ہی ناں۔''

''پوری جھلی ہے ایکدم...... تو نے عمیر کا نیا گیت نہیں سنا جو اس نے ایف ایم پر تازہ ترین کہہ کر سنایا تھا۔ اس میں اس نے مجھ سے یہی کہا ہے

میں جلد آؤں گا
تجھے لے جاؤں گا
پریشانی چھوڑ دینا تم
غموں کو توڑ دینا تم
میری تم ساتھی ہو
ابھی تم راضی ہو
میں جلد آؤں گا
تجھے لے جاؤں گا

(عظمیٰ آفاق)

''اف خدایا! یہ گیت آپ کے لیے ہے.....'' نازیہ نے حیران ہو کر پوچھا۔
''ہاں، وہ میرے لیے ہی تو گاتا ہے'' لہجہ وثوق بھرا تھا۔
''کیا عمیر نے آپ سے یہ بات کہی ہے.....؟ نازیہ کی جرح بھی بدستور جاری تھی۔
''اس نے کہا تو نہیں مگر میں سمجھتی تو ہوں۔''
''ہوسکتا ہے کہ یہ آپ کا مغالطہ ہی ہو؟''
''میں تمہارے سامنے فون کر کے پوچھتی ہوں'' اس کا سیل نمبر پریس کرتے ہوئے وہ بولی۔
یہ بھی اتفاق تھا کہ اس کا موبائل آف نہیں تھا۔ اس نے فوراً ہی ریسو کرلیا۔ نازیہ نے اسپیکر آن کر دیا
''ہیلو میں رابعہ بول رہی ہوں۔''
''کیسی ہو سوئٹی؟'' ادھر سے پوچھا گیا۔
''اچھی ہوں.....'' وہ شرما کر مخمور لہجے میں بولی۔
''اس وقت کیسے یاد کیا؟''
''ایک بات پوچھنی تھی آپ سے؟''
''ایک نہیں دو تین باتیں پوچھ سکتی ہو۔''
''فی الحال تو ایک ہی بات کا جواب دے دیں۔''
''کون سی بات کا۔ میرے خیال سے یہ ہوگی کہ میں کتنی پیاری ہوں، تو اس کا جواب ہے بے
پیاری.....ہوگئی تسلی.....'' اس نے ہنس کر کہا۔ خوبصورت الفاظ اس کے کانوں میں اُتر گئے۔
رابعہ شرم سے لالوں لال ہوگئی اور ہنس کر بولی۔ ''اس وقت تو یہ بتا دیجیے کہ پرسوں آپ نے ایف ایم جو گیت گایا تھا ''میں جلد آؤں گا.....'' اس میں آپ کس سے مخاطب تھے؟''
''تمہارا کیا خیال ہے.....؟'' اب وہ شوخ سے لہجے میں اس سے سوال کر رہا تھا۔
''گیت تو آپ نے گایا تھا، مجھے کیا معلوم؟''
''ہنی میں اپنے پیار کرنے والوں کے لیے گاتا ہوں تو تم یہ جان لو کہ تمہارے لیے ہی گایا تھا وہ گیت۔''
''ایمان سے!'' مارے خوشی کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
''ہاں.....سوئٹی بلیوی.....تمہارے لیے.....'' وہ ہنسا اور بائے کہہ کر فون بند کر دیا۔
''اب کیا کہو گی تم.....؟'' فون کا ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔
''سچ آپا اس وقت میرا واقعی سر چکرا رہا ہے اور مجھے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے!.....''
''عمیر کی بات سن کر تو تمہیں یقین آ جانا چاہیے تھا۔''
''پتا نہیں آپا.....میری طبیعت میں بے یقینی زیادہ ہے مگر شاید آپ بھی اپنی جگہ صحیح ہیں۔''
''تو چلے گی میرے ساتھ اس سے ملنے؟''
''ناں بابا ناں.....اتنی ہمت مجھ میں نہیں ہے۔''
''تیرا دل نہیں چاہتا کہ اپنے ہونے والے بہنوئی سے ملاقات کرے؟''
''اگلے اتوار اماں، بابو حیدر آباد جا رہے ہیں۔ پھپھو کے مکان میں پانی جو آ گیا تھا۔ اس سلسلے میں اگر آپ عمیر کو گھر بلوا سکتی ہیں تو بلوا لیں سن بھی لیں گے اور دیکھ بھی لیں گے.....'' نازیہ نے ہنس کر کہا۔
''ٹھیک ہے میں کل بات کرتی ہوں ان سے.....اب کے اتوار کو ہمارے ہاں آ کر چائے پئیں۔''

اگلے دن اس نے فون پر اصرار کیا تو اس نے کہہ دیا کہ ''بہت بزی ہوں تم اگر چاہو تو ریجنٹ پلازا میں آ جاؤ وہاں ہم دونوں چائے بھی پی لیں گے اور گپ شپ بھی ہو جائے گی۔''
اس کی یہ بات سن کر ہی رابعہ کے ہاتھ پیر خوشی سے پھول گئے۔
''نازیہ آپ کے اتوار تو انہوں نے مجھے خود انوائٹ کیا ہے۔''
''تو کیا آپ جائیں گی؟''
''ہاں، کیوں نہیں، یہ موقع تو مجھے از خود ملا ہے۔ میری وجہ سے ہی شاید اماں، بابو نے حیدر آباد جانے کا پروگرام بنایا ہے۔''
''کب جائیں گی اور کب آئیں گی؟'' اس نے دہل کر پوچھا۔
''ارے پاگل ایک دو گھنٹے میں لوٹ آؤں گی۔ شاید اس کو مجھ سے کچھ پرسنل باتیں کرنا ہوں گی۔''
''یہ باتیں آپ اپنے گھر میں بیٹھ کر بھی تو کر سکتی تھیں۔''
''مگر عمیر جو مناسب سمجھتا ہے، وہی زیادہ بہتر ہے۔''
''ٹھیک ہے، جو آپ کا من چاہے کریں۔''
کون سے کپڑے پہن کر میں جاؤں.....'' اب رابعہ کی سوچ کے در کھلتے جا رہے تھے.....اور ذہن صرف ایک ہی راہ پر گامزن تھا.....اسے عمیر سے ملنے جانا ہے.....اور اپنے آپ کو ایسا تیار کر کے جانا تھا کہ وہ اس کے سحر سے نکل نہ پائے۔
''اتنے سارے تو آپ کے پاس کپڑے ہیں، کوئی بھی پہن لیجیے گا۔''
''عمیر کی پسند کے حساب سے تو ایک بھی نہیں ہے۔''
''آپ کو کیا پتا، ان کی پسند؟ پہلی دفعہ تو اس طرح کی ملاقات ہوگی آپ کی ان کے ساتھ۔''
''اندازہ تو ہے ناں مجھے کہ اس کی نظر میں پسندیدگی کے رنگ جھلملاتے تو ضرور دیکھے ہیں۔''
''تو پھر کیا پہنیں گی آپ.....؟'' نازیہ حیران سی بہن سے پوچھ رہی تھی۔
''جینز کے اوپر چھوٹی سی کرتی!''
''دماغ خراب ہوگیا ہے آپ کا، اس طرح کے کپڑے تو ہمارے علاقے کی مارکیٹ میں بھی نہیں ملیں گے۔''
''پہلی کی جینز میرے پاس ہے۔ تمہاری میرون شرٹ جو اونچی ہوگئی رکھے رکھے.....وہ میں اس پر پہن لوں گی.....جسم تو ہم دونوں کا ایک ہی جیسا ہے.....صرف لمبی ہی ہوں، موٹی تو نہیں ہوں۔''
''اس حلیے میں آپ اپنے محلے سے نکلیں گی تو آپ کے ساتھ ساتھ محلے والوں کا جلوس بھی ہوگا.....ہو سکتا ہے کہ مرد ہاد کے نعرے بھی لگ جائیں۔''
''پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔ میں اس کے اوپر برقع لے کر جاؤں گی۔ ہوٹل میں داخل ہونے سے پہلے برقع میرے بیگ میں آ جائے گا!''
''اس طرح کی حرکتیں کرنے والیاں ہی اصلی برقع پہننے والیوں کو بھی بدنام کیا کرتی ہیں۔''
''مگر میں یہ بھی تو نہیں چاہوں گی کہ کوئی مجھے پہچان لے۔''
''اگر وہاں ہوٹل میں کسی نے آپ کو پہچان لیا تو پھر؟''
''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عمیر تو مجھے سوئٹی یا سوئٹی کہتا ہے.....رابعہ کہہ کر کبھی پکارتا بھی نہیں ہے۔''
''پھر بھی دیکھ بھال کر جائیے گا اور اس سے کہیے گا کہ اگر وہ سیریس ہے تو جلد اپنے والدین کو بھیجے ہمارے اماں بابو کے پاس۔''

''ٹھیک ہے کہہ دوں گی......'' وہ سرشار ہو کر بولی۔
مقررہ دن...... مقررہ وقت پر جب رابعہ ریجنٹ پلازا پہنچی تو عمیر بھی اسے دیکھ کر ہکا بکا سا رہ گیا۔
''تم تو واقعی نہیں پہچانی جا رہی ہو۔'' وہ اسے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔'' اور وہ شرمادی عمیر کے لبوں سے ادا ہوتی ہوئی تعریف اسے نہال کر دیا کرتی تھی۔
''میں تمہیں اپنے نئے البم کی سی ڈی سب سے پہلے دوں گا اپنے آٹوگراف کے ساتھ تم اپنے کالج میں اپنی سب سہیلیوں کو فخر سے دکھانا۔''
''آپ اپنے گھر کب لے کر چلیں گے؟'' نازیہ کی باتیں اس کے ذہن میں گھوم رہی تھیں۔
''مجھے تو خود اپنے گھر جانے کی فرصت نہیں ملتی۔ رات گئے فارغ ہوتا ہوں...... جب گھر جاتا ہوں سب لوگ سو رہے ہوتے ہیں، شام کو اٹھتا ہوں تو پھر گھر سے نکل جاتا ہوں...... یقین کرو کہ گھر والوں سے بات چیت کیے ہفتوں گزر جاتے ہیں۔''
''مگر یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔''
''اپنی روزی ہی ایسی ہے کہ بھاگ دوڑ زندگی میں زیادہ لکھی ہے۔''
''کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ زندگی خوشیوں، محبتوں اور سکون کے ساتھ بسر ہو......؟'' وہ اسے آہستہ آہستہ لائن پر لا رہی تھی۔
''میں تو ایسی ہی زندگی گزار رہا ہوں۔'' اس نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔
''میرا مطلب ہے کہ شادی کے بعد کی زندگی زیادہ خوبصورت نہیں ہو گی آپ کی......؟''
''شادی کرنے کا ٹائم کس کے پاس ہے۔'' اس نے لاابالی پن سے کہا۔
''آپ ٹائم نکالیں گے تو نکلے گا ناں!''
''میں ابھی خود بھی نہیں چاہتا...... حالانکہ امی، بابا تو بہت کہتے ہیں۔''
''کتنے برے بیٹے ہیں آپ جو اپنے والدین کا کہنا نہیں مانتے۔'' وہ محبت بھرے لہجے میں سرزنش کر رہی تھی۔
''ہاں میں ایسا ہی ہوں۔''
''سدھر جاؤ، ورنہ تمہارے امی، بابا کے ساتھ مل جاؤں گی۔'' وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اور آپ سے تم تک پہنچ گئی۔
''مل جاؤ، فائدہ کچھ نہیں ہو گا۔''
''کہاں ہے تمہارا گھر؟''
''تمہیں ڈراپ کروں گا تو دکھاؤں گا اپنا گھر...... مین روڈ پر ہی ہے......''
''میں واقعی تمہارا گھر دیکھنا چاہتی ہوں''
''وہ کیوں بھئی؟''
''تا کہ مجھے پتا چلے کہ اتنا بڑا گلوکار کہاں بیٹھتا ہے، کہاں سوتا ہے۔''
''فی الحال تو باہر سے دیکھ لینا...... گھر میں تمہیں لے جانا، میرے لیے مشکل ہو گا۔''
''وہ کیوں؟''
''وہ اس لیے کہ میں آج تک کسی اپنی دوست کو اپنے گھر لے کر نہیں گیا۔''
''مجھے ساتھ لے جاؤ گے تو کیا تمہارے گھر والے ناراض ہوں گے؟''

''ایسا مجھے کوئی تجربہ ہی نہیں ہے، تو کیا کہہ سکتا ہوں۔''
''تجربہ کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔''
''نہیں، میں فی الحال کسی قسم کا کوئی رسک نہیں لے سکتا۔''
اس کے بعد اس کی باتیں اس کے گیتوں کی جانب مڑ گئیں...... اور وہ اپنے گیتوں کے ردھم اور ان کے بارے میں بتانے لگا۔
رابعہ بھی اس کی باتوں کے سحر میں کھو سی گئی۔
''...... مجھے تمہارا خیال بار بار آتا ہے......'' وہ اس کی حنائی انگلیوں پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔
''واقعی!'' اس کا رواں رواں سوالی بن گیا۔
''کیا تمہیں میری آنکھوں میں سچائی نظر نہیں آ رہی؟''
''آ رہی ہے'' وہ سحر زدہ سی اس کی آنکھوں میں ہی دیکھ رہی تھی۔

''میرا تو یہ حال ہے......
کہ کسی موضوع پر
کوئی مضمون پڑھوں
کوئی انوکھی بات سنوں
کوئی بات جو ہنسنے والی ہو
کوئی فقرہ جو دلچسپ لگے
کوئی خیال
...
...ملے
کوئی منظر
جو حیران کر دے
کوئی لمحہ
جو دل کو چھو جائے
میں اپنے ذہن کے گوشوں میں
ان سب کو سنبھال کے رکھتا ہوں
اور سوچتا ہوں
جب ملو گے
تم کو سناؤں گا''

(شاعر۔ جاوید اختر)

''واقعی عمیر......؟'' اب رابعہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہی تھی۔
''ہاں، یار...... میں نادم ہوں، اپنی اس گستاخی کا...... کیا کروں...... تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو!'' عمیر نے دل سے سیٹی بجا کر کہا۔

(باقی آئندہ)

افسانہ

رنگِ حیات

عطیہ عمر

شہرِ ہُنر میں کوئی تو ہو گا ہُنر شناس
کب داد چاہتا ہوں کسی بے ہُنر سے میں

حُسن قدرت کا انمول عطیہ .... اس کی حفاظت و قدر لازم مگر اُس کے اپنے ھی اس فلسفے سے نا آشنا تھے ۔ قدرت نے اُسے اگر سچا قدر دان دیا بھی تو مہلت نہ ملی ۔ شاید اس کی سچی لگن ھی تھی کہ وہ مزید بکھرنے سے بچ گئی ۔

کم فہموں کو حقائق سے روشناس کراتی ایک عمدہ تحریر

بدریہ کا سیاہ اسکارف کے ہالے میں چمکتا ہوا گلابی چہرہ لودے رہا تھا۔ اس کے انداز میں بے حد معصومیت تھی وہ جس طرح مگن سی اردگرد سے بے خبر بیٹھی تھی .... شارق کو ماورائی داستانوں کی ایک شہزادی لگی۔

نوعمر سادہ پہاڑی لڑکا بہت یقین سے کہہ رہا تھا۔ ''ہاں جی! بہت لوگوں نے پریاں دیکھی ہیں۔ چاندنی راتوں میں وہ مل کر ناچ رہی ہوتی ہیں۔''

''کیا شہزادی بدر جمال بھی ان میں ہوتی ہے؟''

بدریہ کے سوال پر وہ لڑکا لمحے بھر کو چپ ہوا پھر تیزی سے بولا۔

''پتا نہیں جی مگر میرے چاچا کو ضرور پتا ہوگا۔ اس نے ایک بار، ادھر اس سامنے والے پہاڑ پر پریوں کو مل کر ناچتے دیکھا تھا۔ میں چاچا کو بلا کر لاتا ہوں۔ وہ بانسری بھی بہت اچھی بجاتا ہے۔''

''بانسری...... واللہ...... تمہارا چاچا کہاں ہے؟''

بدریہ کے فقرے کے پہلے دو الفاظ میں خوشی اور حیرت تھی تو اگلے حصے میں آمادگی تھی۔ یعنی ''چاچا'' سے اس بے سروپا افسانوی داستان ازسرنو سننے کے علاوہ بانسری بھی سننے پر تیار تھی۔

''اٹھو۔ بدریہ...... دیر ہو رہی ہے اور وہ سامنے دیکھو پہاڑوں کی چوٹیوں پر سیاہ بادل اکٹھے ہو رہے ہیں...... ابھی یہاں بھی بارش شروع ہو جائے گی اور تم کوئی گرم کپڑا بھی نہیں لائی ہو۔''

''ہاں جی بارش تو بس آئی، کہ آئی۔''

چائے خانے کا مالک ان کے قریب سے چا... کے خالی کپ اٹھاتا ہوا بولا۔

''اٹھو۔'' شارق نے قدم بڑھائے مگر وہ وہیں کھڑی تھی۔

''پلیز، پلیز...... ایک منٹ۔''

''کیا مطلب؟ اب تم یہ فضول کہانی اور بانسری سننے کے لیے یہاں رکنا چاہتی ہو؟ کیا ہو گیا تمہیں...... یار! تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ بارش کے بعد یہ پہاڑی راستے کس قدر خطرناک ہو جاتے ہیں۔ لینڈ سلائیڈز کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے۔''

''نہیں۔ نہیں۔ زیادہ دیر نہیں میں تو بس یہ م...

...پاس محفوظ کر لینا چاہتی ہوں۔'' وہ بہت ... اور انہماک سے مووی بنانے میں مصروف ... ٹپ...... ٹپ ٹپ...... بوندیں یوں ... اور تیزی سے برسی تھیں کہ وہ بوکھلا گئی۔ شارق ... سامان لے کر بھاگتا ہوا اس جھونپڑا چائے ... میں پہنچ گیا۔ کیونکہ وہی قریب ترین چائے ...

''... بارش جلدی رک جائے گی۔ کیونکہ بادل برستے ہوئے آگے جا رہے ہیں۔'' چائے خانے کے مالک نے دروازے میں سے آسمان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ شارق نے سردی سے کانپتی بدریہ کو دیکھ کر مزید چائے کا آرڈر دے دیا۔

''چینی کم ڈالنا۔'' بدریہ نے ہدایت کی تھی مگر جب چائے آئی تو چینی پھر بھی تیز تھی۔ وہ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے مسکرائی۔ ''کیا بات ہے شارق۔ یہاں کی ہر شے اتنی خوبصورت کیوں ہے؟''

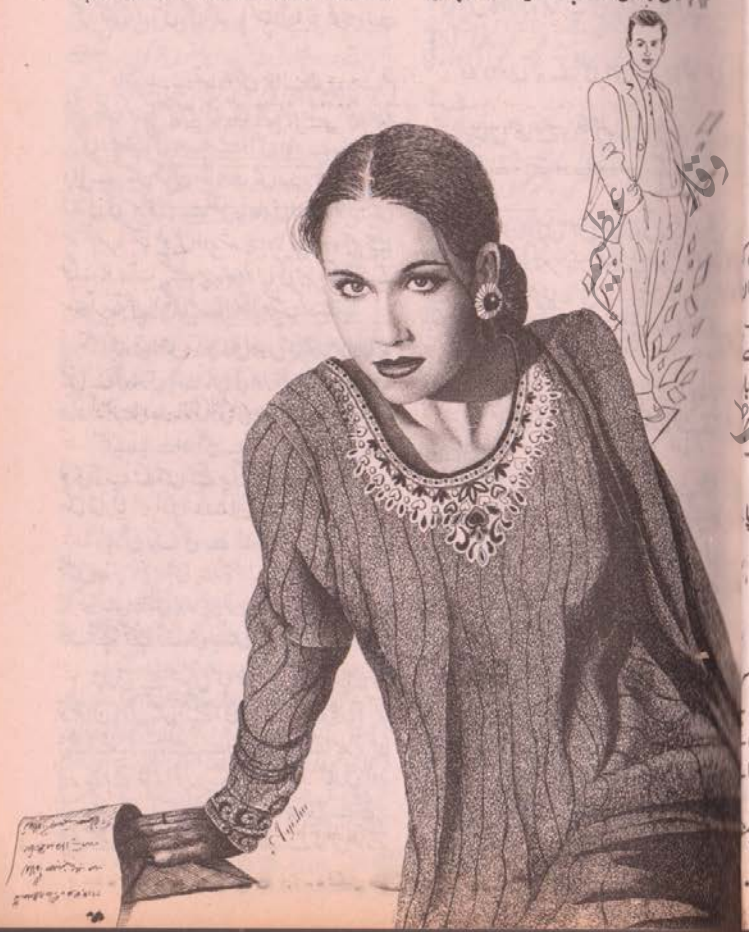

یہاں تک کہ گھر میں اگر چائے میں ذرا سی بھی چینی تیز ہو جائے تو پی نہیں جاتی اور یہاں کی یہ شیرہ چائے بھی مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے۔ یہاں ہر طرف حسن ہے...... بے پناہ خوبصورتی۔ فطری حسن۔ جس میں انسانی ہاتھوں کا کچھ کمال نہیں۔ میں نے پاپا کے ساتھ تقریباً پورا یورپ گھوما ہے مگر...... واللہ شارق...... مجھے تو امید نہیں تھی، میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ پاکستان اتنا خوبصورت ہے۔''

''واللہ بدریہ۔ تمہارا ابھی جواب نہیں۔ جب تم جینز پہن کر خالص عربی لہجے میں ''واللہ'' کہتی ہو تو کتنی دلچسپ لگتی ہو۔ ویسے واقعی ہمارے یہ علاقے دنیا کے حسین ترین مقامات میں سے ہیں مگر جدید زندگی کی سہولتوں سے تقریباً عاری ان علاقوں میں موسم سرما کتنا طویل اور شدید ہوتا ہے، وہ ہم جیسے لوگ جو برف پگھلنے پر کچھ دنوں کی سیر و تفریح کے لیے آتے ہیں اچھی طرح اندازہ نہیں کر سکتے۔''

''شارق! میں سوچ رہی ہوں کہ کتنا اچھا ہوا جو میں نے تمہاری بات مان لی اور ہم یہاں آ گئے۔ ورنہ اگر لندن جاتے تو کوئی نئی چیز نہ دیکھ پاتی۔''

''ایک بات اور بھی ہے محترمہ! کہ میں غریب فوجی آپ کے اس مہنگے پروگرام میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔''

''بارش رک گئی ہے شارق! میرا خیال ہے چلیں۔''

''ہاں۔ ہلکی بوندیں تو برس رہی ہیں مگر جیپ تک پہنچتے پہنچتے رک ہی جائیں گی۔''

شارق نے محسوس کیا تھا کہ کچھ دیر پہلے دو نوجوان بارش میں بھیگتے اسی چائے خانے میں آ کر بیٹھے تھے۔ اپنے حلیے سے وہ آج کل کے امیر ترین اور ماڈرن خاندانوں کے لگتے تھے۔ شارق اور بدریہ ایک کونے میں لکڑی کے ایک بدوضع سے بینچ پر بیٹھے تھے جو چائے خانے کے مالک نے خاص طور پر بدریہ کی خاطر یہاں رکھا تھا۔ یہاں لکڑی... دھواں بھی کم تھا کیونکہ ادھر ہی ایک روشندان تھا اور عام مردگاہکوں سے کافی فاصلے پر تھا۔

جب سے وہ لڑکے آئے تھے مسلسل بدریہ... رہے تھے۔ شارق کو اپنا خون چہرے پر سمٹتا... ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ ان دونوں کا ہاتھ... یہاں سے باہر نکالتا، بارش ہلکی ہو گئی اور شاید... بھی اس کا ارادہ بھانپ گئی۔ اسی لیے اسے... باہر آ گئی۔

وہ دونوں لڑکے بھی ان کے ساتھ ہی... آئے۔

سیٹیاں بجاتے، انگلش اور انڈین بے... گانے گاتے، ہنستے ہوئے وہ ان کے پیچھے آ ر... تھے۔

''میں ذرا انہیں سبق سکھا دوں۔'' شارق... اپنا سیل فون اور کیمرا بدریہ کو دیتے ہوئے کہا تو... نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''پلیز...... پلیز شارق۔ لڑ... جھگڑا نہیں کرنا۔ دیکھو...... وہ جیپ ہماری طرف آ رہی ہے۔ ہم بس چلتے ہیں۔''

''نہیں۔ انہیں سبق سکھانا چاہیے۔ ورنہ... جانے اور کتنی خواتین کو اسی طرح تنگ کرتے ر... گے۔''

اب شارق اور بدریہ جیپ کے قریب پہنچ... تھے اور وہ دونوں لڑکے بھی...... شارق ان کی طر... بڑھا اور کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک جیپ تیزی... آگے جا کر پھر واپس آئی اور اس میں سے... نوجوان نیچے اترے اور تیزی سے شارق سے ل... گئے۔

وہ شارق کے پرانے دوست تھے۔ احمد، شجا... اور انصر وغیرہ۔ شارق کے آرمی جوائن کرنے... وجہ سے اب ان کی ملاقاتیں کم ہی ہوتی تھیں۔

یوں اچانک مل جانے پر وہ بہت خوشی کا اظ... کر رہے تھے بدریہ سے بھی وہ بہت عزت اور خو... دلی سے ملے۔ احمد اور انصر سے وہ اپنے ولیمے پر...

...ابھی مگر شجاع سے پہلی بار مل رہی تھی۔

...شجاع، شارق سے ولیمہ اٹینڈ نہ کر سکنے پر ...کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ اپنی بزنس ڈیلنگ کے ...میں ملک سے باہر تھا۔ شجاع نے بدریہ کو بھی ...کی مبارک باد دی اور پھر شارق سے کہنے لگا۔

''ہم تینوں نے یونہی اچانک یہاں آنے کا ...بنالیا۔ پچھلے دنوں بہت مصروفیت رہی تھی میں ...ریلیکس چاہتا تھا۔ احمد کا تو تمہیں معلوم ہے ...کا کس قدر شوقین ہے۔ چنانچہ اس کے کہنے ...چند دن کے لیے یہاں آ گئے۔ کل صبح ہماری ...واپسی ہے۔''

احمد چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے ...لگا ''بتاؤ کہ یہاں آ کر فطرت کے نظاروں ...نے سب تھکان، ٹینشن، فکر بھلا دی یا نہیں۔ ...یہ وادیاں اور ان کی پہرے داری کرتے یہ بلند و ...بالا پہاڑ مجھے تو اپنے مہربان ترین دوست لگتے ہیں۔''

انصر ہنس کر بولا۔ ''ارے یار یہ ہمارے شجاع ...صاحب تو خود ہی کچھ دیر قبل مجھ سے فرما رہے تھے کہ ...سال میں ایک آدھ دفعہ بیگم کی قید سے چند دنوں کا ...فرار حاصل کرنا چاہیے۔''

''ہاں تاکہ پھر بیگم کی تحویل میں جانے کے لیے ...نئے سرے سے تازہ دم ہو جائیں۔'' شجاع بھی ہنس ...کر بولا پھر کہنے لگا۔

''سوری بھابی۔ آپ تو ہماری باتوں سے بور ...ہو رہی ہوں گی مگر یقین رکھیں کہ شارق بہت ''بیبا'' ...اور فرمانبردار بچہ ہے۔ یہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں ...حاضر رہے گا اور پھر جب آپ جیسی بیگم ہوں تو بھلا ...یہ کہیں اور جائے ہی کیوں؟''

بدریہ مسکرا دی۔ شجاع پھر سے بولا۔ ''یہ تو خیر ...مذاق تھا۔ دراصل میری مسز اپنے بہن ...بھائیوں کے ساتھ دبئی گئی ہوئی ہیں۔ ورنہ میں بھی ...ان کے بغیر نہ آتا۔''

''اور ہم دونوں کو ابھی وارنٹ گرفتاری کا انتظار ہے۔'' احمد نے ہنس کر کہا تھا۔

''ہاں۔ اگر جھکڑی شارق جیسی ہو تو لمحے بھر کو نہ سوچیں اور فوراً سر جھکا دیں۔''

انصر کی بات پر شارق نے یونہی بدریہ کی طرف دیکھا۔ سیاہ اور مرون جارجٹ کے سوٹ اور سیاہ اسکارف میں بدریہ کا بے داغ حسن، ہر ایک کو بے ساختہ تعریف کرنے پر مجبور کر رہا تھا وہ کچھ سوچنے لگا۔ بدریہ، شارق کے ان دوستوں کے اچانک مل جانے پر اس لیے بھی زیادہ خوش تھی کہ ان لوگوں کے آ جانے سے شارق کی توجہ ان فضول لڑکوں سے ہٹ گئی تھی اور شاید وہ لڑکے بھی شارق کے بگڑے تیور اور پھر اس کے جیسے تین اور لمبے تڑنگے نوجوانوں کو دیکھ کر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ لڑائی جھگڑے اور خون خرابے سے اسے وحشت ہوتی تھی۔ وہ دعا کر رہی تھی کہ جھگڑا نہ ہو اور اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی تھی۔

☆☆☆

شارق بستر پر دراز تھا اور بدریہ اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ اسے اپنی طرف محویت سے دیکھتا پا کر وہ مسکرائی مگر وہ سنجیدہ تھا پھر کہنے لگا۔ ''سنو بدریہ۔ تم اسکارف کے ساتھ نقاب کیوں نہیں لیتی ہو؟''

''بس ایسے ہی۔''

''اگر میں کہوں کہ لیا کرو تو پھر؟''

''مگر...... شارق! چہرے کا پردہ ضروری تو نہیں؟ اور پھر میرا لباس ہمیشہ مناسب ہوتا ہے۔ زیادہ فٹنگ والے، وہ ہاف سلیوز اور یونیک قسم کے لباس تو خود مجھے بھی پسند نہیں۔ جینز پہنتی تھی وہ آپ کو پسند نہیں تھی تو میں نے چھوڑ دی۔''

''ایک بات کہوں بدریہ۔ عورت، مرد کے لیے باعثِ کشش ہے۔ اس کا جسم، اس کا چہرہ، چال ڈھال مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور اللہ قرآن میں جہاں مردوں کو نظریں جھکانے کا حکم دیتا ہے وہاں عورتوں سے بھی کہتا ہے کہ اپنی زینت غیر

محرموں پر ظاہر نہ کریں اور یہ بات تو تم مجھ سے زیادہ بہتر انداز سے سمجھ سکتی ہو۔

''کیونکہ تم تو اردو اور انگریزی کے ساتھ ساتھ عربی میں بھی کلام پاک پڑھ کر با آسانی سمجھ لیتی ہو۔ ذرا سوچو تو...... میں تو آج صبح سے یہی سوچ رہا ہوں۔ جب ادھر جھیل سیف الملوک سے واپسی پر ان لڑکوں نے تم پر بے ہودہ کمنٹس پاس کیے تھے اور جس طرح تمہیں غور سے دیکھ رہے تھے۔ میں جہاں ان کا منہ توڑنے کا سوچ رہا تھا وہاں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر تم نے اپنا چہرہ چھپا رکھا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ میں تمہیں بتاؤں کہ صحیح طریقے سے مجھے آج سمجھ میں آیا کہ عورت کے لیے پردہ کیوں ضروری ہے۔ اب شجاع، انصر اور احمد کو دیکھ لو۔ وہ میرے بچپن کے دوست ہیں بہت اچھے اور شریف۔ آج جب وہ تمہاری تعریف کر رہے تھے تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں...... شاید کچھ زیادہ ہی حساس اور پوزیسو ہو رہا ہوں مگر یہ سچ ہے بدریہ۔ میرے دل میں ایسی ہی سوچیں ہیں۔''

بدریہ خاموش تھی۔ وہ پھر سے بولا۔ ''کیا تمہیں میری باتیں اچھی نہیں لگیں؟''

''نہیں...... بری تو نہیں لگیں...... مگر میں سوچ رہی ہوں کہ آپ اپنی باقی فیملی سے مختلف ہیں۔''

''ہاں۔ پہلے مجھے بھی ان باتوں کی پروا نہیں ہوتی تھی مگر کچھ عرصہ پہلے میری ملاقات فیضان سے ہوئی جو جلد ہی اچھی دوستی میں بدل گئی۔ وہ لوگ حال ہی میں ہمارے گھر کے قریب شفٹ ہوئے ہیں۔ میں جب بھی گھر آتا ہوں، فیضان سے ضرور ملتا ہوں۔ ہماری فون پر بھی اکثر بات ہوتی ہے مگر چاہے جتنی بھی دلچسپ گفتگو ہو رہی ہوتی ہو کہیں جانے کا پروگرام بن رہا ہو۔ نماز کا وقت ہونے پر فیضان فوراً نماز کی ادائیگی کی فکر کرتا ہے۔ میں اب اکثر اس کے گھر بھی جاتا ہوں مگر اس کی امی یا بہنوں سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ پردہ کرتی ہیں اور مجھے بہت حیرت ہوئی جب فیضان نے مجھے بتایا کہ اس کی ایک بہن ڈاکٹر ... دوسری الیکٹریکل انجینئر میری حیرت پر وہ کہنے ...

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ ایک م... لڑکی ہونے کی حیثیت سے اللہ کے حکم کی پابند... پر فرض ہے اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق تعلیم کا حصول ان کا حق ہے۔''

''مگر اس طرح...... میرا مطلب ہے ک... کرنے کی وجہ سے انہیں مشکل نہیں ہوتی؟''

میرے سوال پر اس نے جواب دیا۔

''اللہ تعالیٰ کے تمام احکام، شریعت کے ضابطے انسان کے فائدے کے لیے ہیں۔ ... ان میں مشکل یا تکلیف محسوس ہوتی ہو مگر کبھی ... انسان کو یہ سمجھ آ جاتی ہے کہ ان احکام کو ماننے ... کتنی بڑی مشکل یا اذیت سے بچا ہے اور پھر ... ہم اپنی زندگی انہی اصولوں کے تحت گزارنے ... ہیں تو کچھ بھی مشکل نہیں رہتی کیونکہ اسلام کا ہر حکم ... ہر تعلیم فطرت کے مطابق ہے۔''

''بدریہ، فیضان آج کل قربانی گیا ہوا ... اس کے گھر والوں سے تو تم بھی مل چکی ہو۔ ... اپنے مذہب کی طرف راغب کرنے میں فیضان ... بہت مدد ہے۔''

وہ خاموشی سے سن رہی تھی اور سوچوں کے ... بھی وا ہو رہے تھے۔

☆☆☆

وہ شارق کی خالہ زاد تھی۔ اس کے والد انجی... تھے اور اپنی ملازمت کے باعث مکہ میں ر... تھے۔ بدریہ وہیں پیدا ہوئی پھر اس سے پانچ سا... چھوٹے دو جڑواں بھائی تھے۔ انس اور زید۔

بدریہ نے ہائی اسکول تک وہیں تعلیم حاصل ... ہائی اسکول میں آنے کے بعد وہ دیگر لڑکیوں ... طرح عبایا نقاب لیتی تھی۔ سعودی عرب کے ماحو... کے مطابق اس کی ماما بھی عبایا لیتی تھیں مگر جب ... پاکستان آتیں تو اپنی بہنوں اور بھابیوں کی طر... صرف دوپٹا لینا ہی کافی سمجھتیں اور بدریہ کے بار... ... کا خیال تھا کہ ابھی وہ بہت چھوٹی ہے۔

... ان دنوں اس سمیت انس اور زید کی ... کے لیے بہت متفکر رہتیں کہ پاپا نے ان ... احساس دلانے پر کہیں اور جاب کی تلاش کی اور جلد ہی انہیں لندن میں جاب مل گئی۔ ... خوش تھیں۔ تنخواہ تو شاید اتنی زیادہ نہ تھی مگر بہت خوشی تھی کہ اب ان کے بچوں کی تعلیم ... کی۔ اچھا کیریئر بنے گا اور خود بھی انہیں ... آزاد فضاؤں میں رہنے کی خوشی تھی۔

... قول ان کے ''ایک حج فرض ہوتا ہے اور ... پوری فیملی نے ماشاءاللہ سے کتنے سارے ... بے شمار مرتبہ عمرہ کیا پھر بھی اللہ نے توفیق ... آتے رہیں گے۔ اب کیا کریں بچوں کا ... دیکھنا ہے۔''

... بدریہ اگر ایک طرف لندن جانے پر خوش تو دوسری جانب اسے اپنی سہیلیوں سے ... کا رنج بھی تھا۔

... اس کی کلاس ون سے دوست تھی۔ دونوں ... ساتھ ہی رہتی تھیں اور حلیمہ ان کے پڑوس میں ... والے عربی تاجر کی بیٹی تھی۔ حلیمہ ہی کی وجہ ... بدریہ کی عربی کافی بہتر ہو گئی تھی۔

اس روز بھی حلیمہ ان کے گھر آئی تو بدریہ اور ... کی ماما گھر کے سامان کی پیکنگ میں مصروف ...

''تو تم واقعی چلی جاؤ گی، بدریہ؟'' حلیمہ نے ... اداس ہو کر کہا۔

''ہاں۔ مجھے سمجھ نہیں آتا میں کیا کروں حلیمہ؟''

''تم تم دعا کرو۔ خانہ کعبہ میں جا کر دعا مانگو کہ ... تمہارے لیے بہتر ہو، وہی کچھ اللہ تعالیٰ تمہارا ... بنا دے اور تمہیں اپنی تقدیر پر شاکر کر دے۔''

''اس دعا سے کیا ہوگا؟''

''اس سے تمہیں سکون ملے گا۔ پریشانی ختم ہو ... جاتی ہے۔ مجھے یہ دعا میرے نانا جان نے بتائی ... وہ کہتے ہیں کہ انسان جو کچھ اپنے لیے مانگ رہا ہوتا ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ اس کے لیے بہتر ہے یا نہیں اور بسا اوقات اسے وہ کچھ نہیں ملتا جس کی اس نے دعا کی ہوتی ہے یا اسے کوئی ایسی آفت یا تکلیف آ پہنچتی ہے جس سے وہ بے قرار ہو جاتا ہے تو ایسے میں اپنے فطری بے صبرے پن کے باعث وہ شکوہ کر بیٹھتا ہے۔ چنانچہ ایسے بے صبرے اور ناشکرے پن سے بچنے کے لیے یہ دعا بہت ضروری ہے کیونکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی اور خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو اپنی قسمت پر راضی کر دیتا ہے۔''

اور پھر بدریہ نے بارہا آزمایا کہ جب بھی اسے کوئی پریشانی یا مشکل ہوتی، وہ ہر نماز کے بعد یہ دعا تواتر سے مانگتی...... اور واقعی اسے اطمینان ہوتا۔ چاہے نتیجہ جو بھی ہوتا بہ ظاہر تکلیف کتنی ہی کیوں نہ ہوتی مگر اس کے دل میں کم از کم بے اطمینانی نہ ہوتی۔

وہ لوگ سعودی عرب سے انگلینڈ چلے گئے۔ اب خانہ کعبہ جانا تو ممکن نہ رہا مگر ہر مشکل فیصلے، ہر پریشانی پر نماز کے بعد یہ دعا مانگنا اس کا معمول بن گیا تھا۔

وہ ماسٹرز کر رہی تھی جب ایک روز ماما نے بتایا کہ بڑی خالہ اسے اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں اپنے سب سے چھوٹے بیٹے شارق کی دلہن۔

ماما بہت خوش تھیں۔ شارق بہت خوبصورت نوجوان تھا افسانوی اور ماورائی داستانوں کے جیسی شخصیت کا مالک شارق، اگرچہ اپنے فیملی بزنس سے وابستہ نہیں تھا، اس نے اپنے شوق سے آرمی جوائن کی تھی اور ماما کے لیے اس کی محدود تنخواہ کچھ جھجک کا باعث بن رہی تھی کیونکہ خود ان کی شادی ایک

قارئین متوجہ ہوں

قرآن حکیم کی مقدس آیات و احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات اور احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

ملازمت پیشہ شخص سے ہوئی تھی جب کہ ان کی دونوں بہنوں کی شادیاں کاروباری گھرانے میں ہوئی تھیں۔ اپنی بہنوں کو فراخ دلی سے شاپنگ کرتا دیکھ کر انہیں جہاں ان پر رشک آتا تھا، وہاں اپنے لیے خود ترسی کی کیفیت بھی پیدا ہوتی تھی۔ شکل صورت میں وہ اپنی بہنوں بلکہ خاندان اور ملنے جلنے والی تقریباً سب خواتین سے بہتر تھیں۔

معاشی اعتبار سے یہ کمی انہیں بہت محسوس ہوئی تھی۔ بدریہ ان کی اکلوتی بیٹی ان ہی کا پرتو تھی بلکہ شاید ان سے بھی زیادہ حسین تھی۔ چنانچہ وہ چاہتی تھیں کہ ان کا داماد ایک بڑا بزنس مین ہوتا کہ ان کی بدریہ کی کوئی معمولی سی خواہش بھی تشنہ نہ رہے۔

اسی لیے جب آپا نے ان سے بدریہ اور شارق کے رشتے کی بات کی تو وہ باوجود شارق کو پسند کرنے کے کچھ تذبذب کا شکار ہوگئیں۔ آپا بھی تو خیر ان ہی کی بہن تھیں۔ ان کے خدشات کو بھانپ گئیں اور کہنے لگیں۔

''سلیمہ! میں جانتی ہوں، بدریہ تمہاری ایک ہی بیٹی ہے اور تم ہر لحاظ سے اس کا مستقبل محفوظ دیکھنا چاہوگی۔ شارق اپنے شوق کی خاطر آرمی میں گیا ہے...... لیکن اس کے ڈیڈی اور میں جانتے ہیں کہ اس مہنگائی کے دور میں صرف تنخواہ میں گزارہ کرنا کس قدر مشکل ہے چنانچہ بزنس میں اس کے شیئرز موجود ہیں۔ جو اس کا حق ہے۔''

''ارے نہیں آپا، یہ بات نہیں ہے، دراصل بدریہ کچھ لاابالی سی ہے اور شارق، آرمی کی منظم اور مربوط زندگی گزارنے کا عادی ہوگا۔ تو بس یہی کچھ سوچ رہی تھی۔'' وہ کچھ خجل ہوتے ہوئے بولیں تو آپا نے ہنس کر کہا۔

''ارے بھئی ان چھٹیوں میں تم لوگ پاکستان آنے کا پروگرام بناؤ یا کہو تو ہم آجاتے ہیں۔ شارق اور بدریہ ایک دوسرے کو دیکھ اور پرکھ لیں گے۔''

ماما نے ان کی بات مان لی۔ خود ان کا اس سال پاکستان جانا ممکن نہ تھا، اس لیے بڑی خالہ، خالو اور شارق لندن آگئے۔

بدریہ، شارق سے پہلے بھی مل چکی تھی مگر ماما بڑی خالہ کے پروپوزل کا بتا کر اس کے دل شارق کے لیے نئی سوچیں بیدار کر دی تھیں۔

اگرچہ پچھلے دنوں پاپا کے ایک دوست کے کی طرف سے بھی ایسا پروپوزل آیا تھا۔ وہ برسوں سے یہیں مقیم تھے۔ ان کے دو بیٹے چھوٹے بیٹے کی شادی حال ہی میں اس کی پسند ہوئی تھی مگر بڑے بیٹے کے لیے تاحال اس کی پسند لڑکی نہیں مل سکی تھی۔ صائب ایک ماہر آرتھوپیڈ سرجن تھا۔ تعلیم کے دوران اس کی دوستی رجحانات کی حامل لڑکیوں سے ہوئی اور پھر جیسے وہ اسلامی تعلیمات اور احکامات سے واقفیت حا کرتا گیا اسی طرح وہ اپنے طرز زندگی میں تبدیلیاں لاتا گیا۔ شادی کے حوالے سے اس کا تھا کہ وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کرے گا جو سے اپنی زندگی اسلامی احکامات کے تحت گزار ہو۔

اس کے پاپا نے اپنے ایک دوست کی بیٹی کا کیا جس سے ماما بھی مل چکی تھیں۔ ماما کو اس کے حسن نے متاثر کیا تھا تو پاپا کا کہنا تھا شریف گھرانا ہے۔ لڑکی اپنے خاندان کے ساتھ سال مکہ میں رہی ہے۔ ابھی وہ اسکارف وغیرہ ہے۔ پڑھی لکھی اور سمجھ دار ہے۔ یقیناً صائب لیے موزوں رہے گی۔

چنانچہ صائب اور اس کے ماما، پاپا، بدریہ گھر گئے۔ صائب کو بدریہ اچھی لگی۔ اس کے بات کرنے کا انداز فطری اور بے ریا تھا اور دلکش چہرہ پرحیا کے سائے تھے مگر بدریہ کی ماما کو صائب پسند نہ آیا۔ سانولی رنگت اور عام سی قد و قامت باریش نوجوان، انہیں اپنے حلیے اور خیالات لحاظ سے مذہبی اور انتہا پسند لگا اگرچہ وہ اعلیٰ تعلیم یا تھا اور پیدائش سے لے کر آج تک لندن میں ر مگر وہ بات بات پر مذہبی حوالے دیتا تھا اپنے ماحو

بہت مختلف لگ رہا تھا اور ماما کے خیال کے مطابق اس طرح کے لوگ اپنی بیویوں پر بے جا پابندیاں لگاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس پروپوزل کو ریجیکٹ کرنے میں دیر نہ لگائی۔ اگرچہ ان کے خیال میں یہ مناسب بلکہ بہترین رشتہ تھا۔ صائب صاحب کی فیملی کا نمایاں مقام تھا۔ اس کے پاپا ڈاکٹر تھے جب کہ ماما تدریس کے شعبے سے وابستہ تھیں......

لیکن وہ ماما کے فیصلے سے اختلاف نہیں کر سکے۔ بدریہ نے بھی کچھ خاص اہمیت نہ دی مگر اب جب شارق کا پروپوزل آیا اور بدریہ شارق سے ملی تو اسے ماما کا یہ فیصلہ اچھا لگا اور پھر حسب معمول نماز پڑھ کر دعا مانگ کر تو جیسے وہ بالکل پرسکون ہوگئی۔

ان کی شادی پاکستان جا کر خوب دھوم دھام سے ہوئی۔ شادی کے بعد جلد ہی ماما، پاپا اور بھائی واپس چلے گئے اگرچہ ماما نے انہیں لندن آنے کے لیے کہا تھا اور بڑی خالہ نے سوئٹزر لینڈ جانے کا مشورہ دیا تھا اور ان کے اس مشورے کے ساتھ ساتھ خالو جان نے شارق کے اکاؤنٹ میں کافی بڑی رقم جمع کروا دی تھی لیکن شارق اور بدریہ نے پاکستان کے شمالی علاقوں کی سیر کا پروگرام بنا لیا۔

بدریہ یہاں آ کر بہت خوش تھی۔ اس نے کئی بار کہا ''جی چاہتا ہے کہ یہیں رہ جائیں۔''

تو شارق ہنس کر کہتا۔ ''محترمہ زندگی کی بنیادی سہولتوں سے عاری، ان علاقوں میں ہمیشہ کے لیے رہنا، آسان نہیں۔ وہ تو یہاں کے جفاکش لوگوں ہی کی ہمت ہے۔''

تو بدریہ بھی سوچنے لگتی کہ واقعی پانی، بجلی، گیس کا انتظام تسلی بخش نہیں پھر بڑے شہروں کی جیسی رنگینی اور گہما گہمی کا یہاں تصور بھی نہیں۔ مستقل رہنا یقیناً ہم جیسے لوگوں کے لیے مشکل ہے۔

☆☆☆

بدریہ اور شارق ایک دوسرے کی ہمراہی میں بہت خوش اور مطمئن تھے۔ ایک دوسرے کی پسند، ناپسند کو جان کر ایک دوسرے کی خوشی میں خوشی محسوس کر رہے تھے کہ شارق کی پوسٹنگ مظفر آباد آزاد کشمیر ہوگئی۔

بدریہ اس خبر سے بہت خوش تھی۔ اس مسحور کن فطری حسن کی کشش سے تو وہ آج تک آزاد نہ ہو سکی تھی جس کی وہ ان علاقوں کی سیر کے دوران اسیر ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے اپنا ہنی مون وہاں منایا تھا۔ ان کی حسین ترین یادیں وہیں سے وابستہ تھیں۔ اولین چاہت کے لمحات ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ سو بدریہ اور شارق خوش تھے مگر بڑی خالہ فی الحال بدریہ کو شارق کے ساتھ بھیجنے پر رضامند نہ تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ بدریہ اپنے خاندان کی ابتدا کرنے جا رہی تھی۔ اس کی طبیعت آج کل اچھی نہ رہتی تھی۔ کچھ کھانے پینے کو اول تو جی ہی نہ چاہتا تھا اور اگر کھا لیتی تو اکثر ہی قے آ جاتی۔ چنانچہ بڑی خالہ نے صاف کہہ دیا کہ ''بدریہ یا تو ان کے پاس ہی رہے گی یا پھر اپنی ماما کے پاس لندن جائے گی۔''

شارق اور بدریہ دونوں ہی ان کی اس بات سے متفق نہ تھے۔ دونوں کو ہی ایک دوسرے سے لمحے بھر کی جدائی بھی گوارا نہ تھی۔ بدریہ سوچتی، یا اللہ یہ کیسا رشتہ ہے، یہ کیسی محبت ہے، جو خونی رشتوں کی طرح، بلکہ بعض معاملات میں تو ان سے بھی بڑھ کر اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ ٹھیک ہے، شارق، اس کا خالہ زاد تھا مگر نکاح اور شادی کے بعد دونوں میں جو محبت پروان چڑھی تھی، وہ سب سے جدا تھی۔ بدریہ کی کچھ فرینڈز جب اپنے بوائے فرینڈز کا ذکر کر رہی ہوتیں تو بدریہ نے کبھی ان کی باتوں، اظہار محبت میں وہ گہرائی محسوس نہیں کی تھی جو اسے اپنی اور شارق کی محبت میں نظر آتی تھی۔ ادھر شارق ممی سے سوال کر رہا تھا۔ ''اگر بدریہ لندن کا سفر کر سکتی ہے تو یہ سفر کیوں نہیں کر سکتی؟''

''انگلینڈ میں تو بدریہ کے ماما پاپا ہیں پھر وہاں کی طبی سہولیات بہترین ہیں اور یہاں پہاڑی علاقہ مشکل راستے، ابھی کم سے کم شروع کے دنوں میں تو

بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔''

وہ بگڑ کر بولیں تو شارق چپ ہوگیا لیکن کچھ دیر بعد آہستہ سے بولا۔ ''ممی جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ انگلینڈ، امریکا ہو یا پاکستان اور آزاد کشمیر جہاں اللہ چاہے سہولت ہو جاتی ہے اور جہاں چاہے مشکل پیدا ہو جاتی ہے۔''

''ہاں مگر احتیاط کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جان بوجھ کر پہاڑی سے سر کے بل چھلانگ لگا دو یا پیراکی سیکھے بغیر سمندر میں کود جاؤ۔ اللہ پر بھروسا ضرور کرو لیکن اپنی بساط بھر وسائل بھی مہیا کرو۔''

ممی کی بات بھی درست تھی جو بدریہ اور شارق کو ماننا ہی پڑی اور شارق تنہا ہی چلا گیا۔

بدریہ کی ماما بار بار فون کر کے اسے تاکید کر رہی تھیں کہ وہ اپنی تیاری مکمل رکھے اسے عید ان کے ساتھ کرنی ہے۔ ساتھ ہی وہ اکثر اسے شارق کو سمجھانے کا بھی مشورہ دیتی رہتی تھیں۔ وہ اس کے لیے کافی فکرمند تھیں۔ انہوں نے آپا کے شوہر کے وسیع کاروبار، کنالوں پر پھیلی خوبصورت کوٹھی اور سب سے بڑھ کر شارق کی خوبصورت شخصیت کو دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ آپا کی فیملی کافی روشن خیالات کی مالک ہے۔ ان کی دونوں بڑی بہوئیں اور بیٹیاں کافی بولڈ اور ماڈرن تھیں۔ چنانچہ انہیں یقین تھا کہ ان کی لاڈلی بدریہ کو بھی ویسا ہی طرزِ زندگی ملے گا جیسا وہ چاہتی تھیں۔

ان کا خیال تھا کہ بدریہ شاید اسکارف لینا بھی چھوڑ دے گی کیونکہ بچپن اور لڑکپن سعودی عرب کے ماحول میں گزارنے کی وجہ سے اس میں ابھی تک جھجک تھی اور ان کے چند ایک بار کہنے کے باوجود وہ اسکارف لینا نہیں چھوڑ سکی تھی مگر ان کا خیال تھا کہ شادی شدہ زندگی اس میں ضرور تبدیلی لائے گی۔ صائب کے رشتے سے انکار میں اس کی عام سی صورت کے علاوہ اس کے قدامت پسند خیالات کا بھی دخل تھا ورنہ وہ جانتی تھیں کہ برطانوی شہ کے حامل ایک لائق فائق اسپیشلسٹ ڈاکٹر کا کافی روشن تھا لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ شا صائب سے بھی بڑھ کر ثابت ہوگا۔

ابھی پچھلے دنوں شارق کے بڑے بھائی طا اور بھابی نازیہ لندن آئے تھے۔ طارق کا بز ٹرپ تھا۔ بیوی کو بھی ساتھ لے آیا۔

نازیہ پُرکشش شخصیت کی مالک ہنس مکھ اور ش سی لڑکی تھی۔ ایک بچے کی ماں ہونے کے باوجو خود پر خصوصی توجہ دیتی تھی۔ جب سلیمہ نے اس اس انداز کو سراہا تو وہ ہنس کر کہنے لگی۔ ''آنٹی، آ تو خود، اس قدر اسٹائلش اور اسمارٹ ہیں کہ مستقبل میں آپ کو کاپی کرنے کا سوچ رہی ہوں۔

سلیمہ ہنس دیں۔ ''اچھا، اچھا، اپنی ساس بارے میں کیا خیال ہے؟''

''بہت اچھے خیالات ہیں۔'' نازیہ پھر ہنسی۔ ''آپ ہی کی بڑی بہن ہیں اور پھر ساس کی ہیں؟'' اس نے فرضی کالر جھاڑے۔ سلیمہ ہنس رہی تھیں کہ نازیہ کچھ سنجیدہ سی ہوگئی اور کہنے لگی۔

''آنٹی۔ ایک بات پوچھوں۔ ناراض مت گا۔''

بدریہ اتنی سی عمر میں اس قدر ''ڈل'' سوچ کی رکھتی ہے؟ جب کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ تو کا سوشل اور براڈ مائنڈڈ ہیں لیکن بدریہ بوڑھوں بھی بڑھ کر سادہ رہتی ہے۔ اسکارف تو شروع لیتی تھی، چلو وہ پھر بھی مناسب تھا اگر اس کا ڈر کچھ اسٹائلش ہوتا۔ فل سلیوز، عجیب سی ڈھیلی شرٹ اور اب تو اس نے باقاعدہ گاؤن اور نقاب شروع کر دیا ہے۔''

سلیمہ تو سن سی بیٹھی رہ گئیں...... پھر پوچھنے لگیں

''شارق کچھ نہیں کہتا؟''

''شارق بھائی نے کیا کہنا ہے؟ وہ تو خو ہوتے ہوں گے، کیونکہ میرا تو خیال ہے کہ بدر شاید شارق کے کہنے سے ہی ایسی بن گئی ہے۔''

''کیا مطلب ہے نازیہ شارق ایسا کیسے ہو سکتا سلیمہ کی حیرت پر نازیہ نے انہیں دیکھا، اور لگی۔ ''سوری آنٹی! میں تو سمجھی تھی کہ آپ کو کچھ اندازہ ضرور ہوگا۔ شارق بھائی میں ابھی پچھلے سالوں سے یہ تبدیلی آرہی ہے۔ ہم تو سمجھے تھے یونہی وقتی اثر ہے خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے طور پر ممی (اس کی ساس) تو بہت پُرامید تھیں شادی کے بعد بدریہ اسے خود ہی چینج کر لے گی بدریہ تو خود شارق کے جیسی ہوگئی۔''

سلیمہ کافی پریشان ہو گئیں۔ ان کی اکلوتی، بدریہ کیوں زندگی کی خوشیوں اور رنگینیوں سے موڑ رہی تھی۔ انہوں نے اسی روز بدریہ کو فون کیا بہت سمجھانے کی کوشش کی۔

''بیٹا! یہ تم ابھی سے کن چکروں میں پڑ گئی ہو؟ کام اپنے وقت پر ہی اچھا لگتا ہے۔ ابھی تم جوان زندگی کی خوشیوں پر تمہارا حق ہے۔ فی الحال لائف انجوائے کرو۔''

''ماما! آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ یقین ریں میں بہت خوش ہوں اور لائف انجوائے کر رہی ہوں۔ خالہ، خالو سب گھر والے اور سب سے کر شارق میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

اس نے انہیں مطمئن کرنا چاہا مگر وہ مطمئن نہ سکیں۔

''جانو مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو؟ سچ بتاؤ یہ شارق کے کہنے سے تم نے گاؤن اور نقاب لینا شروع کیا ہے؟ مجھے تو سوچ کر وحشت ہو رہی ہے۔ میری اتنی خوبصورت، اسمارٹ بیٹی قید ہو کر رہ گئی ہے۔''

''اوہ۔ ہو۔ ماما۔ پلیز میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھ پر کسی نے کوئی زبردستی نہیں کی۔ کوئی قید نہیں کیا۔ آپ جانتی ہیں کہ شروع سے ہی مجھے اس طرح کا طرزِ زندگی پسند رہا ہے۔ اتفاق سے شارق کو بھی یہی اچھا لگتا ہے اور آپ میرے گھر آ کر مجھے دیکھ لیں کہ میں بہت خوبصورت اور اسٹائلش ڈریسز پہنتی ہوں بس ان میں بے پردگی نہیں ہوتی اور پھر جب میں خالہ کے پاس ہوتی ہوں تو زیادہ محتاط ہو جاتی ہوں کیونکہ وہاں طارق بھائی بھی ہوتے ہیں کوئی ایک دوسرے رشتے داروں کا بھی آنا جانا رہتا ہے اور ماما کیا مجھے آپ کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ یہ سب احکام واضح طور پر قرآن پاک کی سورتوں میں درج ہیں پھر اس میں شارق کے کہنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔''

بدریہ نے زور دے کر اپنی بات مکمل کی اور پھر موضوع تبدیل کر دیا۔

''اچھا، چھوڑیں ان باتوں کو، یہ بتائیں آپ میرے پاس آرہی ہیں ناں؟''

''نہیں، میں نہیں آرہی۔ بلکہ میں نے آپا سے بات کر لی ہے، وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ وہ تمہیں میرے پاس بھیج رہی ہیں۔ ابھی پانچ چھ ماہ کا عرصہ باقی ہے۔ وہ تم ادھر ہی گزار لو۔ بچے کی پیدائش کے بعد چلی جانا۔''

بدریہ چپ ہوگئی۔ وہ تو چاہتی تھی کہ یہ وقت وہ شارق کے ساتھ گزارے۔ ماما سے بات کرنے کے بعد اس نے شارق سے بات کی۔

''شارق، خالہ، ماما سب ہی چاہتے ہیں کہ میں لندن چلی جاؤں مگر میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔'' شارق ہنسنے لگا۔ ''واہ۔ بھئی۔ واہ۔ ہماری بیگم کو بھی رومانس یاد آگیا۔ شکر ہے کہ لندن کی فضاؤں کا اثر ہو ہی گیا۔''

''اوہ۔ ہو۔ مذاق مت اڑائیں۔'' وہ جھینپ گئی پھر قدرے بگڑ کر بولی۔ ''ٹھیک ہے۔ میں لندن چلی جاتی ہوں۔ آپ کو پروا نہیں، تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جو پریشان ہوتی رہوں۔ آرام سے سات، آٹھ ماہ وہاں گزار لوں گی۔''

''اوہ۔ ہو۔ ناراض مت ہو بھئی۔ سوری! اب اتنا حق تو ہے ناں کہ تم سے تھوڑا مذاق کر سکوں۔ ورنہ کیا تم نہیں جانتیں کہ میرے دل میں کیا ہے؟ اتنے بہت سارے دن، میں تمہارے بغیر کیسے

گزاروں گا؟'' شارق کے گمبھیر لہجے نے اسے مسحور سا کر دیا تھا۔

آخر کار شارق اور بدریہ نے ضد کر کے سب کو منوا لیا کہ بدریہ کم سے کم عید شارق کے ساتھ کر کے پھر ماما کے پاس لندن چلی جائے گی۔ دونوں رمضان اور عید ایک ساتھ گزارنا چاہتے تھے۔ بدریہ کی ڈاکٹر نے اس کا چیک اپ کر کے اسے سفر کی اجازت دے دی تھی۔

خالہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ بدریہ کو چھوڑنے گئیں۔ سفر اچھا گزرا۔ بے شک راستہ پہاڑی تھا مگر اردگرد کے مناظر اس قدر دلفریب تھے کہ انسان ان میں کھو کر سب کچھ بھول سکتا تھا۔

بڑی خالہ بدریہ کے ساتھ C.M.H گئیں اور لیڈی ڈاکٹر سے مل کر بدریہ کی صحت کے حوالے سے بات چیت کر کے مطمئن ہو گئیں مگر پھر بھی انہوں نے بدریہ اور شارق کو ڈھیروں ڈھیر ہدایات دی تھیں اور خود ایک دو دن کے بعد واپس چلی گئیں۔

رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا تھا۔ بدریہ نے بیٹ مین کی مدد سے افطاری اور سحری کی تیاری کی۔ پہلے روزے کے لیے مسجد میں افطاری بھیجنے کے ساتھ ساتھ اس نے شارق کے کئی دوستوں کو بھی اپنے ہاں مدعو کیا تھا۔

شارق بہت خوش تھا کہنے لگا۔ ''مجھے امید نہیں تھی بدریہ کہ تم یہ سب انتظام اتنے اچھے طریقے سے کر پاؤ گی۔''

''ہاں شارق کوکنگ میں زیادہ ایکسپرٹ تو نہیں ہوں مگر پھر بھی گزارہ ہو جاتا ہے اور تمہارا نور خان کافی کچھ بنانا جانتا ہے۔ مجھے بھی فکر تو تھی کہ نہ جانے سب انتظام کیسا ہو، کہیں کچھ گڑبڑ نہ ہو جائے لیکن اللہ کا شکر ہے، سب کام درست طریقے سے ہو گئے۔''

''تمہیں تو پھر انعام دینا چاہیے۔'' شارق مسکراتے ہوئے بولا تو بدریہ بھی مسکرا دی

پھر قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ ''شارق بہت عرصہ ہو گیا۔ میں سعودی عرب نہیں جا
ہوں۔ وعدہ کرو اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ آئند
رمضان سعودی عرب میں گزارنے کا موقع ملے۔
ہے شارق، حرمین شریفین میں سحری و افطاری کا
ہی مزہ ہے۔ ایک تو ویسے ہی رمضان المبارک
بابرکت مہینہ اور پھر خانہ کعبہ اور مسجد نبوی صلی ال
علیہ وآلہ وسلم اور گنبد خضریٰ کی تجلیوں کے سا
میں وہاں یہ وقت گزارنا اتنا اچھا لگتا ہے کہ
بتاؤں؟''

''عمرہ تو میں نے بھی کیا ہے مگر رمضا
المبارک میں یہ موقع نہیں مل سکا۔ واقعی، انشا ال
آئندہ سال رمضان وہیں گزاریں گے۔'' شار
نے کہا تھا۔

''سعودی حکومت کی جانب سے بھی سحری
افطاری کے لیے انتظام ہوتا ہے اور اپنے طور پر
مکہ اور مدینہ کے باشندے روایتی اور اسلامی مہما
نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سحری و افطاری
انتظام کرتے ہیں۔ حرمین کے اندر مخصوص او
میں ''صفرہ'' (دستر خوان، جو پلاسٹک شیٹ پر
ہوتا ہے) بچھا کر کھجور، آب زم زم، دہی اور چھو
ڈبل روٹیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ ''صفرہ'' بچھانے ا
سمیٹنے کا عمل بہت تیزی اور صفائی سے کیا جاتا ہے او
پھر ''عرب'' خواتین و حضرات لذیذ اور خوشبو دا
عربی قہوے کے بڑے بڑے فلاسک لیے بیٹھ
ہوتے ہیں اور اصرار کر کے سب کو یہ قہوہ پلا
ہیں۔ مسجد الحرام اور مسجد نبوی کی عمارتوں سے با
بھی طویل صفیں بچھا کر سحری و افطاری کا انتظام ہو
ہے اور وہاں کھجور، دہی اور ڈبل روٹی کے علاوہ او
بھی کئی اشیا خوردنی پیش کی جاتی ہیں۔ وہ رون
سوائے حرمین کے اور کہیں نہیں دیکھی۔''

مکہ اور مدینہ کے رمضان المبارک کی منظر ک
کرتے ہوئے بدریہ بالکل اسی ماحول کے تصور می
کھو گئی۔ شارق جو غور سے سن رہا تھا بدریہ کے شا

ہوئے کہنے لگا۔ ''دعا کرنا بدریہ کہ آئندہ
ان المبارک ہم حرمین شریفین میں گزار سکیں۔
بھی مل جائے۔''

''انشاءاللہ''

در یہ نے صدق دل سے کہا تھا۔

ماز فجر کے بعد بدریہ سو جاتی تھی مگر اس روز
یند ہی نہ آ رہی تھی۔ شارق تیار ہو کر آفس چلا
تو وہ وضو کر کے قرآن کریم کی تلاوت کرنے
دل میں ایک عجیب طرح کی بے چینی اور بے
تھی۔ تلاوت کے دوران کچھ سکون ملا پھر
آن کریم کو جزدان میں لپیٹ کر الماری میں رکھا
اخبار اور رسالے اٹھا کر باہر لان میں آ گئی۔
وسم خوشگوار تھا۔ صاف نیلا آسمان پس منظر میں
اور پہاڑ کے دامن میں پھیلا مظفر آباد کا
......

اس کے گھر کے لان کے سرسبز پودے اور پھل
ار درخت فطرت کی دلکشی کو اجاگر کر رہے تھے۔
ول کی خوبصورتی اس پر اثر انداز ہونے لگی۔ اس
آنکھیں موند لیں۔

ابھی کل ہی شارق اسے ایک حکایت سنا رہا تھا
کسی عالم سے سوال کیا گیا اگر کوئی شخص کسی
بیابان میں رہتا ہو، مہذب دنیا سے اس کا بھی
اسطہ نہ پڑا ہو، بھی کسی پیغمبر، نبی، رسول کا پیغام اس
ک نہ پہنچ سکا ہو تو وہ اللہ کی وحدانیت، بزرگی اور
اس کے وجود پر کیونکر ایمان لا سکتا ہے؟''

عالم نے جواب دیا ''اگر ایسا ہے تو دن رات
کے آنے جانے، چاند سورج اور ستاروں کے طلوع
و غروب، بارش کی بوندوں، بجلیوں کی کڑک اور
ک، پھول، پتوں، پھلوں، سبزیوں کے رنگ،
خوشبو، بناوٹ، لذت، چرندوں، پرندوں کی مختلف
قسموں، دریاؤں، سمندروں، ندی، نالوں کے بہاؤ
اور ان میں پائی جانے والی مخلوق کو دیکھ کر بھی کیا
اسے ان کے خالق کے بارے میں کوئی شک و شبہ
باقی رہ سکتا ہے؟''

واقعی مناظر فطرت، خالق و مالک حقیقی کے وجود لاشریک کی گواہی دیتے ہیں۔ بے ساختہ بدریہ کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو گیا۔ اسے اچانک یوں محسوس ہوا جیسے اس کی کرسی لرز رہی ہو۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اردگرد کوئی بھی نہیں تھا۔ نور خان ابھی کچھ دیر قبل اسے بتا کر بازار گیا تھا۔ اچانک اس کے قدموں تلے زمین کانپنے لگی۔ سامنے گھر کی عمارت سوکھے پتے کی طرح لرز رہی تھی۔ ''زلزلہ'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ وہ وہیں بیٹھی رہی۔ اٹھ کر کیا کرتی؟ اسے چکر آ رہے تھے۔ گرنے کا خدشہ تھا۔

ایک خوفناک دھماکا ہوا اور گھر۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ دھماکے لگاتار ہو رہے تھے۔ اردگرد کے مکانات یکے بعد دیگرے زمیں بوس ہو رہے تھے۔

بدریہ مسلسل استغفار اور کلمہ شہادت پڑھ رہی تھی۔

وہ وسیع و عریض لان میں ایسی جگہ بیٹھی تھی کہ اس کے قریب کوئی عمارت نہ تھی جس کے ملبے کی زد میں آنے کا اس کو خدشہ ہوتا۔ اس کے گھر کا ملبہ بھی اس جانب نہیں بلکہ اندر کی جانب ہی گرا۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنی جگہ سے اٹھے اور اردگرد کا حال دیکھے۔

مسز کیپٹن علی، جس کے ساتھ اس کی فوراً ہی دوستی ہو گئی تھی وہ تقریباً اس کی ہم عمر تھیں۔ وہ سانولی سلونی انتہائی پُرکشش سی ماہا علی، جانے کس حال میں تھی اور سامنے والی لائن میں رہنے والی مسز میجر شفق شاہ، جنہوں نے بدریہ کے آنے کی خوشی میں سب سے پہلے دعوت کی تھی۔ نہ جانے ان کا کیا حال تھا؟ اور ان کے شرارتی اور کیوٹ سے بچے ثانیہ اور ثوبان۔ ثانیہ نرسری میں تھی جب کہ ثوبان ابھی اسکول نہیں جاتا تھا۔

وہ جلدی سے اٹھ کر باہر کی طرف چلی مگر ہر طرف بکھرے ملبے کو دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔ کیپٹن علی کا گھر، میجر فہیم شاہ کا گھر، اردگرد کے سب گھریوں

ملیامیٹ ہو چکے تھے جیسے پلاسٹک کے بنے کھلونے ہوں اور جنہیں کسی بچے نے اپنے پاؤں تلے مسل دیا ہو اور ان کے مکین...... بدریہ کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا۔

اس کی لرزتی ٹانگوں نے اس کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ نہ جانے کتنی دیر گزری تھی۔ اسے کئی جھٹکے وقفے وقفے سے محسوس ہوئے۔ ابھی تک کوئی امدادی کارروائی شروع نہیں ہوئی تھی وہ ابھی کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ نور خان آ گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ وہ بہت پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔ وہ زخمی بھی تھا۔ اس کے بازو اور سر سے خون رس رہا تھا۔ وہ بدریہ کے قریب آ کر رونے لگا۔

''باجی، شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔ باقی شہر تو تباہ ہو گیا ہے۔ کوئی گھر، کوئی عمارت سلامت دکھائی نہیں دے رہی۔ میں بھی نہ جانے کیسے بچ گیا۔ پہلے صاحب کی طرف جا رہا تھا پھر سوچا آپ کو دیکھ لوں۔''

''نور خان! میں تو ٹھیک ہوں۔ مگر یہ...... یہ سب گھر...... ان کے لوگ...... پلیز، تم کسی کو مدد کے لیے بلاؤ۔ یہاں خواتین اور بچے اندر دبے ہوں گے۔ انہیں نکالنے کا انتظام کیا جائے اور شارق سے ملو۔ وہ کچھ انتظام کر دیں گے۔''

''آئیں باجی! آپ گھر کے اندر آ کر بیٹھیں مگر یہاں تو ہر طرف مٹی ہے اور ملبہ۔ آپ ادھر لان میں ہی بیٹھ جائیں۔ میں ابھی صاحب ہی کے پاس جا رہا ہوں۔ پورے شہر کو ہی مدد کی ضرورت ہے اور یہ مدد فوج ہی سے مل سکتی ہے۔''

نور خان اسے تسلی دیتا چلا گیا مگر کچھ دیر بعد آنے والی خبروں سے بدریہ کا وجود ایک بار پھر زلزلے کے جھٹکوں کی زد میں تھا اور ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔

شارق اپنے ساتھیوں سمیت اپنے دفتر کی عمارت کے ملبے تلے دب گیا تھا۔ ماہا علی، وہ زندگی سے بھرپور ہنستی مسکراتی لڑکی موت کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔ میجر فہیم شاہ کی شہادت کی اطلاع مل گئی تھی۔

وہ دو پونیاں بنائے پیاری سی ثانیہ جس کی آنکھوں میں ستارے چمکتے تھے ستاروں کے دیس چلی گئی تھی اور خود مسز شفیق زخموں سے چور، دنیا و مافیہا سے بے خبر تھیں۔ ان کا شرارتی ثوبان، جو ایک منٹ نچلا نہ بیٹھتا تھا اپنی ایک ٹانگ سے محروم ہو گیا تھا۔

بدریہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ شارق کو پکارتی اس کے آفس کی جانب بھاگی۔ نور خان اس کے پیچھے تھا اور پھر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی۔

اس کی آنکھ ایک عارضی موبائل اسپتال میں کھلی۔ دو دن اور تین راتوں کے بعد اسے ہوش آیا تھا، ہوش میں آتے ہی وہ شارق کو پکارنے لگی۔ خالہ، خالو اور ارد گرد کئی جانے پہچانے چہرے تھے جو اسے بہادری کی تلقین کر رہے تھے۔ رو رہے تھے مگر شارق کے بارے میں کوئی کچھ نہیں بتا رہا تھا۔

مگر یہ خبر بھلا اس سے کیسے چھپ سکتی تھی کہ صرف شارق اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا تھا بلکہ وہ اپنی اور شارق کی محبت کی نشانی بھی کھو چکی تھی۔

وہ ایک بار پھر اندھیروں میں ڈوب گئی۔ اس کے گھر والے اسے اسلام آباد لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اب وہ اپنے اور شارق کے بیڈ روم میں چپ چاپ لیٹی رہتی۔ ماما اسے خود سے لپٹا کر رونے لگتیں اور اس کے آنسو تو خشک ہی نہ ہوتے تھے۔ سب گھر والے ہی غمزدہ تھے۔ شارق کی جدائی کا صدمہ کچھ کم تو نہ تھا۔ پاپا اب بھی مظفر آباد اور اس سے آگے کے علاقوں میں امدادی کارروائیوں میں حصہ لینے جا چکے تھے۔ عید کے بعد وہ واپس آئے ان کی چھٹیاں ختم ہونے والی تھیں۔ انہیں لندن واپس جانا تھا۔ انہوں نے بدریہ کو بتایا کہ لندن سے ڈاکٹرز کی ٹیم امدادی کارروائیوں میں حصہ لینے آئی ہوئی ہے۔

ان میں ڈاکٹر صائب بھی تھا۔''

''کون ڈاکٹر صائب؟'' ماما نے سوال کیا۔ بدریہ حسب معمول لاتعلق سی بیٹھی تھی۔

''تمہیں یاد نہیں، ڈاکٹر صائب۔ وہ ہمارے گھر آئے تھے۔ صائب کے فادر بھی سرجن تھے اور اس کی ممی کسی کالج سے منسلک تھیں۔''

پاپا کی بات پر سلیمہ کو بھی یاد آ گیا اور بدریہ کو بھی۔ وہ سانولا سا باریش ڈاکٹر جسے اس نے کبھی یاد کرنے کی کوشش بھی نہ کی تھی، خود بخود اس کے ذہن کے پردوں پر نمایاں ہو گیا۔

''وہ پہچان کر خود ہی آ کر مجھے ملا۔ بہت اچھے انداز میں اس نے مجھے حوصلہ دیا۔ صبر اور ہمت سے کام لینے کی تلقین کرتا رہا اور وہاں مجھے ایک اور لڑکا ملا تھا۔ احمد نام تھا اس کا۔ بتا رہا تھا کہ شارق اس کا دوست تھا۔ وہ بھی وہاں امدادی سرگرمیوں میں حصہ لے رہا تھا۔''

پاپا چلے گئے مگر ماما اس کے پاس رک گئی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ بدریہ کی صحت اور ذہنی کیفیت کچھ بہتر ہو تو اسے بھی اپنے ساتھ لے جائیں کہ عدت تو آپریشن کی وجہ سے ختم ہی ہو گئی تھی مگر بدریہ نے فی الحال ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ شارق اپنے جس دوست فیضان کا ذکر کرتا رہتا تھا اس کی بہنیں ڈاکٹر عائزہ اور ہاجرہ اکثر اس کے پاس آ جاتیں۔ ان بہنوں سے گفتگو کر کے بدریہ کو بہت سکون ملتا تھا۔ اسے شارق کی باتیں نئے سرے سے یاد آنے لگتیں جس طرح سے وہ فیضان اور اس کے گھر والوں کی تعریف کرتا تھا وہ یقیناً اسی کے مستحق تھے۔

ماما بھی واپس چلی گئیں مگر جاتے جاتے بھی وہ بدریہ کو ساتھ لے جانے کے لیے راضی کرتی رہیں۔ خالہ نے روتے ہوئے ان سے کہا۔ ''سلیمہ، بدریہ تمہاری ہی بیٹی ہے۔ تمہارے پاس آئے گی ہی مگر میرے شارق کی دلہن بھی ہے۔ شارق چلا گیا مگر اسے کچھ دن میرے پاس رہنے دو۔''

خالہ، خالو، طارق بھائی سب ہی لوگ بدریہ کا بہت خیال رکھتے تھے وہ اب ڈاکٹر عائزہ کے کہنے پر ان کے ساتھ اسپتال جا کر زخمیوں کے پاس بیٹھنے اور انہیں تسلی دلاسے دینے لگی۔

اسے لگتا ان دکھی عورتوں، بچوں کی ہمت بندھاتے خود اس کے اپنے اندر طاقت بھر رہی ہے۔ شام کو وہ ہر روز ہاجرہ کے ساتھ درس قرآن کی کلاسز اٹینڈ کرنے جاتی تھی مگر کچھ دنوں سے وہ بہت پریشان تھی۔ ماما اسے تقریباً ہر دوسرے، تیسرے روز فون کر دیتی تھیں مگر اب اپنی کالز میں انہوں نے اس کی دوسری شادی کا پروگرام بنانا شروع کیا تو وہ ان سے ناراض ہو گئی۔

''ماما، ہمیشہ ایسی ہی رہیں گی۔ مادی سوچ کی حامل۔ کیا اس کا اور شارق کا تعلق اتنا کچا تھا؟ جسمانی طور پر وہ بے شک ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے لیکن کیا روحانی تعلق بھی ٹوٹ گیا؟''

اس کو شارق کی باتیں یاد آتیں۔ اس کی محبت، رفاقت کے دلنشین انداز، دل میں جگمگانے لگتے کیا یہ سب کچھ بھلانے کے قابل تھا؟

ڈاکٹر عائزہ سے اس کی دوستی اب بے تکلفی میں بدل چکی تھی۔ اس نے انہیں بھی ماما کی خواہش اور اپنی ناراضی کا بتا دیا۔ ڈاکٹر عائزہ چپ ہو گئی مگر دوسرے روز یونہی باتوں باتوں میں بیوہ کے نکاح ثانی کی بات کرنے لگی۔

بدریہ جھنجلا گئی۔ ''پلیز عائزہ یہ سنت ہے۔ فرض تو نہیں۔ میرا دل نہیں مانتا۔''

''بدریہ! بعض اوقات ہمیں صحیح فیصلہ کرنے میں دشواری ہو رہی ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے اللہ سے مدد طلب کرنی چاہیے اور یہ جو تم کہہ رہی ہو، سنت ہے، فرض تو نہیں، تو کیا وہ فعل جو ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، غیر ضروری یا کم اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے۔'' وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"نعوذ باللہ۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"اس حکم کی بے شمار حکمتیں اور فائدے ہیں جو ہمیں وقت پڑنے پر ہی سمجھ میں آتے ہیں مگر میرا مشورہ ہے تم ٹھنڈے دل سے سوچنا۔ اچھا پرپوزل ہو تو استخارے کے نوافل پڑھ کر دعا کرنا۔" ڈاکٹر عائزہ چلی گئی اور بدریہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

خالو نے اسے شارق کے شیئرز کے حوالے سے ایک چیک دیا تھا۔ "بیٹا! یہ تم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا لینا اور بھی اگر کوئی ضرورت ہو تو بے تکلفی سے مجھے بتانا۔ جیسے اپنے پاپا سے فرمائش کر رہی ہو۔"

بدریہ سر ہلا کر رہ گئی۔ اس کی اپنی ضروریات تو خیر کیا ہوتی تھیں، وہ تو آج کل زلزلہ زدگان کی امداد کے لیے ہی مصروف رہتی تھی۔ اسے لگتا کہ نہ صرف اس کی روح بلکہ شارق کی روح بھی مسکرا رہی ہو۔

خالہ اس کے کمرے میں آ کر پہلے تو خاموشی سے بیٹھی اسے دیکھتی رہیں پھر اسے گلے لگا کر پیار کرنے لگیں۔ ان کے آنسو بہہ نکلے۔ جنہیں اپنے دوپٹے سے پونچھ کر کہنے لگیں۔ "بیٹا! تمہاری ماما، تمہارے ہی بھلے کی خاطر یہ بات کہہ رہی ہیں ورنہ اگر میری اپنی ذات کی جہاں تک بات ہے تو میں تو تمہیں ایک پل کو اپنے سے دور نہیں کر سکتی مگر شارق کے بعد۔ تمہیں اپنے پاس روکنے کا کیا بہانہ کروں؟ بیٹا شارق کے دوست احمد کو تم نے دیکھا ہے۔ اس کے والد کی ٹریولنگ ایجنسی ہے۔ احمد خود بھی سیر و سیاحت کا شوقین ہے۔ تمہارے پاپا سے اس نے بات کی ہے۔ وہ تمہیں پروپوز کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ڈاکٹر صائب ہے۔ وہیں لندن میں رہتا ہے۔ اس کا بھی پروپوزل ہے۔ فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔"

بدریہ رو رہی تھی۔ خالہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ہر وقت تیار رہنے اور اپنا بہت خیال رکھنے والی خالہ اس وقت کتنی بوڑھی، کمزور اور عام سی لگ رہی تھیں۔ ان کا وہ اسٹائل، وہ طنطنہ نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔

بدریہ دن بھر اپنے کمرے سے نہیں نکلی۔ شا
بادل گھر کر آئے اور اچانک موسلا دھار با
شروع ہو گئی۔ بدریہ بے چین ہو گئی۔ اسے اپنے
مون کے دن یاد آ گئے۔ خاص طور پر جمیل سا
الملوک پر گزارا وہ دن اور وہ بارش۔ جب شا
اس کے ساتھ تھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر بی
پر آ گئی۔

بارش تیز ہو گئی۔ لان بارش میں دھل کر نکھ
تھا پانی کی بوچھار اس پر آنے لگی مگر وہ وہیں کھ
رہی۔

اچانک اسے نازیہ بھابی اور طارق بھائی
آوازیں سنائی دیں۔ اپنا نام سن کر وہ پریشان
گئی۔

طارق بھائی کہہ رہے تھے "تم خواہ مخواہ نارا
ہو رہی ہو نازی۔"

"یہ خواہ مخواہ ہے؟ خواہ مخواہ تو یہ آپ لوگوں
لاڈلی بدریہ بیچ میں آ رہی ہے۔ شارق بھائی
موت کا ہمیں بھی دکھ ہے مگر مرنے والے کے سا
ہم مر تو نہیں سکتے ناں..... ان کی موت میں ہ
کوئی قصور بھی نہیں ہے..... تو پھر یہ بوجھ
ہمارے سر پر سوار ہو گئی ہے۔" نازیہ کی برہم آ
گونج رہی تھی۔

"نازیہ سوچ سمجھ کر بولو۔ بدریہ نے تمہارا
بگاڑا ہے؟"

"میرا ہی تو بگاڑ رہی ہے۔ اب اس روز میر
شاپنگ کے لیے جا رہی تھی۔ پاپا نے دیکھ لیا تو بو
بدریہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ اب آج بارش میں
لانگ ڈرائیو کا پروگرام بنایا تو ممی کہتی ہیں بدریہ کو بھ
ساتھ لے جاؤ۔ آپ بتائیں، کیا ہماری زندگی میں
کوئی پرائیویسی نہیں؟ ہم اپنی خوشی سے کچھ نہیں کر
سکتے؟ اور..... اور یہ بدریہ بیگم ویسے تو بہت مذہبی بنتی
ہیں لیکن یہ تو بتائیں، اس گھر میں وہ کس رشتے سے
رہ رہی ہیں۔"

بدریہ اپنے کمرے میں آ گئی اور پھوٹ پھوٹ

کر رونے لگی۔ جب رو رو کر دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو وضو کر کے مغرب کی نماز پڑھی پھر استخارے کے نوافل پڑھے اور رو رو کر اللہ سے مدد اور رہنمائی مانگنے لگی۔ اس کے بعد اپنی مخصوص دعا کی "یا اللہ جو میرے لیے بہتر ہو، اسے میرا مقدر بنا دے اور مجھے اپنی تقدیر پر شاکر کر دے۔"

اسے یہ تو سمجھ آ گیا تھا کہ عورت کے لیے تنہا زندگی گزارنا کیوں مشکل ہے؟ اسے ایک محرم کی ضرورت بہرحال رہتی ہے۔ واقعی شارق کے بعد اس گھر میں اس کا رہنا مناسب نہیں تھا۔ بے شک اس کی وہ سگی خالہ تھیں۔ اسے شارق اور اس کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام شریعت کے ضابطے انسان کے فائدے کے لیے ہیں۔ آج شارق کے بھائی کی بیوی اس سے نالاں تھی کل کو انس اور زید کی بیویاں بھی یہ رویہ اپنا سکتی تھیں۔

☆☆☆

بدریہ اور ڈاکٹر صائب عمرے کی ادائیگی کے لیے "سعی" کر رہے تھے۔ (صفا اور مروہ نامی دو پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگانا حج و عمرہ کے واجبات میں سے ہے) انہوں نے "صفا" پر چڑھ کر بیت اللہ شریف کی طرف دیکھا اور نیت کر کے دعا پڑھی۔ اب وہ دونوں اس ہجوم میں شامل ہو گئے جو کہ دیوانہ وار چل رہا تھا دعائیں کر رہا تھا۔

بدریہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ اللہ سے مدد اور رہنمائی طلب کر رہی تھی۔ استغفار پڑھ رہی تھی۔ اپنی اور صائب کی مغفرت طلب کرنے کے ساتھ ساتھ شارق کے لیے بھی دعا کر رہی تھی۔ اسے حضرت علیؓ کا قول یاد آ رہا تھا "میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔"

شارق اور اس کا ساتھ ٹوٹ گیا تھا مگر ڈاکٹر صائب اس کا شریکِ سفر بن چکا تھا۔ پچھلے سال وہ "عیدالفطر" شارق کے ساتھ منانے کے منصوبے بنا رہی تھی اور اس سال جب اس نے شارق کے ساتھ عمرے کا سوچا تھا اب عمرہ کر رہی تھی مگر کیپٹن شارق شہید ہو چکا تھا اور وہ ڈاکٹر صائب کی بیوی بن چکی تھی۔

ماما اس بار بھی ڈاکٹر صائب کے ساتھ پر زیادہ خوش نہ تھیں مگر اس بار پاپا اور بدریہ کا فیصلہ ان کے حق میں تھا۔

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔" ابھی ابھی بدریہ اور صائب نے یہ دعا پڑھی تھی اور اب بدریہ سوچ رہی تھی۔ "میرے رب، بے شک تو ہی قادرِ مطلق ہے۔ علیم و خبیر ہے۔ تیرے ارادے، تیری مصلحتیں صرف تو ہی جانتا ہے۔ تمام دکھ اور خوشیاں تیری ہی طرف سے آتی ہیں تو ہمیں راہِ راست پر چلنے کی توفیق دے، ہمیں مایوسی اور ناامیدی سے بچا کیونکہ ایمان اور امید ہی ایک مسلمان کا سرمایہ ہیں۔ ہر آزمائش اور مشکل میں اللہ ہی سے مدد طلب کرنا اور اس کے فیصلوں پر صابر، شاکر رہنا ہی ایک مسلمان کی نشانی ہے۔"

شارق، شہزادی بدر جمال کی کہانی یقیناً تصوراتی ہو گی مگر بدریہ نے اپنی زندگی کی کہانی سے یہی سبق سیکھا ہے کہ انسان کی تدبیر تب ہی کارگر ہوتی ہے جب تقدیر میں بھی یہی رقم ہو۔ "ماما آپ مجھے ماڈرن اور آزاد خیال دیکھنا چاہتی تھیں مگر اللہ نے آپ کے بھانجے شارق کو وہی خیالات دے دیے جن کی وجہ سے آپ نے صائب کا پرپوزل ٹھکرایا تھا اور پھر صائب ہی میرا شریکِ زندگی بن گیا ہے اور ماما بہرحال آپ کی بیٹی کے ساتھ اللہ کا فضل رہا ہے۔ پہلے شارق اور اب صائب اسے بہت اچھے شریکِ زندگی ملے ہیں۔"

سعی کے سات چکر مکمل ہو چکے تھے۔ صائب اپنے سر کے بال منڈوا چکا تھا۔ بدریہ کے بال اس نے ہوٹل کے ایک کمرے میں جا کر کاٹے تھے..... اور دونوں اکھٹے بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

✻✻

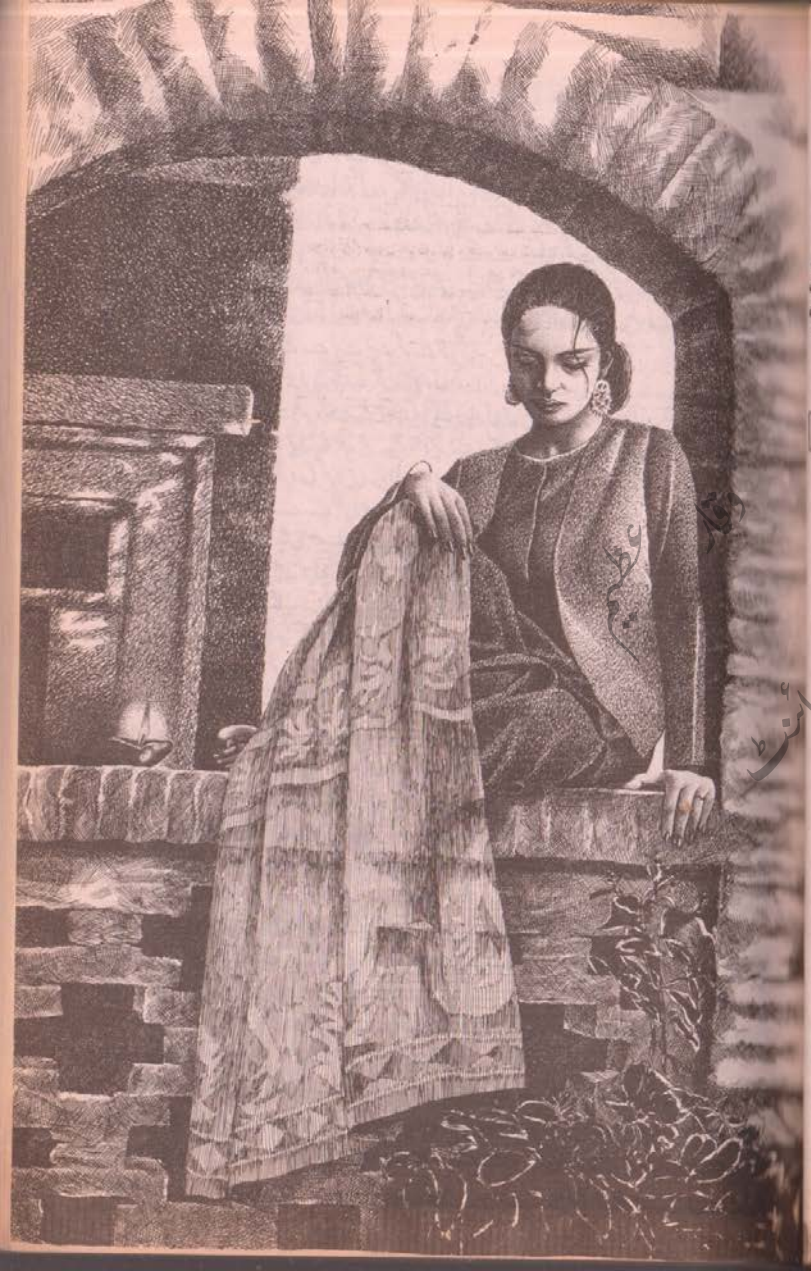

سلسلے وار ناول

توجیون کی ہری گلی

زاہدہ پروین

ساتویں قسط

نہ روبرو کوئی دلبر نہ کوئی دلربا منظر
تو پھر یہ کیسے دریچے یہ کیسے بام و در
بہک نہ جائے نگہ، ڈگمگا نہ جائیں قدم
رہِ وفا ہے یہاں سے ذرا سنبھل کے گزر

جیون صرف کانٹوں بھرا رستہ نہیں بلکہ پھولوں کی نرم و گداز سیج بھی ہے۔ خوشگوار جیون خلوص اور محبت سے گندھا حسین تحفہ ہے جو قسمت والوں کو ہی ملتا ہے۔ جیون کبھی کسی شاعر کی خوبصورت غزل کے مانند لگتا ہے تو کبھی دکھوں سے بھرا نوحہ ـــــ غرض کہ جیون بھرپور رنگوں سے سجا گلزار بھی ہے اور اذیتوں سے بھرا صحرا بھی۔ اسی جیون کو بتاتی ہوئی ان زندگیوں کا احوال جو محبت کی بھوار میں بھیگتی آگے بڑھتی چلی جارہی تھیں کہ ـــــ

ایک ایسے گھرانے کی پروردہ اس بیٹی کا فسانہ جو اقدار و روایات کی بھرپور پاسداری کرتے ہوئے جیون بتانا چاہتی تھی۔

ایک گنگناتی ہوئی خوبصورت تحریر جسے آپ بار بار پڑھنا چاہیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

باجی سرور جہاں اٹھتے اٹھتے اپنے ہی زور سے دھڑام سے گاؤ تکیے پر اوندھ گئیں۔ بے اختیار منہ سے دلدوز سی چیخ نکل گئی مگر کسی نے توجہ نہ دی۔

دلاری کی بات کا مفہوم واضح ہوتے ہی جو جہاں بیٹھا تھا اس نے وہیں سے ہائے وائے مچادی تھی۔ کیا مالکن اور کیا ماما ئیں سب پر ایک جیسا ردِعمل دیکھنے میں آ رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں کہرام مچ گیا۔

"اری کم بختو! میری جوتیاں تو لاؤ۔" زمانی بیگم پکاریں پھر بوکھلاہٹ میں ننگے پیر اپنے کمرے میں دوڑتی چلی گئیں تب یاد آیا کہ ابا میاں تو سویرے ہی جا چکے تھے ان کی رنگت فق اور سانس سینے میں نہ سما رہا تھا۔ عقل جیسے خبط ہو کر رہ گئی تھی۔ چچی جان تسبیح ہاتھ میں لیے ایک گوشے میں کھڑی ہوئی...... "جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو...... جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔" پڑھتی جا رہی تھیں اور چاروں طرف پھونکیں مارتی جاتی تھیں۔ تانیہ ایک ایک کے گلے سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھی۔

اسی دوران کسی نے یہ بدخبر زچہ خانے میں پہنچادی۔

بڑے بیٹے کے بعد رات قدرت نے شگفتہ کو ایک پیاری سی بیٹی سے نوازا تھا ایک تو ویسے ہی اس گھر کے دقیانوسی رسم ورواج اور پرانے طور طریقے، اوپر سے ایسی جان نکال لینے والی اطلاع! انہوں نے تو پلنگ پر لیٹے لیٹے چیخیں مارنا شروع کر دیں۔ دائی جوان کا پنڈا دبا رہی تھی لات مار کے اسے دور ہٹایا اور اس کے منع کرتے کرتے بند کمرے سے نکل بھاگیں۔ باہر بھی افراتفری کا عالم تھا کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ سب رونے پیٹنے اور واویلا کرنے میں مصروف تھے۔ کوئی دوسرا وقت ہوتا تو شگفتہ کے یوں زچہ خانے سے کھلے سر نکل آنے پر ان کی ساس فضیحتہ کر ڈالتیں ہزار صلواتیں تو سرور جہاں ہی سنا دیتیں کہ سر میں ہوا لگ جائے گی...... اوپر کا اثر ہو جائے گا...... بچی بیمار پڑ جائے گی مگر آج ان لمحوں میں سبھی بدحواس اور پریشان تھے اور وہ سیدھی ساس کے پاس جا پہنچیں۔

سرور جہاں بے چاری خود ہی گریں اور خود ہی اٹھ بھی بیٹھی تھیں۔ گھٹنا سہلاتے ہوئے انہوں نے دلاری سے ڈپٹ کر دریافت کیا۔ "بدبخت! کھل کر بتا تجھے یہ بدخبری کس نے بتائی۔ جس سے سن کر آئی تو!"

دلاری نے پلو سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بتایا۔

"بیگم صاحب! باہر کے چوکیدار نے گلو کو بتایا تھا۔ اسی سے سن کر میں نے یہاں سب کو بتایا۔ گلو فوراً ہی باہر دوڑ گیا تھا۔ ابھی تلک تو لوٹا نہیں ہے۔"

دلاری کی بات پوری ہوئی تھی کہ ایک ملازمہ بھاگتی ہوئی آئی اور زور سے بولی۔ "ہائے بیگم جی غضب ہو گیا۔ گاؤں میں بلوہ ہو گیا ہے۔ شاکر میاں وہیں تھے۔ پہلی نامراد گ...... گو...... گولی انہی کو لگی ہے......" لفظ گولی سنتے ہی آہ وفغاں کا ایک نہ رکنے والا طوفان بپا ہو گیا۔ شگفتہ نے اپنے آپ کو پیٹ پیٹ کر بے حال کر لیا۔ سر پر بندھی ہوئی سرخ رنگ کی کامدار پٹی نوچ کر پھینک دی۔ وہ باقاعدہ بین کر رہی تھیں۔

"ہائے اللہ! یہ سب سنتے ہوئے مجھے موت کیوں نہ آ گئی...... اب میں کس منہ سے جیوں؟ یہ کیا ہو گیا مولا؟ اب کیا ہوگا؟"

اب تو باجی سرور جہاں بھی دوپٹے میں منہ چھپائے چھکوں پھکوں رو رہی تھیں۔ ان کا بھاری بھرکم وجود جھٹکوں سے لرز رہا تھا۔

زمانی بیگم سکتے کے عالم میں ایک ایک کی روتی ہوئی صورت تک رہی تھیں۔ کچھ دیر اپنے کمرے میں کھڑے رہنے کے بعد وہ چپ چاپ باہر آ گئی تھیں اور اب گاؤ تکیے کے سہارے خاموش بیٹھی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ اس اچانک خبر نے ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔

باہر سے اس اطلاع کی تصدیق کر کے آنے والا گلو تھا۔ اب اس ناگہانی واقعے کی سچائی میں کسی مبالغے کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ گھر کا ذرہ ذرہ نوحہ کناں اور دل گرفتہ تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

"ہائے پھوپی جان! میرے بھائی صاحب...... ہائے میرے بھائی صاحب۔" تانیہ سرور جہاں کے کندھے پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں لیکن کوئی کسی کو چپ کروا رہا تھا نہ تسلی دلاسا دے رہا تھا۔ آنسوؤں اور آہوں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔

گیارہ بجے سے دن کا ڈیڑھ دو بج گیا۔ کہیں سے کوئی مفصل معلومات نہ مل پا رہی تھیں۔ جتنی بات گلو سننے میں آئی تھی اس سے آگے ایک حرف بھی معلوم نہ ہو سکا۔ آنے والوں کی راہ تکتے تکتے سب کی آنکھیں پتھرا گئیں۔

آج نوکر سے مالک تک کسی کے منہ میں ایک کھیل تک اڑ کر نہ پہنچی تھی۔ چولہے اوندھے پڑے تھے۔ باورچی خانہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ کسی کو پکانے کی فکر تھی نہ کھانے کا ہوش تھا۔ شگفتہ کی نومولود بچی پتا نہیں کب سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر روئے جا رہی تھی کسی نے ماں کی خالی گود میں لا ڈالا۔

"دلہن بیگم! اسے دودھ پلا یئے۔ دیکھیے تو کس قدر بلک بلک کر رو رہی ہے۔"

سرور جہاں نے دوپٹا چہرے سے ہٹا کر قہر آلود نظروں سے گھورا۔ "پھینک دو اٹھا کر اس سبز قدم کو۔" ان کی زہر میں ڈوبی ہوئی آواز...... ہر طرف گونج گئی۔ "مت لگاؤ اسے چھاتی سے یہ باپ کی دشمن پھل پیری......" سرور جہاں کی بات سب نے کھلے کانوں سی سنی چاروں طرف سناٹا چھا گیا مگر حیرت انگیز طور پر کسی نے اعتراض نہ کیا نہ برا مانا...... نہ زمانی بیگم نے اور نہ شگفتہ نے بلکہ شاید دل ہی دل میں ان کی "سچ بیانی" اور "حقیقت گوئی" کا اعتراف کر لیا تھا!

دراصل...... ان کا ماحول ایسی جہالتوں سے بھرا پڑا تھا۔

خدا خدا کر کے شام پانچ بجے کے بعد ایک تیز رفتار جیپ بڑے پھاٹک کے باہر آ کر رکی اور ابا میاں کا کارندہ حشمت خان چھلاوے کے مانند لپک کر نکلا۔ اندر سے گلو کو بلوایا اور وہیں رک کر اسے واقعے کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ کچھ ضروری ہدایات دیں اور بہت عجلت کے عالم میں جیپ میں سوار ہو کر دوبارہ روانہ ہو گیا۔ آج حشمت خان کی آنکھیں خون اگلتی اور چہرہ معمول سے زیادہ تپا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کے جاتے ہی گلو نے اندر دوڑ لگا دی اور دلاری کو بلوا کر تمام تفصیلات اس کو منتقل کر دیں۔ گویا اطمینان اور سکون کی روح پھونک ڈالی۔

گھر والے دل ہی دل میں نہ معلوم کیسے برے برے تصورات لیے ڈرے سہمے بیٹھے تھے۔ شاکر کے زندہ سلامت ہونے کی خبر سن کر گویا سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ بلا سے گولی پنڈلی کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ معمولی زخمی ہوئے تھے۔ اسپتال میں مجبوراً داخل ہونا پڑا تھا۔ ابا میاں ہمراہ تھے۔ یہ بھی ایک قابلِ اطمینان امر تھا۔ باقی سب خیریت تھی۔

گھر کی خواتین کے لیے خیر صلاً کی اتنی ہی اطلاع بہت تھی۔ اب گاؤں میں کیوں بلوہ ہو گیا؟ گولی کا ہے کو چلی؟ زمینداری کے جھمیلے تھے۔ ابا میاں جانیں اور ان کے مزارعے۔ خواتین کو کچھ مطلب نہ تھا! یہاں تو پورے گھر میں سکون وقرار کی لہر دوڑ گئی۔ فکر وتردد کے بادل چھٹ گئے۔ افسردہ چہرے کھل اٹھے۔ دلوں کی بے تابی جاتی رہی۔ تفکرات مٹ گئے۔ ایکدم ہی ہر طرف چہل پہل اور رونق کا سا سماں

چھانے لگا۔

باجی سرور جہاں جو بہت دیر سے شگفتہ کی کلائیوں میں کھنکتی چوڑیاں اپنی نگاہوں کی زد میں لیے بیٹھی تھیں۔ رہ رہ کر ناک کی دمک جانے والی ہیرے کی لونگ برابر انہیں للکارے جا رہی تھی شاکر کی جان کی سلامتی کا سنتے ہی ان کے تیور بدل گئے۔ جی کی کدورت اور میل جاتا رہا۔ آنکھوں کا زاویہ خود بخود تبدیل ہو گیا۔

''اے ہائے شاکر کی دلہن۔'' وہ فوراً ہوش و حواس کی دنیا میں آ گئیں۔ ''یہ تم نے سر پر سے کارچوبی پٹی کیوں اتار پھینکی؟ اے ایسا کیسا فیشن؟ ابھی رات کو تو ہم نے بندھوائی ہے۔ کہیں یوں کچے پنڈے سے زچہ، زچہ خانے سے باہر نکل بھاگتی ہے! خدانخواستہ ہمارے منہ میں خاک اگر ہوا سوا کا اثر ہو جائے تو؟''

اچانک انہوں نے قریب کھڑی ملازمہ کو پھٹکارنا شروع کر دیا۔ ''اے خدا کی مار ہو تجھ پر۔ بدبخت کہیں کی! رات کی پیدا منی سی جان کو باہر نکال لائی۔ غضب خدا کا کیسی دیدہ پھٹی کام چور ہیں یہ کام والیاں! چل! زچہ بچہ دونوں کو سنبھال کر اندر لے کر جا۔'' ان کی کراری آواز گونجتے ہی ہر کوئی چاق و چوبند ہو گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہی نوزائیدہ بچی جوان کی زبان سے سبز قدم اور ''پچھل پیری'' قرار پائی تھی۔ باپ کے زندہ سلامت ہونے کی خبر سن کر سرخرو ہو چکی تھی۔

چچی جان تسبیح جیب میں رکھتے ہوئے ان کے قریب آ بیٹھیں اور نہایت ہی عقیدت سے جھوم کر گویا ہوئیں۔ ''دیکھا سرور تم نے ہمارے وظیفے کی برکت! کیسی بڑی بلا ٹلی ہے آج!''

''اس میں تو خیر کوئی شک نہیں۔'' باجی نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔

''ہم بھی ابھی ابھی پھولن کو بستی مہر ولی کے بزرگ بابا کے مزار شریف بھیجتے ہیں وہ ہمارے بچے کی خیر و عافیت کے لیے منت مان کر آئے گی۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' چچی جان نے مشورتاً جواب دیا۔ ''ساتھ میں تانیہ بٹیا کی چوٹی کے چند بال بھی بھجوا دو لگے ہاتھوں دونوں کام کر آئے گی پھولن ہم تو گناہ گار بندے ہیں۔ اس نیلی چھتری والے نے پیروں فقیروں کو بڑے بڑے مرتبے عطا فرمائے ہیں۔ مخلوق کی دادرسی کے لیے۔''

تانیہ فخریہ انداز میں بولی۔ ''دادی اماں! میں نے دس بی بیبیوں کی چار کہانیاں مانی ہیں اور ان چند گھنٹوں میں بی بی سیدہ کی تو معلوم نہیں کتنی کہانیوں کی منت من لی۔'' اب یہاں نیا موضوع چھڑ گیا تھا۔ اسپتال سے شاکر کے صحتمند اور سلامت لوٹ آنے کے لیے نوکرانیاں تک بڑھ چڑھ کر منتیں مرادیں مانگ رہی تھیں۔ چچی جان نے تانیہ کی خوب حوصلہ افزائی کی اور پیٹھ تھپک کر بولیں۔ ''شاباش بٹیا۔ تم نے بہت عقلمندی کا کام کیا۔ اب ذری دیر اپنی بھاوج کے پاس چلی جاؤ اور ان سے کہو کہ فوراً مسجد میں گلگلے چڑھانے اور اللہ میاں کا طاق بھرنے کی منت مان لیں اور ہاں! آس بی بی کا کونڈا بھی ضروری ہے جب ساتھ خیریت کے ان کے میاں گھر آ پہنچیں تو پھر یہ ساری منتیں ایک ایک کر کے پوری کرنا۔''

تانیہ جلدی سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ زمانی بیگم دیر سے خاموش بیٹھی یہ سب دیکھ اور سن رہی تھیں۔ شاکر کی خیر و عافیت معلوم ہو جانے کے بعد سے ان کا جمود خود بخود ٹوٹتا چلا گیا تھا۔ حواس پر جمی برف پگھلنے لگی تھی۔ اب ان کا اعتماد بڑی حد تک بحال ہو گیا تھا۔ دلاری کو بلا کر کہنے لگیں۔ ''جاؤ دلاری۔ گلو سے باہر کہلوا دو کہ فوراً دو بکرے ذبح کر کے غریبوں میں سب گوشت تقسیم کروا دیا جائے۔ مالک نے بڑی خیر کر دی۔ ہم پر سے قیامت گزر گئی آج۔'' پھر پاندان اپنے قریب کھسکاتے ہوئے چچی جان سے بولیں۔ ''چچی اماں! ہم نے مولا مشکل کشا کا روزہ مانا ہے اور ساتھ ہی منت مانی ہے کہ ''اے بڑے پیر! شاکر کو جان کی سلامتی اور

...ی کے ساتھ اپنے گھر پہنچا دے میں دو شکستہ مسجدوں کو جو کتنی ہی ٹوٹی حالت میں ہوں بنواؤں گی اور ...ے بھی ذبح کروا کے گوشت تقسیم کرواؤں گی۔''

''بالکل ٹھیک منت مانی تم نے۔ اللہ مراد پوری کرے۔''

چچی جان سے بھی پہلے سرور جہاں نے گردن ہلاتے ہوئے تائید کر دی۔

☆☆☆

اگست کا پورا مہینہ گزر چکا تھا۔ برسات کی بھیگی بھیگی شامیں اور سہانی رت بیت گئی۔ ولیمے کی دعوت کے بعد فرحت کے ہاں باقی ماندہ مہمان بھی رخصت ہو چکے تھے۔ فقط اس کی ہمشیرہ اور اس کے بچے رہ گئے تھے۔

آج کل فضا میں سردی تھی نہ گرمی۔ معتدل سے جی کو بھلے لگنے والے دن لگ رہے تھے۔ شام کا سہانا وقت تھا اور گہرا نیلا آسمان کسی آئینے کی طرح لگ رہا تھا۔ برآمدے کی محرابوں پر چھوٹے چھوٹے سفید پھولوں والی بیلوں میں لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ہواؤں کے ہلکے ہلکے جھونکے پھولوں سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھے۔ لال لال لکھوری اینٹوں والے کشادہ آنگن میں پلنگ بچھے تھے جس پر اماں بی کے ساتھ ان کی سمدھن بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ قریب ہی حمید سر جھکائے بیٹھا تھا۔ دونوں ماں بیٹا نازیہ کو لیے دوپہر سے آئے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر میں جو نازیہ تیار ہو کر باہر نکلی تو خوب شگفتہ اور نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ گہرے نارنجی رنگ کے ریشمی جوڑے اور چمکتے ہوئے بالوں کی لمبی سی چوٹی باندھے وہ بالکل ہی بدلی ہوئی رعنائی اور دلکشی کا مجسمہ لگ رہی تھی۔ ماں مبہوت ہو کر یک ٹک اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں۔ اس کے گلابی ہونٹ تازہ پھول کی پنکھڑیاں معلوم ہو رہے تھے۔ اماں بی نے کھڑے ہو کر گلے لگایا اور محبت و پیار سے رخصت کیا، کرائے دارنی اور بیٹی کے ساتھ ڈیوڑھی تک چھوڑنے کے لیے آئیں۔ فرحت دوپہر کے بعد کہیں گیا تھا۔ نازیہ نے فرماں بردار بیویوں کی طرح اس سے بھی میکے جانے کی اجازت لے لی تھی۔

اماں بی پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ ''دلہن کے جاتے ہی گھر آنگن خالی خالی معلوم ہونے لگتا ہے۔''

کرائے دارنی نے ہنس کر جواب دیا۔ ''ابھی تو خیر سے رونق ہے۔ معطر چلی گئی ہوتی تو بالکل ہی جی نہ لگتا۔ بچوں کے اتنے شور شرابے میں آئے گئے کا اندازہ نہیں ہو پا رہا۔''

''اماں آپ نے اب تک اپنی بہورانی کو خطاب کیوں نہیں دیا؟'' معطر نے ان کے قریب بیٹھ کر یاد دلایا۔ ''شادی کے بعد سے کئی مرتبہ ان کا میکے آنا جانا ہو چکا ہے۔ ہمیں تو ہماری ساس اماں نے فوراً ہی ''معطر دلہن'' کا خطاب دے ڈالا تھا۔''

''اچھا...... تو ''معطر'' کا...... خطاب تمہیں سسرال سے ملا تھا!'' کرائے دارنی نے اپنی معلومات میں اضافہ کیا۔

''ہماری اماں نے ہمارا نام ''عالیہ'' رکھا تھا۔ اسی لیے تو یہاں سب زیادہ تر عالیہ کہتے ہیں۔ سسرال میں ''معطر ہی معطر ہیں۔'' کرائے دارنی شرارت سے ہنسی۔

''بھئی ہم تو آپ کو پورے نام ''عالیہ معطر'' کی وجہ سے شاہ سمجھا کرتے تھے اور سچی بات ہے بڑے مرعوب تھے۔ اب معلوم ہوا کہ...... کھودا پہاڑ، نکلی چوہیا۔'' اچانک فرحت نے اندر داخل ہو کر بات اچک لی۔

''فرحت کے بچے۔'' معطر نے برا مان کر کہا۔ ''ہمیں تم نے چوہیا کیسے کہا؟ چوہیا ہو گی تمہاری دلہن۔''

فرحت نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے میری بات ہی کاٹ دی ورنہ شکوہ رہتا اور نہ برا مانتیں۔''

''اچھا پھر پوری کرو بات اپنی۔'' معطر نے اشتیاق بھرے انداز میں فرمائش کی۔

''میرا مطلب تھا کہ...... کھودا پہاڑ نکلی چوہیا۔ وہ بھی معطر معطری۔''

کرائے دارنی تو ہنس رہی تھی، اماں بی بھی ہنس پڑیں۔

''دیکھا اماں آپ نے اس پاجی کو!'' معطر روہانسی ہو کر منمنائی۔

''اے...... اے خبردار۔'' وہ بوکھلا کر بولا۔

''ایسا غضب مت کر ڈالیے گا لوگ مجھے بھی ''مسٹر چوہا'' کہہ کر پکارنے لگیں گے۔''

''تم دونوں کے لیے یہی خطاب مناسب رہے گا۔'' معطر نے ہنس کر چڑایا۔ ''چوہیا...... اور چوہا...... کیوں اماں ٹھیک ہے ناں!''

اماں بی نے چھالیا کترتے ہوئے جواب دیا۔ ''خطاب دینے کو تو ہم دے ڈالیں مگر یہ فرحت کسی صورت مانتے ہی نہیں ہیں۔''

''کیوں کیوں! یہ کیا بات ہوئی بھلا؟'' معطر نے شور مچایا۔ ''اس فرحت کے بچے کو کیا اعتراض ہے آخر؟ اماں میں دیکھتی ہوں یہ آج کل کے پڑھے لکھے ہر بات میں روک ٹوک کرنے لگے ہیں۔''

''کیا کریں مجبوری ہے۔'' فرحت نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ ''بے پڑھے لکھوں کو پڑھانا پڑتا ہے۔'' معطر نے اس کی پیٹھ پر ایک دھپ جما کر کہا۔ ''بہت باتیں مٹھارنی آ گئی ہیں مگر صاف کیے دیتی ہوں ہم تمہاری باتوں میں آنے والے نہیں۔ بیٹھ کر اپنی ''چوہیا دلہن'' کو ایم اے، ایم ایس سی پڑھایا کرو۔ ہم یونہی بھلے ہیں۔''

فرحت نے سنجیدہ ہو کر جواب دیا۔ ''لیکن...... براہِ کرم آپ یہ ''خطاب وطاب'' کی بخ مت لگائیے مجھے سخت کوفت ہوتی ہے ایسی بے تکی باتوں سے۔''

''اے لو!'' وہ دیدے پھاڑ کر بولی۔ ''بے تکے تو تم خود ہو اور پھر بھلا عورتوں کی باتوں میں تمہیں دخل انداز ہونے کا کام کیا؟''

''واہ وا...... یہ خوب رہی۔'' فرحت نے شرارت سے جواب دیا۔ ''نکاح کے دو بول ہوتے ہی والدین کا برسوں پرانا نام بدل دیا جائے۔ یہ کہاں کی تک بندی ہے بھلا؟ عجیب رسم و رواج ہیں آپ کے بھی۔''

اماں بی جو خاموشی سے دونوں بہن بھائی کی نوک جھوک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں بولیں۔ ''خیر...... اس میں حرج کسی کا نہیں ہے۔ نہ ہی والدین کے رکھے ہوئے نام پر کسی طرح کی دخل اندازی مقصود ہوتی ہے اس رسم میں۔ بس ذرا یہ خوش کن سی تبدیلی ہو جاتی ہے کہ اپنے گھرانے میں نئی شامل ہونے والی دلہن کو......''

معطر نے تالیاں بجا بجا کر بھائی کو چڑانا شروع کر دیا۔ اماں بی کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ کرائے دارنی بھی ہنس رہی تھی۔ فرحت نے کھسیا کر ماں کو براہِ راست مخاطب کیا اور زور دے کر بولا۔ ''بھئی اماں! یہ کونسی خوبی والی رسم ہے؟ مجھے اچھا نہیں لگتا یہ سب۔ ساری پرانی باتیں ہیں یہ۔ بس آپ تو اس کا وہی نام رہنے دیجیے۔''

''کیا بھلا؟'' معطر نے شوخی سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

''نازیہ...... اور کیا!'' فرحت نے جھینپے بغیر اعتماد سے جواب دیا۔ معطر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوئی جا رہی

اس وقت اسے اپنے روتے دھوتے بچوں کی بھی خبر نہ تھی۔ فرحت کو اچانک ہی سوجھ گئی۔ ''وہ مارا۔'' وہ اچھل کر چلایا۔ ''سنیے سنیے۔ زبردست قافیہ بندی سنیے۔'' وہ خوشی سے بے حال ہوا جا رہا تھا۔ ''اماں جان! آپ کو کوئی خطاب وطاب دینے کی زحمت نہیں کرنی چاہیے۔ ذرا غور فرمایئے نند بھاوج کے ناموں پر۔ عالیہ۔ نازیہ۔ ہم قافیہ نام۔''

معطر کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔ وہ بھائی کی بات پر غور کرنے لگی۔ کرائے دارنی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ ''ہاں سچ تو ہے کیسا جوڑ سے جوڑ مل گیا۔ عالیہ، نازیہ۔ بس یہی ٹھیک ہے۔ فرحت میاں کی بات بھی رہ گئی۔'' فرحت نے معطر کے منے کو گود میں لیے لیے زور سے گھما ڈالا اور بولا۔ ''آخر کو جیت ہماری ہوئی ناں۔ دیکھی منے میاں اپنی اماں کی شکست۔ عبرت ناک شکست۔''

معطر نے لمحہ بھر غور کیا پھر بناوٹی سنجیدگی سے کہنے لگی۔ ''بات اگر ہے ہم قافیہ ناموں کی تو ایک نام اس سے بھی زیادہ آفت ہے جگر کو تھام کر سنو تو ہم بھی ایسی شاعری سنا دیں!''

فرحت نے شاہانہ انداز سے جواب دیا۔ ''چلیے سنا ڈالیے۔ آپ بھی کیا یاد کریں گی کہ کس سخی سے پالا پڑا ہے۔'' معطر اماں کی کمر سے جڑ کر بیٹھ گئی اور آنکھیں مٹکا کر بولی۔ ''نند، معطر۔ بھاوج، چلتر۔ اب فرمایئے ارشاد؟''

اماں بی کے ساتھ کرائے دارنی بھی قہقہے لگانے لگی۔ فرحت نے بھنّا کر معطر کے منے کو سر سے اوپر اٹھالیا اور دھمکایا۔ ''اب خیر نہیں آپ کے راج دلارے کی۔''

''ارے...... رے...... رے......'' وہ چلّانے لگی۔ ''خدا کے واسطے فرحت اسے چھوڑ دے...... دیکھ صبح سے بہت روئے جا رہا ہے۔ اس کا جی اچھا نہیں۔''

''جی تو ان کا ابھی اچھا ہوا جاتا ہے۔''

''دیکھ میرا اچھا بھیا ہے ناں! چھوڑ دے اسے۔'' وہ خوشامد پر اتر آئی۔

''اچھا جلدی سے کہیے۔ معطر، چلتر، غلط عالیہ نازیہ ٹھیک۔''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ سب ٹھیک ہے۔'' اس نے فوراً اعتراف کرلیا۔ ''اور...... وہ چوہیا۔ والی بات؟''

''نہیں جی وہ ''چوہیا'' کیوں ہونے لگیں!'' معطر نے میٹھے لہجے میں کہا۔ ''چوہیا ہوں گے ان کے دشمن۔ وہ تو دلہن رانی ہیں۔ بنّو مہارانی ہیں۔ دل کا چین ہیں۔ آنکھوں کا سرور ہیں......''

اسی وقت کسی نے باہر سے فرحت کو آواز دی۔ وہ منّا اس کی گود میں ڈال کر ہنستا ہوا باہر چلا گیا۔ معطر نے بچے کو خود سے چمٹاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھیے اماں! اس کا دل کیسے زور زور سے دھک دھک کر رہا ہے۔ اس فرحت کی اترابہٹ تو نکالوں گی کسی روز۔ ویسے ہی ہر وقت روتا رہتا ہے یہ۔''

اماں بی نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''اے بی! تم نے بھی تو آج فرحت کو بہت ستایا ہے۔ اس نے کسر پوری کر لی۔''

''آج ہی تو ذرا سا موقع ملا تھا ان کی دلہن کے میکے جانے کی وجہ سے ورنہ اب یہ حضرت کہاں ہتھے چڑھتے ہیں۔'' وہ روتے ہوئے بچے کو پچکار پچکار کر اس کا منہ صاف کرنے لگی۔ کرائے دارنی اسے بہ غور دیکھتے ہوئے بولی۔

''میرا تو خیال ہے معطر...... لڑکے کے کان میں کچھ تکلیف ہے۔ دیکھو یہ اپنا ہاتھ بار بار کان تک لے جا رہا ہے۔'' یہ کہتے کہتے اس نے اپنا ہاتھ دو تین دفعہ نرمی سے بچے کے کان پر پھیرا، اچانک ہی اس کا رونا بلکنا بند ہو گیا۔

”دیکھا، آرام ملا اس کو۔“ اس نے نہایت تجربہ کارانہ انداز میں وثوق سے کہا پھر بولی۔ ”گیندے کے پتوں کا پانی نیم گرم دو دو بوند کان میں ڈالنا شروع کردو۔ ابھی دے کر جاتی ہوں تمہیں۔ میرے ہاں گیندے کے پھول لگے ہیں۔“ وہ اٹھ کر تیز قدموں سے اپنے گھر چلی گئی۔

☆☆☆

ڈرائنگ روم میں نصب گھڑیال نے دو بجے کا گجر بجایا۔ نازش اور سعدیہ چونک کر ایک دوسرے کی صورت تکنے لگیں۔ ”اللہ یہ فاخر بھائی اب تک نہیں آئے؟“ نازش نے فکرمندی سے کہا۔ سعدیہ تو دہشت زدہ سی نظر آنے لگی اور کچھ نہ سوجھا تو اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ نازش نے ہمدردی کی نظر سے اسے دیکھا پھر سنبھل کر تسلی دینے کو بولی۔ ”اب ایسی بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ ابھی شام کو تو تم نے ان کا فون اٹینڈ کیا ہے، میرا خیال ہے خاصے زوردار ڈائیلاگ چل رہے تھے۔“

”تمہیں کیسے معلوم؟“ سعدیہ حیران ہوئی۔

”تمہاری شرمیلی شرمیلی مسکراہٹ بتا رہی تھی۔“ نازش نے ڈھٹائی سے بتایا۔ پریشانی کے باوجود سعدیہ ہنس پڑی۔ ”ہو بڑی خبیث۔“

”لیکن وہ تو مذکر ہوتا ہے۔“

”کون مذکر؟“ سعدیہ ایک بار پھر حیران ہوئی۔

”خبیث...... میرا مطلب ہے کہ خبیث تو مذکر ہوتا ہے جب کہ میں مؤنث ہوں۔“

”چلو خبیثہ سہی۔“ سعدیہ نے اسی کے لہجے میں جواب دیا۔ ”فاخر کی...... تو خیر نہیں مجھے ان کے بھائی صاحب کی فکر ہو رہی ہے۔ خدا خیر کرے۔ فاخر نے ان کے متعلق کچھ تفصیل سے بتایا بھی نہیں تھا۔“

”اللہ غفور الرحیم ہے۔ اس سے بھلے کی امید اور دعا رکھنی چاہیے۔“ نازش نے معقولیت سے جواب دیا۔ ”مولا نے چاہا تو بھائی صاحب کی طبیعت بھی بہتر ہوگی۔ دو دن تو ہو گئے اور آج فاخر بھائی بھی آجائیں گے۔“

اس کی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ رات کے سناٹے میں سڑک پر کسی رکشے کے پھٹپھٹانے کی آواز دور تک گونج گئی۔ یہ دونوں اس وقت بالائی منزل کے اسی کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں جو نازش کی بھابی سعدیہ اور فاخر کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ یہ دونوں جھپٹ کر کھڑکی میں آئیں۔ واقعی فاخر ہی تھا۔ پھاٹک کھلنے کے بعد وہ اسی طرف چلا آرہا تھا۔ اسے شناخت کرکے سعدیہ کا مرجھایا مکھڑا دمکنے لگا دھیرے سے بولی۔ ”فون پر یہی کہہ رہے تھے کہ خواہ کتنی ہی دیر ہو جائے آج آنا ضرور ہے۔“

”جی...... جی...... کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔“ نازش نے شرارت سے گردن مٹکائی۔ ”کچے دھاگے سے بندھے آئے ہیں سرکار تیرے۔“ سعدیہ کھسیا گئی۔

اسی وقت زینے پر قدموں کی آہٹ ابھری چند لمحوں میں فاخر سامنے کھڑا تھا۔ ”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام۔“ دونوں نے باجماعت جواب دیا۔ کپڑے اس کے ملگجے ہو رہے تھے چہرے سے کمزور اور نڈھال لگ رہا تھا۔ سعدیہ دھک سے رہ گئی۔ نازش نے بڑھ کر ہمدردی سے پوچھا۔ ”بھائی صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟ آپ بہت پریشان لگ رہے ہیں۔“ فاخر نے ایک نظر حواس باختہ بیوی پر ڈالی اور قدرے مسکرا کر جواب دیا۔ ”اب تو...... اللہ تعالیٰ نے کرم کر دیا۔ پرسوں حالت بہت تشویشناک حد تک گر گئی تھی بلکہ ناامیدی سی چھا گئی تھی۔“

”آج...... ہوش میں ہیں؟“ نازش نے پوچھا۔

”ہاں کچھ دیر باتیں بھی کیں۔ اب مسکن دواؤں کے زیر اثر ہیں۔ ڈاکٹرز نے اطمینان ظاہر کیا ہے۔ اسی لیے تو میں آ بھی گیا۔“ پھر اس نے دم بخود کھڑی سعدیہ کی ناک پکڑ کر ہلا دی اور مسکرا کر بولا۔ ”اب کھانا تو کھلا دو یا آج بھی بھوکا مروں!“

وہ چونک کر جیسے ہوش و حواس کی دنیا میں آ گئی اور جلدی سے بولی۔ ”آپ غسل کر لیں میں ابھی لائی کھانا۔“

نازش بھی اس کے پیچھے چل دی اور جاتے جاتے گردن موڑ کر بولی۔ ”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ محترمہ بیگم صاحبہ گزشتہ دو دن سے آپ کی فرقت میں جوگ لیے ہوئے ہیں۔ ایک نوالہ بھی حرام کر رکھا ہے جان ناتواں پر۔“ کچن میں پہنچ کر سعدیہ نے اسے پھٹکارا۔ ”کیسی جھوٹوں کی بادشاہ ہو تم نازش! میں اور بھلا بھوکی رہ جاؤں؟ اول تو خود ہی بھوک کی کچی ہوں اوپر سے بھابی جان اپنی نگرانی میں کھلاتی ہیں بھر بھر پلیٹ۔“

”جی ہاں ہم بھی آنکھیں رکھتے ہیں، بٹن نہیں۔“ نازش نے اطمینان سے اس کی بات رد کر ڈالی اور کباب تلنے لگی۔ دونوں نے مل کر جھٹ پٹ کھانا گرم کیا اور جب سعدیہ کھانے کی ٹرے لے کر اوپر چلی تو اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے شرارت سے بولی۔ ”جاؤ جی۔ تم تو اپنے ہریالے بنّے کے ساتھ ڈٹ کر کھاؤ۔ ہم ٹھاٹ سے اپنی نیند پوری کریں گے۔“ سعدیہ ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

فاخر گیلے بال تولیے سے خشک کر رہا تھا۔ اسے بغور دیکھ کر پوچھنے لگا۔ ”کس بات پر ہنسی آرہی ہو؟“

”وہی ہے نازش کی بچی۔“ سعدیہ نے کھانا رکھتے ہوئے جواب دیا۔ ”اس وقت کے کھانے کو سحری کہہ رہی تھی۔“

”سچ کہا اس نے۔“ فاخر نے وال کلاک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”رات کے تین بجے عشائیہ تو نہیں کہہ سکتے۔ ہاں سحری ہو سکتی ہے۔“ سعدیہ نے پہلا نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔ ”چلیے آج نہیں تو انشاءاللہ اگلے چند دنوں میں سحری ہی کھایا کریں گے۔“

”وہ کیسے بھئی؟“ فاخر نے لقمہ چباتے ہوئے پوچھا۔

”لیجیے آپ کو اتنا بھی نہیں معلوم۔“ وہ بولی۔ ”اسی ستمبر کے آخری ہفتے میں رمضان المبارک کا عشرہ اول شروع ہو جائے گا۔ آپ ہیں کس خواب و خیال میں!“

”اللہ غنی۔“ وہ واقعی حیران رہ گیا۔ ”تمہاری ہمراہی میں یہ ایک ماہ تو پوری گزری ہوئی زندگی سے زیادہ تیز رفتاری دکھا گیا۔ واہ وا۔ کیسی باکمال خاتون ہیں آپ!“

”لیکن...... جناب سے کم!“ سعدیہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ کھانے کے بعد وہ کچن سے واپس آئی تو فاخر کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا بیڈ پر سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ وہ قریب بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولی۔ ”کیا سوچ رہے ہیں آپ؟ مجھے بھی تو بتایئے۔ نہ اسپتال کا کچھ حال سنایا نہ بھائی صاحب کے متعلق تفصیل سے بتایا!“

”ہاں...... آں...... سب خیریت ہے۔ بتایا تو تھا آتے ہی۔“ اس نے کھسک کر جگہ دی۔

”لفظ، تفصیل پر غور فرمایئے۔“ سعدیہ نے اصرار کیا۔

کچھ بات سوچ کر وہ اٹھ بیٹھا۔ اسے سہولت سے اپنے قریب کیا اور بہت پیار سے بولا۔ ”بات یہ ہے دلبر کہ بھائی صاحب کی طبیعت کچھ ایسی ویسی خراب نہیں تھی بلکہ...... ان کی ران میں گولی پیوست ہو گئی تھی۔“

"اف میرے خدا۔" سعدیہ دنگ رہ گئی۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"یہ سو فیصد حقیقت ہے۔" فاخر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"لیکن...... یہ واردات کی کس نے؟ اور کیوں؟" وہ بدستور دم بخود تھی۔

"واردات" وہ ہنس پڑا۔ "اچھی خبر لگائی تم نے۔"

"کمال ہے آپ ہنس رہے ہیں۔" اس نے حیرانی سے کہا۔ "ایک گوشت پوست کے انسان کو گولی لگ جانا بھلا معمولی بات ہے؟"

"مگر اللہ کا کرم ہے کہ یہ واقعہ واردات والے طریقے سے وقوع پذیر نہیں ہوا اس میں کوئی تردد والی بات نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ بھائی صاحب نے بہت تکلیف اور اذیت اٹھائی۔ بات کچھ یوں ہے میری پیاری شریکِ حیات کہ ابا میاں کی ساری زمینداری بھائی صاحب ہی سنبھالتے ہیں۔ مجھے ان بکھیڑوں میں پڑنے کی کبھی ضرورت محسوس ہوئی نہ شوق ہے۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے میری ہمیشہ بچت رہی ہے مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہاں زمینوں پر اکثر مزارعوں کے درمیان کسی نہ کسی صورت میں لڑائی جھگڑا بھی ہوتا رہتا ہے۔ ایک دو مرتبہ مجھے بھی ایسے تنازعات نمٹانے کا تجربہ ہو چکا ہے مگر بھائی صاحب کی غیر موجودگی کے سبب...... ورنہ تو ایسے سارے کے سارے چھوٹے بڑے معاملات وہی سنبھالتے، سلجھاتے ہیں۔ اب تو خاصے عرصے سے ابا میاں بھی زمینوں پر کم جاتے ہیں۔

"اب آگے سن لو اس نئی بقول تمہارے واردات کی روداد...... زمینوں پر کام کرنے والوں میں سے چار پانچ ایسے مزارعوں کے گھر آباد ہیں جن کی آپس میں پرانی عداوتیں ہیں۔ جو لاکھ صلح کروا دینے پر بھی ان کے دلوں سے نکل نہیں پاتیں۔ یہ دشمنیاں اندر ہی اندر لاوے کی طرح پکتی رہتی ہیں اور جونہی موقع ملتا ہے ابل پڑتی ہیں۔ لہٰذا اس بار بھی یہی ہوا۔ بدقسمتی سے بھائی صاحب معاملے کو فوری طور پر سمجھ نہ پائے اور دیکھتے ہی دیکھتے بات بڑھ گئی۔ اتنی بڑھی کہ نوبت ایں جا رسید کہ آزادانہ گولیاں چل گئیں۔

"گولی بھائی صاحب کی ران کے اندر موجود تھی۔ ظاہر ہے ایسا کیس تو بہت ہی تشویشناک اور پریشان کن ہی ہو سکتا ہے۔ وہ تو ابا میاں ہی تھے جو ایسے سیریس معاملے سے بخیر و خوبی نکل گئے ورنہ صورتِ حال کچھ بھی رنگ لا سکتی تھی۔ دوسری پریشانی بھائی صاحب کی جان کی طرف سے بھی خون کا اخراج مسلسل جاری تھا تاہم قدرت نے بڑی مہربانی کی۔ بھائی صاحب ہمارے ہیں بھی پورے باڈی بلڈر ماشاءاللہ کسی نہ کسی طرح کامیاب آپریشن کے مرحلے کو پار کر ہی گئے۔"

اس کے خاموش ہوتے ہی سعدیہ جو انہماک سے سن رہی تھی بولی۔ "اور وہ جو آپ کہہ رہے تھے کہ پرسوں حالت تشویشناک......" فاخر نے اس کی بات کاٹ کر جواب دیا۔ "یہ پرسوں والی بات ہی تو مختصر کر کے تمہیں بتائی ہے کہ ابا میاں تو بیرونی معاملات کی درستگی اور بھاگ دوڑ میں مصروف رہے جب کہ بھائی صاحب بے چاروں کی جان پر سے گزر گئی۔ اگر منہاج الدین صاحب اور فرحت بروقت تسلی تشفی کے لیے پہنچ جاتے تو شاید میرے اعصاب بھی جواب دے جاتے باہر آپریشن تھیٹر کے گھومتے گھومتے دہشت سے دل و دماغ بیکار ہو رہے تھے۔"

"اچھا ان لوگوں کو اطلاع مل گئی اس واقعے کی!" سعدیہ نے چونک کر پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" فاخر نے جواب دیا۔ "ابا میاں تنہا کیا کیا کرتے؟ منہاج الدین صاحب برابر ان کے ساتھ ساتھ ہیں۔ پولیس تو ایسے کیسوں کی تلاش میں رہتی ہے۔"

"پولیس؟" سعدیہ نے سہم کر اس کی طرف دیکھا۔ فاخر نے ہنس کر اس کے بال بکھیر دیے۔ "پولیس نہیں

صاحب! تم بھی احمقوں کی سردار ہی ہو۔ چلو اب شریکِ غم بننا چھوڑ دو اور سیدھی طرح شریکِ حیات بن جاؤ۔ بہت باتیں ہو چکیں۔ میری تو نیند سے آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔"

اور واقعی وہ جلد ہی نیند کی وادیوں میں اترتا چلا گیا لیکن سعدیہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی تھیں۔ دل و دماغ ان خیالات اور نئی پرانی سوچوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ ایک خیال آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ اس کی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔

بہت دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد وہ کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ رات کے اس سمے سادہ اور سرمئی سرمئی سڑکیں سنسان اور اونگھتی سی لگ رہی تھیں جن کے کنارے کنارے بنگلوں کے پھاٹک بند اور خاموش تھے۔ درختوں پودوں کی شاخوں میں صبح دم چلنے والی نسیم سحر کے نوخیز جھونکے سرسراہٹیں پیدا کر رہے تھے۔ خوبصورت گھروں کے پرسکون لان دیکھتے دیکھتے اس کے دل میں اک فخر اور سرشاری کی سی لہر اٹھی اور وہ جھک جھک کر اپنی رہائش گاہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگی جو ابا میاں نے فاخر کو شادی سے پہلے ہی خرید کر دے دی تھی گو کہ اس کا گیٹ برابر میں ہونے کی وجہ سے وہ اپنا گھر پوری طرح دیکھنے سے قاصر رہی تاہم اندرونی مسرتوں کا احساس اسے تر و تازہ کر گیا اور تھوڑی دیر پہلے تک کی بے چینی دور چلی گئی۔ روح میں گہری طمانیت کا احساس جاگ پڑا۔

اچانک سوئی سوئی فضاؤں میں اذانِ فجر کی روح پرور آواز ابھری۔ "اللہ تیرا شکر ہے۔" بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا پھر وہ اذان کے ساتھ ساتھ حسبِ عادت اپنے رب سے دعا مانگتی رہی۔ دعا کے بعد نماز اور تلاوتِ کلام پاک کی تیاری میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

آج اتوار کا دن تھا۔ اس لیے سعید احمد گھر پر ہی نظر آ رہے تھے اور برآمدے سے باہر آرام کرسی پر نیم دراز اخبار پڑھنے میں مصروف تھے قریب ہی چارپائی پر بیٹھی ان کی بیوی چھری سنبھالے پالک کی گڈی سے زور آزما تھیں۔ نازیہ مونگ کی دال بین رہی تھی۔ اس وقت سرسرانے والے ہوا کے جھونکے خوشگوار محسوس ہو رہے تھے۔ اچانک ہی باہر کا دروازہ کھلا اور دادی صغریٰ لاٹھی ٹیکتے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔ حقیقت میں وہ مشکل ہی قدم اٹھا رہی تھیں۔ زور لگا لگا کر چلتے میں ان کے منہ سے بے اختیار کراہ نکلی جا رہی تھی۔ سعید احمد نے اخبار چھوڑ کر ان کا ہاتھ تھام لیا اور پوچھا۔ "یہ آج...... لکڑی کے سہارے کیسے چلی آ رہی ہیں خیریت تو ہے؟"

"وہ اللہ ماری خیریت ہی تو نہیں ہے۔" انہوں نے ہانپتے ہوئے جواب دیا اور قریب پہنچ کر خود کو چارپائی کے سپرد کیا اور لکڑی کو پھینک دیا۔

"کیا ہو گیا اماں؟" سعید احمد کی بیوی نے بھی انہیں نیچے سے اوپر تک تشویش سے دیکھا۔

اتنے میں نازیہ نے ادب سے کھڑے ہو کر دادی کو آداب کیا۔ "اپنی تکلیف بھول کر انہوں نے بڑی محبت سے لپٹا کر پیار کیا اور کہنے لگیں۔ "یہی تو کل سنا تھا کہ لڑکی سسرال سے آنے کو ہے جی تڑپ رہا تھا اسے دیکھنے کو لیکن اس کمر کے مہرے کا درد بھی زوروں پر ہے آج کل بس پھٹکار بہو پر، جس سے کہہ بیٹھی کہ رات کو میری کمر کی مالش کر دے ذرا سی"

"اس نے منع کر دیا کیا؟" سعید احمد کی بیوی نے ہمدردی سے پوچھا۔

"ارے منع کیسے کر دیتی! اتنی جرأت ہے اس میں!" دادی نے اکڑ کر جواب دیا۔

"تو پھر کیا ہو گیا کمر میں؟"

''ہونا کیا تھا۔'' انہوں نے منہ بسور کر بتایا۔ ''پہلے تو اس نے کاکڑے کے تیل سے خوب مالش کی اوپر سے آک کے پتے اور ٹیسو کے پھول نیم گرم کرکے باندھ ڈالے۔''

''اچھا پھر؟''

''پھر کیا تمہارا سر۔'' وہ تنک کر بولیں۔ ''رات بھر تو میں کروٹ لیے سوتی رہی۔ اب جو صبح آنکھ کھلی تو...... کمر غائب!''

''کمر غائب!'' سب کے منہ سے بیک وقت کلمۂ حیرت نکلا۔

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دادی کی ''زندہ سلامت'' کمر کو گھورنے لگا۔ وہ پھر شروع ہو گئیں۔ ''چیخ چیخ کر میں نے گھر سر پر اٹھالیا۔ کوئی ناشتا کرتے سے بھاگا، کوئی غسلخانے سے نکل آیا کسی نے جھاڑو ادھوری چھوڑ دی۔ بہو بھی جلتا چولہا چھوڑ کر دوڑی۔ سب نے اپنے اپنے جتن کر لیے مگر یہ کمر اللہ ماری سیدھی ہو کر نہ دی مانو یوں اکڑ گئی جیسے کتے کی دم۔ جتنا سب نے زور لگایا، اتنی ماش کے آٹے کی طرح اکڑی جا رہی تھی۔ ادھر مجھے یہ فکر کہ میری پوتی میکے آئی ہوئی ہے جا کر خیر صلا پوچھوں۔ آخر میں نے سب چھوٹے بڑوں کو قریب سے بھگا دیا۔ خود آہستہ آہستہ کروٹیں بدل بدل کر الٹتی پلٹتی رہی تب جا کر کہیں تین گھنٹے کے بعد اٹھ بیٹھنے کے لائق ہوئی۔''

سعید احمد جو بغور پورا قصہ سن رہے تھے ایک گہرا سانس لے کر بولے۔ ''لیکن یہ آپ کو کاکڑے کا تیل، ٹیسو کے پھول اور آک کے پتے باندھنے کو کس نے بتایا تھا؟''

''لو بھیا! بتاتا کون؟'' انہوں نے بڑے فخر سے انکشاف کیا۔ ''میرا خود کا نسخہ ہے۔ بس خوشامدوں سے تو میں نے قصائی کے لونڈے کو چار آنے کا لالچ دے کر قبرستان سے آک کے پتے تڑوائے تھے۔''

نازیہ قہقہہ دباتے ہوئے باورچی خانے میں گھس گئی۔

''اسی کو کہتے ہیں نیم حکیم۔'' سعید احمد نے منہ ہی منہ میں کہا پھر زور سے اپنی منجھلی لڑکی سے بولے۔ ''حمیدہ! دادی کی کمر دبا دو آ کر۔''

''جی اچھا۔'' وہ فوراً حکم کی تعمیل کے لیے آ موجود ہوئی۔ سعید احمد کی بیوی سے رہا نہ گیا۔ وہ دبی زبان میں بولیں۔ ''اماں! جب نسخہ بھی آپ کا تھا اور تجویز بھی آپ کی، تو پھر بہو بے چاری پر کاہے کو پھنکار ڈال رہی ہیں اس کا کیا قصور؟''

''اے واہ!'' وہ ہتھے سے اکھڑ گئیں۔ ''یہ بے چاری'' اور ''قصور'' کی خوب رہی۔ بھلا وہ بے قصور کیسے ہو گئی؟ اس کا بھی فرض ہے نفع نقصان پر غور کرنا۔ اگر میری کمر بالکل ہی رہ جاتی تو؟'' اماں کی تقریر ابھی جاری رہتی مگر اسی وقت ہیڈ مدرس منہاج الدین صاحب کی بیوی ملنے آ گئیں۔ سعید احمد اٹھ کر اندر چلے گئے۔

''آؤ ثمینہ آؤ۔'' دادی نے بڑے تپاک سے اپنے پاس بٹھالیا۔ نازیہ نے بھی آ کر سلام کیا اور دعائیں لیں۔

وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔ ''لڑکیوں کے چلے جانے سے بھی گھر خالی خالی لگنے لگتا ہے۔ بہت یاد آتی ہو گی آپ کو؟''

سعید احمد کی بیوی تو مسکرا کر چپ رہیں مگر دادی نے جھٹ جواب دیا۔ ''بیٹیاں تو نبیوں، شاہوں...... کسی کی بھی بیٹھی نہیں رہتیں۔ دنیا کا دستور یہی ہے یہ ایسی چیز ہے جس کے جانے کا دکھ بھی ہوتا ہے اور خوشی بھی۔ بس دعا یہ ہونی چاہیے کہ مولا نصیب اچھے کرے۔ سسرال اچھی اور قدر دان ہو۔ یہ نہیں کہ لے جائیں خوشی خوشی۔ بعد میں جوتیوں میں دال بٹے۔''

''اللہ رحم کرے۔'' ثمینہ نے جلدی سے کہا پھر موضوع بدلا۔ ''سعدیہ نہیں آئی؟''

''آئی تھی وہ بھی۔'' سعید احمد کی بیوی نے جواب دیا۔ ''چار دن رہ کر گئی ہے۔ ماشاءاللہ وہ بھی اپنے گھر میں خوش ہے آپ سب کی دعاؤں سے۔''

''بس جی والدین کو یہی چاہیے۔'' ثمینہ مطمئن ہو کر بولیں۔

تبھی باورچی خانے سے نازیہ نے حمیدہ کو پکارا اور اس کے ہاتھ چائے بھجوائی۔

''جیتی رہو۔'' ثمینہ نے حمیدہ کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پیالی لے لی اور پوچھا۔ ''آپیا اور بہنوں کی شادیوں کے بعد ہماری بیٹی تو بہت ذمے دار بن گئی ہے۔ ہے ناں! سارا سارا دن لگے رہنا پڑتا ہو گا۔''

''نہیں تو خالہ جان۔'' حمیدہ شرمیلی سی ہنسی ہنس پڑی اور اندر چلی گئی۔ دادی صغریٰ بولیں۔ ''اس گھر کا ہر بچہ ذمے دار اور تربیت یافتہ ہے۔ خدا کا لاکھوں بار شکر ہے کہ یہاں کی ساری لڑکیاں سگھڑ اور سلیقے والی ہیں۔ یہ بڑا بول نہیں بلکہ سچ ہے کہ ہماری اس بہو نے اپنے کنبے پر محنت اور توجہ کی ہے۔ سارے ہی بچوں کی تربیت ایسی عمدہ رکھی ہے کہ بھی کہیں تھوکا نہیں گے ہرگز نہیں۔''

''ارے اماں! یہ سب آپ بتا کسے رہی ہیں؟'' ثمینہ نے چائے کی چسکی لے کر ہنستے ہوئے کہا۔ ''شاید آپ سے بھی کچھ زیادہ ہی واقفِ حال ہوں میں یہاں کی۔ آپ کے ساتھ ساتھ میرے لیے بھی یہ گھرانا کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے۔ رتی رتی جانتی ہوں سب۔'' اتنا کہہ کر ثمینہ نے سعید احمد کی بیوی کی طرف مڑ کر اضافہ کیا۔ ''بہن! زندگی کے کسی بھی حصے میں مجھے بھولنا مت...... ایک نہ ایک دن میں جھولی پھیلا کر آؤں گی ضرور۔ میرا سوال رد نہ کرنا کبھی! اتنا یاد رکھنا حمیدہ میری بیٹی ہے......''

سعید احمد کی بیوی کا منہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔ انہوں نے پالک کاٹ کر نازیہ کو دیتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا...... ''اللہ وارث ہے۔''

دادی صغریٰ جھوم کر بولیں۔ ''اے بیٹی جم جم آؤ۔ تمہیں اللہ توفیق دے۔ بیٹی والا بھلا کبھی آتے ہوئے انکار کرے گا! اللہ تم لوگوں کی اولادوں کو نصیب ور کرے۔ چند مہینے پہلے میری کم عقلی اور بے وقوفی سے تم نے بھی دیکھا ہو گا اس گھر میں کیسا بھونچال آیا ہوا تھا! اے ایسی نامراد رشتے داریاں تو خدا دشمن کی بھی نہ کرائے۔ اتنے چار سو بیس لوگ کہ کیا بتاؤں۔ وہ تو کہو کوئی لیا دیا کام آ گیا ورنہ میرا سعید احمد تو میرے منہ میں خاک، لگتا نہ تھا کہ بچ بھی جائے گا۔ اللہ کا لاکھوں بار شکر ہے کہ ان جھاڑو پھروں سے بھی جان چھوٹی اور میری سعدیہ، نازیہ دونوں اپنے گھر بار کی ہو گئیں۔ اب بھی تو وہی سعید احمد ہے کہ ماشاءاللہ چاق و چوبند، تندرست اور ہر کام میں آگے آگے......'' اندر کمرے میں کھڑے سعید احمد مسکرائے جا رہے تھے۔

☆☆☆

بہاولپور سے ابا میاں کے بڑے بھائی دلاور حسین آئے ہوئے تھے...... اپنے بھتیجے اور داماد شاکر حسین کی عیادت کے لیے وہ آئے تو دو دن کو تھے مگر سب نے اصرار کر کے روک لیا۔ بہاولپور سے آئے تو وہ تنہا ہی تھے اپنے ایک ملازم کے ہمراہ مگر گھر کی رونق میں خوب اضافہ ہو گیا تھا بڑے ہونے کے باوجود وہ ابا میاں کی طرح کم سخن، تنہائی پسند اور بارعب نہیں تھے بلکہ نہایت ہنس مکھ اور لطیفہ گو قسم کے انسان تھے۔ شاکر کے پاس ایک دن اسپتال میں رہنے کے بعد گھر آ گئے اور ہر وقت چچی جان، سرور جہاں اور زمانی بیگم کے درمیان گھرے بیٹھے نت نئی چٹکلے بازی کرتے رہتے۔ ان کا نواسا شہکار اور ننھی منی سی نواسی ان کی نگاہوں کا مرکز تھی۔

شاکر حسین کو احتیاطاً اسپتال میں روک لیا گیا تھا یوں تو وہ تیزی سے روبہ صحت تھے۔ یہاں کسی کو ان کی ٹانگ کے آپریشن کا نہیں بتایا گیا تھا۔ سب کو اتنا ہی معلوم تھا کہ گولی پنڈلی سے رگڑ کھاتی ہوئی گزر گئی ہے۔ اس لیے معمولی زخمی ہوئے ہیں۔ اس وقت سب لوگ ناشتے سے فراغت پا چکے تھے۔ زمانی بیگم کمرے سے اٹھ کر برآمدے میں آ گئیں۔ یہاں تختوں کا چوکا بچھا تھا جس پر سفید چاندنی کا فرش اور فرش کے درمیان میں گہرے عنابی رنگ کا قیمتی قالین تھا جس پر سفید گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا قریب میں ایک نواڑی پلنگ بچھا تھا۔ جس پر سفید براق چادر سلیقے سے بچھی تھی۔

زمانی بیگم نے پلنگ پر بیٹھ کر قریبی میز پر رکھا ہوا اپنا بڑا سا مراد آبادی پاندان کھولا دلاور حسین بھی ٹہلتے ہوئے تخت پر آ بیٹھے اور بھاوج سے پان کی گلوری لے کر منہ میں رکھ لی۔ زمانی بیگم نے دلاری کو بلا کر دوپہر کے کھانے سے متعلق ہدایات جاری کیں۔

تھوڑی دیر میں ایک ایک کر کے سب وہیں جمع ہو گئے۔ ”ارے بھئی ہم کیا گڑ کا گلگلا ہیں کہ جسے دیکھو اِدھر ہی چلا آ رہا ہے۔“ دلاور حسین نے زوردار ٹھٹھا لگا کر تبصرہ کیا۔

”اس میں شک کیا ہے!“ سرور باجی نے مسکرا کر تائید کی۔ ”جو کبھی کبھار ہتھے چڑھے، انمول ہوتا ہے۔ تم تو یوں بھی عید کے چاند ہو۔“

”چلو بھئی چھٹی ہوئی۔“ انہوں نے ایک اور ٹھٹھا چھوڑا۔ ”سرور نے چاند ہی بنا دیا۔“

”ہاں تو سگے چچا تایا کی اولاد ہو تم لوگ۔“ چچی جان نے فوراً تاریخ جغرافیہ بتانا شروع کر دیا۔ ”سرور تو یوں بھی تم دونوں بھائیوں کو سورج چاند کی جوڑی کہا کرتی تھیں۔ تم، سرور اور یہ زمانی ایک ہی سال کی پیدائش ہو۔ اللہ رکھے یاور حسین تو تم تینوں سے دو ڈھائی سال چھوٹے ہیں مگر شادی بیاہ میں اپنوں میں کوئی چھوٹائی بڑائی تھوڑا ہی دیکھی جاتی ہے۔“ زمانی بیگم کھسیا سی گئیں لیکن خاموش رہیں۔ دلاور حسین نے سرور جہاں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”چلو سرور تم تو ہمارے ساتھ چلو۔ تمہاری بھاوج یاد بھی بہت کر رہی تھیں۔ آج تم انہیں وہ میرے ساتھ ہی مگران کے بھتیجے کی نسبت ٹھہر رہی تھی آج کے دن۔“

”اے بھیا! تمہارے بہاولپور میں ہمارا جی نہیں لگتا۔“ انہوں نے بے چارگی سے جواب دیا۔ ”اور پھر وہاں کی آب و ہوا بالکل بھی موافق نہیں ہمارے گھٹنوں کے لیے۔“

چچی جان نے ہنس کر کہا۔ ”بھلا یہ زمانی کی جان چھوڑ کر کہیں جا سکتی ہیں؟ آخر کو بچپن کا ساتھ ہے۔ ہمیشہ ہم پیالہ و ہم نوالہ رہی ہیں۔ بلا سے لڑتی جھگڑتی رہیں مگر رہیں گی ان کے دم کے ساتھ ہی۔ شادی کے چھ ماہ بعد ہی جو قدرت نے ان کو بیوہ کیا تو انہوں نے یاور حسین کا ہی پلہ پکڑا۔ اپنے اماں باوا کے پاس بھی نہ رہیں۔ وہ دن رات دوسرے نکاح کے لیے بضد جو رہتے تھے لیکن یہ بدظن ہو چکی تھیں۔“

”ارے ہم کہتے ہیں یہ آج آپ کو ہو کیا گیا ہے؟“ سرور جہاں چڑ کر بولیں۔ ”بلاوجہ بیٹھی ہوئی گڑے مردے اکھاڑ رہی ہیں!“

”آج چچی جان کو عہدِ ماضی کے مرغزاروں کی سیر کرنے دو۔ اس میں کیا برائی ہے۔“ زمانی بیگم بولیں۔ ”برائی تو باجی کو اس وقت تک دکھائی نہیں دے گی جب......“

سرور جہاں نے ان کی بات کاٹ دی اور چچی جان سے بولیں۔ ”آپ بتاتی ہیں ہم اور زمانی ہم عمر ہیں تو پھر بھلا یہ ہمیں ”باجی“ کیوں کہتی ہیں؟“

دلاور حسین ہنسنے لگے۔ چچی جان نے تیوری چڑھا کر جواب دیا۔ ”اے تم ہمیں چندراؤ نہیں سرور۔ اپنے ہاں کی تمیز تہذیب بھول گئیں کیا؟ چھ ماہ کی بڑائی کی وجہ سے انہیں بڑے بوڑھوں نے پہلا سبق یہی

تمہیں ”باجی“ کہا جائے۔“ چچی جان کے انداز پر سرور جہاں بھی ہنس پڑیں۔ اب دلاور حسین نے ... کو یاد دہانی کرائی۔ ”ہاں بھئی وہ ”برائی، برائی“ کیا کہہ رہی تھیں تم؟ بات بیچ میں رہ گئی۔“
زمانی بیگم نے سرور جہاں کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ”اس وقت تو میں فاخر کا ذکر کرنا چاہ رہی ... باجی کو تو اس وقت خوب برا محسوس ہوتا ہے جب کوئی فاخر کے حق میں ایسی ویسی بات کہہ دے۔ ... وہ سو فیصد سچ کیوں نہ ہو۔ مجال نہیں ہماری کہ ان کے لاڈلے چہیتے کو کچھ کہہ جائیں۔“
دلاور حسین کے چہرے پر سایہ سا گزر گیا۔ فاخر کے تذکرے پر سرور باجی سنبھل کر بیٹھ گئیں اور ترکی بہ ترکی بولیں۔ ”اے تم اسے کہو گی کیا؟ اس نے تمہارا بگاڑا کیا ہے؟ اسے اپنی پڑھائی لکھائی سے فرصت نہیں۔ ... تو ہم اپنے بچے کی صورت کو ترس جاتے ہیں اوپر سے یہ ہمارا کلیجا جلاتی رہتی ہیں۔“ آخر میں وہ واقعی ... ہو گئی تھیں۔ دلاور حسین نے مصالحانہ انداز سے پوچھا۔ ”فاخر سے تمہیں کیا شکایت ہے؟ پہلے تم بتاؤ ... !“

انہوں نے فوراً جواب دیا۔ ”شکایت کا ہے کی بھائی صاحب! اب یہ حقیقت تو آپ کے سامنے ہی ہے ... اللہ بری گھڑی سے بچائے، یہاں قیامت گزر گئی ہے۔ ایک پل میں نہ معلوم کیا ہو جاتا مگر فاخر کو کوئی خبر ... ایسے لاابالی پن سے ہمارا جی جلے یا نا! بس ایسا سچ ہماری باجی کو بھاتا نہیں۔“
دلاور حسین نے اندر ہی اندر مطمئن ہو کر جواب دیا۔ ”لیکن یہاں تو تمہارا خدشہ بے بنیاد ہے کیونکہ ہم ... اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے خود ملاحظہ کیا ہے کہ فاخر میں کوئی لاابالی پن ہے نہ بے فکری۔ بھائی کے ... سے ایک پل بھی ہٹنے کو تیار نہیں ہوتا۔ بقول شخصے ”پٹی“ سے لگا بیٹھا ہے۔“
سب حیران ہو کر ان کی صورت تکنے لگے۔ سرور باجی خوشی سے اچھل پڑیں۔ ”سن لیا تم نے زمانی بیگم! ... کہو کیا کہتی ہو!“
زمانی بیگم کیا کہتیں! خوشی انہیں بھی ہوئی لیکن ساتھ ہی حیرت بھی۔ سرور باجی نے دل کے پھپھولے ... ”بس بھیا! یہ یونہی اس سے بدظن رہتی ہیں۔ ہزار دفعہ سمجھائی ہوں کہ حوصلے سے کام لو۔ پڑھنے ... والا بچہ ہے۔ وہ اجڈ گنوار تو ہے نہیں کہ ہر وقت میاں کے گھٹنے سے لگا بیٹھا رہے۔ اس کے باپ کی ... سامنے ہے مگر ان کی عقل شریف میں اتنی سی بات نہیں آتی۔ کیا بتاؤں بھیا! میرا بچہ مجھ سے کس قدر ... رکھتا ہے! اس سال تو برسات بھر بہت بیمار رہا۔ ان کی جلی کٹی کی وجہ سے زیادہ تر مردانے میں ہی رہتا ... اندر جب آتا میری گود میں سر رکھے پڑا رہتا۔ ارے بہت قابل ہے میرا لعل۔ ایسی ایسی شاعری سنایا کرتا ... انسان کی روح تک پھڑک اٹھے۔ بس یہ جل جل کر کوئلہ ہوتی رہتیں۔“
ان کے آخری جملے پر سب کے ساتھ ساتھ زمانی بیگم بھی ہنسنے لگیں۔ دلاور حسین بہ ظاہر ہنس بول رہے ... مگر دل ہی دل میں بہت کچھ سوچ بھی رہے تھے۔ انہوں نے سب کو مطمئن کرنے کے لیے دوبارہ ... کہا۔ ”بھئی ہم نے تو وہاں اسپتال میں جو دیکھا، وہ بتا دیا۔ اپنے بھائی کے لیے بہت فکرمند اور پریشان تھا ... اب اسے بھی یونیورسٹی کے ہاسٹل میں کہیں خبر لگی ہو گی تبھی بھاگا آیا تھا۔ خود بھی بتا رہا تھا کہ مصروفیت ... پناہ ہے اس لیے اس مرتبہ بہت دنوں سے گھر جانا نہیں ہو سکا ہے۔“
”ہم تو کہتے ہیں بس اب تم تو لڑکی کی رخصتی تیار رکھو۔“ چچی جان نے پان لگاتے ہوئے صلاح دی۔ ... اللہ رکھے بہت پڑھ لیا فاخر میاں نے۔ کہیں ملازمت نہیں کرنی انہیں۔ باپ دادا کا بنا ہوا سب کچھ انہی ... دونوں کا ہے۔ اپنی قابلیت اور خوشی کے لیے پڑھ رہے ہیں بس بہت ہے اتنا۔“ دلاور حسین دم بخود رہ ... ان کا ہنستا مسکراتا سدا بہار چہرہ تاریک ہو گیا۔ جسے اپنی خوش فعلیوں میں کوئی محسوس نہ کر سکا اور یہ

غنیمت ہی ہوا۔

''ہاں اب کہی آپ نے خدا لگتی۔'' زمانی بیگم کھل کر مسکرائیں۔ سرور باجی بھی خوش ہو گئیں اور جا... سے تائید میں کہنے لگیں۔ ''آپ نے ہمارے منہ کی بات چھین لی چچی۔ ہماری بھی منشا یہی ہے۔ اس ا... اللہ رکھے دونوں فریق آمنے سامنے ہیں دونوں سے کہے دیتے ہیں کہ بس اب اس نیک کام میں تاخ... کریں۔'' پھر دلاور حسین کو مخاطب کیا۔ ''بھیا! اب شگوفہ اور فاخر کی شادی ہو جانی چاہیے۔ دیر کا ہے کی... خیر سے تیاری تو دونوں طرف سے مکمل ہے۔ چلیے چلتے ہیں ہم بھی آپ کے ہمراہ بہاولپور۔ بھابی جان... بھی کہے دیتے ہیں جا کر۔''

چچی جان ہنس پڑیں۔ ''لو بھیا! سرور نے تو ہتھیلی پر سرسوں جمانا شروع کر دی۔''

''شروعات تو آپ کی طرف سے ہوئی۔'' انہوں نے جواب دے کر اپنا روئے سخن دوبارہ دلاور حس... کی طرف کر لیا اور بے صبری سے دریافت کرنے لگیں۔ ''اب کس سوچ میں پڑ گئے! حالانکہ خدا گواہ ہما... جان دکھی ہے۔ گھٹنوں میں دم نہیں مگر اس کارِ خیر کے لیے ہم تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہیں۔ آج سے چند... پیچھے رمضان المبارک کا چاند نظر آنے کو ہے۔ تم کیا جانو ہم ان دنوں کتنے مصروف ہوتے ہیں۔ یہ لونڈ... باندیاں تو بس ٹھیٹھی ٹھیٹھی کرنے کی ہیں کام کاج ڈھنگ سے اس وقت تک نہیں کرتیں جب تک ان کا... نہ کرے جاؤ۔ سال بھر کی بڑیاں سویاں تڑوا کر رکھواتے ہیں پھر چاول بلکہ سارے ہی اجناس، دالیں... مسالے سب چھان پھٹک کروا کر بھرواتے ہیں۔ بھیا! اللہ رکھے یہ اتنے بڑے گھر کی سنبھال یونہی نہیں... جاتی۔ ہر دفعہ سال بھر کے انتظامات ہم روزوں سے پہلے ہی کر لیتے ہیں۔ زمانی بیگم کو ان کاموں سے... مطلب نہیں۔ ہم نے یاور حسین سے کہہ رکھا ہے کہ رمضان کا چاند ہوتے ہی ہر نوکر چاکر کو کپڑے لتے ا... اناج غلہ جو دینا ہے دے کر فارغ ہو جایا کرو اور بھئی ہمارا دستور ہے سال بھر کے جوڑے ہم سب کے... رمضان المبارک میں ہی بن جاتے ہیں۔ بڑے بوڑھے کہہ گئے ہیں کہ روزوں کا یہ سب کیا، حساب کتاب... میں نہیں ہوتا۔ تو یہ ہیں ہماری ان دنوں کی مصروفیات لیکن ہم اپنے اتنی محبت کرنے والے بچے کی خاطر... ساری ذمے داریوں کو پسِ پشت ڈال کر تمہارے ساتھ چلے چلیں گے۔''

سرور باجی اپنی طویل تقریر کر چکیں تو گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے دلاور حسین نے ہنکارا بھرا اور بہ... سنجیدگی سے آہستگی سے گویا ہوئے۔ ''یہی تو بات ہے ساری کہ بیٹا تو آخر اپنا ہی ہے جو کچھ کریں گے اس ک... محبت میں کریں گے۔ وہ خود بھی محبتوں سے گندھا اور اپنائیت کی شیرینی میں رچا ایسا انمول ہیرا ہے کہ کی... تعریف کروں! مجھے دیکھتے ہی ایسا دوڑ کر آ کر چمٹتا ہے کہ دل آئینہ ہو گیا میرا۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں ایسے... خوش بخت لختِ جگر کے لیے۔''

بیٹے کی تعریف سن کر زمانی بیگم بھی مسکرانے لگیں۔ چچی جان نے بات آگے بڑھائی۔ ''جو کچھ سرو... جہاں نے بتایا تو سچ کہا سب۔ بات تمہاری بھی سولہ آنے درست ہے۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ خیر سے یاو... حسین خیر صلاّ سے آ جائیں شاکر کو لے کر اسپتال سے۔ تم کسی سے کہلوا کر فاخر کو بھی بلوا لو ساتھ ہی۔ سب... باتیں ایک ہی جگہ بیٹھ کر تسلی سے ہو جائیں گی۔ سب مل کر اس کے کان اینٹھیں گے۔''

''کیا مطلب؟'' دلاور حسین نے چونک کر پوچھا۔

سرور باجی نے جلدی سے دخل در معقولات ضروری سمجھا اور سمجھا کر بولیں۔ ''بات کچھ انہونی نہیں ہے... بھیا۔ فقط اتنی سی ہے کہ آج کل کے عام لڑکے بالوں کی طرح فاخر بھی شادی بیاہ کے تذکرے پر اکثر بدک... جاتا ہے۔ بس یہی اصرار کرنے لگتا ہے کہ ابھی مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔ تم جانو ابھی ایسا بوڑھا تو نہیں ہو...

...اس کی بات کو پتھر کی لکیر سمجھ لیا جائے۔ بس اسی بات پر یہ ہماری زمانی بیگم اس کی طرف سے جی برا... بیٹھ جاتی ہیں۔ مجال ہے اس کی کہ اپنے بڑوں کے سامنے بول جائے!''

...دلاور حسین نے ان کی بات بہ غور سن کر پہلو بدلا مگر بولے کچھ نہیں۔ چچی جان خود بخود حساب کتاب میں... ہو گئیں۔ ''بات کی پیش رفت یہیں سے کر کے جاؤ۔ ساتھ خیریت کے رمضان شریف گزر جائیں... کے چاند ہم لوگ آ جائیں گے دن تاریخ ٹھہرانے۔ اول تو اتنی دور بھی نکاح کی تاریخ لے جانے کی... نہیں ہے تاہم اگر تمہاری دلہن وغیرہ تاخیر ضروری خیال کریں تو بقرعید کا چاند رکھ لینا، کیوں... ''؟'' انہوں نے پاندان سے نبرد آزما زمانی بیگم کی تائید چاہی۔ ''جو سب کی رائے وہی میری رائے۔'' ...انہوں نے سعادت مندی سے جواب دیا۔ اسی وقت تانیا ہنستی کھلکھلاتی آ گئی اور بچگانہ چادر میں لپٹی نواسی کو... کے قریب لٹا کر بولی۔ ''لیجیے بڑے ابا! ہمارے نئے کھلونے سے کھیلیے۔''

''ارے واہ۔ ہماری ضیا آ گئی۔'' وہ خوش ہو کر بولے۔

''یہ ضیا چنیا نہیں چلے گا بھیا!'' سرور باجی دلار سے بولیں۔ ''ہم نے ان کا نام اپنے نام سے ملا کر ...ور جہاں' رکھ دیا ہے۔''

''...خبردار۔'' دلاور حسین نے ٹھٹھا اڑایا۔ ''جیسا خود کا مردانہ نام ایسا ہماری نواسی کا بھی رکھ رہی... ہماری طرف سے قطعی نامنظور۔ اصل نام ہم رکھے دے رہے ہیں، کشور جہاں۔ بس اس کے سوا کچھ... ''

...ہنسی ٹھٹھول میں مشغول تھے کہ شاکر کے بڑے بیٹے شہکار نے ننھی کشور کا کان مروڑ دیا وہ بلبلا کر... اٹھی۔

''میاں صاحبزادے! ہمارے سامنے یہ بدمعاشی نہیں چلے گی۔'' نانا نے اسے بازو سے پکڑ کر دھمکایا۔

''کیوں نہیں چلے گی!'' چار سالہ شہکار اکڑ گیا۔ ''یہ ہماتی (ہماری) امی کے پاچھ (پاس) کیوں شوتی... ''

''اچھا۔ تو وہ صرف تمہاری امی ہیں کیا؟'' نانا نے سوال کیا۔

''ہاں...... ہاں...... بچھ (بس) میلی (میری) امی ہیں۔'' شہکار نے بضد ہو کر دوبدو جواب دیا اور ...دیکھتے ہی دیکھتے لڑکی کو ایک چپت رسید کر کے بھاگتا بنا اور نانا دلاور حسین ''ہائیں ہائیں'' کرتے رہ گئے۔

☆☆☆

رات کا کھانا اپنے خسر سعید احمد کے ساتھ کھا چکنے کے بعد فرحت، حمید کو لے کر چہل قدمی کے لیے باہر ...نکل گیا تھا۔ واپس آیا تو نازیہ اس کا بستر لگا چکی تھی۔ میز پر پانی کا جگ اور گلاس رکھنے کے بعد اس نے ...مسکراتے ہوئے ایک نظر شوہر پر ڈالی اور باہر جانے کے لیے پر تولے۔ فرحت نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ ...لیا۔ ''بیٹھو ناں۔ کہاں چلیں؟''

''رات کے گیارہ بجنے کو ہیں۔ سوؤں نا کیا جا کے؟''

''یہیں...... سو جاؤ ناں!''

''پاگل ہو گئے ہیں کیا!'' نازیہ نے گھبرا کر اندر دیکھا۔

''کیوں؟ اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے؟ شام سے ہی فاخر بہت یاد آ رہا ہے۔ اس کی باتیں کریں گے۔ تمہیں کھانے کا ارادہ تو نہیں ہے میرا جو ڈر رہی ہو۔''

نازیہ نے اس کی بقایا بات نظر انداز کر دی اور پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیوں فاخر بھائی کو کیا ہو گیا! ان کی

باتیں کونسی ہیں! خیریت تو ہے ناوہاں؟"

"اللہ میری توبہ!" فرحت نے عورتوں کی طرح سر پر ہاتھ مارا۔ "واقعی پریشان ہونے اور پریشان دینے میں لیڈیز فرسٹ ہیں یہ صنفِ نازک۔ ارے بھئی میں نے کیا کہہ دیا آپ کے دلہا بھائی کو!"

"تو...... آپ اپنا انداز دیکھیے ذرا۔" وہ روٹھ کر بولی۔

فرحت تھوڑی دیر مزید اسے ستاتا رہا پھر سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔ "نازیہ! تم تو بالکل ہی بوڑم ہو۔ پتا کیا! آج شادی کے بعد شاید پہلی مرتبہ میں اس کمرے میں سو رہا ہوں۔ میں نے اور فاخر نے اتنا یادگار دن گزارا ہے اس تاریخی کمرے میں کہ بس کیا بتاؤں اور کیا چھپاؤں۔ جب میں شام کو بابا جان کے ساتھ یہاں کھانا کھا رہا تھا تو ایمان سے رہ رہ کر فاخر یاد آ رہا تھا۔ وہ اس کی اس زمانے والی بے قراریاں، بے تابیاں بلکہ آہ وزاریاں...... سعدیہ کے لیے......"

نازیہ نے گھبراہٹ کے عالم میں اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور چاروں طرف دیکھتے ہوئے آواز دبا کر کہنے لگی۔ "خدا کے لیے ان کا نام بھی مت لیجیے۔ اس موضوع کو یہاں بیٹھ کر مت چھیڑیے میری اپیا کا بدنام ہوگا۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ اگر ایسا ہی آپ کا جی چاہ رہا ہے تو کل...... گھر چل کر کر لیجیے گا یہ باتیں۔"

"ہوں...... ہو واقعی بہت دور اندیش۔" فرحت ہنس پڑا۔ "آخر ہو نا برخوردار حمید کی بجیا۔"

عین اسی وقت حمید بوتل کے جن کی طرح نمودار ہوا اور اعلان کر کے چلتا بنا۔ "بجیا...... بجیا! دادی نے کہلایا ہے کہ صبح میرے آنے سے پہلے مت چلی جانا۔" فرحت کی ہنسی میں مزید شدت آ گئی۔

"یا اللہ اب کیا ہو گیا! اتنا کیوں ہنسے جا رہے ہیں۔" نازیہ کھسیا رہی تھی۔ فرحت خوب ہنس چکا تو سنجیدہ ہو کر بولا۔ "نازیہ! دادی کہیں یہ شرط نہ کل لگا ڈالیں کہ "آج اپنی دلہن کو پیٹھ پر لاد کر لے جاؤ۔ اب تو ماشاءاللہ......" فرحت کی بات ادھوری رہ گئی اور وہ اپنا آپ چھڑا کر بے آواز ہنسی، ہنستے ہوئے درمیان کا دروازہ کھول کر گھر کے آنگن میں بھاگ گئی۔ اس کے چلے جانے کے بعد وہ کافی دیر لیٹا چپکے چپکے ہنستا رہا۔

آج وہ دوپہر میں آ جاتا نازیہ کو لینے مگر شاکر بھائی کو دیکھنے اسپتال چلا گیا تھا۔ اب ان کی کیفیت سے بہتر تھی۔ فاخر سے بھی وہیں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ مستقل اپنے بھائی صاحب کی خدمت اور تیمارداری میں دل و جان سے ڈٹا ہوا تھا۔ ساری دوپہر دونوں دوستوں میں گھٹ گھٹ کر باتیں ہوتی رہی تھیں۔

شام کے قریب وہ سسرال آیا تو سعید احمد نے اصرار کر کے روک لیا۔ اس کے رات بھر رک جانے سے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ بھی چھوٹے سالے سالیوں سے گھل مل کر ہلکا پھلکا مذاق کرتا رہا تھا۔ ساس بھی بہت خوش اور مگن تھیں۔

یہاں سے فرحت کے گھر تک کسی کو کانوں کان بھی شاکر والے واقعے کا علم نہ تھا۔ معراج الدین صاحب نے فرحت کو کھلے الفاظ میں سمجھا دیا تھا خود اپنے گھر میں بھی انہوں نے ذکر نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے اس احتیاط میں مصلحت پوشیدہ تھی۔

تھوڑی دیر لیٹے رہنے کے بعد فرحت نے اٹھ کر جگ سے ایک گلاس پانی انڈیل کر پیا پھر ٹہلتا ہوا کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ حالانکہ اس کمرے سے گھر میں جانے والا دروازہ کھلا ہوا تھا اگر وہ چاہتا تو اندر چلے جانے پر پابندی کہیں تھی مگر اس کے ضمیر نے گوارا نہ کیا۔ اخلاقاً بھی اسے ہرگز پسند نہ تھا کہ بیوی کا اس حد تک تعاقب کرے کہ بات اخلاقی گراوٹ تک جا پہنچے۔

دور کہیں مکیش کے گانوں کا کیسٹ لگا ہوا تھا۔ ہوا کے دوش پر اس کے ایک مشہور گانے کے بول مسلسل

...ال دے رہے تھے۔

او دنیا کے رکھوالے
سن درد بھرے میرے نالے

فرحت کو ایک بار پھر فاخر کی یاد ستانے لگی۔ ساتھ ہی ناصر کاظمی کی شاعری بھی یاد آتی چلی گئی جو اس کمرے میں رہائش کے آخری دنوں میں فاخر کی نوکِ زبان پر رہتی تھی۔

او پچھلی رُت کے ساتھی
اب کے برس میں تنہا ہوں
تیری گلی میں سارا دن
دکھ کے کنکر چنتا ہوں
تو جیون کی ہری گلی
میں جنگل کا رستہ ہوں

فرحت کے ہونٹوں پر ہنسی کی ہلکی سی لکیر نمودار ہو گئی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ "کتنا دلگداز اور ایک چھید کر ڈالنے والا کلام، لیکن کیسا باغ و بہار خوش رنگ، شہد آفریں اور دلکش و حسین انجام! بلکہ فاخر کے ساتھ انجام نے ہی میں خود میرے بھی سہرے کے پھول کھل اٹھے۔ واہ میرے مولا۔ تو واقعی بے نیاز پروا ہے۔ دینے پر آتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دے ڈالتا ہے۔ یہیں کی گلی میں دکھ کے کنکر چنتے چنتے یکلخت فاخر پھولوں اور بہاروں میں نہا گیا تھا۔"

فرحت کا ایکدم ہی فاخر کو رہ رہ کر یاد کرنا تعجب خیز نہ تھا اس کرائے کے کمرے کی ایک ایک اینٹ آج ان کے ساتھ بتائے ہوئے دن یاد دلا رہی تھی۔ ان دونوں کے بعد کئی کرائے دار اس کمرے کی طلب میں آئے تھے مگر سعید احمد نے یہ کمرا کرائے پر دینا مناسب خیال نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اب وہ ایک چھوڑ دو دامادوں والا گھر بن چکا تھا۔ اس لیے آگے چل کر باہر کا یہ کمرا بہت کام آنے والا تھا۔ فاخر اور فرحت اپنے میز کرسی بلکہ پنکھا چھوڑ گئے تھے جو کئی بار یاددہانی کے باوجود لے کر نہ گئے تھے بلکہ صاف منع کر دیا تھا اب یہ سامان نہایت سلیقے اور اضافے کے ساتھ اسی مہمان خانے کے زینت مستقل طور سے بن گیا تھا۔ اس زمانے میں کون یقین کر سکتا تھا کہ کرائے پر رہنے والے یہی دونوں لڑکے سعید احمد کے داماد بن جائیں گے! اور یوں بے سان و گمان کام ہوتے چلے جائیں گے فرحت قدرت کی فیاضی پر اش اش کر رہا

فرحت کی اس رات اور تنہائی کے ان گھنٹوں میں وہ بہت آزادی، یکسوئی اور دیانت داری سے سارے واقعات کا تجزیہ کرنے لگا۔ جتنا جتنا وہ غور کرتا گیا اس کی توجہ اس حقیقت پر مرکوز ہوتی چلی گئی کہ یہ کمال فاخر کے جذبہ صادق اور قسمت کی یاوری کا تھا۔ ورنہ عشق تو بہت لوگ کیا کرتے ہیں مگر منزل کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کتنی بچی بیاعتوں میں فاخر نے فرحت کو بھی "بجیا" کہہ کہہ کر چھیڑا تھا اور اس مذاق میں رومال پھیلا پھیلا کر دعا مانگی تھی کہ آج بجیا یعنی اس کی نازیہ دمساز و غمگسار بن چکی تھی۔

رات خاصی بھیگ چکی تھی اور وہ پلنگ پر سو جانے کے خیال سے لیٹا ہی تھا کہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ وہ ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگا۔ رات کے گہرے سناٹے میں باہر سے کسی اعلان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ خاموشی کی وجہ سے جلد ہی صورتِ حال واضح ہو گئی۔ اعلان غالباً مسجد سے کیا جا رہا تھا۔ لاؤڈ اسپیکر پر مولوی صاحب بآوازِ بلند کہہ رہے تھے۔ "حضرات! ایک ضروری اعلان سنیے۔ رویتِ ہلال کمیٹی کے اعلان کے

مطابق رمضان المبارک کا چاند نظر آ چکا ہے۔ لہٰذا آج رات سحری ہے اور صبح پہلا روزہ ہوگا......'' دیکھتے دیکھتے رات کا سناٹا مجروح ہونے لگا۔ سوئی ہوئی آوازیں جاگ پڑیں۔ ہر گھر، آنگن سے باتوں اور پکاروں کا سیلاب اُمڈ پڑا۔

''لو بھئی! یہ دن بھی لکھا تھا سسرال میں!'' فرحت کھوپڑی پر ہاتھ پھیرتا دھیرے سے بڑبڑایا اور نگاہوں سے گھر اور بیٹھک کو ملانے والے دروازے کی سمت دیکھنے لگا۔

☆☆☆

اگر اس مکروفریب سے اَٹی ہوئی منافقت کی مٹی سے بنی ہوئی اور سازشوں کی گود میں پلی ہوئی سیاہ کار اور گناہ گار دنیا میں کہیں روپہلی فطرت اور جگمگاتے چہروں والے فرشتوں کا وجود ممکن ہے تو وہ سعدیہ اور فاخر کی نظر میں ڈاکٹر منان اور ان کی بیگم کا دوسرا روپ ہو سکتے تھے اور یہ حقیقت بھی ہے۔

بھلا کسی عام انسان کا کام ہو سکتا تھا کہ کسی راہ چلتے مصیبت زدہ کو ایسا گلے سے لگایا کہ بس اپنا ہی بنا لیا، اپنے گھر میں بسا لیا اور اس پر ایسی پُرخلوص اور سچ کی شیرینیوں میں ڈوبی ہوئی لافانی خوشبوؤں سے گندھی ہوئی شفقت اور محبت کی پھواریں نچھاور کیں کہ ان کا پور پور بھیگ گیا اور ظاہر ہے محبت کا جواب بھی عام حالات میں محبت ہی ہوا کرتا ہے لہٰذا اس راہ چلتے مصیبت زدہ کو تو ان کے آگے سجدہ ریز ہونا ہی تھا! تو بس یہی ردِعمل یہاں بھی ہوا۔

یہ دونوں، ان دونوں کے پُرخلوص اور بے لوث پیار کی حدت سے ہمیشہ کے لیے پگھل کر جیسے انہی کے سانچے میں ڈھل گئے تھے۔

پھر ان چاروں کے درمیان میں زنجیر کا کردار نازش، ریحان اور سلطان کی اپنائیت اور معصومیت اور جلد گھل مل جانے والی فطرت نے...... بہ ظاہر دیکھنے والی نگاہ شناخت نہ کر سکتی تھی کہ ان سب کا رابطہ کتنا مختصر مگر ایسا گہرا کیسے ہے! کب سے ہے؟ اتنے ہی شیر و شکر ہو گئے تھے وہ سب اور محبتوں چاہتوں سے لبریز اس تعلق میں ہر روز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

گو کہ ابا میاں کی مہربانیوں سے فاخر اور سعدیہ کو گھر اور سامان گھر کی بہ دست کوئی حاجت تھی نہ ضرورت کیونکہ ہر چیز موجود تھی مگر یہاں سے کسی نے انہیں ٹس سے مس نہ ہونے دیا۔ ڈاکٹر منان اور ان کی بیگم نے بہ صد اصرار اپنے ہاں روک لیا تھا اور بھابی نے تو صاف الفاظ میں فاخر کو سنا ڈالا تھا۔ ''ابھی تو تمہاری دلہن کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں اتری، اور چلے ہوا سے اپنی گھر داری میں پھنسانے۔ بس خبردار! کوئی ضرورت نہیں ان تکلفات کی۔ ساری زندگی پڑی ہے ان بکھیڑوں کے لیے۔ وہاں اکیلے رہے گی تو دن بھر میں گھبرا جائے گی نہ ہم ہی ہر وقت دوڑ دوڑ کر پہنچ سکتے ہیں۔ خیر سے جب ہنی مون منا کر آ جاؤ تو اپنا بنگلا بسا لینا۔ ابھی صبر و تحمل سے یہیں رہو۔ یوں بھی وہ دلہن بن کر یہیں اتری ہے۔ اب ہماری مرضی۔''

اس پیار بھری ڈانٹ نے تو فاخر تو فاخر، سعدیہ کو بھی اسیر کر لیا تھا۔ نازش اور وہ تو چند دنوں میں ہی یک جان دو قالب بن گئی تھیں۔ اتفاق سے شاکر بھائی صاحب کی وجہ سے فاخر کو مسلسل اسپتال میں رہنا پڑا ایسی صورت میں اگر سعدیہ اپنے گھر میں ہوتی تو یقیناً بور ہو کر رہ جاتی اور فاخر کو الگ فکر مند رہنا پڑتا۔ اس لیے ان دونوں کو ڈاکٹر منان کی فیملی سے بے حد ڈھارس ملی اور اطمینان مل گیا۔

رخصتی کے وقت جو سعدیہ بے ہوش ہوئی اور پھر ڈاکٹر منان کی کوششوں سے ہوش میں آئی تو اگلے دن سے اس کی حالت بہتر ہوتی چلی گئی۔ حالانکہ فاخر بہت ڈر گیا تھا تاہم جب اس نے وقتِ رخصت کانوں میں

پڑ جانے والی سرگوشیوں کا حوالہ دیا تو اصل حقیقت فاخر کی سمجھ میں بہ آسانی آ گئی تھی۔

ڈاکٹر منان نے اس کے چند ٹیسٹ تجویز کر ڈالے تھے مگر سعدیہ نے ہنس کر ٹال دیا تھا۔ وہ بحیثیت ٹلنے والوں میں سے تو ہرگز نہیں تھے مگر فاخر نے تنہائی میں ان کو بھی اصل حقیقت کا احوال سنا دیا۔ بات ان کے دل کو بھی لگی یوں سعدیہ ماشاءاللہ بالکل چاق و چوبند اور ہوشیار لگ رہی تھی۔ اس لیے بات آئی گئی ہو گئی۔

بعد میں ڈاکٹر منان نے بہت فرصت سے بیٹھ کر اور بیوی سے مشاورت کرتے ہوئے ایک لائحہ عمل تیار کیا تھا اور فاخر کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا تھا کہ نہایت حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے رفتہ رفتہ سعدیہ کو اصل حالات سے آگاہ کرنا شروع کر دے کیونکہ جو سچ میں توانائی ہے وہ جھوٹ میں کبھی نہیں ہو سکتی۔ کبھی نہ کبھی اسے یہ راز معلوم ہی ہو جاتا کہ یہ گھر اس کی حقیقی سسرال نہیں ہے۔ اس صورتِ حال میں وہ زیادہ اثر لے سکتی تھی۔ تب ذہنی صحت کو زیادہ گہرا دھچکا لگنے کا امکان تھا۔ یہ تمام احتیاط سعدیہ کے پہلے دن کی بے ہوشی کے سبب کی گئی تھیں۔ یہ بھی ان دونوں نو بیاہتا جوڑے کی خوش نصیبی تھی کہ ان کا سابقہ ایک قابلِ قدر ڈاکٹر سے پڑا تھا۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے زیرِ ہدایت رہتے ہوئے فاخر نے بہت ذہانت اور اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے غیر محسوس انداز میں سعدیہ پر آگاہی کے در وا کرنے شروع کر دیے بلکہ موقعہ پا کر دھیرے دھیرے اس راز پر سے بھی پردہ اٹھا دیا کہ دراصل وہ اسے ڈائریکٹ ہی اپنے آبائی گھر میں بیاہ کر کیوں نہیں لے جا سکا اور سوائے ابا میاں کے کوئی دوسرا سعید احمد سے رشتہ مانگنے سے رخصتی تک کیوں نہیں ان کے گھر آیا؟ اور ابا میاں نے علیحدہ گھر خرید کر کیوں دے دیا؟

گو یہ سارے مراحل بظاہر دشوار نظر آ رہے تھے تاہم جب اس چوٹی کو سر کرنے کے لیے عمل کیا گیا تو حیرت انگیز طور پر نتیجہ خوش آیند نکلتا چلا گیا اور فکر مند ذہنوں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

یہ دراصل فاخر کے جذبہ صادق اور سعدیہ کی سلجھی ہوئی فطرت اور نیک اطوار کی بنا پر زیادہ آسانی سے ممکن ہو سکا۔ تمام معاملات سعدیہ کے ذہن میں فٹ کر دینے کے بعد باقی سب کچھ فاخر نے بیوی پر چھوڑ دیا تھا کہ ان میں سے کون سے پوشیدہ رکھے؟ اس فیصلے میں آزادی کے حق کا احساس ہوتے ہی سعدیہ پُرسکون ہو گئی تھی اور اس نے فاخر سے بھی زیادہ حسنِ تدبیر اور مناسب اقدامات کے ساتھ یہاں سے اپنے میکے تک کی کمان سنبھال لی تھی۔

یونیورسٹی کے دور سے شناسائی ہونے کی وجہ سے نازش اور سعدیہ کے درمیان بہت گہری دوستی کا آغاز ہوا تھا یہ تعلق ہر روز پائیدار ہوتا چلا گیا۔ فارغ اوقات میں یہ گھنٹوں باتوں میں مصروف رہتیں۔

سعدیہ کے آ جانے سے بھابی کو نازش کی طرف سے بھی یک گونہ سکون کا احساس ہوا تھا اور وہ اس خیال سے خوش اور مطمئن رہنے لگی تھیں کہ ان کی بے ضرر سی نند کو گھر بیٹھے ایک عدد سہیلی میسر آ گئی تھی اس طرح ان دونوں کو ایک دوسرے سے دوسراہٹ بھی مل گئی تھی۔ زمانہ تعلیم کی شناسائی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا تھا۔

دن پر لگا کر اڑے اور تیسرا روزہ آ گیا مگر فاخر کی اسپتال والی مصروفیات میں کمی نہ آئی۔ سعدیہ کی تنہائی کے خیال سے نازش اوپر اسی کے کمرے میں سو رہتی۔ یہاں اس علاقے میں سعدیہ اذان کی آواز تو برابر سنتی تھی مگر جب سے رمضان المبارک کا آغاز ہوا تھا اس نے اپنے میکے کی طرح سحری اور افطار کے اوقات میں مسجدوں سے کلام پاک کی تلاوت اور نعتوں کی خوش الحان آوازیں نہیں سنی تھیں تاہم سحری کے وقت اس کی آنکھ خود بہ خود وقتِ مقررہ پر کھل رہی تھی۔

حیرت انگیز طور پر اس کے میکے کی طرح یہاں بھی سب روزے پابندی سے رکھتے تھے سحری میں جاگنے

کے لیے بھابی اپنے کمرے میں الارم کا سسٹم رکھا کرتیں مگران روزوں میں انہیں اس جھنجٹ سے آزادی کا احساس ہورہا تھا۔ دونوں لڑکیاں مل کر سحری کا اتنا عمدہ انتظام کرلیتیں کہ بھابی انہیں دل کی گہرائیوں سے دعائیں دینے لگتیں۔ اسی طرح افطاری کا اہتمام سعدیہ تین بجے سے شروع کرتی تو نہایت خوش اسلوبی سے مغرب سے پہلے پہلے ایک بے حد مزیدار اور خوش ذائقہ گویا افطار پارٹی تیار کرلیتی۔ نازش اور چاندنی بوا کام میں پیش پیش رہتیں۔

آج کل گھر میں چھوٹے بڑے حتیٰ کہ پھول بابا اور چاندنی بوا تک خوش خوش پھرتے سب سے زیادہ مزے سلطان اور ریحان کے آئے ہوئے تھے ڈاکٹر صاحب کی پانچوں گھی میں اور فرخ کا سر کڑاہی میں تھا وہ جو پہلے روزے کے افطار کے وقت محض اتفاق سے آ پہنچا تھا تو اب روزہ ہوتا نہ ہوتا اس نے اپنی موجودگی افطار کے وقت لازم کرلی تھی۔ ڈاکٹر منان کے ساتھ ساتھ فاخر نے فرخ سے بھی سعدیہ کا پردہ نہیں کرایا تھا اس لیے وہ اسے بھابی کہنے لگا تھا اور نازش کی طرح اس سے بھی ہلکا پھلکا مذاق کرلیتا تھا۔

اس شام بھی وہ موجود تھا۔ سعدیہ اور نازش کی سرگرمیاں و افطاری کی تیاریاں دیکھ دیکھ کر خوش ہورہا تھا ڈاکٹر صاحب اخبار پڑھتے ہوئے بولے۔ ''بیگم صاحبہ۔ آپ کے لیے راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے لیکن اس چین کو بے چینی میں آ کر تبدیل کرے گا فاخر پھر ہم آپ کے ہاتھوں کے طوطے اڑتے دیکھیں گے۔'' بھابی ہنسنے لگیں۔

''بس ہوگئیں نالاجواب۔'' فرخ نے مذاق اڑایا۔

''لاجواب تو نہیں ہوئی بلکہ ایک سوال کرنا چاہتی ہوں دونوں سے۔'' بھابی نے سوالیہ انداز سے دونوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ضرور ضرور۔'' دونوں نے لہک کر اجازت دی۔ بھابی نے سادگی سے پوچھا۔ ''افطاری کے زیادہ لوازمات تو ہپڑ ہپڑ آپ دونوں ہی ٹوٹ کر چکھتے ہیں پھر اب بتائیں کہ زیادہ محنت اور وقت کس کے کھاتے میں جارہا ہے؟ تو ظاہر ہے فاخر کو جوابدہ بھی آپ ہی ہوئے۔''

''اللہ رے ذہین ...... بلکہ فطین خاتون!'' ڈاکٹر صاحب کا منہ کھلا رہ گیا۔ آلو کے چپس تلتے سعدیہ بھی مسکرادی۔ وہ روزانہ سب کی نوک جھوک کے درمیان اپنے کام میں مشغول رہتی۔ ذہن کہیں کہیں اڑان بھرتا رہتا۔ میکے میں گزرے ماہ و سال روح میں نہ معلوم سی کسک بن کر سرسراتے۔ محدود وسائل اور مخصوص حالات میں دونوں بہنیں مل جل کر اپنے تھوڑے میں صبر شکر کے ساتھ افطار کا انتظام کیا کرتی تھیں! کیا وقت تھا وہ بھی! یہاں بھرے بھرائے کچن، کھلے کھلے اخراجات۔ وہ بڑے چاؤ سے شوق سے ہر طرح کی چیزیں تیار کرتی رہتی۔ میکے سے ہر ہنر اور سلیقہ سیکھا ہونے کی وجہ سے اسے ذرا دقت نہ ہوئی حالانکہ یہاں ڈاکٹر صاحب کے ہاں ریڈی میڈ افطاری کثرت سے چلتی تھی مگر سعدیہ نے ان گھریلو طور طریقوں کو خیر باد کہنا پسند نہ کیا تھا۔ ہاتھ میں مزہ اور ذائقہ تھا سب چٹخارے لے لے کر انگلیاں چاٹتے رہ جاتے۔ گھر کی بنی چیز کا لطف ہی دوسرا ہوتا ہے۔ بس فاخر کی غیر موجودگی سے اس کا دل بھرا سا رہتا مگر مجبوری تھی۔ افطار سے آدھ گھنٹا قبل اچانک اسی بے ایمان کا فون آ گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ذرا سی دیر قہقہوں کا تبادلہ کرنے کے بعد ریسیور سعدیہ کو بلا کر تھما دیا۔

وہ واپس کچن میں آئی تو اس کا تمتمایا سا چہرہ دیکھ کر نازش نے استفسار کیا۔ ''کیوں خیریت تو ہے ریسیور میں سے جھانک کر ڈانٹ پلادی کیا؟''

''وہ نہیں آرہے۔ کہہ رہے تھے بھائی صاحب کی چھٹی میں ہفتہ بھر لگ جائے گا۔'' سعدیہ نے اداس ہو کر جواب دیا۔ نازش نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''اسے کہتے ہیں۔ کہو کھیت کی، سنو کھلیان کی۔''

''کیوں ہنس رہی ہو؟'' بھابی نے قریب آ کر پوچھا۔ نازش مزے لے کر یہ لطیفہ سنانے لگی۔ چاندنی بوا بھی زیر لب مسکرا رہی تھیں۔ سعدیہ کی رنگت خجالت سے تپ رہی تھی مگر دھیان فاخر کی طرف ہی تھا۔ ویسے تو اس کی مسلسل غیر حاضری سب کو کھل رہی تھی اور سعدیہ سے ہمدردی تھی۔

افطار میں محض چند لمحے باقی تھے کہ اچانک ...... زوردار ''السلام علیکم'' کے ساتھ وہ شرارت سے مسکراتا ہوا آ گیا۔ چھوٹے بڑے سب شور مچانے لگے۔ حیرت اور مسرت سے سعدیہ آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی۔ اب اس کی سمجھ میں فاخر کی شرارت آئی۔

مایوس کر دینے کے بعد اچانک اس کے آ جانے سے سبھی اچھل پڑے تھے۔ سعدیہ کو سب سے زیادہ مبارک بادیں دینے والا فرخ تھا۔ بدقت تمام روزے کا واسطہ دے دے کر بھابی نے سب کو خاموش کرایا تب جا کر کہیں ماحول پُرسکون ہوا۔ فاخر آج پہلی مرتبہ اپنی دلہن کے ہاتھ کی تیار کی ہوئی افطاری کا اہتمام کر رہا تھا۔ اذان مغرب کے ساتھ جب سب نے دعا مانگ کر روزہ کھول لیا تو ایک نئے ہنگامے کا آغاز ہوگیا تھا۔

''بھئی اب مجھے کہیں نہیں جانا۔'' فاخر نے مسکراتے ہوئے کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ ''خدا کے فضل و کرم اور آپ سب صاحبان کی دعاؤں کے طفیل بھائی صاحب کو ان کے ڈاکٹرز نے کلیئر قرار دے دیا ہے۔ وہ ڈسچارج ہو کر ماشاءاللہ آج گھر جا چکے ہیں اب ہم اور آپ ساری افطاریاں، سحریاں مل کر کیا کریں گے۔''

آخری جملہ اس نے سعدیہ کی جھکی جھکی نگاہوں کی طرف دیکھ کر ادا کیا تھا۔

''ہپ ہپ ہرے۔'' فرخ، سلطان، فرحان نے اچھل کود مچادی۔ ''اب تو اور بھی مزیدار ڈشز ملا کریں گی۔'' سب شرارت سے سعدیہ کو چھیڑ رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی مسکراہٹ اور بھابی کی ہنسی ان کو شہہ دے رہی تھی۔

نمازِ عشا اور تراویح کے بعد رات کو جب یہ لوگ آرام کرنے کی غرض سے لیٹے تو سعدیہ نے دریافت کیا۔ ''آپ کے بڑے ابا چلے گئے بہاولپور؟''

''ابھی تو نہیں گئے۔'' فاخر نے جواب دیا پھر ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔ ''اس روز کیسا تڑپ کر روئے تھے مجھے گلے لگا کر؟ بس کیا بتاؤں؟'' سعدیہ متاثر ہو کر بولی۔ ''آخر کو سگا خون ہیں آپ ان کا مگر روئے کیوں وہ؟'' فاخر نے نظر بھر کر سعدیہ کو دیکھا پھر قدرے تردد کے لہجے میں بولا۔ ''میں نے ان کی برسوں والی آرزو کا خون کر ڈالا تب بھی نہ روتے؟''

''کیوں ...... آ ...... آپ۔'' وہ ہکلا کر چپ ہوگئی۔ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ فاخر بھی اٹھ بیٹھا اور دھیمی سی آواز میں آہستہ آہستہ بتانے لگا۔

''ہر عمل کا کوئی نہ کوئی ردِعمل ہوتا ہے ضرور۔ جب سے میں نے بڑے ابا کی آنکھوں میں آنسو دیکھے ہیں دل و دماغ پر بہت بوجھ ہے گو کہ میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا میرا ضمیر صاف ہے اس لیے کسی کا گناہ گار بھی نہیں ہوں نہ ہی مجرم۔ بس تمہیں اپنا بیک گراؤنڈ کیا بتاؤں ڈیئر! مجھے اپنے پورے کنبے میں دو افراد سے زیادہ پیار ملا اور وہی دونوں مجھے جان سے زیادہ عزیز بھی ہیں۔ ایک میرے بڑے ابا اور دوسری سرور زندگی بجیر۔ کبھی نہ کبھی تمہیں ان دونوں سے ضرور ملواؤں گا۔ میرے اپنے ابا میاں اور اماں سے بڑھ کر انہوں نے میرے لاڈ اٹھائے ہیں جو میری بھابی ہیں۔ شاکر بھائی صاحب کی بیوی۔ ان کے والد ہیں وہ

میرے بڑے ابا۔ ان کی فقط یہی دو بیٹیاں ہیں بچپن سے ہی ہم دونوں بھائی انہی دونوں بہنوں سے منسوب رہے......''

سعدیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی مگر وہ اپنی ہی رو میں کہے چلا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خود ہی چونکا۔ ''ارے تم کیوں چپ ہو گئیں!'' وہ اسے گدگدانے لگا۔ ''ہم تو اپنی شریک حیات کی معلومات میں اضافہ کر رہے ہیں اور یہ ہیں کہ مراقبے میں پہنچ گئیں۔ عقل سے پیدل لڑکی! کوئی دوسرا سوال باقی ہو تو کرلو، ورنہ ہم سوتے ہیں پھر شکوہ نہ کرنا۔''

''آپ کو تو بہت افسوس ہوگا اپنے بڑے ابا کا داماد نہ بننے کا؟'' سعدیہ نے اپنی دانست میں بڑا چبھتا ہوا سوال داغا۔

''اس راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔'' فاخر نے برجستہ جواب دیا۔ اب اسے سعدیہ کی ''چپ'' کا راز سمجھ میں آیا مگر وہ فاخر ہی کیا جو ستانے کا موقع ہاتھ سے جانے دیتا! کافی دیر بعد سعدیہ نے زچ ہو کر دریافت کیا۔ ''خیر بھائی صاحب تو گئے۔ آپ تو نہیں جا رہے ناں ان کے پیچھے۔''

''نہیں بھئی میں کہیں نہیں جا رہا لیکن کیوں؟''

''وہ یوں کہ میں دو دن کے لیے امی کے پاس جانا چاہ رہی ہوں۔''

''ہاں چلی جانا۔ کوئی حرج نہیں ہے۔'' اس نے فراخ دلی سے اجازت دے دی پھر ہولے ہولے سروں میں گنگنانے لگا۔

''ارے ارے۔'' وہ گھبرا کر روکنے لگی۔ ''رمضان شریف ہیں کوئی خیال کیجیے'' مگر کمرے کی محدود فضا اس کی بھاری آواز کے سحر سے مہکنے لگی۔

اس کے سائے میں میرے خواب دہک اٹھتے ہیں
میرے چہرے پہ چمکتا ہوا آنچل کر دو
مجھ پہ چھا جاؤ کسی آگ کی صورت جاناں
اور میری ذات کو سوکھا ہوا جنگل کر دو
اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو

اسی دن سحری کی تیاری کے لیے وہ کچن میں پہنچی تو حیرت زدہ رہ گئی۔ بھابی زور و شور سے انڈے پراٹھے تلنے میں مصروف تھیں۔ ''بھابی جان!''

سعدیہ ساکت سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ''کیوں! کیا ہوا؟'' انہوں نے پاس آ کر اس کی پیشانی چوم لی۔ پیار بھرے تمسخر سے بولیں۔

''رات ہی تو تمہارے میاں جی آئے ہیں میں نے سوچا آج تمہاری چھٹی کر دیں۔''

''سعدیہ...... سعدیہ۔'' برآمدے سے نازش نے آواز لگائی۔ ''دوڑ کر فاخر بھائی کو بلالو ان کا فون ہے۔''

فاخر فوراً ہی آ گیا کوئی غیر معمولی فون تھا جسے ریسیو کر کے وہ سیدھا کچن میں آیا اور سعدیہ کو مخاطب کر کے بولا۔ ''ابا میاں تھے۔ مجھے فوراً گھر طلب کیا گیا ہے۔ اللہ خیر کرے جانا تو پڑے گا'' پھر بھابی کو دیکھ کر شرارت سے ہنسا۔ ''رات آپ کے ہاں پہلا روزہ افطار کیا تھا اب پہلی سحری بھی کھلا دیں۔ آگے اللہ حافظ!''

اس کی اس بات پر سعدیہ کا دل دھک سے ہو گیا۔

(جاری ہے)

واپسی کا سفر

ناہید فاطمہ حسنین

یہ راز اس پہ کھلے گا جو خود کو پہچانے
کہ اک یقین کی منزل بھی ہے گمان کے بعد

سفر کہیں سے بھی واپسی کا ہو عموماً مسافر تھکا ماندہ ہی لوٹتا ہے مگر کچھ سفر ایسے بھی ہوتے ہیں جو آغاز سے ہی تھکا دیتے ہیں۔ ایسا ہی ایک سفر اس کی زندگی میں بھی شروع ہوا تھا جس کا انجام بالآخر اس کی ریاضتوں کا ثمر دے گیا۔

انتظار کی لذت سے آشنا کراتی ہوئی خوبصورت کہانی

کہیں لب و گیسو کیسی پندار کا شیشہ ٹوٹ گیا جس کے لیے سب آرائش اس نے تو ہمیں دیکھا ہی نہیں

''مناہل صمد علی، مجھے آپ کی رونمائی کا قطعاً کوئی شوق نہیں۔ سن لیجیے! یہ شادی امی کی ضد اور میری ان سے بے پناہ محبت کا نتیجہ ہے۔'' وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بولا۔

''ماؤں کی ایموشنل قسم کی دھمکیاں ہونہہ'' اب کی بار تیمور سبکتگین بہت دھیرے سے بڑبڑایا تھا۔ ''میں بالکل آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا لہٰذا صاف صاف بتا رہا ہوں میں اپنی P.A فروا جلیل سے محبت کرتا ہوں۔''

وہ...... جو عروسی جوڑے میں گھنٹوں انتظار کی سولی پر چڑھی تیمور سبکتگین کی منتظر تھی۔ شاید سولی ہی تو دے دی گئی تھی۔ تیمور کے الفاظ اس کی سماعتوں میں دھماکے برسا رہے تھے۔ ہر ہر جملے پر اس کی آنکھیں حیرت و کرب سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ یہ کیسی شادی تھی جس نے اس کا خواب محل چکنا چور کر دیا تھا۔ سنہری سپنوں کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا اسے لگا جیسے کسی

رسالے کا افسانہ شروع ہوا ہو۔ وہ بھاری بھرکم مگر خوبصورت آواز میں دوبارہ گویا ہوا۔ ”مجھے شادی تو اپنی پی اے ہی سے کرنی ہے۔“ وہ لمحہ بھر کو رکا تو اسے محسوس ہوا جیسے اس کا دل بند ہو رہا ہو۔

”آپ جس وقت چاہیں گی آپ کو آزادی دے دی جائے گی۔“ سوچا سمجھا جملہ اس نے ہتھیار کے طور پر آزمایا۔

”نہیں۔ نہیں نہیں۔“ وہ بے ساختہ کہہ اٹھی اور اس کی جانب گھوم گئی۔ یوں بھی وہ اس کی پشت پر کھڑے ہو کر یہ سب کہہ رہا تھا اسے تو اس کی شکل تک دیکھنا گوارا نہ تھا مگر جب ”نہیں“ کہتے ہوئے اس نے مڑ کر تیمور کی جانب رخ کیا تو لحظہ بھر کو تیمور دم بخود سا رہ گیا۔ دوسرے شہر میں رہنے کے سبب بھی اس نے مناہل کو دیکھا ہی نہ تھا۔

وہ جو بے حد حسین تھی۔ انتہائی بڑی سی نتھ کے لیے خود تیمور نے منع کر دیا تھا۔ نفیس میک اپ نے اس کا حسن دوآتشہ کر دیا تھا۔ ستواں ناک میں زرقون کی لونگ دمک رہی تھی۔ آنسو لکیر کی صورت اس کے گالوں پر پھسل رہے تھے۔ ”آپ مجھے چھوڑیے گا مت پلیز، جیسا آپ چاہیں ویسا کر لیں۔ میں آپ کی خوشیوں میں کبھی رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ آپ کی خوشی میں خوش رہوں گی۔“

وہ تو یوں بھی بہت ٹوٹی ہوئی، محبت اور خوشیوں کو ترسی ہوئی بن ماں باپ کی بچی تھی۔ ہر صورت کمپرومائز کو تیار ہو گئی۔ کوئی بھی لمحہ ضائع کیے بغیر بہ آسانی راضی ہو گئی۔ ”آپ نے بھی مجھے نکال دیا تو میں کہاں جاؤں گی......!“

نہایت بے بسی سے کہہ کر وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ آخری جملہ سن کر لمحے بھر کو وہ پسیجا ضرور تھا حالانکہ وہ یہ جانتا تھا کہ مناہل مکمل طور پر بے قصور ہے لیکن فروا سے جدائی اور عائشہ بیگم کی ضد کے نتیجے میں ہونے والی شادی پر وہ خاصا تلملایا ہوا تھا۔

”ٹھیک ہے۔“ اس نے گویا احسان کرنے کے انداز میں کہا اور بہت گہری سانس کھینچ کر آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کاؤچ پر بیٹھ گیا جو مناہل کے جہیز کا نہیں تھا اور جسے دانستہ اس نے کمرے ہی میں رہنے دیا تھا۔

”مجھے آپ کی کسی بھی قسم کی مداخلت برداشت نہیں ہو گی۔ آپ کو اس گھر پر پورا اختیار ہو گا مگر مجھ پر کوئی اختیار نہ ہو گا۔“ وہ وار پر وار کر رہا تھا اور وہ اندر ہی اندر ریزہ ریزہ ٹوٹ رہی تھی۔ تیمور فروا سے جدائی کے سبب ملول تھا اس کی نظریں خلاؤں میں کچھ ڈھونڈ رہی تھیں بس ایک ہی نظر اس پر پڑی تھی تو دل کھنچتا ہوا محسوس ہوا تھا شاید نکاح کے دو بولوں کے سبب...... پھر دانستہ اس نے نظر نہ ملائی۔

”انگوٹھی امی نے آپ کے لیے بنوائی تھی۔“ اس نے مخملی ڈبیا اس کی جانب اچھالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”کاش تم نے دل ہی رکھنے کو اپنا نام لے دیا ہوتا۔“ مناہل نے بہت دکھ سے سوچا۔ ”میرا انتظار مت کیجیے گا۔“ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا اور وہ بت بنی حیران و پریشان اسے دیکھتی رہ گئی...... اٹھنا چاہا تو اٹھا نہ گیا اپنا وزن دگنا محسوس ہو رہا تھا بستر سے اتر کر دروازہ بند کرنے کی طاقت بھی سلب ہو چکی تھی۔

”یہ سب کیا ہو گیا؟“ وہ خالی خولی نگاہیں ادھر اُدھر دوڑانے لگی۔

”خالہ جانی، سب کچھ جانتے بوجھتے آپ کو شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ وہ خیالوں میں عائشہ بیگم سے مخاطب ہو کر سسکنے لگی مگر اس سارے معاملے میں، میں کیوں قصوروار گردانی گئی۔“ وہ سوچتی جاتی اور روتی جاتی۔

رات اور پھر تنہائی کی اپنی ایک الگ کیفیت ہوتی ہے۔ ایک نشہ ہوتا ہے اس کا ایک الگ ہی سرور ہوتا ہے۔ رت جگا منانے والے ہی اس سے واقف ہوتے ہیں وہ بھی رت جگا منانے والوں میں سے تھی۔ رات کو جب چچا اور پھوپی کے بچے سو جایا کرتے تب وہ رات دیر گئے تک جاگا کرتی تھی اور یادوں کا میلا لگایا کرتی تھی۔ اس رت جگے میں وہ ہوتی اور اس کے والدین کی دھندلی دھندلی یادیں

آنسو ہوتے آہیں ہوتیں۔ رونے والوں کو تنہائی سب سے زیادہ جو چیز مزہ دیتی ہے وہ ہے انہیں رونے کے لیے تنہا چھوڑ دینا...... آنسو نہ پونچھنا۔ آنسوؤں کی راہ میں کسی کا بھی مزاحم ہونا انہیں قطعی پسند نہیں ہوتا۔

اسی لیے آٹھ پہروں میں اسے یہی پہر پسند تھا جس کا پورے دن وہ انتظار کیا کرتی تھی۔ آج بھی ایسا ہی ایک رت جگا آ گیا تھا...... مگر یہ تو وہ رت جگا ہوتا ہے جس کا لڑکیوں کو انتظار ہوتا ہے اس میں ماضی کی کسی بھولی بھٹکی یاد کا کوئی جگنو نہیں گزرتا۔ اس رت جگے میں تو سب کچھ ”حال“ ہی ”حال“ ہوتا ہے۔

اس رت جگے میں تو خوشیاں ہی خوشیاں، سرور ہی ہوتا ہے۔ مسکراہٹیں ہوتی ہیں...... مگر اس کے لیے تو یہ رت جگا بھی آنسو اور آہیں لے کر آیا تھا وہ تیرہ برس کی تھی جب امی ابو کا جج سے واپسی پر کریش میں انتقال ہو گیا تھا۔ ننھیال میں صرف ایک ہی خالہ عائشہ تھیں جب کہ ددھیال میں ایک پھوپی اور دو چچا تھے۔ عائشہ بیگم نے بہن کے انتقال کے بعد بہت چاہا کہ اسے اپنے پاس کراچی لے آئیں لیکن ددھیال اور ننھیال کی نظری چپقلش کے سبب یہ ممکن نہ ہو سکا اور یوں وہ اپنی خالہ سے دور لاہور میں پھوپی اور چچاؤں کے رحم و کرم پر پل کر جوان ہو گئی۔

عائشہ بیگم سال دو سال بعد ایک چکر لاہور کا ضرور لگا آتیں تاکہ اس کا حال احوال پتا ہو سکے۔ بہن کے مرنے کے بعد ہی انہوں نے دل ہی دل میں اسے تیمور کے لیے منتخب کر لیا تھا جب عائشہ نے اس کا تذکرہ کیا تو تیمور نے دبا دبا انکار کر دیا تھا پھر عائشہ بیگم کی ضد اور زبردستی کے سبب اس نے صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ اپنی سیکریٹری کو پسند کرتا ہے یہ سنتے ہی عائشہ بیگم کی طبیعت بگڑ گئی انہوں نے تو اپنی بھانجی کو بسانے کا خواب دیکھا تھا جوان کے اکلوتے بیٹے نے چکنا چور کر دیا۔ انہوں نے اس واقعہ کو اتنا سیریس لیا کہ انہیں کارڈیو میں داخل ہونا پڑا۔

تیمور کو اپنی ماں بہت عزیز تھی جیسا کہ ہر اولاد کو ہوتی ہے مگر یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ تیمور کے باپ دوسری شادی کر کے کینیڈا جا بسے اور پھر کبھی پلٹ کر بیوی اور بیٹے کی خبر نہ لی مگر عائشہ نے ساری محبت، توجہ، پیسا، جوانی بلکہ سبھی کچھ اس پر لگا دیا تھا آج وہ انہی کا صلہ دے رہا ہے وہ بہت شرمندہ تھا۔

جوں ہی وہ ICU سے روم میں منتقل ہوئیں اس نے بہت سوچ سمجھ کر کیے گئے فیصلے کے مطابق بہت آہستگی سے انہیں خوشخبری سنائی۔ ”آپ جہاں چاہتی ہیں میری شادی کر دیں۔“ یہ جملہ شاید عائشہ کو نئی زندگی دے گیا تھا اور یوں عائشہ نے اس کے چچا سے اسے مانگ لیا۔ اس رشتے پر کسی نے انکار مناسب نہ سمجھا یوں بھی وہ ان کے گھر میں ناپسندیدہ کتاب کی حیثیت رکھتی تھی جسے پڑھنے والے شیلف میں رکھ کر بھول گئے تھے۔

☆☆☆

تیمور کو آئے گھنٹا بھر ہو گیا تھا مگر فروا مسلسل روئے جا رہی تھی اور وہ دھیرے دھیرے اسے منا رہا تھا۔ ”سب ٹھیک ہو جائے گا مجھ پر اعتبار تو کرو۔“

”اعتبار ہی تو کیا تھا...... سب کچھ ٹھیک تو ہو گیا یہ...... یہ سب ٹھیک ہی تو ہے......“ غصے سے فروا نے اس کی شادی کا کارڈ اس کے منہ کے سامنے نچایا۔

وہ خجل سا ہو گیا۔ کارڈ چھین کر پیچھے اچھال دیا۔

”دیکھو فروا میں نے تمہیں اعتماد میں لے کر ہی یہ شادی کی ہے۔ تمہیں تمام حالات کا علم تھا امی کی بیماری کا معلوم تھا۔ سب کچھ بتا دیا تھا کچھ تم سے نہیں چھپایا تھا میں نے تمہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ امی اپنی یتیم بھانجی کے سوا بہو کے روپ میں کسی کو قبول نہیں کریں گی۔“

لمحے بھر کے توقف کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔ ”تم حوصلہ رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”کیا ٹھیک ہو جائے گا؟“ وہ بہت غصے میں تھی اور ساتھ ساتھ آنسو پونچھتی جاتی تھی۔ ”تمہیں پتا ہے ممی

کتنا سخت ناراض ہیں تم سے...... وہ کہتی ہیں تم مجھے دھوکا دے رہے ہو؟"

"اور تم کیا کہتی ہو......؟" اس کی آواز اب بھی غمگین تھی وہ دو عورتوں کے درمیان سینڈوچ بن چکا تھا۔

"میں بھی اب یہی سمجھتی ہوں۔" اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تمہیں مجھ سے سرے سے محبت ہی نہیں...... آفس میں کس قدر میرا تماشا بنے گا اف خدا......" وہ پھر رونے لگی۔

"مجھے تم سے محبت نہیں ہوتی تو کیا میں آج شادی کی رات اپنی دلہن کو چھوڑ کر تمہارے پاس آتا؟" اس نے اسے کاندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا پھر بہت والہانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

فروا لمحے بھر کو روتے روتے رک گئی۔ تیمور مسکرا کر بولا اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "تم تسلی رکھو میں نے مناہل کو سب بتا دیا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہی سے شادی کروں گا۔ اس سے شادی محض امی کی ضد کا نتیجہ ہے۔" فروا حیرت سے اسے تکنے لگی۔ "پہلی ہی رات......" اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ "وہ کچھ بولی نہیں کیا......؟" وہ اب بھی حیران تھی۔

"نہیں......" اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "میں جانتا ہوں وہ ایک مجبور اور بے بس لڑکی ہے۔ اپنے ددھیال میں بھی فالتو شے کی حیثیت رکھتی تھی یہاں بھی اسی حیثیت میں رہنے کو تیار ہو گئی ہے۔" اس نے انتہائی کٹھور لہجے میں بتایا پھر فروا کی دلجوئی کے خیال سے کی گئی ڈھیر ساری شاپنگ کا بیگ اسے پکڑا دیا۔ "یہ سب تمہارے لیے ہیں۔" جسے فروا نے نہایت سرعت سے لے لیا۔ صبح کے چار بجنے والے تھے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "صبح آفس ضرور آنا مگر مسکراتا چہرہ لے کر کسی کو کچھ پتا نہ چلے" اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

صبح چار بج کر بیس منٹ پر وہ کمرے میں داخل ہوا تھا کمرے کا دروازہ اسی طرح کھلا ہوا تھا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا مناہل اسی طرح گھٹنوں پر سر رکھے آنکھیں موندے بیٹھی تھی جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ لمبی گھنی پلکوں کی جھالر لرز رہی تھی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز پر اس نے پلکیں اٹھا دیں۔ سامنے کی دیوار پر نصب وال کلاک پر نظر پڑی پھر بہت بے چارگی سے اس نے تیمور کو دیکھا مگر...... کچھ پوچھنے کی جسارت نہ کر سکی۔ "یہ معاملہ" تو اولین شب ہی طے پا چکا تھا اس کے بہت بے چارگی سے دیکھنے پر تیمور نے اس سے نظر چرا لیں کہ بہرحال وہ اس کا مجرم بن بیٹھا تھا۔ تکیہ اٹھا کر اپنے کاؤچ کی جانب بڑھ گیا گویا یہ ایک خاموش اعلان تھا کہ اب وہ یہاں سویا کرے گا۔ وہ حیرت سے آنکھیں پٹپٹاتی رہ گئی کچھ پوچھنے کی ہمت تھی نہ حوصلہ......

اگلی صبح جب عائشہ بیگم بھانجی کے پاس کمرے میں آئیں تو کمرا تو کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا نو بجے تیمور بغیر ناشتا کیے جا چکا تھا کاؤچ پر جہاں وہ چند گھنٹے ہی سو پایا تھا تکیہ رکھا تھا جسے عائشہ بیگم کی جہاندیدہ نظروں نے تاڑ لیا۔ گھر میں مہمان نام کا کوئی فرد تو رہا ہی نہیں کیونکہ خاندان میں ان کی صرف ایک بہن ہی تھی جو مر گئی تھی۔ ان کے سسرال والوں نے شوہر کے کینیڈا جاتے ہی ان سے مراسم انتہائی محدود کر دیے تھے تو ان کے گھر رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا دوسری طرف مناہل کے ددھیالی شادی کا فرض نبھا کر مہمانوں کی طرح رخصت ہو گئے تھے نہ ہی کوئی مناہل کے ساتھ آیا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی مناہل کے پاس آ گئیں۔ پوری رات رونے اور جاگنے کے باعث اس کی آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں۔ "بیٹی خیر تو ہے۔" انہوں نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ پوچھا۔ مناہل نے جواباً نظریں جھکا لیں۔ آنکھوں کے گوشے گیلے ہونے کو آئے۔

"تیمور نے کچھ کہا ہے کیا؟" ان کا یہ کہنا ہی غضب ہو گیا اس نے بہت ضبط کرنا چاہا مگر نہ کر سکی۔

...سو ...کایت کی صورت میں بہتے چلے گئے۔ اس کی ...ظروں میں نہ جانے کیا تھا کہ عائشہ بیگم کانپ اٹھیں ...سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ "بیٹی میں نے تمہارا بھلا ...چاہا تھا۔ یوں تو تمہیں اپنے پاس لا نہیں سکتی تھی، ...تمہارے ددھیالی کسی صورت میرے پاس نہیں بھیج ...تے بس یہی ایک طریقہ تھا سو میں نے وہی ...ا پنا لیا۔"

"تیمور کو اس لڑکی نے اپنے جال میں پھانسا ہوا ...ہے۔" انہوں نے خالص گھریلو عورتوں کی طرح جلے ...انداز میں کہا۔ "مجھے تو اس کا اور اس کی فیملی کا ...کردار بھی مشکوک ہی لگتا ہے بھلا کون شریف ماں ہو ...گی جو یوں اپنی بیٹی کو کسی لڑکے کے ہمراہ سرعام ...آزادی کے ساتھ گھومنے پھرنے دے، ماں بیٹی مل کر ...کھیل رہے ہیں، تیمور کو تو جب عقل آئے گی جب ...سب ختم ہو جائے گا۔ ہونہہ۔" انہوں نے دل کی ...بھڑاس نکال کر سر کو جھٹکا۔

"بیوی...... بیوی ہوتی ہے......" انہوں نے ...مناہل کو تسلی دیتے ہوئے اسے خود سے جدا کیا۔ "بس ...اپنے رب کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اس سے اپنے ...شوہر کی واپسی کی دعا مانگو کہ وہ بندوں پر بہت مہربان ...ہے اس سے بڑھ کر کوئی مہربان ہو ہی نہیں سکتا۔ میرا ...ایمان ہے وہ تمہارے شوہر کو ضرور تم تک پہنچا دے ...گا۔" عائشہ بیگم دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھنے لگیں۔

☆☆☆

آفس کا عملہ شادی کے اگلے ہی روز تیمور سبکتگین کو آفس میں دیکھ کر خوشگوار حیرت کا اظہار کر رہا تھا۔

وہ وقت پر آفس سے گھر لوٹ آیا تھا اور بے حد الجھا ہوا تھا آفس میں بھی وہ ڈسٹرب ہی رہا۔ فروا کی ...ناراضی الگ تھی۔ اس دن بوجھل قدموں سے واپس ...اپنے کمرے میں آ کر وہ کاؤچ پر لیٹ کر سو گیا۔ ...کافی دیر بعد جب وہ اٹھا تب عائشہ بیگم کمرے میں ...آ گئیں۔ "بیٹا کچھ دن کی چھٹی ہی لے لیتے۔" وہ ...سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہی تھیں۔ اس ...نے بہت شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ اپنی نظریں بچا گئیں۔ بہت شکایت تھی اس کی نظروں میں...... کتنی گلے دم توڑ گئے تھے، اس کی آنکھوں میں...... مگر ماں کی ازحد محبت اور ادب کے سبب وہ کچھ بول نہ سکا۔ "بیٹا کل تمہارا ولیمہ ہے۔ کل آفس مت جانا۔" وہ بہت جنجی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے انتہائی شائستگی سے ماں سے کہا۔

ولیمے والے روز وہ ایک منٹ کو بھی دلہن کے ساتھ اسٹیج پر نہ بیٹھ سکا اور بے دلی سے مہمانوں کو نمٹاتا رہا گو کہ جب اس کی نگاہ مناہل پر پڑی وہ اداس اداس سی آنکھیں لیے بے حد حسین لگ رہی تھی مگر فوراً ہی وہ نظروں کے زاویے بدل لیتا۔

☆☆☆

عائشہ بیگم بہت دلگیر تھیں اب یہ روز کا معمول بن گیا تھا وہ آفس سے گھر آنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سو جاتا پھر اٹھ کر فروا سے ملنے چلا جاتا اور رات گئے لوٹتا۔ کھانا، گھر میں کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا بس ماں کے اصرار پر ناشتا کر لیتا تھا۔

خالہ اور بھانجی اس کے آنے تک رات آنکھوں میں کاٹتے اس نے ماں کو تو بہت نرمی سے سمجھا دیا تھا۔

"امی یہ شادی آپ کی ضد کا نتیجہ ہے۔ میں بے حد بے چین اور ڈسٹرب ہوں۔ آپ میرا انتظار مت کیا کیجیے سو جایا کیجیے میں نہ تو آپ کی شان میں گستاخی کر سکتا ہوں اور نہ ہی آپ کو افسردہ دیکھ سکتا ہوں۔ پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" عائشہ بیگم آبدیدہ ہو گئیں اور اٹھ کر کمرے سے جانے لگیں۔

"پلیز امی!" اس نے ان کا کندھا چھوڑ کر نہایت محبت سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"تم کہتے ہو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ تمہارا مناہل کے ساتھ یہ رویہ اس کے ساتھ کیا جانے والا تمہارا ناروا سلوک یہ سب کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ وہ تو موم کی گڑیا کے مانند بن گئی ہے جو نہ بولتی ہے نہ شکایت کرتی ہے مگر ہے تو وہ بھی انسان...... کڑھتی تو ہو گی ناں۔ میرے

بارے میں کیا کچھ برا نہیں سوچتی ہوگی۔ میرے لیے کتنی بددعائیں جمع کر رکھی ہوں گی اس نے۔" عائشہ بیگم کے ایک کے بعد ایک آنسو لڑی کی صورت میں گرنے لگے۔

"قصوروار میں ہی تھی۔ میں نے ہی مناہل سے شادی کرنے پر اصرار کیا تھا مگر تم اسے کس جرم کی پاداش میں سزاوار ٹھہرا رہے ہو؟ جو ہو گیا اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرلو...... وہ تمہاری منکوحہ ہے اسے اس کا حق، اس کا درجہ تو دو......"

"نہیں۔ نہیں۔" اتنی لمبی تقریر پر تیمور نے بے ساختہ نفی میں گردن ہلا دی۔ "جو مقام فروا کا ہے اس پر مناہل کتنا ہی قبضہ کیوں نہ کرلے مگر وہ فروا کا مقام حاصل نہیں کرسکتی۔ پلیز امی...... آپ کے فیصلے نے تو مجھے توڑ پھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ اب جو بات میرے اختیار میں نہیں اس کے لیے مجھے مجبور نہ کریں۔ میں آپ کا ہر حکم مانوں گا یہ مجھ سے نہ ہوسکے گا۔" وہ انہیں چھوڑ کر ہونٹ کترتا ہوا واپس کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے۔" عائشہ بیگم تھکے تھکے قدموں سے اس کے کمرے سے نکل گئیں۔

آفس میں فروا اس سے اکھڑی اکھڑی رہتی وہ بہانے بہانے سے اسے کمرے میں بلاتا تو وہ کبھی رونے لگتی، کبھی لڑنے لگتی اور کبھی نخرے دکھاتی۔

وہ آفس سے گھر لوٹا تو لاؤنج میں مناہل اس کے کپڑے استری کر رہی تھی۔ مارے غصے کے وہ بے حال ہوگیا فوراً اس کے قریب آیا اور اپنے استری شدہ کپڑوں کا گولا بنا کر زمین پر دے مارا۔ don`t cross your limitation۔ لہجہ انتہائی سخت مگر آواز مدھم تھی کہ اسے اونچا بولنے کی عادت ہی نہ تھی مگر مناہل سہم کر دیوار سے جا لگی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی اور وہ پیر پٹختا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

"میں عنقریب تمہیں اچھی خبر سنانے والا ہوں۔" اس روز اس نے فروا کو کمرے میں بلا کر پہلا جملہ یہی ادا کیا۔

"اب کوئی خبر میرے لیے اچھی نہیں۔" وہ نازنخرے ہی اٹھوانا چاہتی تھی۔ اس نے جس ادا سے کہا تھا وہ تیمور کا دل لوٹ لے گئی تھی۔

"بس تھوڑا سا اور انتظار کرلو۔" اس نے فروا کی پیٹھ تھپکی۔

"میں بہت جلد تم سے شادی کرلوں گا مگر امی سے چھپ کر......" بہت دنوں بعد وہ شوخ ہوا تھا، بہت دنوں بعد وہ بھی مسکرائی تھی۔ تیمور سبکتگین نے پانچ پانچ سو کے چھ نوٹ اس کی جانب بڑھائے جسے بہت پھرتی سے فروا نے اچک لیا۔

"مجھے کچھ نئے سوٹ خریدنا ہیں۔" فروا بہت جلد مطلب پر آگئی۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں۔ کل چلتے ہیں۔"

"کل کیوں آج کیوں نہیں؟"

"سوری آج امی کا میڈیکل چیک اپ کروانا ہے۔" اس نے بہت نرمی سے اسے سمجھایا، مبادا محبوب پھر روٹھ جائے۔

"کل کروا لینا، کون سی ابھی ان کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" اس کی ماں کا ذکر تو گویا فروا کو کڑوی گولی لگتا تھا۔

"پلیز فروا۔" اس نے بہت چبا کر کہا۔ "امی کے کسی پروگرام کو میں مؤخر نہیں کرسکتا اور نہ ہی میں امی کے حوالے سے کسی سے کمپرومائزنگ کا قائل ہوں۔ پلیز بی کیئرفل۔"

ماں کے بارے میں فروا کے ریمارکس اسے قطعی پسند نہیں آئے جس کے سبب اس نے بہت غصے سے اسے گھرک دیا۔ ویسے بھی وہ عائشہ بیگم کے حوالے سے بہت ایموشنل واقع ہوا تھا۔

فروا خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

جب وہ گھر لوٹا تو امی کے ساتھ مناہل کو بھی تیار پایا۔ اسے سخت قسم کی کوفت ہونے لگی۔

"امی آپ اکیلی چلیں میں ہوں نا، آپ کے ساتھ۔" اس نے نام لیے بنا مناہل کی بے عزتی کر ڈالی۔ مناہل کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے۔ وہ کب جانا چاہتی تھی مگر خالہ جانی نے زبردستی اسے تیار کیا تھا۔

"نہیں بیٹا میں بہو کے ساتھ ہی جاؤں گی۔ اب تو خیر سے میں بہو والی ہوں۔ بھلا کیوں اکیلی جانے لگی۔" انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، جھٹ مناہل کو گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر خود پیچھے بیٹھ گئیں۔ چاروناچار اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، بہت خونخوار نظروں سے مناہل کو تکا اور بنا کچھ کہے گاڑی اسٹارٹ کردی۔

شادی کو تین ماہ گزر گئے تھے ان تین مہینوں میں اس نے ایک بار بھی مناہل سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی ہاں البتہ اب وہ رات کو اسے اپنے کمرے میں دیکھنے کا عادی ہو چلا تھا مگر سوتا وہ اب بھی اپنے کاؤچ پر ہی تھا۔ شروع میں ایک بار جب مناہل نے اس سے بیڈ پر سونے کے لیے اصرار کیا تب بہت سختی سے اس نے مناہل کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ جس کے بعد سے مناہل اس سے بالکل ہی سہم گئی تھی۔

وہ سخت کٹھور تھا۔ اسے بالکل ہی منہ نہ لگاتا تھا جب کہ مناہل کو علم تھا کہ وہ فروا کو دل دے بیٹھا ہے اس کے خانۂ دل میں کہیں بھی اس کا گزر نہیں وہ اس سے بات تک نہیں کرتا حتیٰ کہ اس کی جانب رخ بھی نہیں کرتا بالکل اسی طرح اسے نظرانداز کرتا ہے جیسے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو مگر پھر بھی مناہل کے دل کے گوشے گوشے میں وہی بستا تھا اس کے لیے تو اول بھی وہی اور آخر بھی وہی تھا۔ جب اچانک آدھی رات کو وہ سوتے سے اٹھ جاتی تب گھنٹوں اسے کاؤچ پر سوتے ہوئے دیکھتی رہتی۔ اس کا چہرہ اس کا وجود بھی کچھ اسے بہت عزیز تھا۔ ایسے میں ایک روز جب وہ بیڈ سے اتر کر اسے نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں یک ٹک تکے جا رہی تھی تب اچانک اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ تیمور نے اسے اتنے قریب پا کر بہت حیرت سے دیکھا تھا پھر اچانک بنا کچھ بولے اس کی سمت سے کروٹ بدل لی تھی اور وہ تھکے تھکے قدموں سے واپس بستر پر لوٹ آئی تھی۔ وہ تو اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اس سے بات ہی کرلے۔ اس کی سمت ہی دیکھ لے وہ سوچتی رہی اور دھیرے دھیرے روتی رہی۔

☆☆☆

آج وہ آفس سے فروا کے ساتھ اس کے گھر چلا آیا تھا۔ پروگرام کے مطابق آج رات کا کھانا باہر کھانا تھا۔ وہ حسب معمول ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا جب کہ فروا کپڑے بدلنے اندر کمرے میں چلی گئی تھی۔

فروا کی ممی نہایت بے دلی سے اس کے سامنے چائے رکھ کر اندر جانے لگیں تو اس نے انہیں سلام کیا جس کا بہت بے رخی سے انہوں نے جواب دیا اور اندر چلی گئیں۔

وہ اندر ہی اندر نادم ہونے لگا۔

"اب ان کے ساتھ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے پیچھا چھڑاؤ ان سے۔" ممی کی دبی دبی غصے بھری آواز اسے سنائی دی تو اس کے کان کھڑے ہوگئے۔

"شی" فروا نے انہیں خاموش کرایا۔

"کیوں چپ کراتی ہو۔ بس کہہ دو جا کر تمہیں کہیں نہیں جانا۔ اب کیا لینے آتے ہیں یہاں خود تو شادی کر کے بیٹھ گئے۔" ممی سخت غصے میں تھیں۔

"پلیز ممی چپ ہو جائیں بس کچھ ہی دنوں کی بات اور ہے۔" فروا نے انہیں خاموش کروایا پھر دونوں کی دبی دبی سرگوشیاں سنائی دیں مگر وہ کیا کہہ رہی تھیں تیمور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

فروا کی طبیعت خراب تھی، اس نے آفس سے چھٹی لے لی تھی۔ آج اس کی چھٹی کا پہلا دن تھا۔ یہ دن اس نے فروا کے بغیر گزارا تو اسے ادھورے پن کا احساس ہوتا رہا۔ وہ آفس سے جلدی اٹھ کر فروا کے گھر چلا آیا۔

جوں ہی اس نے اپنی گاڑی اس کے ایک سو بیس

گز کے پلاٹ پر بنے گھر کے سامنے روکی۔ عین اسی وقت اس کے گیٹ کے پاس کھڑی وائٹ چم چماتی کرولا فرّاٹے بھرتی ہوئی چلی گئی۔ وہ اپنی گاڑی سے اترا گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔

اس کا اس گھر میں کبھی پردہ نہیں رہا تھا وہ بلا کھٹکے جا سکتا تھا، سو اندر چلا آیا۔ پہلا کمرا ڈرائنگ روم ہی تھا۔ اس نے جوں ہی اندر قدم رکھا۔ سینٹرل ٹیبل مختلف انواع واقسام کے ریفریشمنٹ سے بھری ہوئی تھی جیسے ابھی ابھی کوئی چائے ناشتا کر کے اٹھا ہو۔

اسے بہت حیرت ہوئی پھر اس نے زور سے فروا کو آواز دی۔ ہڑبڑا کر فروا اس کے سامنے آ گئی تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ فروا خاصی کٹ میں تھی۔ ہونٹوں پر گہرے رنگ کی لپ اسٹک لگی تھی وہ کہیں سے بھی بیمار نہیں دکھ رہی تھی بلکہ بالکل فریش لگ رہی تھی جیسے کہیں سے گھوم پھر کر آئی ہو۔

”کہیں جا رہی ہو؟“ اسے حیرت کے جھٹکے لگ رہے تھے۔

”نن...... نہیں تو......“ وہ اسے بے وقت دیکھ کر گھبرا گئی۔

”کوئی آیا تھا؟“ اس نے باقاعدہ جرح کی۔ وائٹ کرولا دیکھ کر اس کا ماتھا پہلے ہی ٹھنک گیا تھا۔

”نن...... نہیں۔“ وہ صاف مکر گئی۔

”پھر یہ سب......؟“ اس نے ٹیبل کی جانب اشارہ کیا۔

”اوہ...... وہ...... دراصل......“ اب وہ خاصا سنبھل چکی تھی۔

”بھائی کا دوست آیا تھا۔“

”بھائی کا دوست......؟“ اس کے لہجے میں حیرت کا شائبہ تھا۔

”بھائی کا کون سا دوست ہے جو گھر تک اس انداز میں آ گیا؟“ وہ اب بھی حیران تھا اس نے فروا کی طرف استفہامی نظروں سے دیکھا۔ کیونکہ اتنے عرصے میں کبھی اس کے گھر اس کے بھائی کا کوئی دوست نہیں آیا تھا پھر اچانک آج...... جب کہ اس کا بھائی سعودیہ میں ملازمت کرتا تھا۔

”بات دراصل یہ ہے بھائی سے ممی ناراض تھیں۔ اب اس نے خود ہی رابطہ کر کے معافی تلافی کی ہے اور ممی کو اپنے دوست کے ہاتھ پیسے بھیجے ہیں۔ بھائی کے وہی دوست ہمارے گھر آئے تھے اور انہیں کے لیے یہ چائے وغیرہ کا انتظام کیا گیا تھا۔“ اب فروا مکمل طور پر اپنی گھبراہٹ پر قابو پا چکی تھی۔ بھائی کا دوست پیسے دینے آیا تھا جب کہ فروا کسی شوپیس کی طرح بجی سجائی اس سے ملی تھی۔ وہ بار بار سوچ رہا اسے تو یہاں بھی جھوٹ کی بو آ رہی تھی۔ وہ الجھتا تو ضرور رہا خود سے مگر اس نے فروا سے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ حتیٰ کہ اس نے یہ پوچھنا بھی مناسب خیال نہیں کیا کہ تم نے بیماری کا بہانہ بنا کر چھٹی کیوں لی ہے؟ فروا اسے مسلسل باتوں میں لگائے ہوئے تھی اور وہ صرف ”ہوں ہاں“ پر اکتفا کیے ہوئے تھا۔

”کل میری برتھ ڈے ہے۔“ فروا کو اچانک جیسے یاد آیا۔

”ہوں مجھے یاد ہے۔“ وہ اب بھی الجھا ہوا تھا۔

”میں نے وہی بریسلیٹ لینا ہے جو ہم دونوں نے پسند کیا تھا، ستائیس ہزار والا۔“ وہ اٹھلائی۔

”کل تو رقم دینا مشکل ہو جائے گا......“ ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ فروا تنک کر بولی۔ ”ہاں...... ہاں! اب تو خیر سے بیگم آ گئی ہیں۔ خرچے بہت بڑھ گئے ہیں جیبیں جھاڑ لیتی ہوں گی۔“ اس نے جلے بھنے انداز میں جاہل عورتوں کی طرح کہا جب کہ اس نے فروا پر پیسوں کے معاملے میں تنگی نہیں کی تھی بلکہ اور کشادگی کا مظاہرہ کیا تھا مبادا وہ کوئی برا خیال دل میں لے آئے۔

وہ پہلی بار اپنے غیر شریفانہ اور غیر اخلاقی رویّے پر چونکا۔ ”پیسے...... خرچہ...... جیب جھاڑنا...... نہیں نہیں۔ شادی کو چھ ماہ ہو گئے ہیں۔ اس نے تو آج تک مجھ سے کوئی خرچہ ہی طلب نہیں کیا ہے۔“ اپنی شادی شدہ زندگی میں اسے پہلی بار احساسِ ندامت ہوا۔ وہ بھی تو عورت تھی پھر یہ کہ اس کی شرعی بیوی تھی۔ تیمور کے پیسے پر پورا پورا حق رکھتی تھی جب کہ اس نے تو آج تک اس سے کوئی پیسا مانگا ہی نہیں تھا اور نہ ہی کبھی تیمور نے اسے دیا۔ بات تو فروا نے طنز میں کی تھی مگر اسے جھنجوڑ گئی تھی۔

اسے اپنی غلطی کا احساس دلا گئی تھی جو اس سے نادانستگی میں ہو رہی تھی۔ وہ وہاں سے خاموشی سے اٹھ کر گھر چلا آیا۔ فروا نے بھی اسے نہیں روکا جس کا تیمور نے نوٹس بھی لیا۔

گھر میں داخل ہوا تو دیکھا تو امی نماز پڑھ رہی تھیں۔ وہ وہیں بیٹھ گیا۔ عائشہ بیگم کو بغور دیکھا، کس قدر نور تھا ان کے چہرے پر اور کیوں نہ ہوتا نور، آخر کو انہوں نے ایک پاکیزہ زندگی گزاری تھی۔ وہ رات کو کتنا ہی دیر سے گھر لوٹتا مگر جب تک ماں کو دیکھ نہ لیتا، خواہ سوتے ہوئے ہی اپنے کمرے میں نہیں جاتا تھا۔

عائشہ بیگم نے سلام پھیر کر خوشی کے اظہار کے طور پر اسے خود سے لپٹا لیا۔ ”چاند شہزادے آج جلدی کیسے گھر لوٹ آئے؟“ وہ اسے معمول سے پہلے گھر میں دیکھ کر خوش بھی ہو رہی تھیں اور حیران بھی...... پر وہ کچھ نہیں بولا بس مسکراتا رہا۔ ”کھانا لگواؤں؟“ امی کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کھانے کے دوران گاہے بگاہے وہ ماں سے نظریں بچا کر مناہل پر ڈال لیتا تھا۔ وہ اسے قطعی ایک صابر عورت نظر آئی۔ آج تو مناہل پر اسے ڈھیروں پیار آ رہا تھا ورنہ تو وہ سمجھتا تھا کہ عورت ذات پیسے کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ وہ کھانا تو ضرور کھا رہی تھی مگر خیالوں میں الجھی، گم صم سی...... کھانے سے فارغ ہو کر عائشہ بیگم نے زبردستی دونوں کو آرام کرنے کی غرض سے کمرے میں بھیج دیا۔ آج وہ بے پناہ خوش تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا ان کی دعائیں قبول ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ وہ رات میں حسب معمول اپنے کاؤچ پر جا لیٹا اس نے چوری چوری ترچھی آنکھوں سے اسے دیکھا وہ سفید نائٹ گاؤن میں اسے بہت دلکش لگی۔ وہ آہستگی سے اپنا کام کر رہی تھی۔ بال سلجھا کر ڈھیلی ڈھیلی چوٹی باندھنے کے بعد وہ بیڈ پر لیٹ گئی کچھ دیر چھت کو گھورتے رہنے کے بعد وہ گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ یوں بھی آج اس نے تمام کچن کی کیبنٹس وغیرہ صاف کی تھیں اور وہ بے حد تھک گئی تھی۔

یہ اطمینان کر لینے کی بعد کہ مناہل سو چکی ہے وہ دبے پاؤں اٹھا اپنے وائلٹ سے پانچ ہزار روپے نکال کر اس کے تکیے کے پاس رکھ دیے۔

آج وہ بے خبر سو گئی تھی اور وہ جاگ رہا تھا۔ بہت قریب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ لمبی لمبی گھنیری پلکیں، بہت خوبصورت ناک جس میں روزِ اول سے ہی زرقون کی لونگ دمک رہی تھی۔ وہ یک ٹک اسے تکے چلا گیا۔ وہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کے چہرے پر سب سے خوبصورت اس کی ناک ہے یا آنکھیں۔ اس کی گھنی لمبی چوٹی بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی جسے اس نے بہت آہستگی سے بیڈ کے اوپر کیا۔

وہ بہت محویت سے اسے تک رہا تھا وہ یقیناً قدرت کا بہترین شاہکار تھی جس کی اس نے بے حد ناقدری کی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اس پر جھکا مگر جب بہت قریب پہنچ گیا تو ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اور واپس اپنے کاؤچ پر چلا آیا۔

☆☆☆

آفس میں اب اسے فروا کی غیر حاضری کچھ زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی ...... بلکہ اس نے اتنے عرصے میں پہلی بار خود کو نہایت مطمئن محسوس کیا۔ آہستہ آہستہ اسے سب کچھ معمول کے مطابق لگنے لگا تھا۔ اب نہ ہی وہ خود فروا کے لیے بے چینی محسوس کرتا تھا۔ اب اکثر جلد گھر آنے لگا تھا اس نے محسوس کیا کہ کبھی کبھار مناہل کار پورچ میں سیڑھیوں پر بیٹھی اس کی منتظر ہوتی ہے۔

آج جب وہ گھر لوٹا تو عائشہ بیگم کسی ملنے والے کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ مناہل ٹی وی لاؤنج میں ریموٹ لیے بیٹھی تھی۔ ٹیلی ویژن آن تھا مگر وہ

خلاؤں میں نہ جانے کیا تلاش کر رہی تھی وہ پورے گھر میں ماں کو ڈھونڈ آیا پھر ہمت کر کے اسے مخاطب کرنے کے لیے گلا کھنکارا۔

وہ چونکی پھر کچھ گھبرا گئی۔

''امی کہاں ہیں؟'' وہ شادی کے بعد شاید دوسری بار نرمی سے اس سے مخاطب ہو رہا تھا۔ ورنہ تو شروع میں جب بھی وہ بات کرتی یا تو وہ جواب ہی نہ دیتا یا جھڑک دیتا۔ آہستہ آہستہ منابل نے اس سے خود سے بات کرنا بالکل ہی ترک کر دیا تھا۔ غیر محسوس طور پر دوری اختیار کر لی تھی۔ یوں بھی اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا کہ اگر وہ مسلسل اسے منانے کی کوشش کرتی رہی تو غصے میں وہ اسے گھر ہی سے نہ نکال دے۔

اس کا امی کو پوچھنا، منابل کو ایسے لگا جیسے اس سے کوئی نامحرم مخاطب ہے۔ اس کے تو پسینے چھوٹ گئے۔

''وہ گئی ہوئی ہیں۔'' اس نے تھوک نگل کر بہ مشکل جواب دیا۔

وہ ہولے سے مسکرایا۔ اسے بھی تو اپنی بیوی سے بات کرتے ہوئے گھبراہٹ ہو رہی تھی مگر وہ سنبھل گیا۔ مرد تھا..... ''چائے مل جائے گی.....''

''جی'' اور وہ بجلی کی سی سرعت سے اٹھ کر کچن میں بھاگی۔ تیز آنچ پر کیتلی رکھی۔ آج تو اسے کیتلی کے جل جانے کا بھی کچھ خوف نہ تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ کچے پانی ہی میں پتی ڈال کر اپنے محبوب کو دے دیتی اور یہ سب جلدی اسے محض اس لیے تھی کہ کہیں وہ دیر سے چائے لے کر پہنچے اور وہ پینے سے انکار کر دے۔

کمرے میں اسے چائے لیے کھڑا دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اتنی جلدی بھی چائے بن سکتی ہے۔ اس نے مسکرا کر سوچا اور چائے لے لی۔

منابل کے ہاتھ بہت واضح طور پر کپکپا رہے تھے۔

☆☆☆

فروا نے آفس سے مزید چھٹی لے لی تھی۔ وہ جب بھی فروا سے ملنے جاتا وہ بہت بے رخی سے ملتی۔ اس کی ماں تو اسے دیکھتے ہی تیوری پر بل ڈال لیتی۔ وہ عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا۔

اس روز بھی اسے وائٹ کرولا کو دیکھ کر اس کا منہ کڑوا ہو گیا وہ باہر ہی سے واپس پلٹ آیا پھر یوں اکثر ہونے لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ فروا اس کی غیر حاضری کا بالکل کوئی نوٹس نہیں لیتی ہے بلکہ کبھی وہ مل بھی جائے تو فروا کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ پیسے یا تحفے دے کر فوراً ہی چلا جایا کرے۔ اکثر اپنے نہ ہونے کا بہانہ کروا دیتی تھی۔

دوسری جانب منابل اتنے ہی سلوک پر بہت خوش رہنے لگی تھی اور ساتھ ہی عائشہ بیگم بھی کچھ محسوس کر رہی تھیں۔

''منابل!..... منابل!'' انہوں نے اسے کئی آوازیں دے ڈالیں۔ وہ بھاگم بھاگ چلی آئی۔

''جی خالہ جانی.....'' انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

''بیٹی میرا دل کہتا ہے کہ تجھ میں اور تیرے شوہر میں کم ہی فاصلہ رہ گیا ہے۔'' بے حد اپنائیت سے انہوں نے کہا۔ ''جا بیٹی رب سے اپنے شوہر کو مانگ لے۔ وہ جو کہتا ہے۔ وہ مجبور کی سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور حاجت روائی کرتا ہے۔'' انہوں نے ایک قرآنی آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹی یوں بھی تجھ میں بندہ اللہ تعالیٰ سے کچھ زیادہ ہی فریب ہوتا ہے۔ مانگ لو اس سے گڑگڑا کر، رو رو کر، عاجزی سے انکساری سے وہ ضرور دے گا۔'' یہ کہتے کہتے عائشہ بیگم نے اسے سینے میں بھینچ لیا اور رونے لگیں۔

فروا اور اس کی ممی کی بے رخی تیمور کو بہت کھلنے لگی تھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔ تب اسے عائشہ بیگم کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔ ''بیٹا جو عورت آج تمہارے ساتھ گھوم رہی ہے وہ کل کو تم سے زیادہ دولتمند ملنے پر اس کے ساتھ ہو گی۔'' کبھی امی فروا اور اس کی ممی دونوں کو بدکردار کہتی تھیں۔ امی کی ساری باتیں اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے

لگیں۔ تب ایسے میں اس نے فروا کو آزمانے کی غرض سے بہت رات گئے گاڑی کا رخ اس کے گھر کی سمت موڑ دیا۔ باہر وہی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ تلملا گیا اور اس کے جانے کا انتظار کرنے لگا اس نے اپنی گاڑی خاصے فاصلے پر روک لی تھی۔ رات گہرے اندھیرے میں ڈوب چکی تھی وہ انتظار کرتے کرتے... تھک گیا تھا اس نے واپسی کا خیال کیا تھا کہ فروا کے گھر کے گیٹ کھلنے کی آواز پر رک گیا۔ گیٹ کھلا اور فروا اسی نوجوان کے ساتھ کسی بات پر قہقہے لگاتی ہوئی باہر برآمد ہوئی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی بہت تیزی سے نامعلوم سمت کی جانب روانہ ہو گئی۔ وہ مارے غصے کے پاگل ہو رہا تھا۔ اس کا جی چاہا یا تو وہ اپنی گاڑی بھی اسی گاڑی کے تعاقب میں لگا دے یا پھر اندر جا کر فروا کی ماں سے دوٹوک بات کرے۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہوا جا رہا تھا پھر اس نے گاڑی سے اتر کر فروا کی ممی سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے گھر کی سمت قدم بڑھا دیے۔ گیٹ بند ہو چکا تھا اس نے کال بیل دبائی۔

دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ ممی نے رات گئے اسے دیکھ کر منہ بنایا۔ وہ گیٹ کو ہلکا سا دھکیل کر ڈھٹائی سے اندر آ گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ممی کو اس کے لیے راستہ بنانا پڑا..... آج بھی ڈرائنگ روم کسی کی آمد کا احساس دلا رہا تھا۔

''فروا کو بلائیے۔'' وہ بالکل انجان بن کر بولا۔

''فروا ہمارے رشتے داروں کی شادی میں گئی ہے۔'' ممی نے سفید جھوٹ بولا۔

''کب؟ کس کے ساتھ؟''

''صبح میں خود اسے چھوڑ کر آئی تھی۔'' وہ ممی کے جھوٹ اور ڈھٹائی پر تلملا اٹھا۔ ''وہ تقریباً ہفتہ بھر وہیں رہے گی۔''

لو قصہ ہی پاک ہوا...'' اس کا مطلب ہے پورے ہفتے کی چھٹی؟'' وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ ''شادی میں تو پیسوں کی شدید ضرورت ہو گی اسے۔'' اب وہ لطف اندوز ہونے لگا تھا۔

''ہاں کہہ تو رہی تھی۔'' ممی کا لہجہ ایک دم ہی بدل گیا۔ ورنہ اتنی دیر سے وہ جان بوجھ کر کمرے میں کھڑی تھیں تاکہ وہ جلد از جلد چلا جائے مگر اب مکاری سے بہت میٹھا لہجہ بنا کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''ٹھیک ہے جب ملاقات ہو گی تبھی پیسے بھی دے دوں گا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اندازاً کتنے روپوں سے کام چلے گا؟'' اس نے جیب میں ہاتھ ڈال لیے۔

''تیمور بیٹا! شادی میں تو جتنے بھی ہوں کم ہی ہوتے ہیں۔ کم از کم دس پندرہ ہزار تو ہوں.....'' اب لہجے میں حد درجہ مٹھاس تھی بلکہ شہد گھلا ہوا تھا۔

''وہ اپنی سیکری تو لے ہی چکی ہے اب اس کے اکاؤنٹ میں چند سو ہی ہوں گے۔ اس سے کہیے گا آفس آ کر لے لے اور انہی سے کام چلا لے۔'' وہ بھی مرد تھا عورت سے کہیں زیادہ شاطر، مکار اور موقع شناس..... بھی مسکرا کر جانے لگا۔

جاتے جاتے ''خدا حافظ'' کہنے کے لیے جان بوجھ کر مڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ اسے کھسیانی بلی کم اور بپھری شیرنی زیادہ دکھائی دیں پھر اس کے بعد فروا تو آفس نہ آئی مگر اس کا استعفیٰ ضرور آ گیا۔

☆☆☆

وہ کئی دنوں الجھا اور بے چین رہا اور فروا کو بے وفائی کا الزام دیتا رہا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ شادی اس نے پہلے کی لیکن فروا کو اعتماد میں لے کر.....

اس دن بھی آفس سے وہ لانگ ڈرائیو پر نکل گیا۔ بے مقصد گھومتا رہا آج اسے عائشہ بیگم کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔ ''بیٹا جو لڑکی شادی سے قبل تمہارے ساتھ گھومتی پھرتی ہے کل کو کسی اور دولتمند کے ساتھ نظر آئے گی۔'' یہی نہیں بلکہ فروا نے بیماری کا بہانہ بنا کر چھٹی لے لی اور اس دوران بھی وہ تیمور سے رقم اینٹھتی رہی پھر اسے یاد آیا آفس میں اس کے اپائنٹمنٹ کے وقت بھی وہ کسی امیر کبیر باپ کے بیٹے کے ساتھ گھومتی تھی جس نے اپنی شادی کے بعد فروا کو چھوڑ دیا تھا تو فروا نے اسے جال میں پھانس لیا تھا۔

تمام باتیں سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا اس نے قریبی ریستوران کے پاس گاڑی روکی اور کافی پینے اندر چلا گیا۔

☆☆☆

رات گئے وہ گھر میں گھسا۔ مدھم قدموں سے مالی کے کمرے میں آ کر ان کا دیدار کیا پھر بہت آہستگی سے کمرے کا دروازہ بند کیا اور دبے قدموں اپنے کمرے میں داخل ہوا یوں جیسے کوئی چور ہو۔ نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں بے خبر سوئی منال کسی گڑیا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ وہ شرمندہ تو تھا ہی بہت آہستگی سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ بے خبر سو رہی تھی جونہی منال نے کروٹ لی۔ پرفیوم کی بھینی بھینی مہک نے اسے چونکا دیا۔ ''کون اس کے بستر پر ہو سکتا ہے؟'' گھبرا کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''آ..... آپ۔'' تیمور کو اپنے اتنے قریب محویت سے تکتا پا کر وہ ایسے گھبرا اٹھی جیسے وہ اس کا شوہر نہ ہو کوئی نامحرم ہو جو چپکے سے چوری چھپے کمرے میں چلا آیا ہو۔

''شی..... آہستہ۔'' اس نے گھبرا کر انگشت شہادت کو اپنے لبوں سے لگا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا مبادا منال ڈر کر آواز سے چیخے اور امی جاگ جائیں۔ منال کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے خلق کے راستے باہر آ جائے گا۔

''یوں ٹکر ٹکر کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا نظر لگاؤ گی..... یا کچا چبانے کا ارادہ ہے!'' تیمور شوخی پر اتر آیا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے آج اس کی تمام تھکن اتر گئی ہو۔

اس نے بے ساختہ نفی میں گردن ہلا دی اور دھیرے دھیرے کھسک کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ ابھی تک گھبرائی ہوئی تھی۔ معاملہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تیمور میں ایکا ایکی یہ تبدیلی، یہ انقلاب کیسے رونما ہو گیا تھا۔

''بیٹی صبر اور نماز کو پکڑ لو اِنّ اللہ..... کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرنا ہے..... تو جان رکھو بیٹی ہر شے اپنے مرکز پر پلٹتی ہے تیمور بھی تمہارے پاس لوٹے گا۔'' خالہ جانی کے رو رو کر کہے جملے اس کی سماعتوں میں بازگشت کر رہے تھے۔ ''کچھ سمجھیں.....؟''

''کیا'' تیمور سکینن نے اسے سوچوں میں گم پا کر ہولے سے سر ہلایا تو وہ چونکی اور بے دھیانی میں اس نے اب بھی نفی میں گردن ہلا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

''لوٹ کے تمہارا بدھو گھر کو آ گیا ہے۔'' اس نے جو بریسلیٹ فروا کے لیے خریدا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پہنا دیا۔

''یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ ہے..... جو بہت دیر سے مل رہا ہے۔'' آخری جملہ اس نے اس کے انتہائی قریب آ کر سرگوشی میں ادا کیا۔

اب کی بار منال کے لبوں پر بھی شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیا معافی مل جائے گی؟'' تیمور نے اپنے صرف ایک ہاتھ کو معافی کے انداز میں اٹھا کر اس کی آنکھوں کے سامنے کیا۔ منال جواب تک ٹرانس کی کیفیت میں تھی ایک دم چونک کر تیمور کا ہاتھ لپک کر آنکھوں سے لگا لیا۔

اس کے جذب کا یہ عالم دیکھ کر تیمور نے وارفتگی سے اسے اپنے قریب کر لیا۔ ''ارے بھئی بہت زور کی بھوک لگی ہے۔''

منال نے کسمسا کر خود کو چھڑانا چاہا پھر بہت حیرت سے پہلے وال کلاک کو جو رات کے دو بجا رہا تھا پھر تیمور کو دیکھا۔ ''بھوک.....؟''

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو تمہیں معلوم نہیں بھوک کا کوئی ٹائم نہیں ہوتا وہ تو بس.....'' یہ کہتے ہوئے وہ نظروں سے پیار لٹاتا گیا اور اسے مزید اپنی گرفت میں لے لیا۔

منال نے اپنا آپ اس کے حوالے کر دیا جو اس کا مجازی خدا تھا اور اب اس کی دعاؤں اور صبر کی انتہا کا ثمر اس کے سامنے تھا۔

* *

محبت مان ہوتی ہے

ان مدھ بھری آنکھوں میں کیا سحر تھم تھا
نظروں میں محبت کی دُنیا ہی سمٹ آئی

علیزہ احمد

افسانہ

محبت کرنے والے دلوں کو مان بخشتا خوبصورت افسانہ

''یہ کارپٹ یہاں سے کس نے موڑا ہے؟'' وہ درشت لہجے میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''الٰہی خیر۔'' رخسار دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی بیڑی سے بیڈ روم کی طرف بڑھی۔ وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اکھڑا اکھڑا سا..... غصہ ناک پر دھرے درشت انداز لیے۔

''کہاں سے مڑا ہے؟'' اس نے دیکھنے کی کوشش کی۔

''اب محترمہ کو یہ بھی میں ہی بتاؤں کہ آپ نے غلطی کہاں کی ہے۔'' اس کا انداز مزید تیکھا اور لہجہ کچھ زیادہ ہی کڑوا ہو گیا۔

''میں دیکھ لیتی ہوں۔'' وہ حسب عادت گھبرا گئی تھی۔

''اگر یہ آنکھیں پہلے ہی استعمال کر لی جاتیں تو یہ بے ترتیبی نہ ہوتی۔ تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ جہالت اور بے پروائی کے یہ نمونے مجھ سے برداشت نہیں ہوتے اس کے باوجود تم ہر وقت ایسے ہی شاہکار میرے سامنے پیش کرتی رہتی ہو۔'' وہ بھلا

ادھار رکھنے کا کب قائل تھا کھری کھری سنا دیں۔
رخسار کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے وہ جھک کر دروازے کو ٹھیک کر کے کارپٹ کا کونہ نکالنے لگی جو ذرا سا مڑا ہوا تھا۔ اس نے سر جھکا کر بہتے آنسو کو شوہر سے چھپانا چاہا تاکہ اس کا پارہ مزید ہائی نہ ہو مگر اس کی تیز نگاہیں بھانپ چکی تھیں۔
''بس رونا شروع...... اسی بات پر مجھے بے حد غصہ آتا ہے۔ تمہیں ذرا سی بات کہی اور رونا اسٹارٹ۔ وہ مرد دوسرے ہوتے ہوں گے جو عورتوں کے اس ہتھیار سے زیر ہو جاتے ہوں گے مجھے روتی بسورتی شکلوں سے سخت نفرت ہے سنا تم نے۔'' وہ زہر انڈیل کر چلا گیا۔ رخسار کا سر جھکا ہوا تھا۔
''جب تمہیں پتا ہے اپنے میاں کی عادت کا تو پھر دیکھ بھال کر کام کیوں نہیں کرتیں۔ میرا بچہ جب غصے میں بھرا جاتا ہے تو میرا دل ہولتا رہتا ہے...... اے تمہارا کیا ہے کوئی دوجا ڈھونڈ لو گی میرا تو اکلوتا بچہ ہے اپنے جگر کا خون پلا کر اس کو پالا ہے۔ راتوں کو جاگی ہوں مگر تمہیں کیا احساس۔ تم تو بے پھل کی ہو۔ ماں بنو گی تو پتا چلے گا۔''
شوہر کے جانے کے بعد ساس سر پر سوار ہو گئی تھیں، زخموں پر نمک چھڑنے کے لیے...... ایک سانس میں کئی کئی کمزوریوں پر طعنے دینے میں شاید پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر رکھی تھی۔ رخسار کا نازک دل خون ہو گیا۔ بے اولادی کے طعنے نے اس کے دل کو چیر دیا تھا وہ تڑپ اٹھی تھی مگر کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔ بس چپ چاپ اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔
''ڈھیٹ کہیں کی۔'' ساس دوبدو جنگ کر کے لطف اندوز ہونے کی عادی تھیں۔ اپنی ساس کے ساتھ بھی ساری عمر معرکہ گرم رکھا اور گھر کو میدانِ جنگ بنائے رکھا۔ اب بہو کی خاموشی انہیں بری طرح کھلتی وہ طعنے دے دے کر اسے لڑنے پر اکساتیں مگر وہ آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ کام کیے جاتی کبھی پلٹ کر جواب نہ دیتی۔ وہ بے مزہ ہو جاتیں، اب بھی یہی ہوا تھا۔

☆☆☆

''کیا کر رہی تھیں دروازے پر'' صفیہ بیگم اپنی گول گول شاطر آنکھیں گھما کر تفتیش کرنے کے سے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔
''ج ج...... جی وہ سبزی لے رہی تھی۔'' رخسار ہمیشہ ان کے گھورنے سے سہم جاتی۔ ''سبزی لے رہی تھیں یا کھیت کا پتا پوچھ رہی تھیں۔ سبزی والا تیرے میکے کی طرف سے آیا تھا جو یوں ٹھٹھے لگ رہے تھے۔'' وہ درشت لہجے میں بولیں۔
''میں ہنس تو نہیں رہی تھی۔''
''اچھا تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں'' انہوں نے آنکھیں نکالیں۔ وہ چپ چاپ ٹوکری اٹھا کر کچن میں آ گئی جہاں اسے آلوؤں کا بھرتا بنا کر روٹیاں بنانی تھیں ساتھ کیری کی چٹنی اور تلی ہوئی مرچیں بھی، کام زیادہ تھا وہ کچن میں آ کر آلو دھونے لگی۔
''سن ری ڈھیٹ ہڈی تو کیا مجھے پاگل سمجھتی ہے میرے گھر میں یہ سین پاٹ نہیں چلیں گے چٹیا پکڑ کر موصل سے منہ کچل دوں گی تیرا۔'' وہ جارحانہ انداز میں اس کے پیچھے آئی تھیں۔
''میں نے کیا کیا ہے'' سخت گرمی، کام کا بوجھ اوپر سے فضول کی چخ چخ...... اس کا سر چکرانے لگا تھا۔
''یہ جو گھنگنیاں ڈال کر میسنی بنی رہتی ہے نا تو میں سب جانتی ہوں۔'' وہ مکارانہ انداز میں بولیں۔ رخسار نے آلو دھو کر ابلنے کے لیے رکھ دیے اور سبز پیاز کاٹنے لگی۔ صفیہ بیگم نے بے دردی سے بازو پکڑ کر جھٹکے سے اپنی سمت موڑا۔ وہ پوری ہل گئی۔
''یاد رکھ آئندہ کسی بھی مرد سے بات کرنے کی کوشش بھی کی تو راحیل کو بتا دوں گی پھر وہ تیرا جو حشر کرے گا وہ بھگتنا۔'' وہ دھمکی دیتے ہوئے نکل گئیں۔ رخسار سر پکڑ کر رہ گئی۔
صفیہ خاتون نے ساری زندگی ساس نندوں

جھگڑتے جہالت بھرے ماحول میں گزاری تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر طعنے تشنے دینا الزام لگانا جھوٹی قسمیں کھانا عام سی بات تھی، جہاں قرآن کو راہِ ہدایت سمجھ کر نہیں بلکہ کسی بھی جھگڑے میں منصف بنا کر آرام سے اٹھا لیا جاتا تھا اور دوسرے فریق پر بھی اصرار کیا جاتا کہ وہ معمولی باتوں پر قرآن اٹھائے اس کے انکار کی صورت میں اسے مجرم گردانا جاتا۔ اسلام صاحب ایک بااصول انسان تھے۔ راحیل ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ماں کے جاہلانہ رویوں سے دل برداشتہ ہو کر وہ خاصا تلخ مزاج ہو گیا تھا۔ اسلام صاحب کی لگن اور کوشش کے سبب وہ اچھی تعلیم حاصل کر کے ایک معروف کمپنی میں کام کر رہا تھا۔ بچپن سے ہی والدین کے درمیان پیدا ہونے والی رنجشوں نے اس کے لہجے میں کڑواہٹ بھر دی تھی جس میں ہنوز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔
اسلام صاحب کے ایک بہت اچھے دوست اقبال ان کے گھریلو حالات سے اچھی طرح واقف تھے لیکن سب جاننے کے باوجود انہوں نے اپنی پڑھی لکھی سلجھی ہوئی نازک سی بیٹی کا رشتہ راحیل کو دینے میں تامل نہ کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ راحیل تلخ مزاج سہی لیکن ایک شریف باکردار اور محنتی لڑکا ہے۔ رخسار کے دلہن بن کر آنے کے بعد اسلام صاحب نے سکون کا سانس لیا کہ ایسی ہستی ملی جو ان کی خدمت کرتی تھی اور ان کی باتوں کو سمجھتی تھی۔ شوہر کی زبان سے بہو کی تعریفیں صفیہ جیسی خاتون کے حسد و جلن میں اضافہ کر گئیں اور یہیں سے محترمہ نے رخسار سے خواہ مخواہ کا بیر باندھ لیا۔ جب بیٹا بہو کو دیکھ کر ان کے دل میں پھول کھل جاتے آخر انہوں نے بھی تو ساری عمر ساس اور شوہر سے جھڑکیاں ہی کھائی تھیں تو اب بھلا وہ بیٹے کو پھول برساتے کیسے دیکھ سکتی تھیں یہ الگ بات تھی کہ شوہر کی یہ جھڑکیاں بھی کارگر نہ ہوئیں۔ اس وقت وہ یہ بھول جاتی تھیں کہ ان کے ناروا رویے سے ہی گھر جہنم کا نقشہ پیش کرتا تھا۔

راحیل نے ہمیشہ ماں کو باپ پر حاوی دیکھا تھا سو وہ لاشعوری طور پر رخسار سے نرم لہجے میں بات نہ کر پاتا تھا کہ مبادا وہ بھی اس پر حاوی ہو جائے اور وہ زن مرید کہلانے لگے سو بیوی کو دبا کر رکھنا اس کی لاشعوری کوشش تھی۔ یہ نہیں تھا کہ اسے رخسار سے محبت نہیں تھی۔ وہ ایک مہربان ذمے دار اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی وہ اس کی خوبیوں کا دل سے معترف تھا مگر اظہار کرنے میں تذبذب کا شکار تھا۔ رخسار کے سامنے اس کا اکھڑ اور بدمزاج روپ ہی سامنے آیا تھا۔ جسے وہ سہہ رہی تھی۔

☆☆☆

''السلام علیکم بھابی! کیسی ہیں آپ؟'' وہ آواز پہچان کر خوش ہو گئی۔
''وعلیکم السلام۔ سسرال جا کر تم تو بالکل ہی لاتعلق ہو گئی ہو جیسے ہم تمہارے کچھ لگتے ہی نہیں۔'' بھابی کی ناراض سی آواز ابھری رخسار کے نین ساون بننے لگے۔
''آپ لوگوں کو میں کیسے بھول سکتی ہوں بس ذرا......'' آواز نے جیسے ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہو جب کسی اپنے کی آواز کانوں کے ذریعے دل میں اترتی ہے تو آنکھیں یونہی نم ہو جاتی ہیں۔
''ہاں ہاں! سنا دو سارے افسانے مصروفیت کے۔'' انہوں نے بات کاٹ دی۔
''یونہی دل جلی ہی باتیں کیے جائیں گی یا حال احوال بھی بتائیں گی۔'' وہ بہ مشکل آواز میں ہنسی کا تاثر لا پائی۔
''حال احوال کی پروا تمہیں ہوتی تو تم ہمیں یوں نہ بھلاتیں۔'' وہ باز نہ رہ سکیں۔
''خیر ابھی میں نے تمہیں اس لیے فون کیا ہے کہ کل ٹیپو کی سالگرہ ہے اور تم لوگوں کو ضرور آنا ہے۔'' ٹیپو کی سالگرہ کا سن کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ ''ایک سال کا ہو گیا اور پتا بھی نہ چلا۔''
''جی جناب ایک سال آپ کی شادی کو بھی ہونے والا ہے کوئی خوش خبری سناؤ۔'' بھابی نے

چھیڑا تو اس کا چہرہ دہک اٹھا۔

''بھابی آپ بھی نا''

''ہاں تو اور کیا بہت آرام کرلیا۔ ہنی مون پیریڈ ختم کرو مجھے تو یقین کرو جیلسی ہو رہی ہے تمہاری آزادی پر۔ مجھے دیکھو تمہارے بھائی نے آتے ہی کام پر لگا دیا اب تم بھی کام پر لگو۔'' بھابی کی کھلی ڈلی گفتگو پر وہ جھینپ سی گئی۔

''اچھا خیر یہ بتاؤ کب آؤ گی میری مانو تو صبح سے آجاؤ میں ریحان کو لینے بھیج دوں گی۔'' انہوں نے جھٹ پروگرام سیٹ کیا۔

''میں راحیل سے پوچھ لوں پھر بتاؤں گی۔''

''ہاں بھئی تمہارے میاں تو بش کے ساتھ ہوتے ہیں دنیا میں دھماکے کرنے سے انہیں کہاں فرصت ہے تم بھی عراق بنی سمجھے چلے جاتی ہو۔ اتنا پڑھ لکھ کر بھی گنوا دیا۔ میاں کو قابو میں کرنے کے طریقے سیکھو آج کل کی لڑکیاں اتنی چلتر ہوتی ہیں اور تم ہو کہ بالکل ہی بے وقوف ہو۔'' بھابی نے اسے لتاڑ دیا۔

''کالجوں میں سسرالیت پر کوئی لیکچر نہیں ہوتا اور نہ ہی شوہریات کے نوکس ملتے ہیں جو رٹا لگا کر یاد کرلیں۔'' وہ ان کے پڑھنے لکھنے والی بات پر ہنس پڑی تھی۔

''ہاں ہنس لو، تمہاری چلتر ساس سے نمٹنے کے لیے تمہیں اسٹار پلس کے سارے ڈرامے دیکھنے چاہئیں اور تم ہو کہ کتابوں میں غرق رہتی ہو۔ میرا تمہارا رشتہ ہے تو نند بھاوج کا مگر میں تمہیں بہنوں کی طرح سمجھتی ہوں۔ عقل سے کام لو تمہارا میاں تو ویسے ہی اکڑا گھوڑا ہے۔ ساس بول کا کانٹا۔ تم جیسی لڑکی کی اس گھر میں جگہ بنتی نہیں۔ سچ کہوں تو مجھے تمہاری بہت فکر رہتی ہے۔'' ان کے لہجے میں موجود خلوص محسوس کرکے وہ مسکرا دی۔

''آپ فکر نہ کریں بھابی۔ راحیل سخت مزاج ضرور ہیں مگر مجھ سے بیار بہت کرتے ہیں اور ہاں اپنے میاں کو اکڑا گھوڑا کہنے پر میں مائنڈ کرسکتی ہوں۔''

''اوئے ہوئے راحیل میاں اور پیار ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے کہ کریلوں کے جوس میں چینی ڈالنے کیسا ذائقہ بنتا ہے۔'' وہ معنی خیز شوخی سے بولیں۔

''کوئی نہیں! ہم نے آپ کے ذائقے چکھے تھے کیا؟''

''بھابی کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔ بہت خوب خیر تم آؤ گی تو باتیں ہوں گی۔ جلدی آنا اوکے۔''

''اوکے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے فون رکھا۔ جیسے ہی مڑی ساس صاحبہ تیور بگاڑ کے کھڑی تھیں۔

''کچھ ہوش بھی ہے بی بنو! یا سارا وقت باتیں ہی مٹھارتی رہو گی۔'' اس کے چہرے پر در آنے والی سکون کی لہر صفیہ بیگم کی حاسد طبیعت برداشت نہ کر پائی تھی۔

''بھابی کا فون آیا تھا۔'' اس نے کہنا چاہا۔

''اے بی! ہمیں کیا پتا کہ آیا تھا یا کسی نے کیا تھا وہ تو بل آئے گا تو پتا چلے گا اور ہم کیا جانیں کہ بھابی کا تھا یا.....'' وہ آنکھیں مٹکا کر معنی خیز انداز میں چپ ہوگئیں۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' رخسار کا لہجہ تھوڑا تیز ہوا تھا۔ شاید کردار پر کیچڑ اچھالنا اس کی محل مزاج فطرت برداشت نہ کرپائی تھی۔

''یہ غرا کر کس کو دکھا رہی ہے تو۔ میں نے کون سی غلط بات کہہ دی۔ ٹھٹھے لگا لگا کر باتیں کر رہی تھی فون سے جو پچی تو دنیا جہاں کا ہوش ختم ہو گیا۔ میرے آنے پر جھٹ کاٹ دیا کہ میں نہیں سن گن نہ لے لوں۔ میرے سامنے زبان چلائے گی تو چٹیا پکڑ کر منہ زمین پر رگڑ دوں گی۔ صفیہ بیگم نام ہے میرا۔'' وہ آپے سے باہر ہوگئیں۔ قریب تھا کہ وہ ہاتھ جڑ دیتیں۔ رخسار خود پر قابو پاتی کچن میں چلی آئی۔ باہر صفیہ بیگم کی بڑبڑاہٹیں جاری تھیں۔

☆☆☆

''تم نے امی سے بدتمیزی کیوں کی؟'' رات کو

وہ دندناتا کمرے میں آیا تھا۔ درشت تیور خونخوار انداز، بھڑکتا لہجہ..... رخسار کے سارے لفظ گم ہونے لگے وہ ہراساں نظروں سے اپنے مجازی خدا کو دیکھتی رہ گئی جو اسے کڑے تیوروں سے گھور رہا تھا۔

''یوں بت بنی کیا دیکھ رہی ہو میں کچھ پوچھ رہا تھا تم سے۔'' وہ دھاڑ کر بولا۔ کمرے کے دروازے سے کان لگائے کھڑی صفیہ بیگم کے دل میں ٹھنڈی ٹھنڈی پھواریں پڑنے لگی تھیں۔

''مم..... میں نے تو بدتمیزی نہیں کی بلکہ وہ خود ہی.....'' کیا مطلب اب میری ماں پر الزام لگاؤ گی اگر انہوں نے اتنا سا پوچھ لیا کہ کس کا فون ہے تو تم بتا نہیں سکتی تھیں تم نے ان سے بدکلامی کی ان کو برا بھلا کہا یاد رکھنا میری ماں ہیں وہ اگر ان کے ساتھ تم نے بدسلوکی کی تو مجھ سے کسی ہمدردی کی توقع مت رکھنا۔ میری ماں کو کبھی جواب مت دینا سمجھیں۔''

''وہ تو اب بھی نہیں ہے۔'' رخسار نے دل میں سوچا مگر کہہ نہ سکی۔

''میں ان مردوں میں سے نہیں جو بیوی کی باتوں سے غبارے کی طرح بھر کر ماں بہن کے سامنے پھٹ پڑیں۔ تمہارا سارا غرور اور طنطنہ اسی بات پر ہے ناں کہ تم میری بیوی ہو۔ صرف تین لفظوں کا رشتہ ہے۔ ہمارا کسی بھی وقت ٹوٹ سکتا ہے مگر ماں کا رشتہ سب سے انمول ہے ماں کبھی دوبارہ نہیں ملتی بیوی کا کیا ہے اور آجائے گی۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ رخسار کا دل کانپ کر رہ گیا۔ اس نے آنسو بھری آنکھوں سے شوہر کی طرف دیکھا جو اتنی بڑی بات کہہ کر بھی مطمئن کھڑا تھا۔

''جاؤ کھانا لے کر آؤ اور سنو آئندہ کوئی شکایت ملے مجھے ورنہ تمہیں یہاں رہنے کی جگہ بھی نہ ملے گی۔'' لمحے بھر میں اس کی ذات کو دو کوڑی کا کر دیا تھا۔ جیسے اس کی خدمت، وفا شعاری کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو، وہ بے وقعت ہو۔ صفیہ بیگم شاطرانہ مسکراہٹ کے ساتھ دروازے سے ہٹ گئیں۔ بیٹے نے وہی پرفارمنس دی تھی جو وہ چاہتی تھیں۔ رخسار کے دل کے درد کی کوئی حد نہ تھی۔ کردار کشی اس سے برداشت نہ ہوئی تھی وہ آرام سے شوہر کو بتانا چاہتی تھی اسے اعتماد میں لے کر خود پر اچھالی گئی کیچڑ کے چھینٹوں کو دھونا چاہتی تھی تاکہ آئندہ ایسا نہ ہو مگر اس کی زندگی کا ساتھی اس کا ہمراز اسی پر تیر چلا کر جگر چھلنی کر چکا تھا۔ اب اس کے پاس آنسو بہانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا مگر سنگ بھیگی آنکھیں دیکھ کر مشتعل ہو جاتا تھا سو سارے آنسو دل میں اتار لیے۔

☆☆☆

اسی طرح کے واقعات کئی مرتبہ ہوئے تو وہ اور بھی محتاط ہوگئی تھی ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالتی تھی اور ساس ''ننھی'' کے طعنے دے دے کر تھک جاتیں مگر جہاں ساس اس کے کردار کے متعلق بات کرتیں تو راحیل پہلو بدلنے لگتا اور ماں کو چپ کرا دیتا۔

اس روز بھی فون کی گھنٹی بجی تو اس نے اٹھا لیا۔

''ہیلو، اس کی آواز سنتے ہی وہ شروع ہوگئیں۔

''شاباش بیٹا! شام ہونے والی ہے اور تم ابھی مجھے ہیلو ہی کہہ رہی ہو تمہیں اس وقت میرے گھر پر ہونا چاہیے تھا میری مدد کرانے کے لیے۔ بھئی تم جیسی لڑکی میں نے کہیں نہیں دیکھی اور نہ شاید دیکھ سکوں گی بھئی اتنا سارا کام پھیلا ہوا ہے اور تم ہو کہ آرام فرما رہی ہو۔ ریحان تو نہیں آ پائیں گے میں ابھی فاران کو بھیج دیتی ہوں تم فٹافٹ آجاؤ۔''

''نن..... نہیں میں ابھی نہیں آسکتی۔'' کل شام فون کی وجہ سے ہی جو مسئلہ ہوا تھا اس کے بعد اس کا دل کہیں جانے کو نہ چاہ رہا تھا۔ راحیل کے رویے نے دل کے نازک تاروں کو توڑ سا دیا تھا۔ فاران کا نام سن کر تو وہ بوکھلا گئی تھی۔ صرف فون پر بات کرنے سے اس پر الزام تراشی کی گئی تھی اگر وہ آجاتا تو کیا افسانے نہ بنتے وہ لن ترانی سے سہم سی گئی تھی۔

''جی نہیں! میں بس بھیج رہی ہوں اور تم اس کے ساتھ ضرور ضرور آجاؤ۔'' انہوں نے بنا کچھ کہے

فون رکھ دیا۔

"اف اب کیا کروں؟" وہ نئے سرے سے ٹینشن کا شکار ہو گئی۔ صفیہ بیگم سے کچھ بعید نہیں تھا وہ رائی کا پہاڑ بنانے میں کمال رکھتی تھیں۔ فاران کو دیکھ کر اگر کچھ فضول باتیں کہہ دیں تو میکے میں اس کی سبکی ہو گی اور وہ سارا بھرم ٹوٹ جائے گا جو اس نے میکے میں رکھا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے؟ یوں جلے پیر کی بلی کی طرح کیوں چکرا رہی ہو؟" صفیہ بیگم کا دل مزید شیر ہو گیا تھا جانتی تھیں کہ بیٹا مٹھی میں ہے ایسے میں اس چھٹانک بھر کی لڑکی کی کیا مجال جوان کی سلطنت کو ہلا سکتی ہو۔ وہ ہر قسم کا تیر چلانے کے لیے آزاد تھیں۔

"جی کچھ نہیں۔"

وہ ہمیشہ ہی ان کی گھورتی ہوئی آنکھوں سے خائف ہو جاتی تھی۔ "یوں پریشان کیوں دِکھ رہی ہو؟" ان کی گہری جانچتی ٹٹولتی نظروں نے اسے مزید سہما دیا تھا۔

"بس ایسے ہی۔" وہ جلد از جلد راحیل کو فون کرنا چاہتی تھی تا کہ اسے بتا سکے مگر وہ اسے موقع ہی نہیں دے رہی تھیں۔

"آج میرے بھتیجے کی سالگرہ ہے اور مجھے گھر جانا ہے۔" اس نے جان چھڑانی چاہی۔

"تو یوں کہو میکے کا ہڑکا لگا ہے۔ ویسے تو بڑے مولوی ملا بنتے ہیں تمہارے گھر والے...... اب انگریزوں کے طور طریقے کیسے اپنانے لگے۔" وہ کٹیلے لہجے میں بولیں۔ وہ سر جھکا کر لاؤنج میں آ گئی اور راحیل کو فون کر کے ٹیپو کی سالگرہ کے بارے میں بتایا۔ اس کا موڈ خوشگوار تھا اس نے تیار ہونے کو کہا اور خود بھی جانے کی رضامندی ظاہر کی۔ رخسار کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ دیکھ کر صفیہ بیگم کے دل میں سانپ ڈنک مارنے لگے۔ رخسار نے اپنا پستئی کلر کا سوٹ نکالا جس پر ہم رنگ اور ڈارک گرین نازک سی ایمبرائیڈری ہوئی تھی، نازک سا سیٹ اور ہم رنگ چوڑیاں نکال کر پہنیں۔ ہلکا سا نفیس میک اپ اس کا روپ نکھر سا گیا تھا۔ وہ کیونکس لگا رہی تھی کہ دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھلا۔ صفیہ بیگم اندر داخل ہوئیں ان کے پیچھے کچھ نروس سا فاران تھا۔ رخسار اسے اپنے بیڈ روم میں دیکھ کر چکرا سی گئی۔

"لو بھئی جس کا تم بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں وہ آ گیا۔" ان کا لہجہ آگ برسا رہا تھا۔

"وہ...... آپی نے...... آپ تیار ہیں...... سالگرہ ہے ناں۔" وہ بھی کچھ کنفیوژ ہو گیا تھا۔

"آپ آئیں بیٹھیں۔ ابھی راحیل آتے ہیں پھر ہم نکلتے ہیں۔" رخسار نے خود پر قابو پا کر کہا۔

"اے لو! کیا راحیل وہاں تماشا دیکھ کر تالیاں بجائے گا۔ تم نکل جاؤ اس کے ساتھ اچھی خاصی بنی ٹھنی تیار ہو۔" انہوں نے اسی لہجے میں کہا۔

"نہیں راحیل کے ساتھ جاؤں گی اگر فاران بھائی آپ کو دیر ہو رہی ہو تو آپ چاہیں تو چلے جائیں۔" یہ مناسب طریقہ تو نہ تھا لیکن اسے صفیہ بیگم کے تیوروں سے خوف آ رہا تھا۔ سو اس نے اسی میں عافیت جانی۔

"جی بہتر۔ میں چلتا ہوں۔" فاران تیزی سے باہر نکل گیا۔

"لو اسے کیوں چلتا کر دیا۔ میاں آتا تو اس سے ملواتیں۔" وہ وہیں ٹک گئیں رخسار کو کوفت ہونے لگی۔

"وہ وہیں مل لیں گے۔"

"جب آ ہی گیا تھا تو بیٹھ جاتا۔ تم نے کیوں اسے جانے دیا آخر وہ تمہاری خاطر تو ہی آیا تھا اتنی دور سے۔"

"اسے بھابی نے بھیجا تھا۔" وہ بہ مشکل ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"اے ہمیں کیا پتا کہ بھابی نے بھیجا تھا یا......"

ان کی ادھوری بات ہمیشہ بچھو کے ڈنک کا سا قاتل زہر لیے ہوتی۔

"اماں۔" وہ چیخی تھی۔

"اے کاہے کو حلق پھاڑ رہی ہو۔ ہم نے دنیا دیکھی ہے ہمارے سامنے کی بچی ہو ہم سے نہیں چھپا سکتیں تم اپنے رنگ ڈھنگ۔" وہی الزام تراشی...... رخسار کا دماغ گھوم گیا وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ راحیل کو داخل ہوتا دیکھ کر لب بھینچ لیے۔

"کیا بات ہے امی؟" اس نے ماحول کو گرم گرم سا محسوس کیا۔

"اپنی بیوی سے پوچھو میں تو کچھ کہوں تو بری بن جاؤں گی بہو بیٹیوں کے یہ چھن نہیں ہوتے۔ خاص طور پر شریف بہوؤں کے۔" انہوں نے معنی خیز انداز میں آنکھیں گھما کر شریف پر زور دیا۔

"کیا ہوا؟" اس کا لہجہ درشت ہو گیا۔

"اے میاں! اپنی بیوی سے پوچھو۔ اسے مردوں سے کیا مزہ آتا ہے جب دیکھو تھی ٹھاٹھا۔ انسان اپنا مرتبہ دیکھے یہ کیا گلی میں گزرنے والے پھیری والوں، پھیری والوں سے ٹھٹھا مخول کیا جائے۔ فون پر گھنٹوں لمبی لمبی باتیں کی جائیں۔ میں منع کی کوشش کروں تو منہ بنا کر رکھ دے ابھی کی لو تم آنے والے ہی تھے پھر بھی اپنے کسی ہوتے سوتے کو بلا لیا کہ لو میاں میں بنی ٹھنی کھڑی ہوں آ کر نظارہ کر لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں محروم رہ جاؤ۔ اجنبی جوان جہان مرد کو لیے اپنے کمرے میں گھسی رہی۔ صاف کہوں ہم نے تو کبھی ایسی چلتر بازیاں نہ دیکھیں نہ سنیں جو آج کل کی لڑکیوں نے جنے کہاں سے سیکھ لیں۔"

وہ زہر اگل رہی تھیں۔ رخسار کے کانوں میں پگھلا سیسہ اترا چلا جا رہا تھا کرب کی شدت سے اس کا حسین چہرہ مرجھا سا گیا تھا۔ راحیل کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا مٹھیاں بھنچ گئیں۔ رخسار کا ننھا سا دل خوف کی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ اپنے مجازی خدا کے تیور دیکھ کر سہم گئی تھی پورا وجود آندھیوں کی زد میں تھا۔ صفیہ بیگم کی زبان فراٹے بھر رہی تھی اور وہ اپنے دفاع کی خاطر کچھ بھی نہ کہہ پا رہی تھی۔

"اماں تم نے کہا میں نے سن لیا۔" راحیل کا لہجہ آگ برسانے لگا تھا۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا رخسار کی طرف بڑھا۔ رخسار نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا سانس سینے میں اٹکنے لگا تھا۔ راحیل کے مضبوط ہاتھ کا لمس شانے پر ٹھہر گیا۔

"تم رخسار کو پھوہڑ، زبان دراز، مکار، کام چور کہتی رہیں میں سنتا رہا لیکن جو آج کہہ رہی ہو وہ میں ہرگز نہ مانوں گا کیونکہ ایک شوہر سے زیادہ اس کی بیوی کو کوئی اور نہیں پہچان سکتا۔" رخسار نے آنکھیں کھول کر بے یقینی سے اسے دیکھا وہ ماں کے سامنے سینہ تانے کھڑا تھا۔

"رخسار ایک پاک دامن اور شریف لڑکی ہے جو لچھن بہو بیٹیوں کے ہوتے ہیں اس میں ہیں۔ اسے مردوں سے بات کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے میں اس کے لیے کافی ہوں۔ آئندہ یہ بات کرتے ہوئے دھیان رکھیے گا کہ میں ایسی بات اب برداشت نہیں کروں گا۔ آپ میری ماں ہیں۔ میں ہر طرح آپ کا احترام کرتا ہوں۔" اس کا لہجہ درشت تھا۔ انداز سخت اور تیور خطرناک مگر اس کے باوجود رخسار کو وہ بے حد اچھا لگا۔ اس کا سارا ابرار ویہ بھاپ بن کر اڑ گیا۔

"چلو رخسار ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔ رخسار کو یک گو نہ تحفظ کا احساس ہوا اس کا وجود جیسے ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ صفیہ بیگم ہکا بکا سی رہ گئیں۔ وہ ہاتھ تھام کر باہر نکل گیا۔

"ارے چنڈال نے میرے بچے کو جادو ٹونے کر کے متنفر کر دیا۔ مر جائے ڈائن۔" رخسار کے کانوں میں کوسنے پہنچے وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

آج اس کے قدم مضبوط تھے۔ اس کا کرخت مزاج مگر مضبوط ساتھی اس کے ساتھ تھا۔ زندگی کے رنگ نکھر سے گئے تھے۔ وہ جو آنکھیں بند کیے اپنے مستقبل کا تاریک فیصلہ سننے جا رہی تھی ایک دم سے روشن راہوں پر آ گئی......

عشق دعا ہے

فرحانہ ناز ملک

دوسرا حصہ

میرے مزاج کی آوارگی پہ مرتی ہے
میں کیا بتاؤں وہ کتنی عجیب لڑکی ہے
وہ جانتی ہے کہ کہہ کر کبھی نہیں آتا
مگر وہ پھر بھی میرا انتظار کرتی ہے
وہ جانتی ہے کہ اکثر میں جھوٹ بولتا ہوں
مگر وہ پھر بھی میرا اعتبار کرتی ہے
میں کیا بتاؤں وہ کتنی عجیب لڑکی ہے

راہِ عشق سختیوں بھری ہی ہوتی ہے چاہے یہ عشق حقیقی ہو یا مجازی، آزمایشیں تو سہنا ہی پڑتی ہیں۔ ایسی ہی کئی آزمایشیں اس کی راہ میں بھی تھیں۔ وہ جو کسی کے لیے بن مانگی دعا کا ثمر تھا وہی کسی اور کے لیے چاہت بھری تمنا بن گیا۔ کیا اس کے سچے جذبے رنگ لائے !پڑھیے!

تلخ و شیریں جذبوں کی پُراثر داستان

''کیا ہے یہ؟''

''نظر نہیں آ رہا...... سگریٹیں ہیں۔'' وہ چمک کر بتانے لگیں۔

''تو میں کیا کروں؟''

''یہ مجھے سجاول کے کمرے سے ملی ہیں۔ ملی ہیں کیا بلکہ روزانہ ملتی ہیں آپ کا لاڈلا سگریٹ پینے لگا ہے۔'' ان کی اس اطلاع پر وہ جی بھر کر نا گواری میں گھر گئے اور بجائے ردِعمل ظاہر کرنے کے جو کتاب پڑھ رہے تھے...... اسی میں دوبارہ گم ہو گئے ان کا یہ بے نیاز سا ردِعمل رشیدہ خاتون کو تاؤ دلا گیا۔

''آپ سمجھ رہے ہیں، میں جھوٹ بول رہی ہوں، بکواس کر رہی ہوں، جھک مار رہی ہوں۔'' وہ حلق پھاڑ کر چیخیں تو افضال صاحب کتاب رکھ کر اطمینان سے انہیں دیکھنے لگے۔

''میں ایسا کچھ نہیں سمجھ رہا۔ سچ ہی کہہ رہی ہوں گی آپ؟'' انداز جان چھڑانے والا تھا۔ رشیدہ خاتون کا بس نہیں چل رہا تھا کہ چلا چلا کر ا... زمانے کو آگاہ کر دیں جو سگریٹیں ان کے ہا... ہیں وہ سجاول کے کمرے سے برآمد ہوئی ہیں سارے زمانے کو کیا وہ ایک اپنے شوہر تک کو یقین نہیں دلا پا رہی تھیں۔

''آپ کو کیا خبر...... آپ تو گھر پر ہوتے ... نہیں، یہ خان صاحب راتوں کو دیر سے آ کر کمر... میں ان سے شغل کرتا ہے۔'' ادھ جلی سگریٹ ان ... آنکھوں کے سامنے لہرا کر وہ ثابت قدمی سے ا... بات پر ڈٹی رہیں ''اور یہ تو کچھ بھی نہیں۔ بھری ... تک پیتا ہے۔ شکل دیکھ کر آپ کو نہیں لگتا ک... آنکھیں لال انگارا ہوئی رہتی ہیں۔ میں کہہ ر... ہوں حسین کے ابو...... یا تو اس کا دماغ در... کریں یا میرے گھر سے چلتا کریں۔ اس کی ... عادتیں میرے معصوم بچوں پر بھی اثر کر سکتی ہیں...

افضال صاحب کتاب رکھ کر کمرے سے ہی ... چلے گئے۔ رشیدہ خاتون وار خالی جانے پر آ...

درجۂ حرارت تک ابلتی رہیں۔

حقیقت تو یہ تھی کہ سگریٹ کے یہ ٹکڑے خود انہیں اپنے بیٹے حسین کے کمرے سے ملتے تھے، پہلے پہل تو وہ فطری طور پر شاکڈ ہوئیں ہی...... حسین سے پوچھ گچھ کرنے میں بھی دیر نہ لگائی جواباً اس نے کہا تھا......

''ایسے ہی اماں دوستوں کی ضد کے آگے مجبور ہو کر پی لی تھی لیکن عادت نہیں بنائی کبھی کبھی پیتا ہوں۔ جب سر میں درد وغیرہ محسوس ہو ورنہ نہیں۔''

''آئے یہ تو خود سر کا درد ہے...... درد کی دوا تو نہیں...... تھوڑی تھوڑی پینا چھوڑ دے تیرے ابو کو پتا چل گیا تو ہنگامہ کھڑا کر دیں گے۔'' رشیدہ خاتون کو ساری فکر ہی یہی تھی کہ کہیں افضال صاحب کو نہ پتا چل جائے......!!!

''کون بتائے گا؟'' حسین نے بھویں اچکا کر ماں کو جذباتی بلیک میل کرنے کی ٹھانی۔

''آپ تو کم از کم نہیں بتا سکتیں...... یا پھر واقعی......'' رشیدہ خاتون دائیں بائیں بغلیں جھانکنے لگیں بڑے بیٹے کے لاڈ وہ آج تک اٹھا رہی تھیں ہمیشہ...... اس کی ہر اس سرگرمی پر پردہ پوشی کی کہ جس کے کھل جانے پر افضال خان زمین آسمان ایک کر سکتے تھے لیکن اس بار بات دوسری تھی...... وہ کافی پریشان نظر آئیں۔

''میں کیوں بتانے لگی لیکن بیٹا یہ اچھی چیز تو نہیں...... تو پینا چھوڑ دے۔''

''اوہو امی......'' حسین زچ سا ہو گیا تھا۔ ''ذرا سی بات کا ایشو بنا ڈالا آپ نے۔ فیشن ہے یہ...... وہ بھی پیتے ہیں جو اس پر پابندی کے اشتہار دیتے ہیں۔''

اور رشیدہ خاتون کے تو بائیں ہاتھ کا کھیل تھا شوہر کو بیٹوں کی بہت سی ناپسندیدہ سرگرمیوں کے متعلق بے خبر رکھنا۔ سو اب بھی انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن دل میں ایک پھانس سی اٹک گئی تھی جو جو برائیاں وہ سجاول کی ذات میں اعلانیہ گنوایا کرتی تھیں وہ سجاول میں تو نہیں البتہ اپنے بچوں میں ضرور پنپنے لگی تھیں...... سو پھانس کیسے نہ محسوس ہوتی لیکن وہ بھی رشیدہ خاتون تھیں...... چالبازیاں کرنے میں نمبر ایک۔

دل کی ہر چبھن سے آزاد ہونا جانتی تھیں اس بار بھی...... سجاول کی ذات میں سگریٹ نوش ہونے کا ایک اور ٹانکا جڑ دیا۔ اگرچہ افضال خان ان کی کوششوں کے باوجود بھی اس سے متنفر نہیں ہو رہے تھے لیکن ایک یہی کام تو تھا کہ جس میں وہ کمال کی مستقل مزاج تھیں۔ سو ڈٹی رہیں۔ حتیٰ کہ یہ نوبت آ گئی۔

☆☆☆

وہ بڑی تکلیف دہ رات تھی۔

سجاول بارہ بجے کے قریب گھر میں داخل ہوا تو رشیدہ خاتون ہی نہیں افضال خان بھی جاگ رہے تھے۔ رشیدہ کی شاطرانہ تو افضال صاحب کی پُرسوچ نظریں...... سرخ پڑتی رنگت لیے سجاول پر ٹک گئیں۔ اس کی رنگت ہی سرخ نہیں ہو رہی تھی آنکھیں بھی خمار آلود ہو رہی تھیں۔

یہی نہیں وہ بار بار پیٹ پکڑ کر اذیت کی کسی لہر کو دبانے کی کوشش کرتا ہوا افضال صاحب کو مخمصے میں ڈال رہا تھا۔

''تم کہاں سے آ رہے ہو؟'' یہ سوال پوچھنے کا حق بنتا تھا کیونکہ ابھی اس کی عمر نہیں تھی یوں رات گئے گھر سے باہر رہنے کی۔ بجائے جواب دینے کے سجاول ایک بار پھر پیٹ پکڑ کر دہرا ہو گیا۔

''جواب دو پتر...... کہاں تھے تم؟'' افضال صاحب کی آنکھیں شک ہی نہیں بے اعتباری بھی جھلکا رہی تھیں اور یہ بے اعتباری یوں ہی نہیں عود آئی تھی کچھ تو رشیدہ کی ثابت قدمی نے یہ دن دکھایا تھا اور کچھ اس کا اپنا پُراسرار انداز...... کہ وہ گزشتہ کئی دنوں سے بیٹے کے بارے میں ویسا سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ جیسا رشیدہ چاہتی تھیں۔ جس روز وہ ملتان سے یہاں آئے...... اسی روز حسب سابق اپنی

رشیدہ نے کئی بار بلاوجہ ہی سجاول کے ''نادیدہ [illegible]'' کھولے۔ افضال صاحب ''نور سپانس'' کا [illegible] چسکا ئے چائے پینے میں مصروف رہے لیکن ان کی آنکھوں سے سوچ کے گہرے سائے جھانک [illegible] تھے۔ شاید اس وجہ سے بھی ان کی آمد کے بعد اب تک وہ گھر نہیں آیا تھا۔ مغرب ہو چلی تھی۔

''یہ اس کی روز کی روٹین ہے کیا؟'' وضو کے لیے اٹھنے سے پہلے انہوں نے یوں ہی سرسری سا پوچھا تھا لیکن ان کا یوں سرسری پوچھنا ہی رشیدہ خاتون کو سمجھا گیا کہ فتح قریب ہے۔ شوہر کے دل میں سوکن کے بیٹے کے خلاف میل لانے میں وہ بس کامیاب ہوا ہی چاہتی ہیں۔

''روز کی یہی روٹین ہے۔ آپ گھر پر ہوتے نہیں اس لیے آپ کو کیا خبر...... آگے پیچھے ذلیل کرتا رہتا ہے ہمیں۔ جب آپ کے آنے کا سنتا ہے شریف زادہ بن کر گھر کی بھی شکل دیکھ لیتا ہے۔'' مختصر بات کا طویل جواب دینا رشیدہ کی گھٹی میں [illegible] تھا۔

افضال صاحب مزید کچھ پوچھے بغیر وضو کرنے [illegible] دیے تھے۔ عشا کے وقت اس کی آمد ہوئی تھی افضال صاحب عشا کی نماز کے وضو کے لیے [illegible] سے سلیپرز طلب کر رہے تھے جو ذرا فاصلے پر [illegible] تھے۔

سلام دعا کر لینے کے بعد سجاول نے سلیپرز اٹھا کر باپ کے پیروں کے پاس رکھے اور رکھنے کے لیے جھکا تب ہی اس کے سامنے کی جیب سے کالی کوئی شے ان کی پیروں میں گر گئی۔ سجاول کا تو [illegible] ہوا ہی...... وہ سب بھی الجھن میں گھر گئے [illegible] اس چیز کو اٹھانے کے لیے جتنی پھرتی اس نے [illegible] چاہی تھی اس سے کہیں زیادہ سرعت کا مظاہرہ [illegible] ہوئے افضال صاحب نے اس پر اپنا پاؤں [illegible]۔ اس کی عقل نے ہی ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کی [illegible] دیکھ کر انہوں نے وہ شے اٹھا کر سامنے کی [illegible] میں رکھ لی تھی۔

رشیدہ خاتون کے ایک الزام کو تقویت کسی حد تک مل ہی گئی بالآخر...... اور انہوں نے اسی رات سجاول سے استفسار کیا تھا۔

''ابو یہ...... میری نہیں راشد کی ہے۔''

''تو تمہاری جیب میں کیا کر رہی تھی؟'' ان کا لہجہ سرد سا تھا اور اس کے لیے بالکل نیا...... تبھی تو وہ بری طرح گھبرا رہا تھا اس حقیقت سے بے خبر ہو کر کہ اس کی یہ گھبراہٹ ہی اسے مشکوک اور قصوروار ثابت کر رہی ہے۔

''وہ...... اصل میں...... وہ......'' زبان ہکلا ہکلا گئی۔ وہ تھوک نگل کر ماتھے پر سے خواہ مخواہ ہی پسینہ پونچھنے لگا۔ باپ کی خود میں پیوست ہوتی نظریں خوفزدہ کر رہی تھیں۔ ان کے ہمراہ کمرے میں رشیدہ بھی تھیں...... خوب لطف اندوز ہوتی ہوئیں......!!!

''تم نشہ کرنے لگے ہو؟'' ان کا یہ جملہ بم کی صورت میں بلاسٹ ہوا تھا۔ وہ جھٹکے سے سر اٹھا کر نفی میں سر ہلانے لگا۔ ایک تواتر سے...... ''نہیں ابو، نہیں ابو۔'' کی گردان کے ساتھ۔

''میری غیر موجودگی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو لیکن کیوں...... کیا کمی دی ہے میں نے تمہیں۔ پڑھا نہیں رہا یا دھکے مل رہے ہیں تمہیں...... بتاؤ مجھے...... کونسی محرومی دی ہے میں نے تمہیں جسے پورا کرنے کے لیے تم اس حرام شے کا سہارا لینے پر آ گئے......''

اس کی ''نہیں ابو، نہیں ابو'' کی گردان افضال صاحب کے گرجتے جملوں کی زد میں آ کر دب گئی۔ وہ کہنا چاہتا تھا۔

''یہ چرس میری نہیں راشد کی ہے جو میں نے اس سے چھینی تھی کیونکہ اپنی زندگی کا خلا پورا کرنے کے لیے وہ اس حرام شے کا سہارا لیتا ہے جو مجھے گوارا نہیں تبھی میں نے اس سے چھین لی جو اتفاق سے میری جیب میں رہ گئی۔ میں آپ کے ہوتے ہوئے کیوں کسی کمی کا شکار ہوں گا۔ آپ جب تک

میرے سر پر موجود ہیں میں مالا مال ہوں۔ ان خرافات کی جانب میں کبھی دیکھوں بھی نہ اور آپ کہہ رہے ہیں......"

لیکن وہ ایک بھی وضاحت نہ دے سکا کیونکہ افضال صاحب وضاحت سننے پر آمادہ نہیں تھے۔ اسے بولنے کا موقع دیے بغیر وہ اسے ڈانٹتے رہے۔ خاصی دیر تک......!!

خود کو بے گناہ اور بے قصور ثابت کرنے کے لیے...... اپنی وکالت میں کہے جانے والے تمام الفاظ ایک ایک کر کے مردہ ہو گئے تھے اور اگر اسے پتا چل جاتا کہ اس کی یہ خاموشی ہی اس کی دشمن بن جائے گی تو وہ کبھی یوں سر جھکا کر اپنے اوپر لگائے گئے الزامات نہ سہتا...... ایک جملہ ہی سہی...... خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے باپ کے سامنے نوکِ زبان پر لاتا ضرور، جب اسے جاں خلاصی ہونے کا عندیہ دیا گیا تب رات کا اندھیرا ہر شے پر قابض ہو چکا تھا اس کے بخت پر بھی شاید......

تبھی تو آج اس نے باپ کا وہ روپ دیکھا کہ جو نہ پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ آئندہ کبھی دیکھنے کی تمنا تھی بہت نڈھال اور آزردہ سا وہ ان کے بیڈ روم سے باہر نکلا تو دروازے سے چپکے کھڑے حسین اور عدنان... تضحیک بھری مسکراہٹ اس پر اچھالنے کے بعد ایک طرف کو کھسک گئے۔ بغیر ٹکٹ کے انہیں فلم دیکھنے کو مل گئی تھی۔ جتنا لطف لیتے کم تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے جی بھر کر تکیہ بھگویا تھا۔

بار بار افضال صاحب کے جھڑکیاں پلاتے الفاظ سماعتوں سے آ ٹکراتے اور اسے نئے سرے سے اذیت کی دلدل میں دھنسا جاتے۔ اسے حیرت ہو رہی تھی ابو نے اس پر شک کیا ہی کیوں......؟؟

شاید اس لیے کہ انہوں نے نشہ آور شے اپنی آنکھوں سے اس کی جیب سے برآمد ہوتے دیکھ لی تھی۔ اب چاہے وہ سر کے بل کھڑا ہو کر بھی اپنی بے گناہی کا ثبوت دیتا وہ کبھی یقین نہ کرتے کیونکہ آنکھوں دیکھی کو "کوئی کوئی" ہی جھٹلا سکتا ہے اور

افضال صاحب اگر ان "کوئی کوئی" میں شمار ہوتے بھی تو "رشیدہ خاتون" انہیں اس آنکھوں دیکھی کا یقین دلانے میں اپنی جان ایک کر دیتیں اس کے بعد...... باپ نے تو شاید اس سے نارمل رویہ کر لیا لیکن خود اسے ہر پل خدشہ رہنے لگا کہ وہ اسے جانچتی، پرکھتی نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں اور اس کا خدشہ بے وزن نہیں ثابت ہوا۔ آج کی رات...... جب کہ وہ پیٹ کے درد کی وجہ سے ادھ موا ہوا ماں اور باپ دونوں کی توجہ کا طالب ہو رہا تھا وہ دونوں اسے شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔

"ابو میں...... کامران کے پاس تھا کمبائن اسٹڈی کے لیے۔" اٹک اٹک کر اس نے حقیقتِ حال بیان کی اور یہ واقعی سچ بات ہی تھی لیکن اس کے بخت کی سیاہی......

"کمبائن اسٹڈی کے لیے یا شراب پینے کے لیے؟" انہوں نے دانت پیس کر کہا تو سجاول کی تکلیف یکلخت دل کی دھڑکن تک سمٹ آئی۔ غیر یقینی نظروں سے وہ اپنے آئیڈیل سے ابو کو دیکھنے لگا کہ جو اس سے برافروختہ ہو رہے تھے۔

"نن...... نہیں ابو...... میں پڑھائی۔" درد کی انتہا نہ رہی۔

"پھر...... پیٹ میں درد ہوا...... تو...... میں" آگے کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ اس لیے اچانک ہی بہت ساری الٹی کر دی تھی۔

رشیدہ خاتون نے شکل بگاڑ کر شوہر کو جتلاتی ہوئی نظروں سے گھورا جیسے کہہ رہی ہوں۔

"دیکھا...... پی آیا ناں۔"

افضال صاحب کے دماغ میں جانے کون سا شک کا ناگ پھن پھیلا چکا تھا کہ وہ بیٹے کے یوں قے کر دینے پر پریشان ہونے کے بجائے اس کے کندھے جھنجوڑ کر تقریباً غرا کر بولے۔

"کوئی حرام شے پی کر آئے ہو جبھی یہ حال ہو رہا ہے۔ حرام خور...... مجھے بے وقوف بناتے ہو...... مجھے۔"

لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ نرم خو اور کم گو سے افضال ہیں کہ جو اس سے اگر بہت پیار بھی نہیں کرتے تھے تو کبھی اس قدر بے اعتبار بھی نہیں ہوئے تھے۔

وہ نفی میں سر ہلا ہلا کر "نہیں ابو...... پیٹ میں درد ہے...... کامران نے گاجروں کا جوس پلا دیا تھا۔" وقفے وقفے سے بتایا لیکن افضال صاحب پر جانے کیسا جنون چڑھ گیا تھا اسے جھٹک کر وہ اس کے قریب بیٹھ گئے کہ جہاں سجاول نے الٹی کی تھی اور اپنی شہادت کی انگلی اس خراب ہوئے فرش پر لگا کر انہوں نے باقاعدہ سونگھ کر محسوس کی۔ سجاول نے بے یقینی سے اور رشیدہ خاتون نے عجیب سے انداز میں ان کی یہ حرکت دیکھی۔ سونگھنے کے بعد وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"واضح بو محسوس ہو رہی ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہوں نے سرد سا انداز اختیار کیا۔

"ساری کی ساری شراب نکلی ہوئی ہے۔ تم......" ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے کیسے ان الفاظ میں برا بھلا کہیں۔

"دور ہو جاؤ میری نظروں سے...... دفع ہو جاؤ۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہ اس کمرے سے باہر چلے گئے اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے مردہ ہو گیا ہو۔

اس کے الفاظ کی کوئی وقعت نہیں تھی اس کی "امی" کی گواہی پر یقین کیا گیا کہ جو سراسر جھوٹی تھی۔

وہ کہنا چاہتا تھا کہ "ابو یہ شراب نہیں گاجر کا جوس اکلا ہوا ہے، کوک شامل ہے اس میں۔" لیکن افضال صاحب کے تیقن بھرے الزام نے اس کی گویائی سلب کر لی۔ وہ چپ کا چپ انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

"ہونہہ......" اسے سر تا پا گھور کر رشیدہ نے تنفر سے سر جھٹکا۔ "اب یہ گند بھی صاف کرنا پڑے گا۔

مرنے والی مر گئی اس کی خدمت ہمارے ذمے سونپ گئی۔" دروازہ عبور کرنے سے پہلے انہوں نے تیر چھوڑے جو بے خطا گئے، کیونکہ...... جو تکلیف سجاول کو باپ کی برگشتہ آنکھیں اور زبان بخش گئی تھی اس کے سامنے سوتیلی ماں کے یہ نشتر کچھ بھی ثابت نہیں ہوئے۔ وہ لٹا پٹا سا بہ دقت تمام خود کو گھسیٹتا اوپر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ پیٹ کا درد مارے جا رہا تھا۔

بستر پر گر کر وہ ٹانگیں سکیڑتے ہوئے مٹھیاں بھینچتے ہوئے اس درد کی اذیت سہتا رہا بہت مشکل ہو رہا تھا سب برداشت کرنا بہت مشکل......!! بار بار کی الٹیوں نے توانائی ختم کر دی تھی اور وہ...... بہت قریبی رشتوں کی موجودگی میں بھی تن تنہا اپنی نامعلوم تکلیف سہتا رہا رات کے آخری پہر تھک ہار کر اس کی زبان سے نکلا۔

"امی...... امی" اور پھر آنکھیں آنسو بہاتی چلی گئیں۔

"امی......" کی پکاریں بعد ازاں "کوئی میری امی کو بلا دو...... میری امی کو بلا دو...... میں رو رہا ہوں...... میری امی میرے پاس بھیج دو......" ان جملوں میں ڈھل گئیں۔

وہ رات تکلیف کا نیا احساس سونپ کر الوداع کہہ گئی تھی۔ ماں کی نرم گود، محبت بھری ممتا سے محرومی کا احساس...... اس بات کا احساس کہ اس کی تکلیف پر تڑپ اٹھنے والا کوئی نہیں۔ اس بھری دنیا اور اپنے سگے باپ کے ہوتے ہوئے بھی تنہائی کا روح چھلنی کرتا احساس! صبح...... جس وقت وہ بے جان ٹانگوں کے سہارے نیچے آیا افضال صاحب اس شہر روانہ ہو چکے تھے جہاں ان کی پوسٹنگ تھی۔

کوئی اور دن ہوتا...... یا اس کے ذہن میں اپنی کم مائیگی کا احساس نہ ہوتا تو وہ باپ کے یوں چلے جانے کو شدت سے محسوس کرتا جب کہ اب کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ حقیقتاً اس کے احساسات پر برف چڑھ گئی تھی صرف ایک احساسِ حرارت بھرا تھا

اور وہ یہ کہ......

”باپ کی شفقت، پروا اور محبت بھری تڑپ کا وہ ذرہ برابر بھی حقدار نہیں۔“ کچھ لمحے یوں ہی بیٹھے بیٹھے گزر گئے رشیدہ خاتون نے دیکھ کر نظر انداز کر دیا نہ تو طبیعت کا پوچھا نہ ناشتے کا اور پھر جب اسے محسوس ہوا کہ پیٹ کا درد اب بھی اندر کہیں موجود ہے......تب وہ اٹھ کر گھر کے قریبی کلینک چلا آیا۔ ڈاکٹر نے اس سے تفصیل سننے کے بعد پیٹ کے درد اور الٹیاں روکنے کے دو ٹیکے اسے لگا دیے چند ٹیبلٹس بھی دیں۔

گھر جانے کے بجائے سارا دن اس نے خلافِ عادت آوارہ گردی کرتے کرتے گزارا شام میں پھپھو کے گھر چلا گیا اور سرسری سا اپنی تکلیف کے بارے میں بھی بتا دیا۔ فاطمہ بیگم حسبِ توقع پریشان ہو گئیں اور کئی ٹوٹکے بتا دیے بلکہ چند ایک پر عمل بھی کروایا اس گھر میں گزاری گھڑیاں بہت سکون آمیز تھیں۔

اپنے گھر جانے کو دل ہی نہیں کر رہا تھا لیکن پھر بھی وہ اٹھ آیا......!! جہاں رشیدہ نے حسبِ معمول توپ کے گولے داغ کر استقبال کیا۔

”وقت پر آؤ تو ٹھیک نہیں تو باہر ہی اچھے...... نوکر نہیں کھڑے یہاں جو تمہاری آدھی آدھی رات کی آمد پر گیٹ کھولیں لوفر کہیں کا۔“ پہلے یہ انداز اور اس قسم کے جملے بہت تکلیف دیتے تھے لیکن آج......وہ بے تاثر و بے نیاز سا انہیں مکمل طور پر نظر انداز کرتا اوپر چلا آیا پیچھے رشیدہ خاتون گویا جلتے توے پر جا بیٹھیں۔ اس کی یہ بے نیازی ان کا خون کھولا گئی تھی آخری سیڑھی تک اس نے ان کے چنگھاڑتے جملے سنے۔

گھڑی کی بڑھتی سوئیوں کی ٹک ٹک کے ساتھ......اس کے پیٹ کا درد ناقابلِ برداشت ہوتا گیا۔ اتنا زیادہ کہ اسے لگنے لگا آج کی رات آخری رات ہے......!! اور شاید ہو بھی جاتی اگر فاطمہ بیگم پریشان ہوتے دل کی زبان پر لبیک کہتیں ہادی کے ہمراہ آ نہ جاتیں اسے دیکھا تو دھک سے رہ گئیں۔

”ہائے میرا بچہ......کیسی حالت ہو رہی ہے اس کی، یوں ہی تو میرا دل نہیں ہول رہا تھا......! ہادی جلدی سے باپ کو بلواؤ۔“ رشیدہ خاتون ہونٹوں کے زاویے بناتی بگاڑتی رہیں۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ اسے بروقت پرائیویٹ اسپتال لے جایا گیا۔

سرجن نے اس کے پیٹ کے ایک طرف ہاتھ رکھ کر ہی اندازہ لگا لیا کہ معاملہ کیا ہے۔ ”انہیں اپینڈکس کی تکلیف ہے اور خدشہ ہے کہ پھٹ بھی گیا ہے۔ فوراً آپریشن ضروری ہے۔“ اپینڈکس پھٹنے کا سن کر تو سبھی کی دعاؤں میں اضافہ ہو گیا۔

آفتاب صاحب نے فوری فون کر کے افضال کو بھی اطلاع دی۔ وہ اس وقت اسپتال کے کوریڈور میں آتے نظر آئے کہ جس وقت اسے آپریشن کے بعد روم میں لے جایا جا رہا تھا۔

”عجیب باپ ہو یار...... کہتا سجاول اپینڈکس کا درد بھگتتا رہا اور تمہیں خبر ہی نہ ہوئی پرانی اپینڈکس کا پھٹنا غیر معمولی بات نہیں تین روز سے تکلیف میں مبتلا رہا اور تم فوڈ پوائزن سمجھ کر نوکری پر چل دیے شاباش ہے...... بچے کی زندگی تھی جو واپس مل گیا ورنہ تو میرے ایک دوست کے جوان جہان بیٹے کی آنت پھٹتے ہی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ بھئی میں تو اپینڈکس کو بہت خطرناک کہتا ہوں...... نہ جانے لوگ اسے معمولی کیوں لیتے ہیں اور تم بھی اتنے عقل مند ہو کر انہی لوگوں کا حصہ بن گئے۔ سجاول کو اللہ نے بچا لیا میاں! تم نے خوب باپ ہونے کا حق ادا کیا۔“ اسپتال میں ہی آفتاب صاحب ان کی غلطی کا احساس دلاتے رہے لیکن بہت دیر ہو گئی تھی جو شرمندگی ان کے دل میں جاگی...... وہ گزشتہ رات آگ کے مانند جھلسا دینے والے درد کو سہنے والے سجاول کے دل میں جاگنے والی بغاوت سے کم ثابت ہوئی تھی۔ ٹھیک ہو جانے کے بعد......وہ نیا سجاول بن گیا۔

اس کے ذہن میں بری طرح سے چپک گیا تھا کہ یہ گھر جس طرح سے اس کی ماں کے لیے زندان ثابت ہوا تھا ایسے ہی اس کے لیے بھی ہو رہا تھا اور اس کا ذمے دار اس کا سگا باپ اور سوتیلی ماں تھے۔

اور باغیانہ خیالات میں بہہ کر وہ اپنی ذات میں اس ”ناٹکے“ سجا گیا جو رشیدہ خاتون چاہتی تھیں باپ اور بیٹے کے درمیان اَن دیکھی دیوار کھڑی کرنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئی تھی۔

سجاول نے اپنے اوپر سے لفظ ”شرافت“ کا لیبل اتار دیا تھا۔

☆☆☆

تنگ و تاریک، اندھیر کوٹھڑی نما یہ چھوٹا سا کمرا......اس وقت ناگوار سی بو کے زیرِ اثر ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا۔

لیکن وہ......ارد گرد پھیلی بو سے کیا، انسانوں سے بھی بے خبر ہوا، کسی جنونی کے سے انداز میں ”ٹوب ساری چڑھا“ کر ہوش و خرد کو الوداع کہنے کا تھا بس۔

”بس کر یار......بس کر...... کیوں اپنی جان کا دشمن بن رہا ہے۔ چھوڑ دے اسے......“ بالآخر راشد کا پیمانۂ صبر چھلک ہی پڑا۔ دوست کی محبت میں سرتاپا ڈوبا ہوا اس کے ہمراہ وہاں آ تو گیا تھا مگر جب اسے گلاس پر گلاس خالی کرتا دیکھ کر بے حد دکھ محسوس کر رہا تھا تبھی تنگ آ کر آدھا ختم ہوا گلاس اس سے جھپٹ کر چھین لیا۔

”نہ کر یار...... تنگ نہ کر...... ہم درویشوں کو تنگ نہ کر...... اللہ گناہ دے گا۔“ اس کے انداز بتا رہے تھے کہ شراب دماغ پر پوری قوت کے ساتھ چڑھ چکی ہے۔ سرخ ہوتی خوابیدہ آنکھیں نم ہوئی جا رہی تھیں۔ راشد تڑپ کر رہ گیا۔

یہ وہ دوست تھا جو کسی زمانے میں نشے افیون، بھنگ اور سگریٹ نوشی کے بداثرات پر طویل لیکچر دیا کرتا تھا۔ ناراض ہونے کی دھمکیاں دیا کرتا تھا اقبال خان کے لاکھ چڑنے پر کہ وہ راشد جیسے نشئی کے ساتھ کیوں اٹھتا بیٹھتا ہے وہ پھر بھی اس کی دوستی پر قائم رہا اور اب......

وقت نے یوں پینترا بدلا تھا کہ......کل کا نشئی راشد جوان بڑے بھائی کی دلخراش موت کا صدمہ سہہ کر حرام اشیا سے توبہ تائب ہو چکا تھا اور اسے...... تبلیغ دینے والا...... ان اشیا سے دور بھگانے کی کوششیں کرنے والا...... خود اس دلدل میں دھنس چکا تھا۔

”سجاول اٹھ...... گھر چل...... رات بہت ہو گئی ہے۔“ راشد نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانا چاہا۔ وہ بازو چھڑا کر استہزائیہ انداز میں ہنسنے لگا۔

”رات...... گھر...... کیوں بے...... میرا بھی کوئی گھر ہے کیا...... مذاق کرتا ہے......چل دے...... مجھے اور گلاس بھر دے...... میں جشن منا رہا ہوں بڑے بھائی کی خوشی کا۔“ اس کی ہچکیوں کی رفتار میں یہ جملے بہ مشکل اپنا مطلب واضح کر پائے۔ راشد مزید افسردہ ہو گیا۔

”کیوں پی رہا ہے یہ کم بخت...... کون سا غم لگ گیا ہے جسے مٹانے کے لیے اپنی جان داؤ پر لگا رہا ہے۔“ راشد جانتا تھا۔ قنوطیت و یاسیت بھرے یہ دورے اس پر اکثر و بیشتر پڑا کرتے تھے اور ان دوروں کا نتیجہ اس ”کال کوٹھڑی“ میں آ کر بھگتا جاتا کہ جہاں اس کے جیسے کئی غم سے ادھ موئے یا...... فیشن کے مارے...... بھری ہوئی سگریٹیں پھونک کر شراب کے گلاس یا بھنگ کے دورے اپنے اندر انڈیل کر غم کا ستیاناس کرنے کی تدبیر اختیار کرتے۔

”مجھے کون سا غم ہے؟“ راشد کی طرف سرخ آنکھیں گاڑ کر اس نے یوں ظالمانہ انداز اختیار کیا جیسے راشد کی عقل خرچ ہو گئی ہو اور اسے افسوس ہو رہا ہو۔

”پیارے...... تعداد مت پوچھ...... غم کی نوعیت اور اثر پوچھ“ اس کی بہکی بہکی باتیں تیر کے جیسی راشد کے دل میں پیوست ہو رہی تھیں۔

دوست کا یہ شکستہ انداز اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''ضرورت کیا ہے تجھے کسی سے بھی توقعات رکھنے کی جھٹک دے ان غموں کو......''

''پاگل۔'' سجاول کی ہنسی میں تمسخرانہ رنگ نمایاں تھا۔

''کون کرتا ہے غموں کی پرورش خوشی سے۔'' اس کا انداز کسی شاعر کو بھی مات دیتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ راشد چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

''یہ غم میرے محب ہیں۔ میں ان سے جتنا منہ موڑوں...... یہ اتنا ہی چمٹتے ہیں اور اچھا ہے...... کوئی تو چیز ہے اپنے پاس دنیا والوں کو دکھانے کی خاطر...... چاہے غم ہی سہی...... ہم غم خوار ہیں دنیا والو......'' چہار اطراف گردن گھما کر اس نے اعلانیہ باقی سب کو متوجہ کرنا چاہا لیکن وہ اس سے بھی زیادہ ٹن ہوئے پڑے تھے سننے یا بولنے سے بھی معذور...... ''غم کھاتے ہیں تو زندہ رہتے ہیں ورنہ''، پھر بے جان...... ہاتھ لہرا کر اس نے کہا تھا۔ آج حسین کی نوکری لگنے کی خوشی میں رشیدہ خاتون کا سارا میکا گھر میں اکٹھا ہوا پڑا تھا۔ جاب پر لگے حسین کو مہینہ ہونے والا تھا جاب کس نوعیت کی ہے کہاں پر ہے اس بارے میں اس نے سب گھر والوں کو یہ کہہ کر مطمئن و خوش کر دیا تھا کہ ''ملٹی نیشنل کمپنی میں اعلیٰ عہدہ ملا ہے مجھے۔'' آج اسی ''اعلیٰ عہدے'' کا جشن منایا جا رہا تھا اور جہاں رشیدہ کے ہمراہ ان کے میکے والے اکٹھے ہوں...... وہاں صابرہ کے بیٹے کی مٹی پلید نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں تھا۔

اس کی ذات کا ایک ایک بخیہ اُدھیڑا جاتا۔ حسین، روحیل، عدنان وغیرہ اس سے کتنی زیادہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ افضال خان کے سامنے رٹے ہوئے سبق کی طرح دہرایا جاتا۔

بہت سی باتوں کی طرح یہ بھی معمولی سی بات ثابت ہوتی تھی اگر اس پر یاسیت کا یہ دورہ نہ پڑ جاتا کہ ''میری کسی تعلیمی کامیابی پر تو ایسی کوئی خوشی نہیں منائی گئی جیسی آج منائی جا رہی ہے......'' حالانکہ اس کی نوکری ''پُراسرار'' تھی ''مبہم'' سی۔ اندر کا ابال باہر نکالنے کے لیے...... خود کو غم کے بوجھ سے ہلکا کرنے کے لیے...... وہ آج کافی عرصے بعد اس ''ٹھکانے'' پر ضرورت سے زیادہ ''پینے'' آ گیا۔ دو گھونٹ لینے کے بعد وہ کافی عرصے سے ہی مجو کلام تھا۔

''میں بھی گوشت پوشت کا بنا ایک انسان ہوں...... ایک محروم انسان سو...... کبھی کبھی مجھ پر چھایا خول تڑخ جاتا ہے...... میرا دل کرتا ہے میری کامیابیوں پر بھی خوش ہونے والا کوئی ہو...... جو میرے لیے، میرے انتظار میں راتیں آنکھوں میں کاٹ دے، میں تھکا ہوا ہوں تو مجھے اپنی گود میں بھر لے، میری تھکن سمیٹ لے مجھے بکھرنے سے بچا لے کبھی کبھی۔ ہاں کبھی کبھی دل کرتا ہے......'' اور وہی کبھی کبھی والی کیفیت آج سر چڑھ کر بول رہی تھی۔

''یار گھر چلتے ہیں، سب انتظار کر رہے ہوں گے، ماں......''

''یہ ماں......'' راشد کی بات پوری ہونے سے قبل ہی وہ سر اٹھا کر پوچھنے لگا۔ ''یہ ماں ''کیسی'' ہوتی ہے...... کیا ہوتی ہے......'' اس کے لہجے میں بلا کی کم مائیگی اور خود ترسی تھی۔ دوست کا دل مارے غم کے بوجھل ہو گیا۔ وہ بے بسی سے سر جھکا کر رہ گیا۔

''یار...... میری ماں شاید بہت ظالم نکلی...... تو...... مجھے پیدا نہ کرتی...... یا اپنے ساتھ شعلوں میں جلا ڈالتی۔ اس دنیا میں...... مجھے اکیلا چھوڑ کر...... اس نے ظلم کیا مجھ پر ہیں نا؟'' اس کی دیوانگی بڑھنے لگی تھی۔

آنسو آپ ہی آپ راشد کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

''میرے گھر میں تو کوئی ماں نہیں ہے...... ہاں......'' کچھ یاد آنے پر وہ بے طرح خوش ہوا۔ بچوں کے جیسا...... ''ایک ڈائن ہے۔'' خا...

ماہِ اکتوبر

ماہِ اکتوبر سردیوں کی آمد کا واضح اعلان کر دیتا ہے ماسوائے ان جگہوں کے جو سمندر سے نزدیک تر ہوں اور معتدل آب و ہوا لیے ہوئے ہوں۔ یہ مہینہ خزاں کا بھی ہوتا ہے سو ہر ذی روح اپنے قویٰ صحت میں ایک نمایاں تبدیلی کے ظہور پذیر ہونے کے باعث مستعد اور ہشاش بشاش دکھائی دینے لگتا ہے۔ صبح و شام کی خنک اور خشک فضاؤں کے اثرات کے باوجود لیل و نہار کے درمیانی وقفوں میں ہر آدمی اپنی طبیعت میں فعالیت، چستی، فرحت اور بشاشت محسوس کرتا ہے۔ یہ حتمی بات نہیں کہ ایسا سب کے ساتھ ہو۔

اکتوبر کا مہینہ میدانی علاقوں میں لہراؤ اور کوہستانی علاقوں میں ٹھہراؤ کا موسم ہے۔ شمالی علاقہ جات تو برفانی ہواؤں کی لپیٹ میں آنے لگتے ہیں۔

اس ماہ میں غذائی اور ملبوساتی تبدیلیوں کا آغاز نہ صرف موسمی اعتبار بلکہ حفظِ صحت کے نقطۂ نظر سے لازمی اور ضروری ہے۔

اکتوبر ہی وہ مہینہ ہے جس میں بڑوں کو بالعموم نزلہ و زکام کے عارضے اچانک آ دبوچتے ہیں اور بچوں میں خشک کھانسی، کن پیڑے، نمونیہ اور بخار جیسے عارضے گھیر لیتے ہیں...... سو اس ماہ میں تمام احتیاطی تدابیر پر عمل درآمد کرنا ضروری ہے ورنہ موسم کی یہ تبدیلی بڑے عوارض کی ابتدا ثابت ہو سکتی ہے جن شیر خواروں کی پہلی سردی ہو انہیں ابھی سے سردیوں والے لباس اور غذا سے آراستہ کرنا چاہیے۔ بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے نیم گرم پانی سے غسل فائدہ مند ہے۔ بعد میں انہیں ہوا لگنے سے بچائیں۔ دن و رات کے درجۂ حرارت میں خاصا فرق ہوتا ہے سو اس حساب سے لباس اور بستر کا انتخاب کریں۔ عام طور پر پنکھے کی تیز ہوا کے باعث صبح اٹھ کر ٹانگوں میں درد ہونے کی شکایات عام ہو جاتی ہیں۔

سبزیوں میں مولی شلجم اور دیگر بہت سی ترکاری آ جاتی ہے سو اس کا اچار اور ساگ کے ساتھ بھجیا نہایت مفید ہے۔

پتے دار سبزیوں کے سبز اور تازہ پتے کبھی ضائع نہ کریں۔ بچوں کو شروع سے ہی سبزیوں کے ذائقوں سے متعارف کروایے۔ اگرچہ یہ ماں پر منحصر ہے کیوں کہ حمل وضع ہونے کے ساتھ ہی پورے دورانِ حمل ماں کی پسند و ناپسند آنے والے بچوں پر اثر انداز ہوتی ہے سو اپنے آنے والی نسلوں کو صحت مند دیکھنے کی خاطر غیر صحت مندانہ اطوار بدلیے اور فطرت سے قریب تر زندگی کا لطف اٹھایئے۔ پھلوں میں سردا، گرما، مٹھے، چکوترے، سیب، کیلا، انار اور بے شمار دیگر پھل قدرت کے گن گاتے ہوئے آپ کا لقمہ تر بننے کو ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ سو مصنوعی ذائقوں کو خیر باد کہہ کر قدرتی ذائقے اپنایئے۔ دنیاوی نمود و نمائش میں پیسا لگانے کے بجائے اپنے جگر گوشوں کو سبزی اور پھل کا عادی بنایئے۔

جلد کی خشکی کے لیے برسوں کا آزمودہ نسخہ، عرق گلاب، عرق لیموں اور گلیسرین کا ہم وزن آمیزہ استعمال کیجیے۔

بچوں کے جسم پر باقاعدگی سے مالش کیجیے۔ خزاں کا بھی اپنا لطف ہے۔ آرٹسٹ اور دیگر فوٹو گرافرز تو ٹنڈ منڈ درختوں کے مناظر قید کر لینے کے منتظر رہتے ہیں۔

رازدارانہ انداز میں اس نے راشد کے کان میں راز اگل کر داد چاہی تھی۔ ''مجھے اس سے بڑا ڈر لگتا ہے...... میری ماں کو بھی اس نے جلایا تھا۔ ڈر گئے تم بھی؟'' آخر میں اس نے باقاعدہ تالیاں پیٹ ڈالیں۔ رات بہت ہو چکی تھی اس کا جنون کم نہیں ہو رہا تھا۔

راشد نے اسے زبردستی کھڑا کر کے، سہارا دے کر دروازے کی راہ دکھائی۔

''اتنے...... ے...... ے ستارے۔'' باہر کی کھلی فضا میں جاتے ہی اس نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھ کر معصومیت سے کہا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے وہ راشد کے سہارے پر بھی بہ مشکل چل رہا تھا۔

''ان میں...... جو ستارہ...... سب سے زیادہ مدہم ہے...... وہی میری قسمت کا ہے...... ہے ناں۔'' راشد سے تصدیق چاہی۔ اس نے جواب ہی نہ دیا۔

''کہاں جا رہے ہیں ہم؟ دنیا کے اس پار کیا؟''

''نہیں...... میرے گھر...... میری ماں کے پاس۔''

''کیا؟'' راشد کے کندھے پر سے سر اٹھا کر وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

''وہ ڈائن تو نہیں؟''

''نہیں...... تو اسے دیکھ کر اندازہ کر لے گا کہ ماں کیا ہوتی ہے۔ جب وہ تیری تھکن سمیٹ لے گی۔ تب یہ پتا چل جائے گا کہ ماں کیسی ہوتی ہے''

راشد کے کہنے پر وہ بہت زیادہ خوش ہو گیا۔ بچگانہ سے رنگ اس کے چہرے پر پھوٹ پڑے۔ ''ماں'' دیکھنے کی خوشی کے رنگ حالانکہ وہ کئی بار راشد کی ماں سے مل چکا تھا۔

☆☆☆

''توبہ...... آج تو حشر کر دیا میڈم فوزیہ نے۔'' گیٹ کے سامنے بنی روش پر ایک طرف کو دھری بنچ پر بیگ پٹختے ہی رباب نے دہائی دی۔

''تم سے کون کہتا ہے ٹیسٹ یاد کر کے نہ آیا کرو۔ میڈم کا پتا تو ہے تمہیں......''

''کہاں پتا ہے یار......'' کہہ کر رباب نے لمبی سی جمائی لی وہ بھی بڑا سارا منہ کھول کر۔

''اس سے بھی بڑا منہ کھول لیتیں۔ مکھیوں کا جھنڈ گزر سکتا تھا۔'' زویا نے جل کر کہا۔ اسے رباب کا یہ بے تکلف سا انداز خاصا برا لگتا تھا یعنی کہ حد ہی کراس کر جاؤ۔ جمائی یوں لے رہی تھی جیسے برسوں کی نہ سوئی ہو۔

''جمائی لیتے ہوئے منہ کھولنا ہی پڑتا ہے تم کیا کر کے لیتی ہو؟'' آخر میں سوال بھی کر دیا۔

''لگتا ہے میڈم نے جو آتشیں پھول تمہاری شان میں برسائے ہیں وہ تمہارے دماغ پر چڑھ گئے ہیں۔'' زویا رخ پھیر کر ماورا کی جانب متوجہ ہوئی کہ جس کے ہاتھ میں ابھی تک فزکس کے نوٹس تھے۔

''او بس کر میری ماں بس کر۔'' انوشہ نے جھپٹ کر نوٹس اچک لیے۔ ماورا ہائیں۔ ہائیں کرتی رہ گئی۔

''بی ایس سی کو تم نے سر پر ہی سوار کر لیا ہے۔ رکھو یہ جان کے دشمن۔ جب دیکھو کسی محبوب کی طرح خود سے لگائے پھرتی ہو۔'' انوشہ نے نوٹس خود ہی اس کے بیگ میں ٹھونس دیے

''اور ویسے بھی کیا ضرورت ہے اتنا مغز کھپانے کی۔ جب کرنا وہی ''بیاہ'' ہے۔ قسم سے اویس بی اے پاس بیوی کی شرط نہ رکھی ہوتی تو میں میٹرک سے بھی آگے نہ جاتی۔'' رباب کے اس غم کا کوئی تدارک نہیں تھا۔ اس کا فیانسی کم از کم گریجویٹ شریکِ سفر کا خواہش مند...... اور وہ سدا کی پڑھائی سے الرجک...... اویس سے محبت نہ ہوتی تو لعنت بھیجتی اس منگنی پر اور منگیتر پر بھی۔

''چلو...... کسی کے ہاتھ تو آئیں تم...... ویسے رباب...... تمہیں اویس بھائی میں نظر کیا آیا......؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' زویا کے پوچھنے پر رباب کی غراہٹ سننے کے لائق تھی۔

''مطلب...... عام سی شکل صورت کے......''

''بس...... بس...... اسٹاپ اٹ۔'' رباب اپنی فائل لے کر باقاعدہ جنگی کارروائیوں تک آ گئی۔

''رنگت بھی اچھی خاصی ڈم ہے۔'' ماورا کے پیچھے ہو کر زویا نے مزید سلگایا۔ رباب اچک اچک کر اس پر فائل برسانے کی تگ و دو کرنے لگی اور زویا ماورا کو دائیں بائیں گھسیٹ کر خود کو بچانے لگی......

''میری تو جان چھوڑو۔ ہڈیاں ہلا دی ہیں۔'' زویا سے خود کو چھڑانے کے بعد ماورا نے باقاعدہ اپنے بازو دبانے شروع کر دیے۔

''مردوں کی خوبصورتی کوئی نہیں دیکھتا۔ دیکھی جاتی ہے اس کی بھری ہوئی جیب اور شرافت۔ جن سے اویس مالا مال ہیں اور ویسے بھی...... خوبصورت مرد افسانوں میں ہی ہوتے ہیں۔ رئیل لائف میں سورج لے کر بھی ڈھونڈیں تو نہیں ملیں گے۔''

''غلط...... ہنڈرڈ پرسنٹ غلط......'' انوشہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔

''اس دن ماورا کے گھر جو ہم نے ''یونانی دیوتا'' دیکھا تھا۔ اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' انوشہ کے فخریہ سے انداز پر رباب کے تو اوسان سکڑے ہی...... ماورا کے دل کی دھڑکنیں بھی بے ترتیب ہو گئیں۔ وہ یونانی دیوتا ہی تو اس کے دل کا دیوتا تھا۔

''وہ...... ہ'' رباب نے وہ کو جی بھر کر لمبا کیا۔

''بھلائے نہیں بھولتا۔'' زویا کی ٹھنڈی آہ پر رباب مسکرانے لگی۔

''نو ڈاؤٹ ماورا یار...... بندہ نہیں مقناطیس تھا۔ کہاں چھپا کر رکھا ہے اسے ایک بار پھر دیدار کراؤ ناں۔'' رباب نے آنکھ ماری تھی اور انوشہ نے دوہتڑ اس کی پیٹھ پر جڑ دیا...... !!!

''شرم کر...... بھری ہوئی جیب اور شرافت کا لیبل لٹکائے اویس بھائی کے ہوتے ہوئے تو یونانی دیوتا کے دیدار کی طلبگار ہو گئی۔ چھتر دل لگوائیں گے اویس بھائی سے...... !!!''

''یار دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔'' رباب کی ڈھٹائی قائم تھی۔

''یہ تمہیں اویس بھائی ہی بتائیں گے۔''

''ویسے نام کیا تھا اس کا......؟ بھلا سا۔'' زویا نے ذہن پر زور دے کر یاد کرنا چاہا۔ دھڑکنیں سنبھالتی ماورا نے بہ مشکل اس کی جانب دیکھا۔

''سوجھل خان...... نہیں نہیں سجاول۔''

''مائی گاڈ۔'' انوشہ لڑھک کر رباب کی گود میں جا پڑی۔ جس نے خاصی بے دردی سے اس کا سر پرے دھکیلا تھا۔ ''تربوز پیچھے کر۔''

''شکل یونانی دیوتا سی...... اور نام ہندوؤں کے دیوتا جیسا۔ کیوں یار؟''

''اور نہیں تو کیا...... اسٹار پلس کے مشہور ڈرامے کے ہیرو کا نام ہے۔ مزہ کرکرا کر دیا یار۔''

''نقل کر کے رکھا ہے۔'' سب کے اپنے اپنے کمنٹس اسٹارٹ ہو گئے تھے۔ لمبی سی سانس کھینچ کر ماورا نے اس کے نام کا دفاع کرنے کی ابتدا کی۔

''بات تو سنو تم لوگ۔'' اس نے وضاحت کی۔

''سوجھل کا نام اصل میں میرے نانا ابو یعنی سوجھل کے دادا نے رکھا تھا۔ ان کی اماں کا نام ''سوجھلا بی بی'' تھا ہم لوگ چونکہ سرائیکی اسپیکنگ ہیں اور ''سوجھلا'' سرائیکی کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ''روشنی اور اجالا'' وغیرہ کے ہیں۔ ہمارے نانا نے ''سوجھلا'' سے لفظ ''سوجھل'' بنا کر میرے کزن یعنی اپنے پوتے کا نام رکھا اور وہ اسٹار پلس کے ڈرامے کے ہیرو کی نقل کیوں کریں گے۔ وہ تو حال کا ہی ہے اور میرے کزن کو اس دنیا میں آئے پچیس سال سے زائد ہو چکے ہیں۔''

''ماشاءاللہ، ماشاءاللہ، سبحان اللہ۔'' تینوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''اور ویسے ہندوؤں کا نام وہ سب ''سوجل'' لیتے ہیں......''

''اچھا تو...... تمہارے ہیرو کا نام؟'' زویا نے کن انکھیوں سے ماورا کی سرخ ہوتی رنگت دیکھ کر سوال داغ دیا۔ رباب اور انوشہ کی بھی دلچسپ نظریں اس پر پڑ چکی تھیں۔

''بکواس نہیں...... تمیز سے بات کرو۔'' ماورا کے تاثرات سنگین ہو گئے ''اور اس بات کی وضاحت کر دوں کہ اس نے اپنا نام خود ہی سجاول رکھ لیا تھا سو دنیا اسے سجاول کے نام سے ہی جانتی ہے سمجھ آئی نالائقوں......''

''ارے ارے ارے...... ہماری سوہنی موہنی۔'' رباب نے جھٹ بانہیں اس کے گلے میں ڈال کر پچکارا۔ ''مذاق کر رہے تھے۔ تم بتاؤ پلیز۔''

قدرے توقف کے بعد اس نے دوبارہ سلسلۂ کلام جوڑا۔

''اور وہ میرا کزن ہے، ہیرو نہیں۔'' اتنا بتا کر وہ بیگ کے اسٹریپ کو انگلیوں پر لپیٹنے لگی اور اس مشق کو کرنے میں یہ تک فراموش کر گئی کہ وہ اس وقت کالج میں بیٹھی ہے اور اس کی آفت سہیلیاں خاصی معنی خیز مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی ہیں۔ سچ تو یہ تھا کہ سجاول کی شبیہہ اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔

''اچھا خاصا بیٹھے بیٹھے گم ہو جاتا ہوں
اب میں اکثر میں نہیں رہتا تم ہو جاتا ہوں''

تینوں نے ایک دوسرے کو اشارے بازی کرنے کے بعد گلا کھنکار کر یہ شعر بہ آوازِ بلند کورس میں پڑھا تو ماورا جیسے خواب سے لوٹ آئی۔ چور نظروں سے اس نے تینوں سہیلیوں کا جائزہ لیا جن کے تیور اب کڑے ہو گئے تھے ماورا خواہ مخواہ گیٹ پر بڑھتے لڑکیوں کے رش کو مرکزِ نگاہ بنا گئی۔

''ہوں...... ہم سے پردہ داری...... یعنی کہ ہم سے......'' رباب نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

''کمال ہے...... ہم سے......'' ''اب کے انوشہ اور زویا نے جتلایا۔ ماورا بیگ لٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

''بابا پتا نہیں گیٹ کیوں نہیں کھول رہا۔ ٹائم ہو گیا چھٹی کا۔'' اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی۔ رباب نے ہاتھ پکڑ کر اسے بینچ پر دھکا دیا تھا۔ انوشہ نے کھا جانے والی نظروں سے تولا اور زویا نے کسی شیرنی کی طرح غرا کر دونوں ہاتھ اس کی گردن کے گرد یوں پھیلائے تھے جیسے دبا ہی ڈالے گی۔

وہ پلکیں گرائے بیگ کا معائنہ کرنے میں لگی رہی۔

''عزت پیاری ہے تو بتا دو...... سوجھل سوری سجاول کا نام ہم لیں...... اور شکل تمہاری پر گلاب کھل جائیں کیوں بھلا...... پوری کہانی الف سے ے تک سنانا شروع کرو۔ نہیں تو آج اغوا ہو جاؤ گی۔'' زویا نے بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کی سٹی مزید گم کی، باقی دونوں نے زویا کو ''بک اپ'' کیا تھا۔

''ایسا نہیں کچھ نہیں ہے۔ تم غلط......''

''ہم سے چھپن چھپائی...... ارے ہم تو شکل دیکھ کر پہچان جائیں کون لڑکی منگنی شدہ ہے اور کون محبت شدہ، سیدھی طرح سے بتا دو نہیں تو......''

''رباب کا تمہیں پتا ہی ہے کتنی تجربہ کار ہے...... سو اپنی داستانِ محبت اگل دو۔'' زویا کے دھمکانے کا اثر صفر رہا۔ وہ ہنوز بت بنی بیٹھی رہی۔

''ارے غضب خدا کا...... میں نے تو پہلے ہی دن سے بتا دیا تھا کہ آج اویس نامی لڑکے سے میری لو اسٹوری اسٹارٹ ہوئی ہے منگنی تک ایک ایک بات بتائی اور تم اتنی گھنی...... اتنی میسنی۔''

''اب ہر لڑکی تمہاری طرح کمینی تھوڑی ہوتی ہے۔'' ماورا نے اچانک ہی کہہ کر رباب کی بولتی بند کر دی۔ وہ بلبلا کر اسے دیکھے گئی۔

''نہ سہی...... لیکن اس کمینی کی دوست تو ہو نا۔ اب بتا دو۔''

''بتاؤ نہیں تو ہم نوٹس بورڈ پر لکھوا دیں گے۔ ماورا سجاول خان کے عشق میں گوڈے گوڈے ہے۔'' زویا نے آخری کارآمد دھمکی دی۔ ماورا کتنی ہی دیر خشمگیں نظروں سے اسے گھورتی رہی۔

''عشق وشق کا تو مجھے نہیں پتا۔'' پھر تھک کر دل کا حال کھولنے کی ٹھان لی کہ سامنے بیٹھی ''جونکیں'' اسے نہیں چھوڑنے والی تھیں۔

''بس وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔'' دھیمے سے لہجے میں رنگین مسکراہٹ سجا کر اس نے سچ اگل دیا کہ جو کہا اسے سرشار بھی کر گیا تھا۔

''او...... و...... و......'' تینوں نے کورس میں اور زور سے کہا کہ آس پاس کی لڑکیاں بھی متوجہ ہو گئیں۔ ''او...... و...... و......'' اب کے مارے جھنجھلاہٹ کے ماورا نے اپنی فائل انوشہ کے سر پر دے ماری۔ اس کی ''او......'' سب سے اونچی تھی۔

''کچھ بھی نہ کہا اور کہہ بھی گئے...... یار اس جملے میں اس ساری داستان قید ہے۔ تم سے زیادہ اچھا تو تمہارا یہ چہرہ ہے۔ پوری کہانی سنا رہا ہے۔''

وہ چپ چاپ دوستوں کے معنی خیز، چھیڑ چھاڑ بھرپور جملے سن کر محظوظ ہوتی رہی۔ سچ تو یہ تھا کہ اس کو یہ چھیڑ چھاڑ بہت بھلی لگ رہی تھی۔ خود پر نئے احساسات کا در کھل رہا تھا۔ سجاول کا ہونا اس کے لیے کتنا معنی رکھتا ہے یہ سب واضح ہو رہا تھا۔

''ویسے...... بڑا زبردست بندہ ''تاڑا'' ہے تم نے......'' زویا، کی اس بات پر اس نے مقدور بھر گھوریاں اسے پلائیں۔

''اینگری ینگ مین...... قسم سے دیکھو یوں لگ رہا تھا جیسے ساری دنیا جیب میں رکھ کر بیٹھا ہو۔'' انوشہ کے چٹخارا لے کر کہنے پر وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔ یعنی کہ ساری دنیا...... اور وہ بھی سجاول کی جیب میں صدی کا عظیم الشان لطیفہ تھا۔

''اینگری ینگ مین کرتے کیا ہیں؟'' رباب کے اس سوال نے اس کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا دی۔ کیا بتائے کیا کرتا ہے......!

میٹرک سائنس میں شاندار رزلٹ دینے والا...... ایف ایس سی میں کیوں ڈانواں ڈول ہو گیا کہ بہ مشکل کلیئر ہی کر سکا اور پھر...... بی اے میں متواتر دوبار ایک بھی پرچہ کلیئر نہ کر سکا کیا کہے......!!! یہ کہ خود کو اذیتیں دے دے کر کم مائیگی و خود ترسی کی تفسیر بنا پھر رہا ہے......!!

نہ ''تھنگ'' گہری سانس کھینچنے کے بعد کہا تو صرف اتنا جسے سن کر باقی تینوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر کندھے اچکائے تھے۔

''مطلب بے روزگار ہے؟'' رباب نے جملے کا مفہوم قابلِ اطمینان نکالا تو وہ محض ''ہوں'' کہہ کر رہ گئی لیکن اندر ہی اندر ''دل'' سے شکایتیں کرنا نہ بھولی کہ جس نے اپنا مکین بنایا بھی تو کس کو...... سجاول خان کو کہ جس کا بائیو ڈیٹا بتاتے ہوئے دل خود سر نیہوڑا کے بیٹھ جاتا تھا اور عقل کو مخمصے میں ڈال دیتا تھا۔ دفعتاً ''بابا'' نے گیٹ کھول دیا تو سب کی جانب سے سجاول نامہ بند ہوا۔

گیٹ پر ہمیشہ کی طرح ''ہادی'' اس کا منتظر تھا اور اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح ''انوشہ'' کے چہرے کی بدلتی رنگت ماورا پر خوش کن کہانیاں آشکارا کرنے لگی تھی۔

''اپنے بھائی سے کہو۔ ایک نظر ادھر بھی ڈال لیا کرے۔ صرف ایک دید کی آس میں...... میں بے حیا بنی تمہاری نظروں کو نظر انداز کیے اس شہزادے کو گھورتی رہتی ہوں اور یہ ہے کہ...... تمہارے کزن کی طرح...... اس نے بھی دنیا جیب میں رکھی ہوئی ہے کیا؟'' انوشہ کا دل اسے چٹکیاں لیتے لیتے عاجز آ گیا کہ ماورا سے یہ چند جملے کہہ دو...... لیکن جتنی بھی فرینک سہی۔ دوست سے یہ کہنے میں حجاب و لحاظ آڑے آ گیا کیا سوچتی سن کر...... انوشہ جیسی

بےشرم کوئی نہیں !!

اپنی گاڑی میں بیٹھنے تک اس کی بے تاب نگاہیں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہادی کو حصار میں لیے رہیں۔

☆☆☆

وقت کا کام ہے بنا کسی رکاوٹ کے چلتے رہنا...... سو وہ آگے بڑھتا گیا۔ قطع نظر اس کے کہ سجاول کی زندگی جمود کا شکار تھی اور شاید یہ جمود ہمیشگی لیے ہوئے تھا۔

آتے جاتے موسموں کے اچھے برے تیور اس کی جامد و سپاٹ سی زندگی پر اثر انداز ہونے میں ناکام رہتے۔ اس کے اندر کا موسم صرف ایک ہی تھا...... کہر آلود...... یا پھر خزاں رسیدہ جہاں سالہا سال سے خزاں کا راج تھا اور کب کے سوئے ہوئے جذبات پر کہر لپٹی ہوئی تھی......!!!

''جبھی تو...... عرصہ ہوا اس نے گھر اور گھر کی سرگرمیوں میں دلچسپی لینا چھوڑ دیا تھا اور یوں بھی...... گھر کے کسی بھی معاملے میں اسے در اندازی کی ہرگز ہرگز اجازت نہ تھی اور سچ تو یہ تھا کہ اسے در اندازی کا شوق بھی نہیں تھا۔ اسی وجہ سے تو وہ لاتعلق سی زندگی بسر کر رہا تھا لیکن...... عجیب بات یہ ہوئی کہ...... گھر میں وقوع پذیر ہونے والی دو مرکزی تبدیلیاں ہی اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔

ان کا گھر ہمیشہ سے روایتی اقدار کا پابند رہا تھا۔

افضال خان کے زمیندار، یا اعلیٰ افسر ہونے نے بھی گھر میں جدیدیت کو داخل نہیں ہونے دیا اس کی بڑی وجہ کچھ تو افضال صاحب کا روایت پسند ہونا تھا لیکن اس میں زیادہ تر ہاتھ رشیدہ خاتون کا تھا وہ گھر کو سجانے سنوارنے میں ذرا بھی دلچسپی لیتیں تو کوئی وجہ نہیں تھی افضال صاحب کے آمنا صدقنا کہنے کی لیکن...... دیگر بہت سی باتوں میں شاطرانہ چالیں چلنے والی رشیدہ کا مزاج گھر اور گھر کی چیزوں کے متعلق کافی ٹھس سا رہا۔ اس معاملے میں ''جیسا ہے ٹھیک ہے'' کی پالیسی پر عملدرآمد رہیں۔ بس شوہر قبضے میں رہے...... یہی بہت تھا۔

گھر کی صفائی، ستھرائی، سجاوٹ میں مغز ماری کرنے کی وہ کبھی شوقین نہیں رہیں۔ نوکرانی ایک وقت میں جو صفائی پارے باندھے کر جاتی وہی کافی ہوتی...... بعد میں جتنی بھی دھول اڑتی رہے ان کی بلا سے۔ وہ مزے سے مسہری توڑتی رہتیں۔

یہ تو ''خوشی'' کچھ کام وام کرنے کے قابل ہوئی تو گھر میں صفائی ستھرائی کا راج ہوا اور کام والی ماسی کے بھی کان کھنچنے لگے۔

بہرحال...... گھر میں ہونے والی اس تبدیلی کا مرکزی کردار حسین ثابت ہوا۔ جس کی سروس کے بعد سے گویا گھر میں ''دلکشی'' آگئی۔ پیسے کی پہلے بھی کوئی کمی نہیں تھی لیکن اب تو گویا چھپر پھاڑ کر برسنے لگا۔ بلا کی تیز رفتاری سے گھر کا نقشہ حسین کے توسط سے بدلنے لگا۔

قیمتی ترین فرنیچر اور دیگر آرائش کی اشیا ایک طرف...... گھر کی رینوویشن تک کرا دی گئی ماسوا سجاول کے کمرے کے...... کہ جس میں نہ تو کسی چیز کا اضافہ ہوا اور نہ ہی تعمیرِ نو۔ ویسے بھی کونے کھدرے میں موجود اس کمرے پر کسی کی نظر کیا ہی پڑتی تھی......!!

حسین نے ان تمام کاموں کے لیے باپ سے سرسری ذکر کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ جبھی تو افضال صاحب پہلے تو خاموشی کا لبادہ اوڑھ بیٹھے...... پھر ایک روز سجاول نے انہیں حسین پر اچھا خاصا ناراض ہوتے دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

''اللہ نے تمہیں پیسا کمانے کا موقع دیا...... اور وہ تمہارے ہاتھ فراوانی سے آ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اسے خواہ مخواہ ہی اڑانا شروع کر دو۔ میرا نہیں خیال کہ یہ گھر اتنا ناقابل رہائش تھا کہ جس میں تم نے سرخاب کے پر لگا کر اسے رہائش کے قابل بنایا۔ آج کل کے دور میں سر پر چھت ہونا ہی بڑی بات ہے۔ پیسا بچا کر رکھنا مستقبل میں کبھی نہ کبھی...... کسی نہ کسی موقع پر کام آ سکتا ہے۔ گھر کی تعمیرِ نو کر کے اور یہ خرافات خرید کر تم نے کمال نہیں کیا......'' حسین کافی خفا سا نظر آیا۔ ایسے میں رشیدہ خاتون امدادی کمک نہ پہنچاتیں، یہ ممکن تھا بھلا۔

''آئے ہائے بچے کے پیچھے ہی پڑ گئے...... یہاں بھی پیسا لگایا کام کی جگہ لگایا۔ شراب چرس پر تو نہیں اڑایا۔ بجائے تعریف کرنے کے دل ہی توڑ رہے ہیں بچے کا۔'' مگر افضال صاحب کافی دنوں تک ''دل جوڑنے'' کے موڈ میں نظر نہ آئے۔

سجاول کا ماتھا اس لیے ٹھنکا کہ اسے یہ پیسا خالی پرائیویٹ کمپنی کی عنایت نہیں لگ رہا تھا۔ حسین کے ہاتھ کچھ ایسا ضرور لگ گیا تھا کہ دولت اس کے گھر دوڑنے لگی۔

کمپنی اب ایسی بھی مہربان نہیں تھی کہ الماریاں بھر بھر موقع بے موقع نہ صرف یہ کہ تنخواہیں دے بلکہ سال میں وہ ایک بار بیرونِ ملک گھمانے کا ذمہ بھی اٹھائے اور دوسرا تغیر اسے بہن کے معمولات میں نظر آیا۔ وہ خوشی جو ایف ایس میں آنے کے بعد ہر وقت نوٹس رٹنے میں نظر آتی آج کل پڑھنا لکھنا بھول بھال جانے کن خیالات میں گم رہنے لگی تھی۔ اسے نامعلوم سی افسردگی اور رنجیدگی اس کے چہرے پر پھیلی محسوس ہوئی تھی اس لیے بلا ارادہ ہی وہ اس کے معمولات جاننے پر بضد ہو گیا حالانکہ وہ ایسا مہربان نہیں تھا کہ گھر کے کسی فرد کو افسردہ دیکھ کر اس کی افسردگی جاننے کی ٹوہ میں لگ جائے لیکن خوشی کے لیے اس کے دل میں نرم گوشہ ہمیشہ موجود رہا تھا۔ اس وجہ سے بھی کہ وہ ''بہن'' تھی سوتیلی ہی سہی لیکن ''بہن'' ہونا ہی اس کے لیے معنی رکھتا تھا۔ دوسرے وہ افضال صاحب کی کاربن کاپی تھی۔ یعنی خود سجاول سے کافی حد تک مشابہہ، سو فطری طور پر ہی وہ خوشی کے غیر معمولی انداز پر چونکا ہو گیا جو غیر معمولی ہی نہیں پُراسرار بھی تھا۔

☆☆☆

سجاول کو آتے دیکھ کر خوشی نے کچن کی جانب دوڑ لگائی۔

رشیدہ خاتون نے اس کے اس اتاؤلے پن کو خاصی مشکوک نظروں سے دیکھا تھا۔ یہی نہیں ماتھا تک ٹھنکا بیٹھی تھیں اور کافی کڑے تیوروں کے ساتھ کچن کے دروازے کے اندر ہونے والی سرگرمیوں کی جانب متوجہ رہیں پھر برداشت سے باہر ہوا تو تجسس طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچن میں چلی آئیں جہاں موجود خوشی کھانا گرم کرنے میں مشغول تھی۔ رشیدہ کی موجودگی محسوس کر کے بھی وہ اپنی مصروفیت ترک نہ کر سکی۔

''سب تو کھانا کھا چکے...... یہ کس کے لیے گرم کر کے لے جا رہی ہو؟'' خوشی کو ٹرے میں وہ سارے لوازمات...... جو انہوں نے آج حسین کی آمد پر خصوصاً محنت اور محبت سے تیار کیے تھی سجاتا دیکھ کر پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

''سجاول بھائی کے لیے'' ٹرے میں خالی پلیٹوں کے اوپر سالن کا چھوٹا سا ڈونگا رکھتے ہوئے خوشی کی بے نیازی تاؤ دلانے والی تھی۔

''سجاول...... اور بھائی۔'' خوشی نے جس پیار سے اس کا نام لیا تھا اور جس اہتمام سے وہ اس کے لیے ٹرے سجا رہی تھی یہ دیکھ اور سن کر رشیدہ خاتون غش کھانے کو آ گئیں۔ وہ بیٹی...... جو سجاول سے نفرت کرنے میں، اسے ہر پل، ہر لمحہ اپنی اوقات یاد دلانے میں کل تک ان کا پرتو تھی آج...... آج اتنے پیار سے سجاول کے لیے کھانا گرم کر رہی تھی۔ وہ غش نہ کھاتیں تو کیا کرتیں......!!

''یہ...... یہ...... تم۔'' ٹرے کی جانب اشارہ کر کے وہ تقریباً ہکلا گئیں۔ ''تم پاگل ہو گئی ہو کیا...... اس...... اس مسٹنڈے کے لیے جو کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا...... یہ تم اس کی خدمت میں''

''جی ہاں امی'' خوشی کے اطمینان میں ذرا جو کھلبلی مچی ہو ماں کو جلدی روپ میں آتا دیکھ کر

ٹرے اٹھا کر قدم موڑنے سے پہلے اس نے ماں کی آنکھوں میں جھانک کر مزید کہا۔ ''میں بھائی کی خدمت کیوں نہیں کر سکتی؟'' حسین بھائی، عدنان بھائی، روحیل اور خرم کی طرح وہ بھی میرے بھائی ہیں۔ ایک ہی خون ہے ہمارا۔''

''خوشی۔'' رشیدہ کی غراہٹ کچن سے باہر تک کا سفر کر گئی۔ ''دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا، وہ حرام زادہ..... میری سوکن کا بیٹا..... تو اسے میرے بچوں کے ساتھ ملا رہی ہے، تیرا دل نہیں کانپا، کیا گھول کے پلا دیا ہے اس نے تمہیں اور کب پلایا..... میں کہاں مر گئی تھی..... ارے ہے ناں اسی ناگن کا بیٹا جس نے میرے سر میں خاک ڈالی اور بیٹا میری.....'' رشیدہ کا بس نہیں چل رہا تھا خوشی کو پھٹر مار مار کر جتلائیں کہ وہ سجاول کی خدمت کر کے کس قدر عظیم گناہ کرنے جا رہی ہے۔ یہ نہ سہی اس کے ہاتھ میں تھمی ٹرے ہی الٹ دیں یعنی کہ حد ہو گئی..... ان کی بیٹی..... اس عورت کے بیٹے کی خدمت..... مارے غصے کے وہ ہمیشہ کی طرح تو تکار تک آ گئیں۔

''بس کریں امی۔ اپنا یہ پرانا ریکارڈ بس کریں۔ جسے بجا بجا کر آپ نے گھسا ڈالا ہے۔ وہ معصوم عورت۔ قبر میں جن کی ہڈیاں سوختہ ہو گئیں ہوں گی۔ نہ انہوں نے پہلے آپ کا کچھ بگاڑا نہ اب آ کر بگاڑ سکتی ہیں۔ بس کریں اس عورت کی ذات کی دھجیاں بکھیرنا..... جن کے توسط سے آپ کو پانچواں بیٹا ملا۔ یعنی کچھ لینے کے بجائے انہوں نے آپ کو اتنا قیمتی تحفہ دیا۔ خیر..... میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔ بہتر ہے آپ بھی کھول لیں کہیں ایسا نہ ہو آپ سے پہلے ابو کی آنکھیں کھل جائیں اور پھر وہ خود آپ کی آنکھیں کھولنے کی ذمے داری اٹھا لیں کیونکہ بہرحال سجاول بھائی ان کے بیٹے ہی ہیں آج نہ سہی کل کلاں انہیں اس بات کا ادراک ہونا ہی ہوتا ہے.....'' یہ کہہ کر خوشی نے دروازے تک قدم بڑھا لیے۔ رشیدہ خاتون کی آنکھیں بیٹی کا یہ روپ دیکھ کر حقیقتاً کھل گئیں لیکن مارے خفت کے نہیں..... بلکہ بے تحاشا اشتعال کی وجہ سے.....

''اور ہاں'' دروازہ عبور کرنے سے پہلے خوشی نے اچانک ہی کہا۔ ''وہ بہت بے ضرر انسان ہیں آپ خواہ مخواہ کا عناد مت پالیں۔ یقین مانیے آپ کی ایک ممتا بھری نظر کے بدلے وہ اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے..... سچ امی۔'' وہ چلی گئی۔

اور پیچھے رشیدہ کے غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ غصے اور اشتعال کا یہ عالم تھا کہ ان کی آنکھیں پانی چھلکانے لگیں۔

''میں چھوڑوں گی نہیں تجھے، میرے گھر میں بچوں کو اس قابل بنائے کہ وہ مجھے پڑھانے لگیں۔ میں یہ کبھی نہیں برداشت کروں گی، کبھی نہیں.....'' ہونٹ پھل پھل کرانہوں نے زخمی کر ڈالے۔

☆☆☆

خوشی نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

''کون ہے.....!!'' اندر سے اس کی کرخت آواز ابھری پہلے کبھی کسی نے اس کے کمرے میں آنے کے لیے کیا ایسے اخلاقیات نبھائے تھے جو جواباً اخلاق نبھارتا!!!

''میں ہوں بھائی!'' خوشی کی دھیمی سی آواز پر وہ اچھل کر بیڈ سے اترا تھا اور سرعت سے دروازہ کھول کر ایک طرف کو ہو گیا۔

''آجاؤں؟'' خوشی کے چہرے پر معصوم سی مسکراہٹ تھی۔ سجاول خوامخواہ تذبذب کا شکار ہوا۔ خوشی کے ہاتھ میں ٹرے دیکھ کر حیرانی الگ سوار ہو رہی تھی۔

''آجاؤں بھائی!'' اب کے خوشی ذرا بلند آواز میں بولی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر واپس بیڈ پر جا بیٹھا۔

''یہ لیں جناب..... آپ کا لنچ۔'' اس کے سامنے چھوٹی سی ٹیبل کھسکا کر ٹرے رکھنے کے بعد خوشی نے خوش دلی سے کہا اور خود چیئر پر بیٹھ گئی۔ اس

کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نمایاں تھے۔

''اس کی کیا ضرورت تھی؟'' زندگی میں پہلی بار کوئی اس کے لیے اہتمام کے ساتھ کھانا گرم کر کے لایا تھا پھر بھی اس کی آنکھیں جذبات سے عاری ہی رہیں۔

''کیوں بھائی..... باقی سب گرم کھانا کھا سکتے ہیں آپ نہیں؟'' وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا کہ جس کی آنکھوں میں تشکر ہی نہیں، بھائی سے محبت کا احساس بھی جاگزیں ہو گیا تھا سجاول کے اندر ہلکی سی ٹھنڈی پھوار برسی تھی۔

''بھائی'' اسے مسلسل دیکھتا پا کر خوشی اٹھ کر اس کے دائیں طرف بیڈ پر جا بیٹھی۔ اس کا ہاتھ تھام کر بولی تو لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ ''آپ نے میرے لیے اتنا کیا ہے میں آپ کے لیے یہ چھوٹا سا کام بھی نہیں کر سکتی۔'' سجاول گہری سانس کھینچ کر رہ گیا۔

''نہیں گڑیا..... تمہاری امی کو برا لگے گا..... اور پھر..... اور پھر میں کہاں عادی ہوں ان محبتوں کا، میرے مزاج نہ بگاڑو، مجھے ایسے ہی رہنے دو، یہی بہتر ہے کہ تم نے مجھے بھائی سمجھ کر معاف کر دیا۔ عزت دی..... اور جو تمہارے ساتھ ہوا اور جو میں تمہارے لیے کیا اسے بھول جاؤ۔ بھائی بہنوں کی حفاظت نہیں کریں گے تو کون کرے گا میرا فرض تھا وہ.....'' نظریں جھکائے جھکائے اس نے یہ سب کہا۔ خوشی کتنی ہی دیر تک محبت سے، احترام سے اس کا قدرے مرجھایا ہوا چہرہ دیکھتی رہی۔

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔ آئندہ سے مجھے بھی اپنی بہن ہونے کا مان دیجیے۔ میرے ہوتے ہوئے ممکن ہی نہیں میرے بھائی کو اس گھر میں کوئی تکلیف ہو..... چلیے اب..... کھانا کھائیے۔ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔'' سجاول کے لبوں کو ہلکی سی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔ ٹھنڈا..... اس گھر میں وہ تازہ اور گرم کھانا کھا رہا تھا۔

خوشی نے خود ہی نوالہ اس کے منہ میں ڈال کر کھانے پر مجبور کیا تھا۔

اسے بے حد طمانیت سی محسوس ہوئی محبت اور خلوص کا یہ رنگ نیا ہی نہیں خوش کن بھی تھا۔ وہ طویل عرصے کے بعد گھر کا کھانا رغبت سے کھانے لگا اور خوشی..... اس کے چہرے پر پھیلتے انوکھے رنگوں کو دیکھتی ان لمحوں کے زیر اثر آ گئی کہ جو سجاول کے توسط سے اس کی زندگی سے الگ ہوئے تھے ورنہ..... ورنہ جانے حالات کیا ہوتے.....!!!

وہ سجاول..... جو سب کے لیے پھٹکار کا درجہ رکھتا تھا اس کے لیے فرشتہ بن گیا تھا زیادہ دن تو نہیں ہوئے تھے اس جاں گسل واقعے کو رونما ہوئے..... جب اس کا سب کچھ اس سے چھننے جا رہا تھا..... آنکھ بند کرتی تو ایک ایک منظر تازہ ہو جاتا۔

☆☆☆

ان کی کلاس انچارج مس تہمینہ اس روز کافی غصے میں تھیں۔ ''یہ اسکول ہے کوئی تفریح گاہ نہیں کہ جب گھر میں بیٹھے بیٹھے بوریت ہونے لگے تو منہ اٹھا کر یہاں آ جائیں اسکول میں دل نہ لگے تو اپنی مرضی سے چھٹیاں کر لیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے کیا؟ ٹیچرز مر گئی ہیں کہ آپ application دیے بغیر چھٹی ماریں اور مجھے تو حیرت ہوتی ہے ان ماں باپ پر جو کہ تعلیم کو مذاق سمجھ کر بچوں کو چھٹیاں کروانے میں کوئی نقصان محسوس نہیں کرتے۔''

مس تہمینہ کے اس غصے بھرے لیکچر کی سامع پوری کلاس تھی اور پوری کلاس جانتی تھی کہ ان کے غصے کا محرک مسلسل مہینے بھر سے غیر حاضر رہنے والی ''سعیدہ'' ہے جو ساری لڑکیوں سمیت خوشبو بھی دم سادھے مس کا لیکچر سنتی رہی کہ جس میں مزید تندی آ گئی تھی اور آنا بھی چاہیے تھی۔

''ایک تو نالائق اوپر سے چھٹیاں کرنے میں ملکہ..... طاہرہ، رفعت تم لوگوں کو وہ شہزادی کچھ نہیں بتاتی کہ باپ کا اسکول سمجھ کر چھٹیاں کیوں کر رہی ہے.....؟؟'' مس نے اب کی بار ڈائریکٹ سعیدہ کی فرینڈز کو مخاطب کیا کہ جن کی رفعت اڑ گئی تھی۔

''وہ..... وہ مس۔'' رفعت نے کھڑے ہو کر

تھوک نگلا۔ ان کی قہر آلود نظریں اسے کپکپانے پر مجبور کر رہی تھیں۔ ساتھ ہی ہر لڑکی کی عجیب سوالات سے بھری آنکھیں بھی گھبراہٹ دوچند کر رہی تھیں۔

"اس کے چچا کی شادی ہے مس۔" یہ ایک جملہ برآمد کرنے میں رفعت کو کتنی مشکل پیش آئی یہ وہ جانتی تھی یا اس کا اللہ۔ مس تہمینہ کا غصہ سوا نیزے پر چڑھ گیا۔

"ماشاءاللہ..... سعیدہ نے چچا کا نکاح پڑھوانا تھا کیا..... اور یہ کیسی شادی ہے جو مہینہ ہو گیا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی..... چچا کی بھگتا کر اب خود تو گھونگٹ کاڑھ کر نہیں بیٹھ گئی۔" مس کے اس قدر غصے کے باوجود لڑکیوں کی دبی دبی ہنسی کلاس کی خاموش فضا میں گونج اٹھی۔ "مجھے حیرت ہوتی ہے ماں باپ شادیوں پر بچوں کو چھٹیاں کیوں کروانے لگتے ہیں.....؟ بچوں کا ایسے فنکشنز میں کیا کام.....؟ میں تو سخت خلاف ہوں اس بات کے کہ گھر میں چاہے شادی ہو چاہے فوتگی..... بچوں کو گھر بٹھا لیا جائے نہ تو بچوں نے نکاح پڑھانا ہوتا ہے نہ جنازہ پھر چھٹیاں چہ معنی دارد۔ ایک ہمارا زمانہ تھا..... میری سگی خالہ فوت ہو گئی تھیں اور میری امی مجھے اپنے ہمراہ نانا کے گھر محض اس وجہ سے نہیں لے گئی تھیں کہ میرے اسکول کا حرج ہو گا اور آج کل کے ماں باپ ہیں بچے مہینوں گھر بیٹھ جائیں، شادیاں اٹینڈ کریں کوئی پروا ہی نہیں۔ پوچھ گچھ ہی نہیں..... یہ تربیت کر کے ملک کا مہذب شہری بنائیں گے کل کو....."

"ایکسکیوزمی مس۔" تہمینہ نے فوراً اس آواز کی سمت توجہ مبذول کی تھی خوشبو ہونٹ بھینچے اپنی سیٹ سے کھڑی ہو چکی تھی۔ مس تہمینہ کا بار بار..... "آج کل کے ماں باپ" کہہ کر ان کی تربیت کو موردِ الزام ٹھہرانا اسے ناگوار گزرا تو وہ۔ "جو ہوتا ہے ہو جائے۔" سوچتی کوئی سچ اگلنے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"یس بچے۔" کلاس کی سب سے جینئس اور ویل مینرڈ لڑکی سے مخاطب ہونے پر مس کا لہجہ خود بخود ہی نرم ہو گیا۔ ان کے برعکس..... سعیدہ کی رازدار سہیلیاں بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"مس سعیدہ کی چھٹیاں کرنے میں ان کے پیرنٹس کا کوئی ہاتھ نہیں اور نہ ہی اس کے کسی چچا ماموں کی شادی ہو رہی ہے۔" اتنا کہہ کر خوشبو خاصی سخت نظروں سے رفعت اور طاہرہ کو دیکھا کہ جن کی حالت پتلی ہو رہی تھی۔

"تو....." مس تہمینہ سچ جاننے کی فکر میں چین ہو کر بولیں۔

"تو یہ کہ..... سعیدہ اپنے پیرنٹس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر روزانہ اسکول یونیفارم میں اسکول کے گیٹ تک آتی ہے..... لیکن..... یہاں اندر آنے کے بجائے وہ کہیں اور چلی جاتی ہے۔ پہلے سعیدہ ہفتے میں دو ایک بار ایسا کرتی تھی لیکن اب مہینہ ہونے کو ہے اس کی یہی روٹین ہے۔ ماں باپ گھر میں یہی سمجھتے ہوں گے کہ وہ اسکول جاتی ہے کیونکہ عین چھٹی کے وقت وہ دوبارہ سے اسکول آ کر رفعت اور طاہرہ کے ساتھ گھر چلی جاتی ہے۔ اب وہ سارا دن کہاں گزارتی ہے..... یہ طاہرہ اور رفعت بتا سکیں گی۔" اتنا کہہ کر خوشبو اپنی ڈیسک پر دوبارہ سے بیٹھ گئی۔ چہرے پر اطمینان اور سچ بول لینے کی خوشی نمایاں تھی اور اگر یہ سچ بولنے سے قبل ہی اسے پتا چل جاتا کہ بطورِ انعام وہ ایک کڑے امتحان سے گزرنے والی ہے تو شاید بھی نہ بولتی اور نہ ہی بول لینے کے بعد اس قدر سرشاری محسوس کرتی۔

"اوہ خدا..... یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ پڑھائی کے بہانے یہ لڑکی کیا کھیل کھیل رہی ہے.....!!!"

مس تہمینہ قدرے توقف کے بعد تاسف سے سر ہلا ہلا کر بولیں اور کافی دیر تک اظہارِ افسوس کرتی رہیں..... وہ بھی بے یقینی سے انداز میں اور دوسری طرف..... طاہرہ اور رفعت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کی تفسیر بنی جل تو جلال تو کا ورد کر رہی تھیں لیکن آ

کہانی لکھیے

شہرت کی ناقابل یقین بلندیاں آپ کی منتظر ہیں

اگر آپ کہانیاں لکھنے کی شوقین ہیں اور اس شعبے میں ناموری حاصل کرنا چاہتی ہیں..... تو دیر نہ کریں

ماہنامہ دلکش کراچی

آپ کو اپنی شناخت بنانے کا سنہری موقع فراہم کر رہا ہے۔
آپ کی کوشش اور ہماری حوصلہ افزائی آپ کے خوابوں کو تعبیر دے سکتی ہے

اپنی

کہانیاں / افسانے / آپ بیتیاں اور دیگر نگارشات

اپنے مکمل کوائف کے ہمراہ جلد درج ذیل پتے پر ارسال فرمائیں۔
شائع ہونے والی تمام تحریروں پر مناسب معاوضہ دیا جائے گا۔

ماہنامہ دلکش
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز، 63 سی، فیز 2، ایکس ٹینشن، مین کورنگی روڈ کراچی
فون: 5895313 فیکس: 5802551

جو بلا آنی تھی سو آ گئی تھی۔

مس تہمینہ بے یقینی کی کیفیت سے باہر نکلیں تو انہیں طاہرہ اور رفعت نظر آئیں۔ فوراً ان کی گوشمالی کی۔ لفظی گھیراؤ کے بعد دونوں کو تقریباً گھسیٹتا ہوا پرنسپل کے آفس لے جا کر انہیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ جسے سن کر وہ بھی غم و غصے میں گھر گئیں۔

چھٹی ہونے میں ابھی کافی دیر تھی۔ سعیدہ کے ماں باپ کو ارجنٹ بلایا گیا۔ سعیدہ کی ماں اپنے بڑے بیٹے کے ہمراہ افتاں و خیزاں بھاگی چلی آئیں۔ غریب، لاچار عورت..... بیٹی کے بارے میں یہ انوکھی اور ہیبت ناک سی معلومات سن کر وہیں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑے آنسو بہانے بیٹھ گئیں۔ یونیفارم پہن کر اسکول آنے کے بہانے وہ کہاں جاتی ہے یہ آنکھوں کا اندھا بھی بنا دیکھے سمجھ سکتا تھا۔ سعیدہ کا کردار پہلے ہی ٹیچرز کے لیے ناپسندیدہ تھا۔ غریب گھرانے کی ہونے کے باوجود وہ نام نہاد فیشن میں لپٹی نظر آتی تھی۔

ٹیچرز کی بار بار تنبیہہ پر کہ اسکول گرل ہونے کی وجہ سے اسے ایک حد تک رہنا چاہیے وہ پھر بھی بڑے بڑے گھٹیا سے جھمکے، گلے میں لٹکتی آرٹیفیشل زنجیریں پہننے سے باز نہ آتی چاہے اساتذہ کی مار ہی کھانا پڑے۔ اس کے علاوہ اس کے ہاتھ ہر وقت مہندی کے مختلف ڈیزائنز سے رچے نظر آتے کہ جو ہر ایک ٹیچر کی آنکھوں میں چبھتے تھے۔

انڈین فلمی اسٹارز کی تصاویر کئی بار مس تہمینہ نے اس کی نوٹ بکس میں سے پکڑ کر اس کے کان کھینچے تھے۔

ان سب باتوں کی وجہ سے کسی کو یہ یقین کرنے میں تامل نہ ہوا کہ وہ ان سے بھی بڑے گل کھلا رہی ہے۔ مارے دہشت کے طاہرہ اور رفعت نے بھی فوراً ساری کہانی بتا دی تھی کہ وہ کس سے اور کہاں ملنے جاتی ہے۔ انہیں اپنا تعلیمی سفر اختتام پذیر ہوتا واضح نظر آ رہا تھا بہرکیف.....!!!

اس روز چھٹی کے وقت خوش باش لوٹی سعیدہ کی ''کم عمر لو اسٹوری۔'' کا بھی دی اینڈ ہو گیا۔ ٹیچرز اور پرنسپل نے مقدور بھر اسے برا بھلا کہا ہی اس کے مارے شرم کے آدھی ہوئی بیٹھی ماں نے وہیں پرنسپل کے آفس میں اسے مارنا شروع کر دیا۔

''اتنی چھوٹی سی عمر میں یہ حرکتیں بہت حیران کر رہی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ آئندہ بھی باز نہیں آئے گی میرا آپ کو مشورہ ہے آپ اسے تعلیم سے اٹھا کر کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر فوراً اس کی شادی کر دیں۔''

جس وقت اسے اس کی ماں گھسیٹ کر لے جا رہی تھی۔ اس وقت پرنسپل نے الوداع کہنے سے قبل یہ جملے ادا کیے تھے۔

آفس سے باہر نکلنے کے بعد بیرونی گیٹ کی روش پر لڑکیوں میں گھری ''خوشبو'' پر سعیدہ نے کالی قہر بھری نظریں ڈالی تھیں۔

''یہ تو خوشبو نے اس کا پول کھول دیا نہیں تو اس نے ماں باپ کے سر میں خاک ڈالنی تھی۔ ہمارے بھی ادارے کو بدنام کرنا تھا۔''

مس تہمینہ کا دوسری ٹیچرز کو کہا گیا یہ جملہ اب بھی گونج رہا تھا اور اس وقت خوشبو اسے کونین کی کسی گولی کے مانند لگ رہی تھی۔

خوشبو اور اس کے گروپ کی نظریں بھی سعیدہ پر ٹکی تھیں۔

''توبہ..... اتنی بے عزتی کے بعد بھی اس کے کس بل نہیں نکلے کیسی آنکھیں سیکیڑ کر فلمی ہیروئنوں کی طرح دیکھ رہی ہے جیسے کہہ رہی ہو..... صبر کر..... تیری عزت کا تو میں قیمہ بنا ڈالوں گی۔'' سعیدہ کو متواتر نظروں میں رکھ کر خوشی نے اپنی فرینڈز سے باقاعدہ ایکٹنگ کر کے یہ سب کہا تو وہ سب کھلکھلا کر ہنس دیں۔ سعیدہ کی ساعتوں تک خوشی کے یہ طنزیہ جملے اور اس کی فرینڈز کی یہ قل قل ہنسی بہ آسانی پہنچی تھی اس کی نظروں کا اشتعال مزید بے قابو ہو گیا تھا۔ طاہرہ اور رفعت کو بھی پرنسپل نے ان کے بڑوں

کو بلا کر ساری کتھا سنا کر اپنی نگرانی میں ان کے حوالے کیا تھا۔ اس پیغام کے ساتھ کہ بیٹیوں کو اسکول بھیج کر بری الذمہ ہو جانا کافی نہیں ہوتا ان کی سرگرمیاں کیا ہیں تنہائی میں وہ کیا کرتی ہیں ان کی فرینڈز کیسی ہیں یہ سب جاننا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس روز..... خوشی کو ایک ایک ٹیچر نے پیار کیا تھا۔ پرنسپل نے تو سب لڑکیوں کے بیچ کھڑے ہو کر اسے گلے لگا کر شاباش دی تھی۔ اس حکم کے ساتھ کہ آئندہ اگر ایسی کوئی بات ہو تو لڑکیوں کو چھپانے کے بجائے اپنی ٹیچر کو فوراً بتا دینا چاہیے۔

☆☆☆

بعض اوقات صرف ''کچھ'' ہونے کے لیے بھی بہانہ درکار ہوتا ہے۔

لیکن..... خوشبو کی زندگی میں تو ''بہت کچھ'' ہو گیا اور بہانہ کیا بنا..... اس کی نیک نیتی — جو غریب ماں باپ کو طویل بدنامی سے بچانے کے لیے اس دن عود کر آئی تھی۔

سعیدہ کو آناً فاناً کسی دور کے رشتے دار کے ساتھ رخصت کر دیا گیا تھا لیکن..... رخصت ہونے سے پہلے وہ اس معصوم لڑکی کی زندگی میں زہر گھولنے کے سارے ہتھیار ''تیز'' کر گئی تھی۔

☆☆☆

کالج میں ایڈمشن لیے خوشی کو کچھ ہی دن ہوئے تھے جب ان منحوس فون کالز کا سلسلہ قائم ہوا کہ جس میں سراسر اس کی بربادی کا سامان پوشیدہ تھا۔ پہلی مرتبہ..... اتفاقاً وہ فون کال ریسیو ہو گئی تھی۔

''سوہنیو..... کیا حال چال ہیں؟'' عامیانہ سے انداز میں اس کے ہیلو کے جواب میں کہا گیا تو اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ خیال یہی تھا کہ یقیناً کوئی رانگ کال ہو گی لیکن فوراً بعد فون دوبارہ گنگنایا تھا۔ خوشی نے بھنا کر ریسیور کان سے لگا لیا۔

''کیا تکلیف ہے؟'' دانت پیس کر اس نے کہا تو بے ہنگم قہقہہ کان کے آر پار ہو گیا۔

''دل کی تکلیف ہے سوہنی..... بولو علاج کرو گی؟''

''الو کا پٹھا۔'' کہہ کر خوشی نے ریسیور پٹخ کے رکھا اور خود بائیو کے نوٹس اٹھانے لگی..... اسی اثنا میں فون دوبارہ بج اٹھا۔ خوشی نے بجنے دیا۔ حتیٰ کہ تھک ہار کر خود ہی خاموش ہو گیا پھر یہ خاموشی وقتی ثابت ہوئی چند لمحوں بعد بیل دوبارہ ڈسٹرب کر گئی۔

''پتا نہیں کون حرام خور ہے۔ کام سے فارغ.....'' اردگرد ماں کی تلاش میں نظریں گھما کر خوشی منہ ہی منہ میں بدبدائی تھی۔

رشیدہ خاتون نامعلوم کون سے کونے میں جا گھسی تھیں جو فون کی بیل ان تک نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ ورنہ وہ فون سننے کی ایسی شوقین کہ ادھر فون کی بیل گونجی..... اُدھر رشیدہ اڑن کھٹولے پر سوار ریسیو کرنے آن پہنچیں اور تو اور بیٹوں کی موجودگی میں بھی خود ہی دوڑی آتیں۔ افضال صاحب بیٹھے ہوتے اور فون بجتا تب بھی بدقت تمام اٹھتے اٹھتے رہ جاتیں اور اس وقت جانے باتھ روم میں تھیں یا کہاں..... کہ خود پر آئی مصیبت خوشی گلے لگا بیٹھی۔ یہ سوچ کر کہ اب کی بار ایسی گالیاں دے گی کہ گدھے کی انگلیاں پھر یہ نمبر ملانا ہی بھول جائیں گی اس نے فون ریسیو کر لیا لیکن اس کے ہیلو کہنے سے قبل ہی مقابل کی آواز گونجی تھی ''مس خوشبو افضال خان..... تمیز سے میرا فون ریسیو کرو گی تو ٹھیک..... ورنہ اس گھر میں جو بھی فون اٹھائے گا..... چاہے تمہارا باپ ہی..... میں کہہ دوں گا کہ خوشبو کو بلا دیں آگے نتائج جو بھی ہوں۔ ذمے دار تم ہو گی۔''

خوشی کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔ ایک اجنبی..... اور اس کا پورا بائیو ڈیٹا جانتا تھا اس کا دماغ سن سا ہو گیا۔

''ہو کون تم.....؟'' اب کے آواز میں گھن گرج کا نام تک نہیں تھا۔ لرزتا لہجہ مقابل کو شہ دے گیا۔

''وہی..... جسے تم لیٹر لکھتی تھیں۔ اپنی پیاری پیاری تصویریں بھیجتی تھیں۔''

''بکواس کررہے ہو تم۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''جب تمہارے لیٹرز اور تصویروں کی ایک ایک کاپی ڈائریکٹ تمہارے ابا جان کے ہاتھ لگے گی تب یقین آئے گا۔'' بڑے مزے سے کہا گیا تو کم عمر ذہن ہمت کھو بیٹھا تھا۔ حواس جواب دینے لگے تھے یہ کون ذلیل تھا جس کے لہجے کا وثوق اسے کمزور کررہا تھا۔ اس کا اپنی ذات پر یقین ختم کررہا تھا۔ ''کون سے لیٹرز، کون سی تصویریں؟'' اس کی آواز میں سسکاری سی ابھری۔

''قسم کھا کر کہتا ہوں، تمہاری لکھائی میں داستانِ محبت سناتے لیٹرز ہیں اور تصویریں تم نے وہی بھیجی تھیں ناں مجھے جو تم نے 9th، 10th کی کسی پارٹی میں کھنچوائی تھیں..... کھنچوائی تھیں ناں!'' دوسری طرف سے تصدیق چاہی گئی۔ خوشی کے آنسو چھلک پڑے۔

''ہاں۔'' تصاویر تو اس نے بے حساب کھنچوائی تھیں صرف اپنے کیمرے سے نہیں بلکہ کلاس کی جس جس لڑکی نے کہا تھا اس نے اس کے ہمراہ یا اکیلے اتروالی تھیں۔

''تمہاری اس پارٹی کی بہت ساری تصاویر میرے قبضے میں ہیں بولو.....''

''کیا چاہتے ہو تم؟'' آخر وہ ہمت ہار گئی۔ چھوٹی سی، ہمیشہ گھر میں مقید رہنے والی اس گڑیا کے لیے زمانے کی چالاکیاں اجنبی تھیں۔ وہ بری طرح سے گھبرا گئی تھی۔ بیچرز کے سامنے اعتماد کا مظاہرہ کرنے والی خوشبو افضال بے حد کمزور دل اور ڈرپوک لڑکی تھی۔

''صرف اتنا کہ میری ہر فون کال تم خود ریسیو کیا کرو۔'' عجیب فرمائش داغی گئی۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے اور اس سے تمہیں کیا مل جائے گا۔'' خوشی کی ہچکیاں شمار سے بالاتر ہوگئیں ایک اور بے ہنگم قہقہہ خوشی کی سماعتوں کو چبھنا گیا۔

''ہو تو بہت آسانی سے سکتا ہے میں تمہیں اپنی کال کا ٹائم بتا دیا کروں گا تم اسی ٹائم خود ہی فون ریسیو کرلیا کرنا نہیں تو پھر جو بھی کرے گا میں تمہارا نام لے دوں گا..... رہی بات مجھے کیا مل جائے گا تو..... جانم..... مجھے دل کے درد کی دوا مل جائے گی۔'' ٹھٹھیا لب و لہجہ، عامیانہ انداز..... فون بند کرنے تک خوشی آدھی پاگل ہو چکی تھی۔

اس کے بعد..... زندگی کا ایسا دور شروع ہوا کہ جس نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا۔ وہ بندہ جو کوئی بھی تھا..... خوشی کے لیے دکھوں کا پیامبر ثابت ہوا۔

خوشی کے ذرا سے نخرے دکھانے پر کہ فون نہیں سنوں گی۔ اس نے اگلے ہی روز جانے کیسے اس کے کالج کے ایڈریس پر اس کے نام بند لفافے میں بالکل اسی کی ہینڈ رائٹنگ میں لکھے چند لیٹرز اور تصاویر بھجوا دی تھیں۔ تصاویر سو فیصد وہی تھیں جو خوشی نے 10th کی الوداعی پارٹی دینے کے دوران کھنچوائی تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ان تصاویر کو کمپیوٹر کے ذریعے اس بندے کی تصاویر کے ساتھ اس طرح جوڑا گیا تھا کہ آنکھیں ذرا بھی دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں کہ دونوں الگ الگ شخصوں کی ہیں۔

ذہن پر بہت زور دینے پر بھی خوشی یاد نہ کرسکی کہ یہ تصاویر اس نے کس لڑکی کے کیمرے سے کھنچوائی تھیں۔ ظاہر تھا کہ یہ تصاویر اس لڑکی کے توسط سے اس لڑکے تک پہنچی تھیں کہ جواب اسے بلیک میل کررہا تھا۔ اس روز خوشی کی بہت بری حالت تھی۔ بیچرز یا فرینڈز میں سے اگر کسی نے وہ لفافہ کھول کر دیکھ لیا ہوتا تو پھر کیا ہوتا..... یہ سوچ کر ہی وہ بے دم ہوگئی۔

یہیں سے اس کی روٹین ہی نہیں زندگی اور طبیعت بھی ابتر ہوگئی۔ وہ اس بدمعاش کی مرضی سے بلیک میل ہوتی رہی۔ فون کی گھنٹیاں اس کا خون نچوڑ کر رکھ دیتی تھیں اور..... مخصوص اوقات میں بجنے والی بیلز پر اس کی رنگت کا ایک دم زرد پڑ جانا..... اور بھاگ کر فون ریسیو کرنا ہی تو سجاول کی نظروں میں آ گیا۔

نہ تو ماں اس کا درد سمجھ سکی..... پڑھائی سے اس کی بیزاری دیکھ سکی اور نہ ہی باقی بھائی، افضال صاحب ویسے ہی شہر سے باہر مقیم تھے۔

سو..... اس کی گرتی ہوئی صحت پر توجہ مبذول ہوئی بھی تو اس کی..... جسے وہ کسی لائق سمجھتی ہی نہیں تھی۔

سجاول نے پہلے اچھی طرح سے اندازہ کرلیا کہ خوشی فون کی طرف اس لیے لپکتی ہے کہ دوسری طرف کوئی مرد ہے اور یہ اندازہ لگانے میں بھی اسے دقت نہ ہوئی کہ خوشی یہ سب ناچار کرتی ہے۔ اپنے اندازے کو صحیح پہچاننے کے لیے سجاول نے ایک روز ایکسٹینشن کے ذریعے خوشی کی گفتگو سن لی اور سنتے کے فوراً بعد لاؤنج کے کونے میں دھرے ٹیلی فون اسٹینڈ کی جانب بڑھ گیا کہ جہاں خوشی موجود تھی۔

''اچھا بادی..... میں تمہیں بعد میں فون کروں گی۔'' سجاول کو اچانک سامنے پاکر خوشی کی حواس باختگی حد سے سوا ہوگئی۔ بنا کچھ کہے..... اس نے اس کو کلائی سے پکڑا اور سائڈ پر بنے اسٹڈی روم میں گھسیٹ کر لے گیا۔

''کیا کررہے ہیں آپ؟ دماغ چل گیا ہے آپ کا؟'' خوشی نے حتی الامکان گھبراہٹ پر قابو پا کے لہجے کو غصیلا بنایا تھا لیکن وہ ہنوز گرم نظروں سے اسے گھورتا رہا۔

''کون ہے یہ..... اور کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ؟'' اس کا غراہٹ نما سوال سن کر خوشی کا سارا غصہ ہوا ہوگیا۔ وہ پہلے تو بھائی کو گھورتی رہی پھر ایک دم اس کے کندھے پر سر ٹکا کر زور زور سے رونے لگی۔ سجاول نے اسے رونے دیا۔

''بھائی..... مم میرا کوئی قصور نہیں۔ وہ پتا نہیں کون ہے اور پتا نہیں کیسے میری تصویریں اس تک پہنچ گئیں..... میں اسے بالکل بھی نہیں جانتی۔'' اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایک ناپسندیدہ انسان کے سامنے اپنی زندگی کا سب سے بڑا راز کھول رہی ہے۔ وہ شخص کہ جس سے وہ دو لفظ تک بولنا گوارا نہیں کرتی تھی۔

سجاول نے اس روز اسے تسلی دی تھی۔ اپنے ساتھ کا یقین دلایا تھا اور خوشی..... اس رات کتنے عرصے کے بعد پُرسکون نیند سوئی تھی۔

☆☆☆

''بات سنو..... ہم کب تک یوں فون پر پھیکی پھیکی باتیں کرتے رہیں گے۔ میں تمہاری ہوں ہاں سن سن کے تھک گیا ہوں۔ دل کچھ اور چاہنے لگا ہے.....''

''کیا؟''

''تمہارا دیدار۔'' کوئی اور دن ہوتا تو خوشی بے ہوش ہو ہی جاتی پھر اب سجاول کے حسبِ منشا وہ بندہ اس سے ملاقات چاہ رہا تھا سو اس کے سکون میں ہلچل نہ مچی۔

''تم اپنی چھت پر جاؤ۔ وہاں جو سب سے قد آور لمبی جالی ہے اس کے سامنے جا کر ٹھہر جاؤ۔ میں باہر گلی میں موجود ہوں ان بڑے بڑے سوراخوں میں سے آج تمہارے دیدار سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اگلی ملاقات پھر طے کریں گے۔''

اس کی عقل شاید گھاس چرنے گئی ہوئی تھی کہ خوشی کا فوراً مان جانا اسے مشکوک نہیں لگا۔ بہرحال خوشی نے ایک ایک بات من وعن بھائی کو بتا دی۔ جس نے اسے مقررہ وقت پر چھت پر جانے کا کہا تھا یہ نامعلوم بلیک میلر اس شام افضال صاحب کی چھت کو مرکزِ نگاہ بنائے بڑی آسانی سے سجاول کے ہتھے چڑھ گیا تھا جو اس کے محلے کے ایک نچلے درجے کے کلینک پر ڈسپنسر نما ڈاکٹر کے ساتھ پیسے ہانکنے والوں میں سے ایک تھا۔

مشکلات کا دور بہت سہل طریقے سے دامن چھڑا کر بھاگا تھا۔ خوشی کے بوجھل ہوئے شب و روز اس دن دوبارہ سے ہلکے پھلکے ہوگئے جس دن سجاول نے اپنے ''گینگ'' کے ساتھ جا کر اس ''بلیک میلر'' کی ہڈیاں پیس ڈالی تھیں۔

''تو نے میری بہن کی زندگی حرام کی...... میں تیری پانچ بہنوں کی نہ کروں تو سجاول نام نہیں...... ایک ایک کو کوٹھے پر بٹھاؤں گا۔'' اور موٹی سی گالی دیتے ہوئے بولا۔ ''تو نے یہ جرأت کی کیسے؟'' تیلی کے جیسا مریل ''بلیک میلر'' ایک ہی وار میں ڈھے گیا۔

کلینک کا نام نہاد ڈاکٹر اور دیگر لڑکے بھی اس واقعے کا حصہ تھے گھبراہٹ میں پاگل ہوئی خوشی کبھی یہ اندازہ لگا ہی نہ سکی کہ اس سے بات کرنے والا روزانہ نیا ہوتا تھا۔ سجاول اور اس کے ''بیلیوں'' نے ایک ایک کا بھرکس نکال دیا تھا۔ خوشی کی تصاویر اور نقلی خطوط برآمد کرنے میں اسے زیادہ گھونسے نہیں برسانے پڑے تھے۔ ڈاکٹر کے کلینک کو اجاڑ کر ان لوگوں نے واپسی کی راہ لی تھی۔

''یہ خطوط اور تصویریں سب نقلی نکلی ہیں۔ انہیں ابھی اور اسی وقت ضائع کر دو...... کسی ''سعیدہ'' نامی لڑکی نے یہ سب اس لڑکے کے حوالے کیے تھے۔ تمہاری لکھائی کے نمونے بھی۔ خیر...... آئندہ نہ تو کبھی کسی کے ساتھ تصویریں کھنچوانا اور نہ ہی خیر خواہ بن کر کسی کا کام کر کے دینا۔ اللہ کو تمہاری معصومیت اور ابو کی عزت پیاری تھی کہ بروقت سب کچھ سنبھل گیا ورنہ ان لوگوں کے لمبے ارادے تھے۔''

بھائی کی زبانی یہ سب سن کر وہ ششدر رہ گئی تھی۔ ''سعیدہ'' کے اندر کا زہر اسے لرزا گیا تھا۔ یہ انسانی انتقام کی ایک ہلکی سی شکل تھی کہ جو اس پر آشکار ہو کر اپنی سنگینی دکھا گئی تھی۔

جہاں اس کے کٹھن، اذیت بھرے شب و روز کا خاتمہ ہوا وہیں اس نے بھائی کے سینے سے سر لگا کر اپنے گزشتہ رویے کی رو رو کر معافی مانگی تھی۔ اس کے بعد وہ سجاول کی خدمت کے لیے بے قرار نہ ہوتی تو حیرت کی بات تھی۔ اس نے سوتیلا ہو کر بھی بھائی ہونے کا ثبوت دیا۔ آخر باپ تو ایک ہی تھا اور جو سگے بھائی تھے...... وہ اپنی اپنی مستیوں میں اتنے مست تھے کہ بہن پر بیتی یہ چند روزہ قیامت بھی ان کی مستیوں میں خلل نہ ڈال سکی اور رہ گئی اس کی ماں...... تو اسے ان دنوں بھی میکے کے چکر لگانے سے فرصت نہیں ملی تھی جو وہ سکون سے بیٹھ کر بیٹی کا نچڑا ہوا چہرہ دیکھ کر وجہ جاننے کی کوشش کرتی۔ تبھی تو...... تبھی تو اسے یہ بھائی بہت اونچا، سب سے اونچا دکھنے لگا تھا۔

☆☆☆

جون کی گرم شام کی گرمی آج ذرا بھی محسوس نہ ہوئی کہ سب کے اندر محبت کی ٹھنڈی پھوار برس رہی تھی۔ اندر کے موسم نے باہر کے موسم کو شکست دے دی تھی۔ رشیدہ خاتون بھی آج اپنے ''زبانی ہتھیار'' استعمال کرنے سے پرہیز کر رہی تھیں۔ اس لیے بھی کہ فاطمہ بیگم کی طرف سے دی گئی یہ دعوت خالصتاً حسین کے لیے تھی جو دو ماہ کے ٹور کے بعد گھر واپس آیا تھا۔ آفتاب صاحب اور فاطمہ بیگم نے چن کر ایسا دن دعوت کے لیے منتخب کیا تھا جب افضال بھی یہیں تھے۔ یوں ایک ایک فرد کی موجودگی نے محفل کی رونق دوبالا کی ہوئی تھی۔

خوشی، ورشا کے گلے میں بانہیں ڈالے اپنے خراب ہوئے پیپر کی وجہ بتا رہی تھی۔ رشیدہ خاتون باچھیں پھیلائے ملنساری کا عظیم بہروپ دھارے نند سے خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ افضال صاحب، آفتاب کے ہمراہ کرنٹ افیئرز ڈسکس کر رہے تھے۔

حسین عدنان اور ہادی کی ایک ہی جگہ پر محفل جمی تھی۔ موضوعِ گفتگو ہالی وڈ کی کوئی نئی فلم تھی۔ خرم اور روحیل، خوشی اور ورشا کی گفتگو میں ٹانگ اڑا کر ان کی پھٹکار کا مزہ لوٹ رہے تھے اور ڈنر کے انتظامات کے لیے اِدھر اُدھر مستعد پھرتی ماورا...... وقتاً فوقتاً خود پر پڑتی حسین کی کسی خاص نگاہ کا مطلب سمجھ کر موڈ بگاڑے ہوئے تھی۔ بگڑے موڈ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ''وہ'' نہیں آیا تھا۔

دوسرے...... دعوت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے رباب، زویا اور انوشہ کو بھی انوائٹ کر لیا تھا۔ ان محترماؤں نے نامعلوم شادی کی دعوت سمجھ لی تھی کہ ان کے سولہ سنگار ہی ابھی تک مکمل نہیں ہوئے تھے۔ یوں ہی شکل پر بارہ بجائے وہ خوشی اور ورشا کے بیچ آ بیٹھی۔

''کیا بات ہے...... آپ جناب کا موڈ کیوں آف ہے؟'' ورشا نے پوچھنے میں تامل نہیں کیا۔

''تینوں مصیبتیں نہیں آ گئیں ابھی تک۔''

''آہا...... یہ دوستی کا کونسا اسٹائل ہے پیٹھ پیچھے مصیبتیں کہا جا رہا ہے۔'' ورشا کے کچھ کہنے سے قبل ہی زویا کی چہکتی آواز آئی۔ گھر کے سبھی افراد متوجہ ہو گئے تھے۔ تینوں نے ایک ایک کر کے سب کو سلام کیا۔

''ہاں تو اتنا میک اپ اور یہ جیولری لٹکانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے تمہیں شادی پر تھوڑی بلایا تھا۔'' انوشہ کی سر سے پیر تک تیاری دیکھ کر وہ جل ہی تو گئی جب کہ رباب اور زویا نے آنکھیں دکھانا شروع کر دی تھیں۔

''حالانکہ اسے کہا بھی تھا جس کسی نے بھی عاشق ہونا ہو گا تیری پھیکی بوتھی پر بھی ہو جائے گا اور اگر نہیں ہونا ہو گا تو یہ کیل کانٹے بیکار ہی جائیں گے۔''

''تیرے منہ میں خاک۔'' رباب کو دھپ رسید کر کے انوشہ نے خواہ مخواہ پورا لاؤنج گھوم کر دیکھ ڈالا۔ ماورا پر اس کی بے قراری کا ہر رنگ نمایاں ہو گیا۔

''چلو میرے کمرے میں۔ یہاں تو اُدھم مچا ہوا ہے۔''

''یہیں ٹھیک ہے ناں۔'' یہ کہتے ہی انوشہ نے بیٹھنے میں بھی دیر نہیں لگائی۔ ''مطلب...... سب کی گفتگو سنیں گے۔'' ماورا کی جانچتی نظروں سے گھبرا کر فوراً وضاحت بھی دے ڈالی۔

''ہاں ہاں...... یہیں ٹھیک ہے ناں۔'' شوخ سے انداز میں ایک ساتھ میوزیکل ٹون میں کہتیں زویا اور رباب بھی وہیں ٹک گئیں۔ انوشہ نے اپنے تیئں بچ بچا کے کتنی ہی بار ''ہادی'' کو دیکھنا چاہا اور ہر بار ہی پکڑی گئی کسی اور سے نہیں خود ہادی سے...... اس کی ہر نظر پر اس نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ آخری بار تو باقاعدہ مسکرا کر اشارتاً پوچھ بھی ڈالا۔ ''کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' انوشہ کی شرمندگی کی حد ہی نہ رہی۔ منہ پھلا کر اس نے پیٹھ موڑ لی۔

''ٹھیک ہے پتا چل گیا کہ میں دیکھ رہی ہوں آگے سے میری انسلٹ کے بجائے فلمی ہیروز کی طرح انجان نہیں بن سکتا تھا کیا...... جب محبت ہو جاتی تب ڈراپ سین کر لیتے محترمہ کہ تم مجھے چھپ چھپ کے دیکھا کرتی تھیں پر ناں جی...... یہاں تو ہاتھ اور آنکھ کے اشارے سے پوچھا جا رہا ہے کیا مسئلہ ہے؟'' باقی کا سارا وقت انوشہ نے غم کھاتے گزارا۔ یوں ہی ملے گلے میں ڈنر کا ٹائم بھی ہو گیا مگر کھانا لگنے کے آثار ندارد تھے۔

''بھئی اب کھانا لگا بھی دو۔ خالی باتوں سے پیٹ بھرنا ہے کیا؟'' بالآخر آفتاب صاحب کو کہنا ہی پڑ گیا۔

''لگاتے ہیں تھوڑا صبر کر لیں۔ سجاول آ جائے شاید۔'' فاطمہ بیگم نے سجاول کا نام لے کر پل بھر میں رشیدہ کا شیریں موڈ کڑوا کر دیا تھا۔ وہ جو نند سے میٹھی باتیں بگھار رہی تھیں ایک دم سے بدک گئیں اور وہ نند جو آج سے پہلے کبھی اتنی اچھی نہیں لگی تھی جتنی کہ آج...... اب پھر سے کڑوے کریلے جیسی لگنے لگی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے...... روزانہ تو اس ٹائم آ جاتا ہے۔'' آفتاب صاحب کے اطمینان کر لینے پر رشیدہ چونکیں ہی چونکیں حسین نے بھی عجیب نظروں سے ماورا کا گھیراؤ کیا تھا۔

''تو کیا وہ اس ٹائم روزانہ یہاں آتا ہے؟''

دونوں ماں بیٹے کی سوچ ایک ہی ساتھ وارد ہوئی۔ حسین کو الگ قسم کی بے چینی محسوس ہونے لگی تھی۔

(باقی اگلے ماہ پڑھیے)

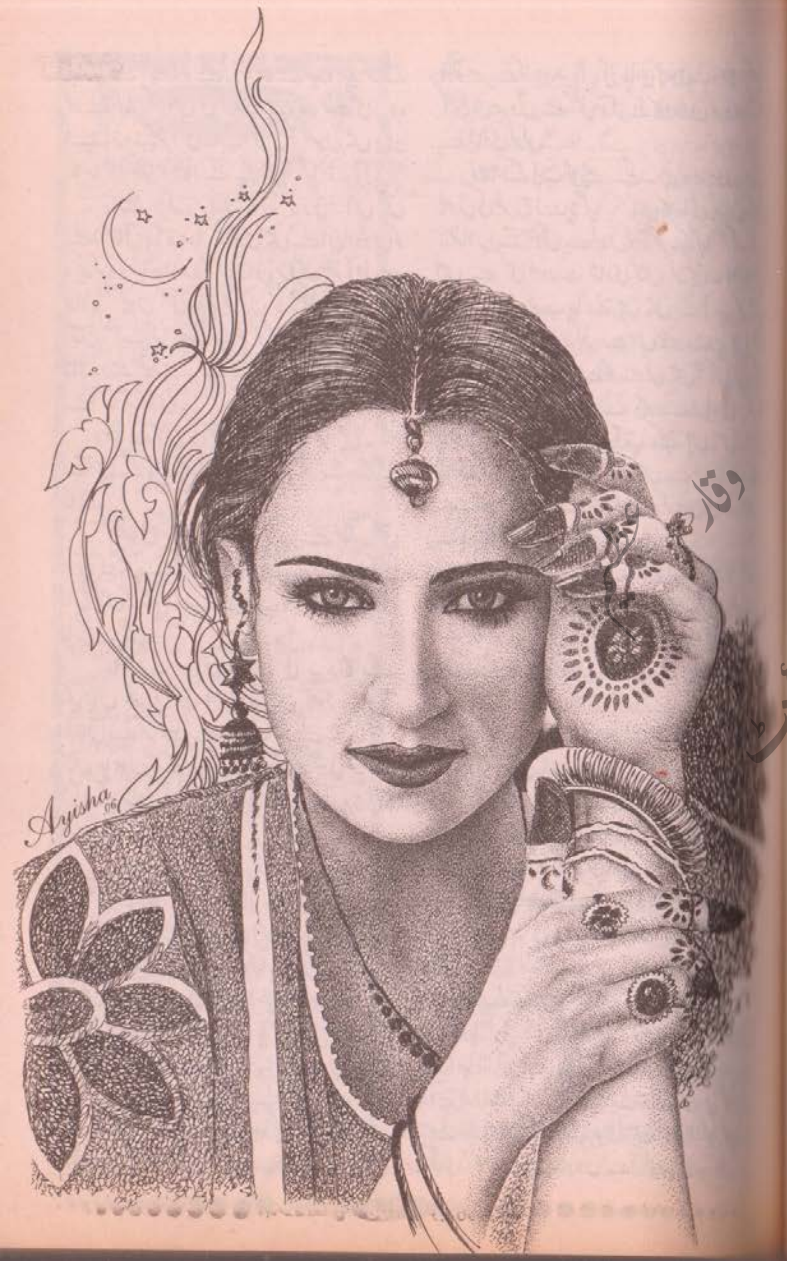

آخری حصہ

راہیں جو گم ہوئیں

بلقیس ظفر

دل ہنس کر ہر دکھ سہ لے گا بس شرط یہ ہے کہ ساتھ رہو
تم دشت بنو یا شہر بنو یا پاؤں کا چھالا بن جاؤ

انسان جب راہ مستقیم سے بھٹک جائے تو رستے کبھی منزل نہیں بنتے بلکہ ہر منزل ایک بڑاؤ کی صورت اسے مزید آگے بڑھ جانے پر مجبور کردیتی ہے۔ محبت کے نام پر بے سمتی کا شکار ہوجانے والے مسافروں سے چاہت ہمیشہ سراب بن کر ملتی ہے۔

جذبوں کے بھنور میں الجھی ایک دوشیزہ کی داستانِ الم

رعنا نعیم کا یہ سوال سن کر خوفزدہ ہرنی کے مانند اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی... کتنا بے درد انسان ہے اس کے سینے میں شاید دل نہیں پتھر ہے تب ہی ایک بے آسرا اور بے یار و مددگار لڑکی کے سر سے چھت اور پیروں سے زمین نکالتے اسے ذرا بھی مجھ پر رحم نہیں آرہا۔'' اس نے نعیم کے سوال پہ بہ مشکل کہا۔

''نہیں۔'' اور دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

''اس کا مطلب ہے تم ڈرتی ہو کہ اگر اسے اس بات کا علم ہوگیا تو وہ کبھی تم سے شادی نہیں کرے گا۔ اسی لیے خود کو پیش کررہا ہوں۔ چھوڑو سروش کو میں ویسے بھی اس معاملے میں اس سے سینئر ہوں۔''

رعنا کی نبض رکنے لگی۔ یہ بات اس سے برداشت نہ ہورہی تھی۔ سروش اس کی زندگی بن چکا تھا۔ وہ اس سے ہرگز دستبردار نہیں ہوسکتی تھی۔ بھلا کوئی اپنی روح سے بھی منہ موڑ سکتا ہے؟ اس نے بریفیلی نظر سے نعیم کو دیکھا۔

''اگر تم میں ذرا بھی انسانیت ہے تو میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' اس نے کہا۔

''اور اگر تم یہ حقیقت اشفاق کو بھی بتادو کہ میں بے گناہ ہوں اور اس رات ہوٹل میں تم نے اس سے جھوٹ کہا تھا کہ میری تم سے شادی ہوچکی ہے تو میں..... تو میں تمام عمر تمہاری شکر گزار رہوں گی۔ میری جان چھوڑ دو نعیم۔'' اس نے منت کی۔

''میں..... میں سروش کو چاہتی ہوں۔ اس سے شادی کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔ میری زندگی کو تباہ نہ کرو۔ پلیز۔''

رعنا کی یہ ''آرزو'' نعیم کو جلا گئی۔ اس نے رعنا کے دونوں بازو سختی سے پکڑ لیے اور پھنکار کر بولا ''تم سروش کو چاہتی ہو خوب! میں اس کو ضرور تمہارے اور اپنے افیئر کے متعلق بتاؤں گا پھر دیکھتا ہوں تم اس سے کیسے شادی کرتی ہو۔ وہ ایک بدکردار لڑکی کو ٹھوکر مار دے گا پھر تمہیں میری طرف ہی آنا ہوگا رعنا بیگم۔'' اس کا دباؤ اس کے بازوؤں پر بڑھتا

جا رہا تھا۔ ''چھوڑو مجھے۔'' رعنا نے جدوجہد کرتے ہوئے کہا مگر اس کی گرفت بے حد سخت تھی۔ وہ اپنے بازو نہ چھڑا سکی۔ اب اس کی آنکھوں میں ہرن کا سا خوف تھا جو شکار کے پنجے میں آ گیا ہو۔

سامنے سڑک پر ایک کار آ کر رکی۔ اس میں سے اشفاق برآمد ہوا۔ شیشوں میں سے ان دونوں کو دیکھ کر وہ سیدھا اندر آ گیا۔ ان پر ایک نظر ڈالی اور بولا۔ ''کیوں بھئی۔ تم لوگوں کا جھگڑا نپٹ گیا یا نہیں؟ اب کیا فیصلہ کیا تم لوگوں نے؟ مجھے بھی بتاؤ۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میں اس ساری صورت سے اکتا گیا ہوں۔''

رعنا نے اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔ نعیم نے اس کے بازو چھوڑ دیے تھے اور سگریٹ سلگانے لگا تھا۔

''اشفاق صاحب۔ میں آپ سے حلفیہ کہتی ہوں کہ میں بے قصور ہوں۔ میرے دامن پر کوئی داغ نہیں۔ نعیم صاحب شاید آپ کو صحیح صورتِ حال بتائیں۔ میں......''

''دیکھیں۔ دونوں جانب کی یہ رنگا رنگ کہانیاں مجھ پر کوئی اچھا اثر نہیں چھوڑ رہیں۔'' اشفاق نے کرخت لہجے میں کہا ''ویسے میں بالکل نہیں چاہوں گا کہ میرا کزن سروش تم جیسی متنازعہ لڑکی سے شادی کر کے اس عالی خاندان کی بدنامی کا سبب بنے۔''

''کزن؟ تم اس کے کزن کب سے بن گئے؟'' نعیم نے استہزائیہ انداز سے پوچھا۔

''میں اس کی ننھیال میں اس کا دور کا رشتہ دار ہوں۔'' اشفاق نے وقار سے کہا۔ ''میرا یہ فرض ہے کہ میں اس خاندان کی عزت کا خیال رکھوں۔''

''ٹھیک ہے تو سنو۔ میں ماضی کو درمیان میں لائے بغیر اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس سے محبت ہے۔'' نعیم نے ڈھیلے پن سے کہا۔ اشفاق کے چہرے پر آسودگی آ گئی۔ ''تو بس پھر قصہ ہی ختم ہوا۔ تم دونوں جب اس بات پر متفق ہو تو میرے کزن سروش کی جان چھوڑو۔ رعنا بیگم تم آج ہی سروش سے منگنی توڑنے کا اعلان کرواور نعیم سے شادی کر لو۔''

رعنا کے لب کانپنے لگے۔ چہرہ سرسوں کے پھول کی طرح زرد پڑ گیا...... اس کا حامی یہاں کوئی نہ تھا اس نے مشکل سے لبوں کو تر کر کے کہا ''مگر میں اس سے کسی صورت شادی نہیں کر سکتی۔ اشفاق صاحب آپ خوب جانتے ہیں میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہ مجھے میرے گھر سے اس وعدے پر لایا تھا کہ مجھ سے شادی کرے گا۔ ہوٹل میں آ کر اس کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے مجھ سے زیادتی کرنا چاہی مگر میں بچ نکلی۔ اب آپ کہتے ہیں اس سے شادی کر لوں؟ خدا کی قسم مجھے اس سے شدید نفرت ہے۔ میں کبھی اس سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس نے ہانپتے ہوئے بات ختم کی۔

''اچھا یہ بات ہے۔'' اشفاق کے نتھنے غصے سے پھڑکنے لگے۔ ''تو پھر میں خود ہی یہ فرض اپنے ذمے لیتا ہوں۔ ابھی جا کر سروش کو سارا قصہ بتاتا ہوں کہ جس لڑکی کو تم بیوی بنانا چاہتے ہو وہ کسی کی داشتہ......''

''نہیں۔'' رعنا ہسٹریائی انداز میں چیخی ''سروش یہ نہیں مانے گا۔''

''یعنی نعیم کے دعوے اور اس پر میری گواہی بھی نہیں مانے گا؟'' اشفاق نے زہریلے لہجے میں کہا ''جبکہ تمہارا تو گواہ ہی کوئی نہیں۔ تمہاری اس جھوٹی کہانی پر کون یقین کرے گا؟ تمہارا تو مقدمہ ہی کمزور ہے بی بی۔'' پھر نعیم کی طرف رخ موڑا ''کیوں صاحب۔ کیا آپ واقعی ان سے شادی کرنے کے لیے تیار ہیں؟''

''بالکل۔ بھئی میں تو پہلے بھی ان سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر یہ بھاگ نکلیں۔'' نعیم نے دوستانہ انداز میں کہا ''ویسے عشاق میں یہ چھوٹی موٹی غلط فہمیاں تو ہو ہی جاتی ہیں ان کا کیا کرنا۔'' اس نے بے ہودگی سے آنکھ دبائی۔ ''تو

طے ہو گیا رعنا بیگم کہ آپ آج ہی سروش سے منگنی ڑنے کے سلسلے میں قدم اٹھائیں۔ ورنہ یہ فرض مجھے ہی انجام دینا پڑے گا۔ بعد میں جب بھی آپ نعیم سے شادی کریں آپ کی مرضی۔'' اشفاق نے ہاتھ جھاڑ کر گویا معاملہ ختم کر دیا۔

''مگر کیوں......؟ کس بنا پر اتنا بڑا اقدم......؟'' رعنا بڑبڑائی۔

''کچھ بھی کہہ لیں سروش سے۔ مثلاً یہ کہ مجھے آپ سے محبت نہیں وغیرہ وغیرہ۔'' اشفاق نے جیسے اس کو سبق پڑھایا۔ رعنا ساری جان سے لرز گئی۔

''اسے یہ کہوں کہ مجھے تم سے محبت نہیں جو میری زندگی ہے؟'' وہ دھیمے سے بولی ''تمہارے اپنے اختیار میں ہے۔ یا تو منگنی توڑ کر عزت کے ساتھ ''پیلا ہمز'' سے نکل جاؤ۔ نعیم تمہیں سنبھال لے گا۔ ورنہ میرے کہنے پر جو طوفان اٹھے گا اور یہ کہانی سن کر تم سب کی نفرت کا نشانہ بنو گی اور بے عزتی سے اس گھر سے نکالی جاؤ گی۔ بتاؤ کون سا فیصلہ زیادہ بہتر ہے؟ پہلا یا دوسرا؟''

اشفاق یہ کہہ کر نعیم سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔ نعیم موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً رعنا کے نزدیک آ گیا۔ ''رعنا آئی لو یو...... تم جیسے پہلے مجھ سے پیار کرتی تھیں اسی طرح اب بھی کر سکتی ہو۔ ......ہم دونوں مل کر اپنا خوبصورت مستقبل بنائیں۔ یقین کرو رعنا۔ میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔ ساری دنیا کی سیاحت پر ہم دونوں نکل جائیں گے۔ تمہیں زیورات سے لاد دوں گا۔ ہر وہ چیز دوں گا جس کی تم آرزو کرو گی۔''

رعنا نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں تم سے کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔ تم صرف قابلِ نفرت ہی نہیں بلکہ قابلِ حقارت بھی ہو۔ میں تم سے شدید نفرت کرتی ہوں اور ہمیشہ کرتی رہوں گی۔''

نعیم نے ہونٹ سکوڑ لیے اور دانت پیس کر بولا۔ ''میں ان الفاظ کا بدلہ لوں گا تم سے یاد رکھو۔ چھوڑوں گا نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ غصے سے پاؤں پٹختا

پانچواں موسم

ویسے تو سال میں چار ہی موسم ہوتے ہیں...... لیکن ایک موسم اور بھی ہے جسے ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ اس موسم میں اگر کبھی آپ دل کی کھڑکی کھولیں تو ایسا لگتا ہے کہ تازہ اور ٹھنڈی ہوا سے آپ کا وجود معطر ہو گیا ہے اور روح تروتازہ۔ رمضان المبارک بھی انہی ہواؤں میں سے ایک ہے جو کوچۂ یار سے نکل کر عرش اعلیٰ کی ملکوتی خوشبوؤں کو سمیٹ کر فرش والوں تک پہنچاتی ہے۔ کبھی آیات الٰہی کے ترنم کے ساتھ...... تو کبھی قنوت کے لیے اٹھنے والے ہاتھوں کے ساتھ...... تو کبھی شب قدر کے ساتھ...... سحری، افطاری، اذان اور لیلۃ القدر کے ساتھ...... تلاوت قرآن، مناجات اور دعا کے ساتھ...... ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے جسم کی تھکاوٹ نماز کی ادائیگی سے دور کرتے ہیں...... اور کبھی ان لوگوں کے ساتھ جو دل کی گہرائیوں سے ایسے تمام لوگوں کے حضور ملتمس دعا ہیں...... ماہ رمضان کا ذکر ہی پرلطف ہے۔ وہ سال میں آنے والے چار موسموں کے علاوہ کوئی اور ہی موسم ہے۔ آیئے سوچیں کہ ہم اور آپ اس موسم میں کیا کرتے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ یہ روحانی مہینہ پوری دنیا پر سورج کی شعاعوں کے مانند ہے۔ کیا اس کی شعاعوں کے ذریعے ہمیں اپنے روحانی جراثیم کا خاتمہ نہیں کرنا چاہیے؟ یاد رکھیں! جس طرح ایک باغ کو، ایک گلدان کو ''پانی'' کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح ہماری روح بھی نیاز مند ہے ''آبِ حیات کی!'' تو پھر سچ بتائیں ''بقا کا چشمہ'' کہاں ہے؟ اور ہمارے دلوں کو زندہ کرنے کا سبب کیا ہے؟ جی ہاں! یہی سال کا پانچواں موسم ہے۔

دردانہ حیدر: بشکریہ طاہرہ

باہر نکل گیا رعنا کچھ دیر کھڑی رہی پھر شکستہ قدموں سے باہر نکل آئی۔ اس نے یہاں آنے سے پہلے سوچا تھا کہ نعیم کی طرف سے مثبت اور حسب منشا جواب ملنے پر وہ بازار شاپنگ کے لیے جائے گی اور سروش کے لیے ایک عمدہ سا تحفہ سرپرائز کے طور پر لے جائے گی۔ اپنے ذاتی زیورات اس نے موقع پا کر فروخت کر دیے تھے اور وہ پوری رقم بینک میں جمع کرا دی تھی۔ لہٰذا پیسے کی کمی نہ تھی۔ وہ ایک قیمتی تحفہ خرید سکتی تھی اس کے لیے لیکن اب..... اب تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔

اشفاق اس سے پہلے ''بلاسمز'' میں پہنچ چکا تھا چنانچہ جب وہ اندر داخل ہوئی تو سب سے پہلے اس کا سامنا اشفاق سے ہی ہوا۔ وہ اس کے پاس جا کر آہستہ سے بولی۔ ''آج رات تک..... میں سروش سے..... تمہارے کہنے کے مطابق منگنی توڑ دوں گی۔'' سے کھڑا رہنا مشکل لگ رہا تھا۔ پسینے میں اس کا جسم تر ہو رہا تھا۔

اشفاق نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا ''ٹھیک فیصلہ کیا تم نے لیکن آج رات تک ضرور یہ کام ہو جائے۔'' اس نے تنبیہی انداز سے انگلی اٹھائی۔ رعنا نے اسے دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔ اتنے میں سروش اندر آ گیا۔ ''ارے رعنا تم؟ میرا خیال تھا تم دیر سے آؤ گی۔ خواتین شاپنگ میں عموماً دیر لگاتی ہیں۔''

اس کا چہرہ مسکراہٹ سے تمتما رہا تھا۔ رعنا نے اپنے اس محبوب چہرے پر حسرت کی نظر ڈالی جو اس سے چھوٹنے والا تھا۔ یہ سوچتے ہی اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور وہ ایک طرف گرنے لگی۔ سروش نے دوڑ کر اسے سنبھالا اور کاندھے سے لگا کر اس کا سر تھپکنے لگا۔ رعنا بہ مشکل بولی۔ ''میں..... میرا سر چکرا رہا ہے سروش شاید آج گرمی زیادہ ہے۔''

سروش جلدی سے اسے تھام کر صوفے پر لٹا چکا تھا اور خود جلدی سے پانی لینے چلا گیا پانی پی کر رعنا اٹھ بیٹھی۔ سروش نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''میرا خیال تھا آج ذرا نعمان کے ہاں چلیں گے ٹینس کھیلنے۔ بہت دنوں سے نہیں کھیلی مگر تم..... تمہاری طبیعت اتنی خراب ہے۔''

''نہیں سروش تم ضرور جاؤ۔ میں اپنے کمرے میں آرام کروں گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ تم میری فکر نہ کرو۔'' رعنا نے کہا۔

''ٹھیک ہے چلا جاؤں گا مگر اکیلے جانے میں کیا مزہ۔ تمہارے بغیر کسی بات میں دل ہی نہیں لگتا چند گھنٹوں کی رفاقت ہے یہ تو۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے ابل پڑنے کو تھے مگر اس نے بڑی دقت سے خود پر قابو پایا۔

اس دوران میں اشفاق کمرے کے کونے میں کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس نے دل میں سوچا ''کس قدر زبردست ایکٹریس ہے یہ لڑکی بھی۔ مردوں کو رجھانے کا فن خوب جانتی ہے۔ کبھی تو وہ بے وقوف بن جاتے ہیں..... لیکن اسے اپنے کزن سروش پر ترس آ رہا تھا۔ لگتا ہے وہ واقعی سر سے لے کر پاؤں تک اس لڑکی کی محبت میں گرفتار ہے۔ بے چارے کو سخت دھچکا لگے گا اس کے بارے سے.....

''اشفاق مجھے نعمان کے ہاں اپنی کار پر لے جائیں گے۔'' سروش رعنا کو بتا رہا تھا۔ ''گھر کی کار امی لے گئی ہیں۔ اچھا رعنا خدا حافظ۔ دل تو نہیں چاہتا تمہیں چھوڑ کر جانے کو مگر تم کہتی ہو تو.....'' وہ مسکرایا۔

رعنا اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اس کی نگاہوں میں حسرت تھی، وہ آہستہ آہستہ چلتی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا اور بستر اوندھے منہ لیٹ گئی۔ سروش سے جدائی کے تصور سے کلیجا منہ کو آ رہا تھا۔ اس نے دل کا سارا درد آنسوؤں کے سیلاب میں بہہ جانے دیا۔ اس کا تکیہ بھیگ گیا۔ سرخ آنکھیں دلی غم کی آئینہ دار تھیں۔

اچانک کسی نے دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا۔

رعنا نے جلدی سے گھڑی دیکھی لنچ ٹائم کبھی کا ہو چکا تھا۔ شاید سروش آ گیا اپنے وعدے کے مطابق وہ ننگے پاؤں دوڑی باہر سے شاداب کی گھبرائی ہوئی آواز آئی ''جلدی کھولو۔'' رعنا نے دروازہ کھول دیا۔ ''کیا ہوا؟'' اس نے شاداب کی پریشان صورت دیکھ کر پوچھا۔

''ایک حادثہ ہو گیا ہے رعنا۔'' شاداب خشک لبوں سے بہ مشکل بولی ''اور سروش.....''

''سروش؟ کیا ہوا سروش کو۔ جلدی بتاؤ۔'' رعنا نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

''اشفاق بھائی کے ساتھ نعمان کے ہاں گئے تھے۔ واپسی پر کار ایک ٹرک سے ٹکرا گئی۔ اشفاق بے چارے تو وہیں پہ ختم ہو گئے اور سروش.....'' اس نے ہچکی لی۔

''ان کی حالت نازک ہے۔ وہ انہیں گھر لا رہے ہیں۔''

''نازک؟ سروش کی نازک حالت؟'' رعنا صدمے سے نیچے بیٹھ گئی۔

''امی گئی ہیں ڈرائیور کے ساتھ انہیں لانے۔'' شاداب آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا۔ میں بھی ان کے ساتھ چلتی۔'' رعنا نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ جو بے طرح دھڑک رہا تھا۔

''تمہیں سب ڈھونڈتے رہے مگر تم شاید باہر گئی تھیں۔ نہیں ملیں۔'' شاداب نے رندھی آواز میں کہا۔ ''مگر اب کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر سروش بھائی کم.....''

''نہیں نہیں۔ خدا کے لیے ایسا نہ کہو۔'' رعنا نے چپ کر کہا۔ ''نہیں قسمت اسے اس نئے امتحان میں نہیں ڈالے گی۔ خدایا رحم..... رحم'' وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اترنے لگی۔ اس بات سے بے پروا کہ اس کی آنکھیں رونے سے سوجی ہوئی تھیں۔ بال بکھر کر شانے پر آ گئے تھے۔ اس نے تیزی سے جا کر صدر دروازہ کھولا اور اسی لمحے سامنے سے گھر کی کار آہستہ آہستہ روش پر آتی نظر آئی۔

رعنا دونوں ہاتھوں سے دل تھام کر وہیں بیٹھ گئی..... کار رک گئی تھی ڈرائیور نے دروازہ کھولا۔ سروش کی امی باہر نکلیں۔ جن کے چہرے پر ایک گمبھیر خاموشی تھی۔ گو اندر سے وہ ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں مگر دوسروں کے سامنے انہوں نے کسی کمزوری کا مظاہرہ نہ کیا۔ وہی وقار چپ چاپ انہوں نے پچھلا دروازہ کھولا۔ کار میں ایک نظر بیٹے پر ڈالی اور کھڑی ہو گئیں وہ گھر کے ملازمین کو دوڑتے بھاگتے کام سنبھالتے دیکھ رہی تھیں۔ شاداب بھی لرزتی کانپتی، ہچکیاں لیتی رعنا کے پاس آن بیٹھی تھی۔ خان بہادر اسپتال میں ہی کچھ کاغذات وغیرہ کے سلسلے میں رہ گئے تھے۔ اب رعنا کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی وہ دوڑ کر بیگم صاحبہ کے پاس آ گئی اور کانپتی آواز میں پوچھا۔ ''سروش..... کیا ہوا اسے؟''

''حادثہ۔'' بیگم صاحبہ نے بیٹی کو ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''امی۔ سروش بھیا.....؟'' شاداب کی آواز ہچکیوں میں ڈوب گئی۔

''وہ زندہ ہے۔ دعا کرو اس کے لیے۔'' ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی مگر چٹان جیسی استقامت سے وہ کھڑی رہیں۔ ''شکر ہے خدایا۔ تیرا شکر ہے۔'' دونوں ہاتھ اٹھا کر رعنا نے بے ساختہ کہا۔ ''لیکن ابھی خطرے سے باہر نہیں۔'' بیگم صاحبہ نے کہا ''یہ بڑا سنگین حادثہ تھا کار بالکل ٹوٹ پھوٹ گئی۔ اشفاق تو وہیں ختم ہو گیا۔ سروش کو اللہ نے بچا لیا خدا تعالیٰ اسے مکمل صحت دے۔ وہ سخت زخمی ہے۔''

بیگم صاحبہ اب سیڑھیاں چڑھنے لگی تھیں۔ دونوں لڑکیاں ان کے پیچھے پیچھے تھیں کمرے میں جا کر تینوں ٹھٹک گئیں۔ ڈاکٹر جو ساتھ ہی آیا تھا۔ سروش کی نبض چیک کر رہا تھا۔ مڑ کر اس نے بیگم صاحبہ کو دیکھا اور لبوں پر انگلی رکھ کر مکمل خاموشی کی ہدایت کی۔ وہ پتھر کے بت کی طرح کھڑی تھیں۔

بیٹے کے چہرے پر ان کی نظر جمی تھی۔ رعنا نے اس دلربا چہرے کو دیکھا۔ جو فقط ڈیڑھ گھنٹا پہلے تبسم سے دمک رہا تھا اب اس چہرے کی سپیدی یوں تھی جیسے سارا خون نچڑ گیا ہو۔ اتنے میں شاداب کا سہارا لیے خان بہادر بھی اندر داخل ہوئے۔ ان کا چہرہ سُتا ہوا تھا۔ وہ اپنی عمر سے دس سال زیادہ بوڑھے لگ رہے تھے۔ سروش ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ان کا واحد وارث۔ ان کی تو جیسے کمر ہی ٹوٹ گئی تھی۔

ڈاکٹر سعید نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ ''کیا یہ بچ جائے گا؟'' انہوں نے سرگوشی کی۔ ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا لیکن وہ بیٹے کی صورت تکے جا رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہ تھا لیکن وہ سراپا آنسو بنے ہوئے تھے۔

رعنا بھی سروش کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد وہ اسے ضرور دیکھنا اور ملنا چاہے گا۔ دونوں کی روحیں ایک ہو چکی تھیں۔ وہ ایک دوسرے کو سمجھتے تھے۔ پھر اس کے شانے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ یہ بیگم صاحبہ تھیں۔ ''آؤ رعنا! یہاں سے چلیں۔ ڈاکٹر سعید پوری طرح الرٹ ہیں کسی بھی ایمرجنسی کا سامنا کر سکیں گے۔ شاداب فون کرنے گئی ہے تاکہ ہاسپٹل سے کسی نرس کا انتظام ہو سکے۔'' انہوں نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

رعنا ان کے ہمراہ کمرے سے نکل آئی۔ اس کے چہرے پر کرب تھا۔ جس سے بیگم عبید الرحمان بہت متاثر ہوئیں۔ اس کے سر پر نرمی سے ہاتھ رکھا اور بولیں ''میری بچی بس اللہ سے دعا کرو۔''

''مجھ سے یہ سب کچھ نہیں سہا جاتا۔'' نیچے اتر کر وہ دونوں ہال کمرے میں آ گئی تھیں۔

''ہمت سے کام لو۔ یہ امتحان ہے۔ گزر جائے گا۔'' انہوں نے جیسے خود سے کہا خان بہادر نیچے آ کر اپنی اسٹڈی میں چلے گئے تھے۔ بیگم صاحبہ بھی وہیں چلی گئیں رعنا کمرے میں بے تابی سے ٹہلنے لگی۔ دونوں ہاتھ آپس میں مل رہی تھی۔ وہ ڈاکٹر سعید کے انتظار میں تھی۔ شاید وہ کچھ تسلی بخش خبر دیں..... ہر آہٹ پر وہ چونکی ہو جاتی اور سوچنے لگتی۔ ''کیا میرے سنگین جرم کی سزا ابھی باقی ہے؟ کیا اس کی معافی نہیں ملے گی؟''

دوپہر کا کھانا چنا گیا مگر کسی نے کچھ نہیں کھایا۔ تو خانساماں نے اٹھا لیا۔ ایک گھنٹا گزر گیا۔ رعنا بے چینی سے کمرے کے چکر کاٹتی رہی۔

اس نے دریچے کے باہر لان کی جانب دیکھا۔ جہاں گھنے پیڑ تلے شاداب اور صنوبر بنچ پر بیٹھی تھیں۔ غالباً شاداب نے صنوبر کو حادثے کے متعلق فون کر دیا تھا اور وہ فوراً پہنچ گئی تھی اور اب شاداب کے کندھے کے گرد دونوں ہاتھ ڈالے اسے تسلی دے رہی تھی۔

رعنا کی آنکھیں جلنے لگیں۔ صنوبر کیوں آئی تھی یہاں؟ شاداب نے اسے کیوں بلایا تھا۔ جبکہ وہ خود، یعنی رعنا سروش کی ہونے والی بیوی تھی۔ جسے گھر کے معاملات سے یوں الگ تھلگ کر دیا گیا جیسے وہ کوئی اجنبی ہو! اس کا دل جیسے کوئی مسلنے لگا آخر ہال کمرے کا دروازہ کھلا اور بیگم خان بہادر اندر داخل ہوئیں۔ ان کا زرد چہرہ پہلے کی طرح پُرسکون نظر آ رہا تھا لیکن ہونٹوں پر سرخی اور سوجن نمایاں تھیں۔ وہ بولیں تو رعنا کو محسوس ہوا کہ ان کا لہجہ پہلے جیسا نارمل نہیں تھا۔ بلکہ اس میں کچھ دکھائی تھی۔ جس کی وجہ اسے جلد ہی سمجھ آ گئی۔

''سروش ہوش میں آ گیا ہے۔ اس نے تمہیں بلایا ہے۔ ڈاکٹر سعید کہتے ہیں کہ تم ایک منٹ کے لیے اسے دیکھ سکتی ہو۔'' انہوں نے کہا۔ رعنا کے دل نے ایک دھڑکن مس کی۔ وہ ہوش میں ہے اور اسے بلا رہا ہے۔

''کسی قسم کا جوش نہ دکھانا رعنا۔'' بیگم صاحبہ نے انگلی کھڑی کی۔ ''آہستگی سے جاؤ اور اسے خاموشی سے دیکھ کر آ جاؤ۔''

''جی۔ میں ایسا ہی کروں گی'' رعنا نے سر جھکا کر کہا۔ وہ بیگم صاحبہ کے جذبات کو سمجھ رہی تھی۔

سروش ان کا بیٹا تھا۔ اس کی ساری محبت سارا پیار ان کا تھا۔ رعنا کی طلبی ان کو پسند نہ آئی تھی۔

وہ تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھی۔ سامنے ہی ڈاکٹر سعید اسے ملے۔ انہوں نے قریب آ کر سرگوشی کی ''صرف چند سیکنڈ' اور ہاں اسے جوش دلانے والی کوئی بات نہیں کرنا..... سمجھ گئیں؟''

رعنا نے جواباً سرگوشی کی ''جی اچھا۔''

رعنا بیڈ کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ اسے بولنے کی اجازت نہ تھی اس لیے اس کی ساری حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آ گئیں۔ اس نے مڑ کر ڈاکٹر سے پوچھا ''ان کے زخم کہاں کہاں ہیں اور کیسے ہیں؟''

''فریکچرڈ بازو ٹوٹ گیا ہے۔ ورنہ کوئی خاص انجری نہیں۔'' ڈاکٹر نے سرگوشی میں کہا ''صرف شاک ہے جس نے پورے جسم کو متاثر کیا ہے۔''

''کب تک، ٹھیک ہو جائیں گے؟'' رعنا نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ وہ گیلری میں نکل آئی۔ ''امید ہے کہ بہت جلد۔'' ڈاکٹر بھی پیچھے پیچھے نکل آیا تھا۔ ''مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ انہیں پریشان نہ کیا جائے۔ کوئی سنسنی خیز بات نہ کی جائے کیونکہ کوئی ایسی ویسی بات انہیں ختم بھی کر سکتی ہے۔''

رعنا کانپ گئی اور بولی ''ایسا نہیں ہوگا ڈاکٹر۔ انہیں پوری توجہ اور یکسوئی سے ٹریٹ کیا جائے گا۔''

''شکر کریں کہ خدا کی خاص مہربانی سے ان کی جان بچ گئی۔'' ڈاکٹر نے کہا ''ورنہ بڑا سخت حادثہ تھا۔ کار پوری پچک گئی تھی۔''

''کیا میں ایک دفعہ پھر ان کو دیکھ سکتی ہوں؟'' رعنا نے پوچھا۔ پہلے جب وہ اندر داخل ہوئی تو اس کی آنکھیں بند تھیں۔ غالباً سو رہا تھا۔ اس نے جگایا نہیں۔ ''ہاں چلی جائیں'' ڈاکٹر نے اجازت دے دی۔

رعنا دبے پاؤں آگے بڑھی۔ کمرا نیم روشن تھا اور اس میں اینٹی سیپٹک ادویہ کی بُو تھی۔ پردے پڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا سورج کی روشنی نہیں آ رہی تھی۔ بیڈ پر سروش دراز تھا۔ جسم پر پٹیاں اور چہرہ مرجھایا ہوا۔ رعنا تڑپ سی گئی۔ یہ چہرہ جس کی مسکراہٹ اور تابانی دوسروں کو بھی متبسم کر دیا کرتی تھی۔ یہ چہرہ اس کے محبوب کا تھا۔ اس کے ملکے قدموں کی چاپ سن کر سروش نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ کس قدر نحیف لگ رہا تھا..... رعنا بیڈ کے پاس اسٹول پر بیٹھ گئی اور سروش کے دونوں سرد ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں لے لیے.....

''سروش۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''رعنا!'' وہ بڑبڑایا۔ اس کی سیاہ روشن آنکھوں میں درد کی دھند تھی۔

''میں آ گئی ہوں۔'' رعنا نے کہا

''اوہ میری زندگی تم آ گئیں۔'' سروش نے کہا ''اب جانا نہیں۔''

''نہیں۔ کبھی نہیں جاؤں گی۔ جب تک تمہیں میری ضرورت ہے یہیں رہوں گی۔'' رعنا نے خلوص بھری آواز میں کہا۔

''مجھ سے غلطی ہو گئی۔'' سروش نے دقت سے کہا ''مجھے اشفاق کو گاڑی نہیں دینی چاہیے تھی۔'' رعنا میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اسے اشفاق کی موت کا بتاتی۔ وہ خاموش رہی۔

''وہ تو ٹھیک ہے نا.....!'' سروش نے اشفاق کے متعلق پوچھا۔

''ہاں بالکل، معمولی زخم آئے ہیں۔'' رعنا نے ہکلا کر کہا۔

''تم بالکل فکر نہ کرو اور خود اچھے ہو جاؤ جلدی سے۔'' وہ بولی۔

''اچھی بات..... اور ہاں ہماری تو شادی بھی ہے اگلے ماہ۔'' سروش نے ہنسنے کی کوشش کی۔

''ٹھیک تو ہے۔'' رعنا نے گلے میں اٹکتے گولے کو نگلا اور مسکرائی۔

''بس اب مجھے چھوڑ کے نہ جانا، وعدہ؟'' سروش نے محبت پاش لہجے میں کہا۔ اب اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ شاید اتنی سی گفتگو بھی

اس کے لیے بہت زیادہ تھی۔ وہ پھر بے ہوش ہوگیا۔ ڈاکٹر فوراً پاس آ گیا اور رعنا کو سر گوشی میں جانے کے لیے کہا۔ دونوں گیلری میں آئے تو ڈاکٹر نے کہا۔

''ابھی وہ برداشت نہیں کرسکتا۔ زیادہ باتیں نہیں کرسکتا۔ اسے خون دیا گیا ہے۔ امید ہے جلد اثر ہوگا اور وہ زیادہ دیر باتیں کر سکے گا۔ میں آرڈر دے دوں گا کہ جب بھی وہ تمہیں بلائے تمہیں یہاں بھیج دیا جائے۔ نرس آنے ہی والی ہوگی مگر تمہارا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کو دلی خوشی ہوگی جو اس کے لیے ضروری ہے۔ میں نے اس خوشی کو ابھی تم سے باتیں کرتے ہوئے اس کے چہرے پر دیکھا ہے۔''

رعنا چلی گئی۔ ڈاکٹر نے بعد میں یہی بات بیگم خان بہادر سے بھی کہی کہ رعنا کی موجودگی میں وہ خوش رہتا ہے اور یہ اس کی جلد صحت یابی کے لیے لازمی ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہوگئی کہ دوسرے سب لوگوں کی نسبت رعنا کی موجودگی اس کے لیے ضروری ہے لیکن اس کا اثر مثبت نہ تھا۔ خصوصاً بیگم صاحبہ اور شاداب پر رعنا ان پر حاوی ہو جائے یہ ان کو کیسے منظور ہوسکتا تھا۔ چنانچہ رعنا کے لیے گھر میں ایک سرد مہری کی فضا پیدا ہوگئی۔ وہ اکیلی برآمدے میں بیٹھی رہتی اور کوئی اس کے پاس نہ آتا۔ جہاں وہ اس بات سے بے حد خوش تھی کہ سروش اسے چاہتا اور اپنے پاس بلاتا ہے وہیں اس امر سے دکھی اور رنجیدہ بھی تھی کہ گھر والوں کی نظروں اور رویے میں بے رخی آ گئی ہے۔

وہ خود ایک محبت کرنے والی، نرم دل لڑکی تھی۔ اسے یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی اسے نظر انداز کردے۔ پورے گھر میں فقط خان بہادر کی ذات ایسی تھی جو اسے بیٹیوں کی طرح چاہتے تھے۔ وہ ان کی ممنون تھی۔

اس دوران سروش کی حالت تسلی بخش نہ تھی۔ وہ ادویات کے زیرِ اثر سویا رہتا اور اگر جاگتا تو درد کی وجہ سے کراہتا رہتا۔ اس کی زبان پر فقط ایک ہی نام ہوتا رعنا۔ لہٰذا رعنا، سروش کے ہاتھ تھامے بیٹھی رہتی یا اس کے آس پاس ہی موجود رہتی۔ اسے ہر طرح آرام پہنچاتی۔ اِدھر نیچے والی منزل میں اس کے لیے نفرت کا لاوا پک رہا ہوتا۔

''معلوم ہوتا ہے اس نے بھائی پر جادو کر رکھا ہے۔'' شاداب دانت پیستے ہوئے بولتی۔ ''غضب خدا کا۔ ہم میں سے تو کسی کو بلاتے نہیں۔ اسی کی پکار پڑتی ہے ہر وقت۔''

بیگم صاحبہ کے نرم چہرے پر بھی کرختگی آ جاتی۔

''سروش اپنی ہونے والی بیوی سے بہت محبت کرتا ہے۔'' انہوں نے کہا۔ لہجے میں حسد کی آمیزش تھی۔ صنوبر ابھی تک گھر واپس نہ گئی تھی۔ اسے سخت رنج اور طیش تھا کہ ایک اجنبی لڑکی نے آ کر اس کا منگیتر چھین لیا تھا۔ یہ اس کی توہین تھی، سراسر انسلٹ جسے وہ برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔ وہ ہر وقت اسی ادھیڑ بُن میں رہتی کہ کسی طرح رعنا کا پتا کٹے۔ ایک شام جب نعیم آ گیا تو صنوبر دل ہی دل میں خوش ہوئی اس لیے کہ اسے معلوم تھا وہ رعنا کو چاہتا اور اس سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔ ایسی صورت میں اس کے راستے کی رکاوٹ دور ہو جاتی۔ وہ بہت خوش ہوئی اور معصوم شکل بنا کر نعیم سے کہا۔

''آپ کو تو اس خبر سے بہت شاک پہنچا ہوگا کہ اشفاق ختم ہو گئے۔'' نعیم نے ایک خاص انداز سے سر کو موڑا اور بولا۔ ''بہت، میں بہت ہی پریشان ہوگیا تھا یہ خبر سن کر...... آہ! اشفاق میرا بہت اچھا دوست تھا۔''

''مجھے بھی بہت صدمہ ہوا اس کی موت پر۔'' بیگم صاحبہ بولیں۔

''سروش کا کیا حال ہے اب؟'' بڑی نرمی اور ادب سے نعیم نے پوچھا۔

''اس کی حالت خراب ہے۔'' بیگم صاحبہ نے آہ بھری۔ ''بس اللہ سے دعا ہے کہ اسے تندرستی بخشے۔''

''آمین!'' نعیم نے کہا پھر ذرا رک کر بولا۔ ''میں رعنا کو بھی مل کر تسلی دینا چاہتا تھا مگر وہ شاید ... ہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں اسے ابھی بلواتی ہوں۔'' بیگم صاحبہ نے موقع غنیمت جان کر جلدی کہا اور ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی اور مڑ کر ... سے کہا۔ ''وہ کافی دیر سے سروش کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ اب میں اس کی جگہ چلی جاتی ہوں۔ بےچاری لڑکی ذرا آرام کرلے۔'' وہ بولیں۔

دور صوفے پر بیٹھی صنوبر نے نعیم کو دیکھا اور ...معنی انداز میں مسکرائی۔ اسے معلوم تھا کہ نعیم، ...ا کو چاہتا ہے اور وہ اسے ہر صورت میں سروش ...علیحدہ کرنے کا سوچ رہا ہے۔ یہ بات اس کے ...خوش آیند اور اطمینان بخش تھی۔ نعیم اور ... کے خیالات اور ارادے ایک دوسرے سے ...تے۔

رعنا یہ پیغام سن کر چونک پڑی کہ نعیم اس سے ...چاہتا ہے۔ اس کا دل سروش کو چھوڑنے پر ...آمادہ نہ تھا۔ وہ آہستہ سے اٹھی اور ملازم کے پیچھے ...سیڑھیاں اترنے لگی۔ سروش اس وقت سو رہا تھا۔ ...کے خیال سے رعنا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا ...لب بھنچے ہوئے تھے۔ وہ اس سے قطعی نہیں ملنا ...چاہتی تھی مگر یہ وقت حجت کرنے کا نہ تھا۔ اسے بیگم نے بلایا تھا جن کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ اس ...دماغ میں وہ آخری ملاقات چکرا رہی تھی جب ...اشفاق نے اسے دھمکی دے کر اس بات پر مجبور کیا ...کہ سروش سے اپنی منگنی توڑ دے۔ خیر اسے تو خدا ...نے سمیٹ لیا مگر یہ اژدھا نعیم ابھی باقی ہے اس کی ...خوشیاں ملیامیٹ کرنے کے لیے اور ڈھٹائی دیکھو ...سروش کی بیماری کے وقت ملنے آ گیا ہے جبکہ ...اشفاق کی موت کے ساتھ ہی وہ اس عہد سے آزاد ...ہوگئی جو مجبوراً اس سے لیا گیا تھا شاید نعیم انسانیت ...سے کام لے۔ اس اذیت ناک وقت میں وہ نرم ... مدھم سی امید لیے وہ ہال کمرے کی طرف بڑھی۔ اس کے دل میں مختلف خیالات اُدھم مچائے ہوئے تھے۔ شاید اسے میری بے کسی پر ترس آ جائے۔ میں اسے کہوں گی کہ مجھ پر رحم کرے اور چلا جائے۔ اپنے آپ سے اُلجھتی وہ ہال میں داخل ہوئی اور بڑی سنجیدگی سے نعیم کو آداب کہا۔ اس نے بڑی خندہ پیشانی سے جواب دیتے ہوئے سروش کا حال پوچھا۔

''اللہ سے بہتری کی امید ہے۔'' رعنا نے مختصراً کہا۔ ''آپ کا شکریہ کہ ان کا حال پوچھنے آئے۔''

صنوبر اور شاداب خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ رعنا کو ان کے بدلے ہوئے تیوروں کا بخوبی علم تھا مگر چپ رہنے میں ہی عافیت تھی۔ نعیم بے انتہا چالاک آدمی تھا۔ وہ ان سب کے رویے سے صحیح نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ یہ پورا کنبہ رعنا کو ناپسند کرتا ہے۔ سروش کا والہانہ پن انہیں کھلتا ہے اور وہ رعنا کو سروش کی محبت پر غاصبانہ قبضہ کرنے والی سمجھتے ہیں جبکہ وہ خود اس کی محبت میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اسے بہرصورت یہ لڑکی چاہیے تھی خواہ اس کے لیے کچھ کرنا پڑے وہ اپنے ارادوں سے باز نہیں آ سکتا تھا۔ چائے پینے کے بعد نعیم اٹھ کھڑا ہوا اور بڑے ملائم لہجے میں رعنا سے بولا۔

''کیا مجھے رخصت کرنے گیٹ تک چلیں گی؟''

''کیوں نہیں، چلیے۔'' رعنا نے دل کڑا کر کے کہا اور دلیری سے چل پڑی۔ نعیم نے صنوبر اور شاداب کو تسلیم کہنے کے بعد باہر کا رخ کیا۔ رعنا بھی اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ دونوں ڈرائیو وے پر چلنے لگے۔ یہ کافی طویل راستہ تھا۔

''یہاں آنے کا کیا مقصد تھا؟'' رعنا نے ڈائریکٹ نعیم سے سوال کیا۔

''ظاہر ہے سروش کا حال پوچھنا۔'' نعیم نے بے پروائی سے کہا۔ ''اشفاق بے چارے کی موت بڑی المناک تھی۔''

اچانک وہ مڑا اور رعنا کی کلائی تھام لی۔ ''رعنا! مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔'' رعنا تن گئی اور بازو

چھڑاتے ہوئے بولی۔

''میرے اور تمہارے درمیان اب کوئی باتوں وغیرہ کا سلسلہ نہیں رہا۔ ہم دونوں مکمل اجنبی ہیں۔''

''مجھے ملامت کرنے میں وقت ضائع نہ کرو۔'' نعیم نے ہونٹ چبا کر کہا۔ ''میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا، جس طرح بھی ہوسکا۔ تم میری بیوی ہو۔''

''بکواس ہے یہ سب۔'' رعنا نے طیش کے عالم میں کہا۔ ''میری منگنی سروش سے ہوچکی ہے۔''

''ہاں خوب دھوکا دیا تم نے اسے۔'' نعیم نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''لیکن یہ منگنی ٹوٹ جائے گی۔ میں تڑواؤں گا اسے۔ اشفاق ختم ہوگیا مگر میں موجود ہوں۔ سروش کو سب کچھ بتادوں گا اور.....'' اس نے دوبارہ رعنا کی کلائی مضبوطی سے پکڑلی۔ ''تم مجھ سے بھاگ نہیں سکتیں۔''

رعنا نے ہونٹ چبائے۔ اس وقت حکمت عملی کی ضرورت تھی۔ اس نے لجاجت سے کہا۔ ''نعیم! کیا تم اتنا انتظار نہیں کرسکتے جب تک سروش خطرے سے باہر نہ آجائے۔ تم میں یقیناً اتنی انسانیت تو ہوگی کہ ایک موت کے منہ میں جاتے ہوئے شخص کے سر پر بم نہ دے مارو کہ تمہاری منگنی ٹوٹ گئی۔ نعیم! خدا کے لیے کچھ تو خیال کرو۔ سروش اس خبر سے فوراً ختم ہوجائے گا۔ وہ سہہ نہیں سکے گا۔ ڈاکٹر نے کہہ دیا ہے اس سے کسی قسم کی ٹینشن پیدا کرنے والی بات نہ کی جائے۔ میں تم سے التجا کرتی ہوں، رحم کرو۔ کیا خان بہادر جیسے شریف اور محبت کرنے والے انسان کے ساتھ یہ سلوک جائز ہے؟''

نعیم کھڑا سوچتا رہا۔ اس کا تنا ہوا سر جھک گیا۔ آہستہ سے بولا۔ ''مجھے منظور ہے۔ جب تک سروش کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہوتی میں اس سے بات نہیں کروں گا مگر تم بھی اپنا وعدہ یاد رکھنا۔ تمہاری شادی سروش سے نہیں مجھ سے ہوگی۔''

''ٹھیک ہے۔'' رعنا نے پست آواز میں کہا۔ اس کی کلائی ابھی تک نعیم کی مضبوط گرفت میں تھی جسے اس نے چھڑانے کی کوشش کی مگر نعیم نے مزید سختی سے اسے پکڑلیا بلکہ دوسری کلائی بھی گرفت میں لے لی۔

''تم میری محبوبہ ہو۔ یہ یاد رکھو۔'' اس نے کلائی کو جھٹکا دے کر کہا۔ رعنا پوری جدوجہد کررہی تھی کہ خود کو چھڑالے۔ وہ اب اس آزمایش سے تھک گئی تھی۔ ''آخر یہ شخص کیوں نہیں اسے سکون سے رہنے دیتا؟''

رعنا کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہوگیا تھا۔ ''کیوں مجھے ٹارچر کرتے ہو؟ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں نے سروش سے وعدہ کیا ہے نا کہ سروش سے منگنی توڑ دوں گی۔''

''ٹھیک ہے اس وقت جاتا ہوں۔ پھر آؤں گا اور تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' نعیم نے اسے دھمکی دی اور تیز چلتا ہوا نظروں سے غائب ہوگیا۔

رعنا ہانپ رہی تھی۔ اس کے اعضا قابو میں نہ تھے۔ وہ پوری طرح اس بھیڑیے کے چنگل میں آچکی تھی۔ اس کا دماغ مختل تھا۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آرہی تھی۔ اس نے آہستہ سے آنسو پونچھے، بالوں کو منہ پر سے ہٹایا اور آہستہ آہستہ باہر کی طرف چلنے لگی۔ ابھی آدھا راستہ بھی نہیں گئی تھی کہ جھاڑیوں کے ہلنے سے چونک پڑی۔ اس کی پھٹی ہوئی آنکھوں کے سامنے صنوبر کھڑی تھی۔

''اوہ! تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔'' اس نے سنبھل کر کہا۔

صنوبر اس کے قریب آگئی اور عجیب سی آواز میں بولی۔ ''میں گھر جارہی تھی کہ تم دونوں کی آواز سن کر ٹھٹک گئی اور جھاڑیوں کی اوٹ میں ہوگئی۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے تم لوگوں کی ساری گفتگو سن لی ہے۔'' رعنا کو لگا اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہے۔ اس نے طویل سانس لے کر لرزتی آواز میں پوچھا۔

''تم نے.....سن لیا ہے.....؟''

''ہاں اور مجھے تمہاری حقیقت کا پتا چل گیا ہے۔ تم!'' اس نے انگلی اٹھائی۔ ''جو سروش سے

رچا کر بیٹھ گئی ہو، دراصل اس شخص نعیم کی مسٹریس ہو۔" اس نے نہایت سفاک لہجے میں کہا۔ "اگر خان بہادر کے کنبے کو پتا چل جائے کہ تم کون ہو تو پھر......؟" وہ ہنسی۔

رعنا کے چہرے سے جیسے خون نچڑ گیا تھا۔ اس نے جرأت سے کام لے کر کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ میں کبھی بھی...... کسی کی......" اس سے آگے بولنا ناممکن تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔

"مت بھولو کہ میں تمہاری ساری باتیں سن چکی ہوں۔" صنوبر نے کہا۔ "تم مکر نہیں سکتیں۔"

"میری بات سنو۔ وہ شخص غلط الزام رکھ رہا ہے مجھ پر۔ میں تمہیں ساری حقیقت بتاتی ہوں۔" رعنا نے کہا۔

"یہ شوق بھی پورا کرلو۔" صنوبر نے طنزاً کہا۔ "مگر مجھے تمہاری کسی بات کا یقین نہیں ہوگا۔"

"سن تو لو پھر فیصلہ کرلینا۔" رعنا ایک مرتبہ پھر اپنے سنگین جرم کے اقرار پر مجبور ہوگئی۔ "میرے خدا! ابھی کتنی آزمائش اور ہے؟" اس کا دل کراہا۔ اس کے ہاتھ سرد ہو رہے تھے۔ "میرا کوئی وکیل نہیں۔ کوئی حمایت کرنے والا نہیں سوائے تیرے اے میرے رب!" اس کے روئیں روئیں نے فریاد کی اور پھر اس نے ساری رام کہانی اسے سنا ڈالی۔ صنوبر دونوں ہاتھ کمر پر رکھے تنی کھڑی تھی۔ رعنا کی بات ختم ہوتے ہی اس نے کہا۔

"مجھے اس بے سروپا کہانی پر بالکل یقین نہیں۔ تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

رعنا کا پورا جسم ڈول گیا۔ "میں معصوم ہوں اس گناہ سے جو مجھ پر تھوپا جا رہا ہے لیکن اس معصومیت، اس بے گناہی کا ثبوت کہاں ہے؟ وہ میں کہاں سے لاؤں؟" اس نے خود پر قابو پایا اور آہستہ سے بولی۔ "پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کیا کرو گی؟"

"بیگم صاحبہ کو ساری بات بتاؤں گی۔" صنوبر نے ظالمانہ انداز سے کہا۔ اسے سروش سے اپنا رشتہ اب پھر سے جڑتا لگ رہا تھا۔

"اچھا مگر یہ یاد رکھو کہ اس خبر سے سروش ختم ہوجائے گا۔ وہ شدید ذہنی اور جسمانی شاک کی کیفیت میں ہے۔ اس قسم کی کوئی بات اسے ہلاک کرسکتی ہے۔ نعیم جیسا بے حس شخص بھی مجھے اتنی مہلت دینے پر تیار ہوگیا کہ جب تک سروش خطرے سے باہر نہیں آجائے وہ ایسی کوئی بات نہ چھیڑے اور تم......" صنوبر چپ تھی۔ اس کے ذہن میں بار بار آ رہا تھا کہ سروش ذرا ہوش میں آنے پر اپنی منگیتر یعنی رعنا کو ہی پکارتا ہے۔ وہ یقیناً اس سے محبت کرتا ہے۔ منگنی ٹوٹنے کی خبر اسے ختم کرسکتی ہے پھر وہ میرے ہاتھ نہیں آئے گا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ یہ مہلت میں بھی تمہیں دیتی ہوں لیکن جونہی سروش آؤٹ آف ڈینجر قرار پایا تم اس سے اپنی منگنی توڑنے کا اعلان کرو گی۔ شاید علم ہو کہ تمہارے آنے سے پہلے وہ میرا منگیتر تھا لیکن تم نے کوئی ایسا جال اس کے گرد بنا کہ وہ تمہارا ہوگیا۔ اگر اب تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ گی تو وہ میرا ہوجائے گا۔" صنوبر نے زہر اُگلا۔ رعنا خاموش ہوگئی۔ واقعی اس کے چانسز نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس کا حامی صرف سروش تھا جو شدید علیل تھا۔ پھر وہ کس کے سہارے یہ جنگ لڑتی۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے اور صنوبر پر ایک افسردہ سی نظر ڈال کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ جو تم کہتی ہو وہی ہوگا۔ میں منگنی توڑ دوں گی تمہیں خوش کرنے کے لیے۔ میری دعا ہے کہ وہ تکلیفیں تمہیں نہ اٹھانی پڑیں جو مجھے اٹھانی پڑیں۔ خدا حافظ!" اور وہ مڑ گئی۔

صنوبر کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر گیٹ کی طرف چل پڑی۔ وہ آئندہ کے لیے اپنے منصوبوں پر غور کر رہی تھی۔ "مس رعنا! بس چند دن اور تمہاری چھٹی ہوجائے گی۔ تم "بلاسمز" میں ذلیل کرکے نکالی جاؤ گی اور پھر سروش کے دل اور اس کے گھر پر میرا راج ہوگا۔"

وہ دل ہی دل میں ہنسی اور خوش ہوتی رہی۔ اس نے گھر والوں کو بتا دیا تھا کہ اس کی خدمت بجا مگر سروش کو جو تھوڑی بہت صحت نصیب ہوئی ہے تو وہ رعنا کی بے پناہ کاوش ہے۔ وہ دن رات اس کے لیے جاگتی اور دعائیں مانگتی ہے۔ وہ جب بھی ہوش میں آتا ہے تو اس سے ایسی دل خوش کن باتیں کرتی اور اس کا حوصلہ بڑھاتی ہے جو اس کی ذہنی اور روحانی صحت کا باعث بنتی ہے اور وہ جنگ جو سروش لڑ رہا ہے اس میں اس کی مدد کر رہی ہے۔ رعنا کی اس کوشش، خلوص اور محبت کا یہ نتیجہ نکلا کہ سروش کا بخار کم ہوگیا۔ اس کا بازو جو ٹوٹ گیا تھا جلد ہیل ہونے لگا اور وہ آہستہ آہستہ صحت یابی کی طرف لوٹنے لگا لیکن وہ خود ہار گئی۔ اس کے زخم زخم جسم پر تو کسی دعا کی ڈھال بھی نہ تھی۔ ڈاکٹر سعید صاحب کا خیال تھا کہ رعنا کی حوصلہ افزائی اور رعنا کی محبت کی طاقت اسے زندگی کی طرف لے آئی ہے اور اب صرف چند ہفتوں کی بات ہے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوجائے گا۔

ایک ہفتے تک بازو اتنا بہتر ہوگیا کہ اسے سلنگ میں ڈال دیا گیا۔ "بس چند دن اور میرے بچے!" نے اس کا مورال اپ کرتے ہوئے کہا۔ مسکرا دیا۔ رعنا مطمئن تو تھی مگر اس کی اصل آزمائش تو اب شروع ہونے کے قریب تھی۔ نعیم ابھی اسی شہر کے ہوٹل میں تاک لگائے بیٹھا تھا۔ ادھر صنوبر بھی پنجے تیز کر رہی تھی۔ وہ روزانہ "بلاسمز" میں سروش کی حالت پوچھنے کے بہانے آتی اور معنی خیز فقرے کہہ کر رعنا کا خون خشک کرتی رہتی۔ کنبے کے افراد کا سلوک بھی اس سے اچھا نہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ رعنا ان کے حقوق پر ڈاکا مار رہی ہے۔ سروش کا صرف اسی کو بلانا ماں اور بہن کو بالکل پسند نہ تھا۔

رعنا کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی لیکن وہ سروش کی زندگی اور صحت کی خاطر یہ سارا عذاب جھیل رہی تھی۔ ہر طرف دشمن تھے اور وہ اکیلی۔ صرف خدا کی ذات اس کا سہارا تھی۔ صرف ایک قدم کا پھسلنا اسے سو قدم دور پھینک گیا تھا۔ اُدھر سروش نے اس خواہش کا اظہار کردیا تھا کہ جونہی وہ تندرست ہوا اس سے شادی کرلے گا اور رعنا اس بات سے سہمی جا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کی پلاننگ اور خوشگوار مستقبل کی منصوبہ بندی سنتی رہتی حالانکہ خوب جانتی تھی کہ یہ بیل کبھی منڈھے نہیں چڑھے گی اور وہ وقت قریب آ رہا ہے جب اس گھر سے بے دلی سے اور باچشم نم اسے رخصت ہونا پڑے گا۔

وہ جانتی تھی کہ سروش کی صحت محض مستقبل میں ملنے والی خوشی اور رعنا کی محبت و پرستش کی ممنون تھی۔ وہ صرف اس امید پر صحت و تندرستی کی طرف تیزی سے بڑھا تھا کہ اسے رعنا مل جائے گی۔ وہ اپنی محبت کو پالے گا۔ رعنا کی حالت تباہ تھی یہ سوچ کر کہ جلد ہی اس کی محبت اس سے چھن جائے گی اور وہ خالی ہاتھ رہ جائے گی۔ یہ خیال اس کے دل کو مسل رہا تھا اور آخر وہ لمحہ آ گیا جس سے وہ ڈر رہی تھی۔ صنوبر اس سے ملی اور کہنے لگی۔

"سروش اب صحت یاب ہوگیا ہے۔ تم منگنی توڑنے کا اعلان کرو۔" دونوں ہال کمرے میں تھیں۔ "ڈاکٹر نے کہہ دیا ہے کہ اب وہ بے شک نیچے آجائے کوئی فکر نہیں۔"

"لیکن وہ ابھی تک بیڈ سے چیئر تک آسکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔" رعنا نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ابھی بہت کمزور ہے۔"

"چلو چار پانچ دن تک اور سہی مگر اسے یہ بات ضرور بتا دو۔ مجھے صرف یہی کہنا تھا۔" وہ چلی گئی۔ رعنا اکیلی کھڑی رہ گئی۔ اس کے دل و دماغ بھنور میں تھے۔ ایک ہفتہ گزر گیا۔ سروش اب خود سے اٹھ بیٹھ سکتا تھا۔ چائے کا ٹائم تھا۔ شام کے ساڑھے چار بجے تھے۔ رعنا اس سے اجازت طلب کرکے نیچے باغ میں گئی ہوئی تھی اور وہ اس کا شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ اسے ایک لمحہ بھی اس کی فرقت گوارا نہ

ہوتی تھی۔ اس کا دلربا وجود، شیریں زبان، بیماری میں اس کی بے مثال خدمت، ان سب چیزوں نے اس کے اوپر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ وہ اب صرف محبت ہی نہیں اس کی پوجا کرنے لگا تھا۔ دنیا میں کوئی تصور، کوئی خیال اتنا دلکش نہ تھا جتنا رعنا کا تصور، اس کا خیال، وہ بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔

رعنا کو اس کے اوقات کا علم تھا۔ اس نے جلدی جلدی اپنی واک مکمل کی اور اندر جا کر شاہ بلوط کے مضبوط جنگلے والی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اچانک اوپر والے موڑ پر ایک سایہ سا نظر آیا۔ اس نے غور سے اوپر نظر ڈالی تو اس کا سانس رک سا گیا۔ یہ نعیم تھا۔ وہ مزے سے جنگلے کے ساتھ ٹیک لگائے اوپر جانے کا راستہ اپنی ٹانگوں سے روکے کھڑا تھا۔ رعنا قریب پہنچ کر بولی۔

''تم......! کیا کرنے آئے ہو؟''

''تم سے ملنے۔'' اس نے ایک ابرو چڑھایا۔ رعنا نزدیک آ گئی تھی۔ اس نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ رعنا نے آرام سے چھڑا لیا۔ نعیم اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ کافی دنوں بعد اس سے ملا تھا۔ اس دوران وہ بالکل زرد، لاغر اور کمزور ہو گئی تھی۔ سروش کی دن رات خدمت کے علاوہ اس سے بچھڑ جانے کا غم اسے لے بیٹھا تھا۔ وہ اپنے پہلے وجود کا محض ایک سایہ رہ گئی تھی۔

''یہ...... یہ کیا ہوا تمہیں؟'' نعیم نے متحیر ہو کر پوچھا۔ ''تم اتنی کمزور کیوں ہو گئی ہو؟''

رعنا نے پھیکی سی ہنسی سے کہا۔ ''جو موت تم میرے قریب لا رہے ہو۔ یہ اس کا اثر ہے نعیم! ویسے مجھے کچھ نہیں ہوا۔ صحت مند ہوں۔ کھاتی پیتی، چلتی پھرتی ہوں۔'' نعیم اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ آہستہ سے بولا۔ ''تم اس شخص سے اتنا پیار کرتی ہو کہ اس کی جدائی کے خیال سے اس طرح ہو گئیں۔''

''ہاں۔'' سر جھکا کر رعنا اتنا ہی کہہ سکی۔

''ویسے یہ کوئی اچھی بات تو نہیں کہ تم مجھے، اپنی پہلی محبت کو اتنی جلدی بھول گئیں۔'' نعیم نے قدرے برہمی سے کہا۔

''خدا کے لیے کوئی بحث نہ چھیڑ دینا۔'' رعنا نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہ بتاؤ کیوں آئے ہو؟''

''اس لیے کہ تمہیں یاد دلا دوں کہ تم نے وعدہ کیا تھا میرے ساتھ چلنے کا۔'' نعیم نے کہا۔

''میں نے ابھی تک سروش کو کچھ نہیں بتایا اور ہاں جب میں یہاں سے جاؤں گی تو اکیلی جاؤں گی۔ کسی کے ساتھ نہیں۔'' رعنا نے منہ موڑ لیا۔ اچانک نعیم نے اس کے دونوں بازو پکڑ لیے۔ اس کی گرفت سخت تھی وہ بے رحمی سے بولا۔

''تم میرے ساتھ چلو گی۔ تم نے وعدہ کیا تھا اور تمہیں اس شخص سے پہلے مجھ سے محبت تھی۔ سنا تم نے؟ مجھ سے......'' اس نے رعنا کے بازو کو جھٹکا دیا۔ رعنا ابھی اپنے بازو اس کی گرفت سے چھڑا نہ سکی تھی کہ ایک مانوس سی آواز آئی۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔ لینڈنگ پر سروش کھڑا تھا۔ اس کا بازو ابھی سلنگ میں تھا۔ نرس آف ڈیوٹی تھی۔ یہ کچھ آوازیں سن کر وہ یہاں آ گیا تھا۔ اس نے رعنا اور نعیم کو دیکھا اور گرجتی ہوئی آواز میں بولا۔

''رعنا! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ یہ شخص ابھی کہہ رہا تھا۔ مجھے سچ سچ بتاؤ کیا تم اس کی ملکیت ہو؟ کیا تم اس کے ساتھ جا رہی ہو؟'' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

رعنا نے مروڑ کر اپنے بازو نعیم سے چھڑا لیے۔ الفاظ اس کی زبان پر جم گئے تھے۔ کچھ میں نہ آ رہا تھا کیا کہے۔ سروش کی صحت ابھی اس قابل نہ تھی کہ وہ کسی قسم کی غلط بات کہہ سکے۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔

سروش سیڑھیوں پر پھسلتا جا رہا تھا۔ اس نے سہارے کے لیے جنگلے کو اپنے دوسرے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کی وجہ سے پسینے کے قطرے اُبھر آئے تھے۔ وہ جھلا کر بولا۔

''رعنا! مجھے حقیقت بتا دو۔ یہ...... یہ شخص تمہارا کیا لگتا ہے؟ کیا تم اس کی بیوی ہو؟ جیسا کہ اس نے کہا مگر تم تو مجھ سے محبت کرتی ہو۔ ہماری شادی ہونے جا رہی ہے...... ہے نا؟'' رعنا دوڑ کر سیڑھیاں چڑھی اور نیچے آتے ہوئے سروش کو تھام لیا۔

''تم ابھی کمزور ہو۔ سیڑھیاں مت اترو۔'' وہ بولی۔ ''چلو تمہارے کمرے میں چلتے ہیں، آؤ۔''

سروش قدم جمانے کی کوشش میں اِدھر اُدھر گھوما پھر جنگلے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کی آنکھوں میں شدید دکھ اتر آیا تھا۔ اس نے رعنا کو دیکھا اور دھیمے سے بولا۔

''نہیں مجھے اس شخص سے پوچھنا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا تھا اور تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے؟'' اس کی آواز غم سے بوجھل تھی۔ رعنا نے مایوسی سے اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک اپنا زخمی پہلو سنبھالے ہوئے تھی۔

''نہیں سروش! تم اس قابل نہیں کہ بحث تکرار کر سکو۔ چلو ہم تمہارے کمرے میں چلتے ہیں۔'' اس نے لجاجت سے کہا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔

''نہیں، یہاں اسی جگہ پر جہاں نعیم بھی موجود ہے۔'' سروش کے لہجے میں آگ کی تپش تھی۔ ''میں ساری بات یہیں سننا چاہتا ہوں اور اس بات کا تصفیہ بھی یہیں ہو گا کہ اس شخص نے تمہاری انسلٹ کیوں کی؟''

رعنا کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ سروش کو تھامے تھامے وہ پسینے میں شرابور ہو گئی تھی۔ وہ اس کی وجہ سے خوفزدہ تھی۔ کہیں اسے کچھ ہو نہ جائے۔

''پلیز پلیز سروش! خدا کے لیے اپنے کمرے میں چلو۔ تم گر جاؤ گے۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔ اسے سنبھالنا اب مشکل ہو رہا تھا۔ سروش نے اسے جس نظر سے دیکھا اس میں شکوک و شبہات کی دھند تھی۔ رعنا نے پھر سماجت کی۔ ''سروش! چلو اپنے کمرے میں۔ میں سب کچھ تمہیں بتا دوں گی۔''

سروش کی نظر نیچے کھڑے اونچے لمبے نعیم پر پڑی جس کے چہرے پر بیزاری کی چھاپ تھی۔ یہ وہ شخص تھا جو رعنا کی ملکیت کا دعویٰ کر رہا تھا۔ جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسا آ رہا تھا۔

غصے کی ایک تیز لہر اٹھی۔ سروش لڑکھڑاتا ہوا دو سیڑھیاں نیچے اتر گیا۔ ''جھوٹے مکار!'' اس نے دانت پیس کر نعیم کو مخاطب کیا اور ہانپنے لگا۔ اس کے لمبے چوڑے وجود کو سنبھالنا اب رعنا کے لیے دشوار تھا۔ وہ بڑی جدوجہد سے اسے سہارا دیے ہوئے تھی۔ وہ اس کے ہاتھ سے پھسل گیا اور سروش ایک ہاتھ سے جیسے فضا کو پکڑتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوشش میں ناکام رہ کر زور سے چلایا۔ ''رعنا...... رعنا!'' وہ جھولتا ہوا گر پڑا مگر رعنا کی بانہوں میں۔ اس نے سیڑھی پر بیٹھ کر اس کے جسم کے آدھے حصے کو اپنے اوپر سنبھال لیا۔ اس کے بدن کا نچلا حصہ سیڑھی پر تھا اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

''سروش!'' چیخ نما آواز میں اس نے سروش کو پکارا مگر وہ جان چکی تھی کہ یہ اس کی امیدوں کی آخری ہچکی ہے۔ سروش ہوش میں آ کر کبھی اس پر یقین نہیں کرے گا۔ نعیم نے جو منصوبہ اس کی تباہی کا بنایا تھا وہ کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ اس جرم کی مجرم گردانی گئی تھی جو اس سے سرزد ہی نہ ہوا تھا اور اب اس کا حوصلہ جواب دے چکا تھا۔ قسمت اور حالات سے لڑتے لڑتے وہ تھک چکی تھی۔ نعیم نے سروش کو گرتے اور رعنا کو اسے سنبھالتے دیکھا تو وہ جلدی سے اوپر آیا۔ آہستہ آواز میں بولا۔ ''آئی ایم سوری!''

''چلے جاؤ۔'' رعنا آنسوؤں بھری آواز میں چلّائی۔ ''تم نے جو نقصان پہنچانا تھا، پہنچا دیا۔''

صنوبر اور شاداب کلب سے ہنستی کھلکھلاتی ہال کمرے میں داخل ہوئیں۔ اچانک ان کی نگاہ اوپر گئی جہاں سروش اور رعنا مڑے تڑے سیڑھیوں پر پڑے تھے۔ نعیم ان پر جھکا ہوا تھا۔ شاداب دوڑ کر سیڑھیاں چڑھی۔ سروش کا سیاہ بالوں والا سر رعنا کی

گود میں تھا اور وہ خود دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

''سروش.....!'' ایک لمبی چیخ شاداب کے منہ سے نکلی۔ اب صنوبر بھی اوپر آ چکی تھی۔ ''ارے یہ تو سروش ہے۔''

''کیا ہوا اسے؟'' شاداب ہسٹریائی انداز میں ایک ایک سے پوچھ رہی تھی۔ ''یہ زندہ تو ہے؟''

''شاداب! یہ زندہ ہے۔'' رعنا نے کہا۔ ''صرف بے ہوش ہو گیا ہے۔ تم جلدی سے نرس کو بلاؤ۔ اسے اس کے کمرے میں پہنچانا ضروری ہے۔''

شاداب کی نظر نعیم پر پڑی۔ اس کا چہرہ ست گیا۔ ''آپ کیا کر رہے ہیں یہاں؟'' اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''آئی ایم سوری!'' نعیم سیڑھیاں اترتے ہوئے شرمندگی سے بولا۔ ''وہ دراصل..... میں اور رعنا کچھ باتیں کر رہے تھے جو سروش نے سن لیں اور شاید ان باتوں کو ناپسند کیا اور غصے سے.....'' وہ خاموش ہو گیا۔ ''میں جاتا ہوں۔'' اس نے جملہ مکمل کیا۔

صنوبر نے اطمینان بھری سانس لی۔ ساری بات اس کی سمجھ میں آ چکی تھی۔ یقیناً سروش نے رعنا اور نعیم کے مابین ہونے والی گفتگو سن لی ہو گی۔ بے چارہ اسی صدمے سے بے ہوش ہو گیا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ اچھا ہوا۔ اس نے سوچا اور اب اس کی راہ صاف تھی۔ رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں۔ سروش اس کا تھا۔ وہ تیز چلتی ہوئی رعنا کے پاس پہنچی۔ ''تم چھوڑ دو اسے۔'' اس نے حکم دیا۔

''میں اور نرس مل کر اسے سنبھال لیں گے۔''

''تمہاری یہ ہمت.....'' رعنا کی بات پوری نہ ہونے پائی تھی کہ صنوبر زہریلے لہجے میں بولی۔ ''بس بس بہت ہو چکا۔ تمہارا پول کھل گیا ہے۔ سروش نے سچ سن لیا۔ اب کسی صفائی کی ضرورت نہیں۔ اسے پتا چل گیا ہے جو کچھ تم ہو اور اب چلو اٹھو۔ سامان اٹھاؤ اور نعیم کے ساتھ تم بھی نکلو۔''

''ارے صنوبر! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' شاداب یہ سب سن کر کہا۔

''میں تمہیں بعد میں بتا دوں گی۔'' صنوبر نے کہا۔ ''فی الحال سروش کو کمرے میں پہنچانا ہے۔ جلدی کرو۔''

رعنا نے ڈوبتے دل سے سوچا۔ کچھ نہیں، اب کچھ کہنے سننے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ سب کچھ ختم ہو گیا۔ حالات اور قسمت اس کے خلاف تھی۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر نیچے چلی گئی۔

اوپر شاداب اور صنوبر نرس سے مل کر سروش کو اس کے کمرے میں لے گئیں۔ خان بہادر اور ان کی بیگم اس سارے قصے سے بے خبر ابھی کسی تقریب سے نہ آئے تھے۔ رعنا کو اب پتا تھا مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ سارا کنبہ پہلے ہی اس کا مخالف تھا۔ اس کو نکال دیا جائے گا اور سروش کے ذہن کو نعیم نے زہر آلود کر دیا تھا۔ اب کیا باقی رہا؟ وہ کس کا سہارا لے؟ والدین؟ وہ اسے کبھی قبول نہیں کریں گے۔

بعض اوقات بے خبری بھی انسان کے لیے رحمت ثابت ہوتی ہے۔ اسے بالکل علم نہ تھا کہ اس کا غیرت مند باپ اس کے فرار کے دوسرے ہی منٹ ہارٹ اٹیک سے ختم ہو گیا اور ماں اپنے بھائی کے پاس چلی گئی تھی۔ وہ گھر جو اس کے بچپن اور جوانی کا امین تھا، ویران پڑا تھا۔

وہ خاموشی سے یوں ایک کرسی پر جا گری جیسے ہارے ہوئے انسان ہر امید سے تعلق ٹوٹنے، ہر سہارا ختم ہو جانے پر مایوس ہو کر گر جاتے ہیں۔ وہ بے آواز اور بے الفاظ دعائیں اپنے رب کی نذر کرنے لگی۔ فقط اپنی ایک سنگین غلطی سے وہ کہیں کی نہ رہی تھی۔ اس نے سوچا بالفرض محال اگر اس کی قسموں اور التجاؤں سے متاثر ہو کر سروش نے اسے اپنی شریکِ حیات بنا بھی لیا تو بھی شک و بدگمانی کی ایک دیوار ان کے درمیان ہمیشہ رہے گی اور زندگی ایک عذاب بن جائے گی۔ وہ ایک ایسی کھائی میں گر رہی تھی جہاں سے نکلنے کا قطعی کوئی امکان نہ ہو گا۔ نہیں اسے خاموشی سے، بغیر کچھ کہے سنے اس گھر سے نکل جانا چاہیے۔ یہی بہتر ہے۔ کیا فائدہ کوئی ہاتھ پکڑ کر نکال دے۔

وہ خاموشی سے آہستہ آہستہ چلتی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور جب تھوڑی دیر بعد ایک سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے باہر نکلی تو صنوبر سے بھیڑ ہو گئی۔

''جا رہی ہو، گڈ!'' اس نے کہا۔ ''یہ اچھا فیصلہ کیا تم نے۔''

''میں اس لیے جا رہی ہوں کہ سروش کو کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اس لیے نہیں کہ میں مجرم ہوں۔'' رعنا نے انتہائی دردمندی سے کہا کہ صنوبر بھی لرز گئی پھر سنبھل کر بولی۔ ''ٹھیک ہے۔''

''صنوبر! ایک مہربانی مجھ پر کرو۔ ڈرائیور سے کہو مجھے اسٹیشن چھوڑ آئے۔'' رعنا نے کہا پھر جھجک کر بولی۔ ''سروش کا کیا حال ہے؟''

''بہتر ہے۔ وہ ہوش میں آ رہا ہے۔ نرس کہتی ہے کسی شاک کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ کمزور بھی تھا۔'' صنوبر نے بے پروائی سے جواب دیا۔ رعنا نے پرس میں سے ایک خط نکالا اور بولی۔ ''یہ سروش کو دے دینا۔''

صنوبر نے بے دلی سے خط لے لیا۔ ''اچھا دے دوں گی۔'' وہ بولی۔

ذرا سی دیر میں وہ کار میں بیٹھی اسٹیشن جا رہی تھی۔ راستے میں اس نے بینک سے روپے نکلوائے۔ سارا راستہ وہ پُرسکون رہی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ خواب ہے۔ گاڑی میں بیٹھنے تک وہ کمپوزڈ رہی۔ جب گاڑی چلی تو آنسوؤں کا سیلاب اُبل پڑا۔ اس نے ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔

اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا!

ہاں اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا:

یہ شعر جیسے اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔ دل کا درد انتہائی شدت سے اٹھا کہ وہ بے بس ہو گئی۔ ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ وہ ماتم کر رہی تھی اپنی محبت کا، اپنی آرزوؤں کا، اپنے خوابوں کا، سسکیوں سے اس کا سارا جسم یوں ہل رہا تھا جیسے طوفان میں کوئی بے بس کیلا پتا۔ تنہائی اور دل شکستگی نے اسے نیم جان کر دیا تھا۔ اب وہ کیسے سر اٹھا کر چلے گی؟ کیا کرے گی؟ کیسے جیے گی؟

رعنا کے چلے جانے کے بعد ''بلاسمز'' میں جیسے زلزلہ آ گیا۔ سروش نے ہوش میں آتے ہی سب سے پہلا مطالبہ یہ کیا کہ رعنا کو بلاؤ۔ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ نرس گھبرا گئی۔ اس کے اندازے کے مطابق ابھی اس کا مریض اس قابل نہ تھا کہ مزید صدمات سہہ سکتا۔ اس نے شاداب کو بلا کر سروش کے اصرار کے متعلق بتایا اور کہا کہ ہر صورت اسے بلایا جائے۔ شاید اس کی موجودگی سے مریض کو سکون مل جائے۔ نرس نیچے بھاگی۔ ''رعنا کو بلاؤ..... فوراً.....'' وہ چیخ رہا تھا۔

نیچے ڈرائنگ روم میں سب لوگ جمع تھے۔ صنوبر، خان بہادر اور ان کی بیگم۔ وہ سب صنوبر کی سنائی ہوئی وہ کہانی سن رہے تھے جو اس نے نعیم اور رعنا کی گفتگو چوری چھپے سن کر ترتیب دی تھی اور جس میں اتنا زیادہ مبالغہ اور مرچ مسالا شامل کیا گیا تھا کہ سب کو یقین ہو گیا کہ رعنا قطعی اس قابل نہ تھی کہ اسے اس گھر کی بہو بنایا جاتا۔ وہ ایک نہایت فلرٹ اور دھوکے باز لڑکی تھی۔

خان بہادر سخت پریشان تھے۔ شاداب کمرے میں غصے سے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ آخر رک کر بولی۔

''میں حیران ہوں کہ آپ سب لوگ اتنے پریشان کیوں ہیں۔ ممی، ڈیڈی! اس میں پریشان ہونے والی بات کون سی ہے۔ وہ ایک بری لڑکی

تھی۔ شکر ہے کہ چلی گئی۔ آپ لوگوں کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آفت ٹل گئی۔'' اتنے میں نرس پہنچ گئی۔ اسے دیکھ کر بیگم صاحبہ اور خان بہادر مزید متفکر ہو گئے۔

''سر، وہ...... سروش صاحب کہتے ہیں رعنا بی بی کو بلا کر لاؤ فوراً۔''

آخر بیگم صاحبہ بولیں۔ ''صنوبر بیٹی! تم جاؤ اس کے پاس اور کسی نہ کسی طریقے سے وہ باتیں جو تم نے ہمیں سنائی ہیں اس کو بھی بتاؤ۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس رعنا کا خط بھی ہے۔ وہ اس کو دکھاؤ تاکہ اسے حقیقت کا پتا چلے۔ یہ ٹینشن تو اسے لے بیٹھے گی۔''

''جی، میں ابھی سروش کے پاس جاتی ہوں۔'' صنوبر نرس کے پیچھے اوپر چلی گئی۔ سروش تکیے پر اِدھر اُدھر سر پٹخ رہا تھا۔ صنوبر نے پاس جا کر کہا۔

''دیکھیے سروش! میں آپ کے پاس ہوں۔ کیسے ہیں آپ؟'' اس کا لہجہ بے حد شیریں تھا۔ سروش نے اسے دیکھا اور سنبھل کر بولا۔ ''بہت مہربانی لیکن میں نے رعنا کو بلایا تھا۔ تمہیں نہیں پتا حالات کا۔''

''مجھے سب پتا ہے سروش! بلکہ تم سے پہلے مجھے معلوم تھا کیا بات ہوئی ہے۔ میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔'' صنوبر نے نرم لہجے میں کہا۔ سروش کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ ان سیاہ آنکھوں میں بے اعتباری تھی۔

''تمہیں کیسے معلوم؟ یہ میرا اور رعنا کا معاملہ ہے۔'' اس نے کہا۔

''اور نعیم کا۔'' صنوبر نے لقمہ دیا۔ ''میں ان حالات سے اچھی طرح واقف ہوں سنو!'' اور اس نے نعیم اور رعنا کی ساری کہانی کہہ سنائی جو وہ اس سے قبل نیچے سروش کے گھر والوں کو بھی سنا چکی تھی۔

''میں رعنا سے ملنا چاہتا ہوں۔'' سروش نے بیچ میں سے بات کاٹتے ہوئے بے صبری سے کہا۔ ''اس کے منہ سے ساری باتیں سننا اور سمجھنا چاہتا ہوں، اسے بلاؤ۔''

''مگر وہ گھر پر نہیں ہے۔'' صنوبر نے بڑے سکون سے کہا۔ سروش کے دل پر ایک ضرب لگی۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ ہکلایا۔

''وہ چلی گئی ہے سروش! اس نے ''بلاسمز'' کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہے۔'' صنوبر نے دلی مسکراہٹ سے کہا۔

''چلی گئی۔'' اس نے متحیر ہو کر پوچھا پھر اچانک بپھر کر بولا۔ ''مگر کس کی اجازت سے؟ مجھ سے بغیر ملے وہ کیسے چلی گئی؟''

''اپنی مرضی سے گئی ہے۔'' صنوبر نے بے پروائی سے کہا۔

''اور نعیم اس کے ساتھ گیا ہے؟'' سروش نے طیش سے کہا۔

''مجھے نہیں پتا۔ شاید اس کے ساتھ گیا ہو۔'' صنوبر نے منہ بنایا۔

''اس کا کیا مطلب......؟'' وہ بڑبڑایا۔ اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔ صنوبر نے پوری کہانی بھی بڑے مزے اور تفصیل سے اس کو سنا دی۔ سروش خاموشی سے سنتا رہا۔ ایک ایک لفظ اس کے دل پر خنجر کی طرح گڑتا جا رہا تھا۔ روح گھائل ہو رہی تھی۔ کرب سے اس کا چہرہ بدل گیا تھا۔

''اس نے میرے لیے کوئی پیغام بھی نہیں چھوڑا؟'' وہ جیسے گرداب میں سے ابھرا۔ صنوبر نے پرس میں سے نکال کر رعنا کا خط جو وہ اسے سروش کے لیے دے گئی تھی، پکڑا دیا۔ سروش سر جھکا کر پڑھنے لگا۔ ایک ایک حرف...... اس نے لکھا تھا۔

''سروش! میری زندگی! مجھے علم ہے کہ حالات کے تناظر میں تمہیں میرے اوپر شک ہوگا اور تمہیں میں مجرم نظر آ رہی ہوں گی۔ میں صرف چند گھنٹے کے پاس ہوٹل میں رہی۔ میں اس کے پاس رہی جیسا کہ اس نے سب کو بتایا۔ یہ قطعی غلط لیکن میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ میں جا رہی ہوں اس لیے کہ میری اور تمہاری شادی اب

کبھی نہیں ہو سکے گی۔ ہمارے درمیان شکوک و شبہات کی دیوار کھڑی ہو گئی ہے جسے مسمار کرنا میرے بس میں نہیں لیکن میرے دل میں ہمیشہ تمہاری محبت رہے گی۔ تم سدا میرے ساتھ رہو گے۔ میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔ مجھے معاف کر دینا کہ چاہنے کے باوجود نعیم کے متعلق میں پہلے نہ بتا سکی۔ ڈرتی تھی کہ تم مجھ سے چھن جاؤ گے بدگمان ہو جاؤ گے اور اب دیکھو ایسا ہو کر رہا۔ مجھے معاف کر دو، الوداع...... تمہاری ہمیشہ کے لیے رعنا!''

سروش نے دو مرتبہ خط پڑھا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ سچا ہے۔ ''میں ڈرتی تھی کہ تم مجھ سے چھن جاؤ گے۔'' ان الفاظ میں کتنا سچ تھا، کتنا حزن تھا اور کتنا دل کو کھینچ لینے والا انداز...... پتا نہیں اس کا نازک اور معصوم دل غم و اندوہ سے کتنا پستا رہا۔ وہ کن مصائب کا مردانہ وار اکیلی مقابلہ کرتی رہی۔ اوہ میری رعنا!''

سروش کے چہرے پر اداسی اور پریشانی ضرور تھی مگر وہ شک و شبے کے بادل اب نہ تھے۔ اس نے صنوبر کو مخاطب کر کے کہا۔ ''صنوبر! رعنا سچی اور بے گناہ تھی۔''

''مگر تم ان باتوں پر کیسے یقین کر سکتے ہو؟'' صنوبر نے تنک کر کہا۔

''مجھے یقین اور ایمان ہے کہ وہ سچ کہتی ہے۔ اس پر خواہ مخواہ الزام لگائے گئے۔ وہ بے قصور ہے اور میں...... میرا اب صرف ایک ہی کام ہوگا اسے تلاش کرنا۔ اسے ڈھونڈ کر میں پھر اسی گھر میں واپس لاؤں گا۔''

صنوبر غصے سے کانپنے لگی۔ ''تم کہیں پاگل تو نہیں ہو گئے؟''

''ہاں شاید۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''تم اس محبت سے واقف ہی نہیں جو میرے اور رعنا کے درمیان تھی۔''

''اور اگر وہ نعیم کے پاس ہوئی تو؟'' صنوبر نے پکار کر کہا۔ اس کو اپنے سارے شیش محل مسمار ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

''تو پھر میں لوٹ آؤں گا۔'' سروش بولا۔ ''لیکن میرا ایمان کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ صنوبر! تمہارے پاس اس کا ایڈریس ہے؟''

''نہیں۔'' صنوبر نے دانت پیسے۔ ''اس نے ہمیں کوئی پتا نہیں دیا۔''

''بہت مشکل ہوگی۔'' سروش نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''لیکن میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔ تم یہ بات امی، ابا، شاداب کو بھی بتا دینا اور اب تم جا سکتی ہو۔''

صنوبر اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتی، بال جھٹکتی، غصے سے تپتی نیچے چلی گئی اور سروش نے خط کو بھینچ کر سینے سے لگا لیا اور بڑبڑانے لگا۔ ''میری محبت، میری زندگی، میں تم سے آج بھی اور آیندہ ساری عمر محبت کرتا رہوں گا۔ تم کیوں چلی گئیں؟ کیا تم سمجھتی تھیں کہ میری محبت یہ ذرا سا گمان کا جھٹکا بھی نہ سہہ سکے گی؟ کس قدر غلط سمجھا تم نے۔ اوہ رعنا...... رعنا......''

رعنا نے ریل گاڑی سے نکل کر پلیٹ فارم پر قدم رکھا۔ رونے سے اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور چہرہ زرد تھا۔ اس نے بے کسی سے اِدھر اُدھر دیکھا جیسے سوچتی ہو آدمیوں کے اس ہجوم سے نکل کر کہاں جاؤں۔ اس کا تو کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ وہ اپنے والدین کے گھر جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ نعیم کے ساتھ بھاگ جانے کی خبر پورے محلے بلکہ ہر جگہ پھیل چکی ہوگی۔ اب یہ کلنک زدہ چہرہ لے کر ان کے پاس نہیں جاؤں گی، کبھی نہیں۔ انہیں دنیا کی نظروں میں مزید ذلیل نہ کروں گی۔ کاش میں مر گئی ہوتی مگر مجھ جیسے کم نصیبوں کو موت بھی تو نہیں آتی۔ اس نے چپکے سے آنسو پونچھے۔ انسانوں کے اس سیلِ رواں میں وہ تنہا کھڑی تھی۔ اس نے بہ مشکل اپنے حواس بجا کیے اور مستقبل کا سوچنے لگی۔ کہیں ٹھکانا مل جائے تو کچھ کروں۔ زندگی کو گھسیٹنے کے لیے کچھ کرنے کی ضرورت تو ہوگی۔ مجھے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہوگا۔ اتنے

میں آدمیوں کے ہجوم میں سے نعیم برآمد ہوا۔ وہ اسے دیکھ کر سہم گئی۔ وہ قریب آ گیا۔

”تم یہاں کیسے؟“ وہ ہکلائی۔

”اسی گاڑی میں آیا ہوں جس میں تم نے سفر کیا ہے۔ مجھے ڈرائیور نے بتا دیا تھا کہ تم پنڈی جانے والی گاڑی میں سوار ہوئی ہو۔ رعنا! تمہارا نام میرے ساتھ منسلک ہو گیا ہے۔ چلو میرے ساتھ۔“

”ہٹو پیچھے!“ طیش سے سرخ ہو کر رعنا نے کہا۔ ”تم میری زندگی برباد کر چکے۔ اب کیا لینے آئے ہو؟“

”میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔“ نعیم نے کسی مسافر کے دھکے سے سنبھل کر کہا۔

”میں تمہاری ہر قسم کی مدد لینے سے انکار کرتی ہوں۔“ رعنا نے دھیمے لیکن غصیلے لہجے میں کہا۔

”دیکھو رعنا! عقل سے کام لو۔ والدین کے ہاں تم نہ جاؤ گی۔ سروش پلٹ کر تمہیں دیکھے گا بھی نہیں۔ وہ قصہ ختم سمجھو اس لیے مدد کے لیے بڑھا ہوا میرا ہاتھ تھام لو۔“

”نہیں، ہرگز نہیں۔“ غم و غصے سے رعنا سلگ رہی تھی۔

”بے وقوف نہ بنو۔“ نعیم نے نرمی سے کہا۔ ”میں تم سے شادی کر لوں گا۔ تم کبھی کسی زمانے میں مجھ سے محبت کرتی تھیں۔ اسی محبت کی تجدید کر لو۔ ابھی ہم کسی ہوٹل میں چلتے ہیں۔ کل نکاح کر لیں گے۔“

رعنا کے ذہن میں، وہی پہلے والا سین پھر گیا۔ اس نے بھنچے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”چلے جاؤ یہاں سے۔ تمہاری مدد لینے کے بجائے میں مر جانا قبول کروں گی۔“ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ پلیٹ فارم پر اِکا دُکا مسافر رہ گئے تھے۔ وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ نعیم بھی اُدھر آ گیا اور بولا۔

”ہم شادی کر لیں گے۔ میرے پاس کافی پیسا ہے۔ تم آرام سے رہو گی۔“ رعنا کے پاؤں ڈول رہے تھے۔ کمزوری آہستہ آہستہ اس پر غلبہ پا رہی تھی۔ تکرار کرنے کے لیے جس جسمانی اور قلبی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ زائل ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے اپنی رہی سہی قوت مجتمع کر کے کہا۔

”خدا کے لیے تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں ہرگز تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“

نعیم کو غصہ آ گیا۔ یہ اس کی توہین تھی۔ وہ اس کے قریب آ کر بڑبڑایا۔ ”یہ ضد تمہیں چھوڑنا ہو گی، سمجھیں!“ ساتھ ہی اس نے ٹیکسی کو آواز دی۔ ٹیکسی آ گئی تو نعیم نے رعنا کا سوٹ کیس ڈکی میں ٹھونسا پھر اسے ٹیکسی میں بیٹھنے کو کہا۔ رعنا کو چکر آ رہے تھے۔ زبان اور ہونٹ خشک تھے۔ اس نے دقت سے کہا۔

”نہیں...... نہیں......“ مگر نعیم نے اسے زبردستی ٹیکسی میں ٹھونس دیا اور خود اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس کے کہنے پر ٹیکسی چل پڑی۔ رعنا کی حالت تباہ تھی۔ وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھنے پر بھی قادر نہ تھی۔ سارے جسم میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ کاش مجھ میں جسمانی قوت ہوتی تو میں یوں پست نہ ہو جاتی۔ اس نے ڈوبتے دل سے سوچا۔ نعیم اس سے مخاطب ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ بے ہوش ہو چکی ہے۔ اس نے جلدی سے اس کی نبض دیکھی۔ اس میں ضعف تھا۔ ماتھے پر ہاتھ رکھا، سرد تھا اور پسینے میں تر۔ تنفس تیز تھا۔ اس نے ٹیکسی والے کو کچھ ہدایات دیں۔ ٹیکسی ایک ہوٹل کے پاس ٹھہری۔ نعیم نے اپنا اور رعنا کا سامان اتارا، کرائے کے پیسے دیے اور جلدی سے ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچا۔

”دیکھیے، میری بیوی علیل ہے۔ راستے میں بے ہوش ہو گئی ہے۔ اسے اوپر لے جانے میں میری مدد کیجیے۔“ منیجر یہ بیان سن کر فوراً تیار ہو گیا۔ کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر نعیم نے اپنا اور اس کا نام لکھوایا۔ کمرے کی بکنگ کروا کر اوپر چلا گیا۔ ہوٹل والوں نے بے ہوش رعنا کو بیڈ پر لٹا دیا۔ رجسٹر میں اس کا نام نعیم کی بیوی کے طور پر درج تھا۔ نعیم نے ہوٹل کی میڈ کو اس کے متعلق بتا کر کہا۔ ”مہربانی کر کے اسے سنبھالو۔ کھانے پینے کو کچھ لے آؤ۔ اس کی خدمت کے بدلے تم کو انعام دوں گا۔“

میڈ نے رعنا کی طرف دیکھا۔ گلاب کے پھول سا چہرہ زرد تھا۔ سپید ماتھے پر بال پسینے سے چپکے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ وہ بے حد معصوم اور قابلِ رحم لگ رہی تھی۔ میڈ انتظام کرنے نیچے چلی گئی۔ ہوٹل کا ڈاکٹر آ گیا تھا۔ اس نے رعنا کا معائنہ کیا اور کہا۔

”تشویش کی کوئی بات نہیں۔ ان کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے۔ دوائیں دی ہیں۔ ہوش میں آ جائیں گی۔ شاید ان کو کوئی زبردست ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔ جب ہوش میں آئیں تو ان سے پریشان کن بات نہ کی جائے اور بہت زیادہ آرام کریں۔“ یہ کہہ کر اس نے دوائیں دیں، انجکشن لگایا اور چلا گیا۔

نعیم دوسروں کو دکھانے کے لیے افسوسناک صورت بنا کر رعنا کے قریب بیٹھ گیا اور دل ہی دل میں اگلا قدم اٹھانے کے بارے میں سوچتا رہا۔ رات کے وقت رعنا نے آنکھیں کھولیں۔ وہ بے حد کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ اس نے حیرت سے یہ ناآشنا کمرا دیکھا پھر اس کی نگاہیں نعیم اور ہوٹل کی میڈ پر پڑیں۔ اس نے اپنا ہاتھ آہستہ سے ماتھے پر رکھا اور بولی۔ ”نعیم!“ وہ صرف اسی سے واقف تھی اور پوچھنا چاہتی تھی کہ یہ کون سی جگہ ہے اور اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ نعیم فوراً اس کی طرف آیا اور اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بے حد محبت سے بولا کیونکہ بہرحال میڈ وہاں تھی۔

”اوہ ڈارلنگ! اب کیا حال ہے تمہارا؟“ میڈ دونوں میاں بیوی کو تنہائی کا موقع دیتے ہوئے کھسک گئی تو نعیم نے مدھم آواز میں رعنا سے کہا۔ ”دیکھو! یہاں کوئی سین نہ کرنا۔ تم ٹیکسی میں بے ہوش ہو گئی تھیں۔ میں تمہیں اس ہوٹل میں لے آیا ہوں۔ ابھی ڈاکٹر تمہیں دوائیں وغیرہ دے کر گیا ہے۔ یہاں سب یہی سمجھتے ہیں کہ تم میری بیوی ہو۔ تم خوامخواہ کوئی فضول باتیں نہ کرنا، سنا؟“

رعنا خاموش رہی۔ وہ پچویشن کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ وہ اب مکمل طور پر اس شخص کے چنگل میں تھی۔ جسمانی کمزوری نے مزید بے بس کر ڈالا تھا۔ اب کوئی صورت رہائی کی نہ تھی۔ سب یہ جانتے تھے کہ وہ اس شخص کی بیوی ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکنے کے ناقابل تھی۔ خوف اور مایوسی نے اس پر غلبہ پا لیا۔ وہ اس وقت اتنی علیل اور کمزور تھی کہ کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ ”آہ! سروش تم کہاں ہو؟“ اس کے دل نے بین کیا۔

دو تین دن میں اس کے اندر اتنی طاقت آ گئی کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکتی تھی مگر نعیم کے سامنے وہ اسی طرح بے جان سی بستر پر چادر اوڑھے پڑی رہتی۔ وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی جب وہ یہاں سے نکل سکے۔ گو یہ بات موجودہ صورتِ حال میں ناممکن تھی مگر وہ ہر وقت اسی کے متعلق سوچتی رہتی۔

اور ایک روز قدرت نے یہ موقع اسے پھر فراہم کر دیا۔ نعیم کو بزنس کے سلسلے میں فوری بلاوا اس کے موبائل پر آیا کہ حاضر ہو جاؤ حالانکہ وہ ایک طویل رخصت پر تھا۔ چیئرمین نے اسے بلا بھیجا۔ اس نے فوراً آ کر رعنا کو مطلع کیا اور بتایا کہ وہ رات تک آ جائے گا۔ اس کے جاتے ہی رعنا نے کانپتے ہاتھوں سے اٹیچی کیس میں سے کوٹ نکال کر پہنا، رقم گنی اور تسلی سے اسے اٹھائے کمرے سے نکل گئی۔ کاریڈور میں اسے کوئی نہ ملا۔ کھانے کا وقت نہ تھا۔ میڈ بھی کہیں آرام کر رہی تھی۔ رعنا دھڑکتے دل اور لرزتی ٹانگوں سے نیچے اتر آئی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اسے ایک ٹیکسی مل گئی اور اس نے شکر ادا کیا کیونکہ اب اس کی کمزور ٹانگوں نے چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ ٹیکسی چلنے لگی۔

رعنا کے ہوٹل سے جانے کے صرف پانچ منٹ بعد ایک اور ٹیکسی وہاں آ کر رکی اور ایک اونچا لمبا، سیاہ بالوں والا شخص جس نے گلے میں سلنگ ڈالی

ہوئی تھی کیونکہ اس کا بازو ابھی مکمل ٹھیک نہ ہوا تھا، نیچے اترا۔ یہ سروش عبیدالرحمان تھا۔ وہ بھی ڈاکٹر اور نرس سے چھپ کر اس لڑکی کی تلاش میں بھاگ نکلا تھا جو اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ اس کی رنگت میں زردی اور چہرے پر تھکاوٹ تھی۔ وہ چلتا ہوا ہوٹل میں آیا اور کمرا طلب کیا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس نے یہ ہوٹل منتخب کیا۔ ویسے وہ پہلے بھی اس آرام دہ ہوٹل میں قیام کر چکا تھا جو اسے پسند بھی تھا۔ وہ سیدھا پنڈی اس لیے آیا کہ نوکروں وغیرہ سے پوچھ تاچھ کرتے جب کافی وقت گزر گیا تو اسے اس ڈرائیور کا خیال آیا جو رعنا کو اس روز اسٹیشن پر لے گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ ''رعنا بی بی نے پنڈی جانے والی گاڑی کا ٹکٹ مجھ سے منگایا تھا۔'' اور فوراً ہی سروش بغیر مزید دیر کیے پنڈی چلا آیا اپنی رعنا کی تلاش میں لیکن وہ سوچ رہا تھا وہ کہاں ہوگی۔

ہوٹل کے رجسٹر پر دستخط کرتے ہوئے اس کی نظر ایک جگہ رک گئی، لکھا تھا۔ ''مسٹر اور مسز نعیم۔'' دنیا اس کی نگاہوں میں گھوم گئی۔ تو اس کا مطلب یہ تھا کہ جو کچھ صنوبر نے کہا اور اس نے سنا وہ غلط نہ تھا۔ ایک شعلہ سا اٹھا اور اس کے جسم و جاں میں تپش بھر گئی۔ یوں لگا جیسے دل ریزہ ریزہ ہو گیا ہو۔ وہ ذرا لڑکھڑایا کیونکہ ابھی بیماری کی کمزوری باقی تھی۔ غصہ، مایوسی اور غم نے اس کے دل کو دبوچ لیا پھر ایک لہر سی آئی جو امید کو اُبھار گئی۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور منیجر سے پوچھا۔

''یہ میرے دوست کا نام ہے۔ بہت عرصہ ہوا اسے ملے۔ یہ اس ہوٹل میں کب آئے؟''

''یہی کوئی تین چار دن ہوئے۔'' منیجر نے جواب دیا۔

''کیا تم نے ان کی...... ان کی بیوی کو بھی دیکھا؟ دراصل میری عدم موجودگی میں میرے دوست نے شادی کر لی تھی۔ میں نے اس کی مسز کو نہیں دیکھا۔ تم بتا سکتے ہو وہ کیسی ہیں؟'' یہ کہہ کر وہ کوشش کر کے ہنس پڑا تا کہ نارمل لگ سکے۔

''دراصل وہ بیمار تھیں جب یہاں آئیں۔ ان کے شوہر نے بتایا ٹیکسی میں بے ہوش ہو گئی تھیں۔'' منیجر نے بتایا۔ ''ان کے شوہر اور میڈ نے مل کر انہیں اوپر پہنچایا۔''

سروش کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اگر وہ ٹیکسی میں بے ہوش تھی تو اس کا مطلب ہے شادی بعد میں ہوئی ہوگی۔ پہلے وہ ''بلاسمز'' میں تھی اور وہاں شادی نہیں ہوئی تھی، امپاسبل! اس کا دل دھڑک کر اس کے سارے جسم کو ہلائے ڈالتا تھا۔ یقیناً یہ رعنا ہے۔ اوپر بیمار پڑی ہے۔ نعیم شاید اس کے پاس ہو یا نہیں اور۔ ذہن میں خیالات گتھم گتھا تھے۔ شاید اسے نشہ آور ادویات دے کر سلایا جاتا ہو شاید۔

''بھئی، نعیم کے کمرے کا نمبر بتاؤ۔ میں ان کی مسز کو جا کر دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم نے بتایا نا کہ بیمار ہیں وہ؟''

''جی ہاں، آپ اپنا نام بتایئے۔ میں ان کے کمرے میں رِنگ کر کے انہیں بتاتا ہوں کہ آپ آئے ہیں۔'' منیجر نے اخلاقاً کہا۔

''سروش...... سروش عبیدالرحمان۔'' اس نے بتایا۔

کمرے سے فون کا جواب نہ آنے پر منیجر نے ایک آدمی بھیجا جو یہ خبر لایا کہ مسز نعیم کمرے میں نہیں ہیں۔ ہوٹل میڈ بھی گھر چلی گئی تھی۔ منیجر نے سروش کے پیہم سوالات کے جواب میں تحمل سے بتایا ''مسٹر نعیم بھی باہر ہیں۔ مسز نعیم کو ابھی ڈاکٹر نے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ حیرت ہے کہ وہ کہاں گئیں۔''

سروش کا دماغ چکرا گیا تھا۔ دال میں کچھ کالا ضرور ہے اس نے سوچا۔ رعنا یہاں بے ہوشی کی حالت میں لائی گئی اور اب نعیم کے علاوہ رعنا بھی غائب ہے۔ بہر حال میں اسے ڈھونڈوں گا۔ سارا شہر چھان ماروں گا۔ کہیں تو ملے گی۔ وہ بھاگا ہوا ہال پورٹر کے پاس پہنچا جس نے استفسار کے جواب میں بتایا کہ ''جی ہاں یہ خاتون جنہیں مسز نعیم کے نام سے پکارا جاتا تھا اور جو چند دن پہلے بیمار تھیں انہیں آج ایک سوٹ کیس سمیت باہر جاتے دیکھا گیا ہے۔ انہوں نے ٹیکسی بھی منگائی تھی۔''

''کیا تم نے سنا کہ انہوں نے ٹیکسی والے کو پتا کہاں بتایا تھا؟'' سروش نے بے صبری سے پوچھا۔

''جی سنا تو تھا مگر بھول گیا ہوں۔'' ہال پورٹر نے سر کھجاتے ہوئے بتایا۔

''کوشش کرو۔ یاد کرو کیا پتا تھا۔'' سروش نے اس کے ہاتھ میں سو کا نوٹ پکڑا کر کہا۔ ہال پورٹر کی آنکھیں نوٹ دیکھ کر چمک اٹھیں۔ وہ تیزی سے بولا۔

''یاد کرتا ہوں جناب! ہاں یاد آیا۔ انہوں نے کہا تھا عالمگیر ہوٹل، جہاں قدرر روڈ۔ ہاں یہی تھا۔''

سروش کی نبض تیزی سے چل رہی تھی۔ مایوسی، امید، جوش، سب کچھ اس کے اندر ہلچل مچائے ہوئے تھے۔ صرف ایک ہی نظر اس کے سامنے تھا رعنا کو ڈھونڈنا۔ اس متاعِ زیست کو تلاش کرنا اور اس سے تمام حالات سننا اور...... وہ ابھی ہوٹل کی سیڑھیوں پر کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ ایک خوبصورت سیاہ رنگ کی کار قریب آ کر رکی اور اس میں سے نعیم برآمد ہوا۔ سروش کی جسمانی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ کسی جھگڑے کی تاب لا سکتا مگر اس کے اندر جوش اور غصے نے اس کے پورے جسم کو توانائی بخش دی۔ وہ آگے بڑھ کر نعیم کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''ارے سروش تم! تم یہاں کیسے؟'' نعیم نے حیرت سے کہا۔

''میں رعنا کو ڈھونڈنے آیا ہوں۔'' سروش نے اطمینان سے کہا۔

''واہ! وہ تو میری بیوی ہے، بیمار ہے۔ اوپر کمرے میں آرام کر رہی ہے۔'' نعیم نے اسے بتایا۔

''یہاں تم غلط فہمی کا شکار ہو۔'' سروش نے دانت بھینچ کر کہا۔ ''وہ اوپر کمرے میں نہیں ہے۔''

''کیا؟'' نعیم کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''یہی تو عجیب بات ہے۔ اگر واقعی وہ تمہاری بیوی تھی تو تمہاری لاعلمی میں چپ چپاتے اپنا سامان لے کر کیوں چلی گئی؟ ہے نا شک و شبے والی بات۔ وہ اس وقت عالمگیر ہوٹل میں ہے جہاں قدرر روڈ پر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کی مرضی کے خلاف یہاں لایا گیا ہوگا ورنہ چلی کیوں جاتی۔'' نعیم کے چہرے پر مکروہ سی مسکراہٹ آئی۔

''رعنا؟ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ جائے جہنم میں وہ بھی اور تم بھی۔'' یہ کہہ کر وہ چلنے لگا مگر سروش نے جھپٹ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

''نہیں، تم یوں نہیں جا سکتے۔ تمہیں میرے ساتھ عالمگیر ہوٹل چلنا ہوگا اور سب کچھ بتانا ہوگا جو بھی سچ ہے۔ مجھے قطعاً یقین نہیں کہ اس نے تم سے شادی کی ہوگی۔ اس پر کسی طور، کسی وجہ سے تم نے قبضہ حاصل کر لیا ہے مگر یہ سب کچھ تم میرے اور اس کے سامنے بتاؤ گے۔'' نعیم اپنے کاروباری ذہن سے سوچ رہا تھا۔ اس کے پاس دولت، شکل صورت، عورتوں کو موہ لینے کا آرٹ سبھی کچھ تھا تو پھر وہ کیوں اس لڑکی کے پیچھے باؤلا ہوا پھرتا تھا جو کسی اور کو چاہتی ہے؟ اب یہ سارا قصہ ختم کرنا ہوگا۔ بے وقوفی کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے اور اب تو وہ اس کے ہاتھ سے پوری طرح نکل چکی ہے۔ سروش کو اس کا پتا بھی معلوم ہو چکا ہے۔ نہیں نہیں، اب یہ سلسلہ یہیں ختم ہونا چاہیے۔ اس نے ایک بے پروا نظر سروش پر ڈالی اور بولا۔ ''میں مانتا ہوں تم جیت گئے۔ میرے لیے اب اس معاملے کی کوئی اہمیت نہیں۔''

''تو پھر کم از کم مجھے اس معاملے کی اصلیت بتا دو یا پھر میرے ساتھ رعنا کے پاس چلو۔ وہیں دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو جائے گا۔'' سروش نے کہا۔

''میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا۔'' نعیم نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔ ''میں کسی قسم کا تماشا نہیں

بنانا چاہتا۔ رعنا کو تم نے پالیا۔ وہ میری بیوی نہیں ہے۔'' نعیم نے کہا۔ ''وہ میرے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھی اور بے ہوش ہوگئی۔ میں اسے ہوٹل میں لایا اور اپنی بیوی کے طور پر رجسٹر کیا۔ وہ سارا وقت بیمار رہی۔ میں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور وہ اب بھی اتنی ہی بے گناہ اور پاک ہے جتنی ''بلاسمز'' سے آتے وقت تھی۔'' اس نے سب کچھ اُگل دیا۔ سروش نے ایک لمبی سانس لی جیسے صدیوں سے یہ سانس اس کے سینے میں رکی رہی ہو اور بولا۔

''ٹھیک اور اب نعیم وہ پہلے والے ہوٹل کا معاملہ بھی صاف کردو۔''

''ہاں میرے ساتھ رعنا اپنے گھر سے بھاگ نکلی تھی۔ میں سمجھتا تھا وہ مجھ سے محبت کرتی ہے لیکن شاید میں غلط فہمی میں تھا۔ وہ ہوٹل سے بھاگ نکلی۔ وہ ایک رات بھی میرے پاس نہیں رہی۔ میں خواہ مخواہ بے وقوف بنا اور کچھ سننا چاہتے ہو؟'' اس نے طنزاً کہا۔

''نہیں کچھ نہیں۔'' سروش کے منہ سے ایک اور اطمینان بخش سانس خارج ہوئی۔ ''لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ تمہاری وجہ سے دو بے گناہ انسانوں نے جتنی اذیت اٹھائی اس کے بدلے میں تمہیں زدوکوب کیا جانا واجب تھا لیکن خیر۔''

نعیم ایک زہریلی ہنسی ہنسا۔ ''اس دفعہ ناکام ہوا ہوں۔ ہر بار نہیں ہوں گا اور تم جاؤ۔ اب رعنا سے شادی کرو اور ہنسی خوشی رہو۔'' وہ اپنی کار میں جا بیٹھا۔ سروش اسے جاتے دیکھتا رہا پھر آہستہ قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

☆☆☆

جب عالمگیر ہوٹل پہنچ کر سروش نے رعنا کے متعلق پوچھا تو لیڈی منیجر نے کہا۔

''خاتون جب آئیں تو بہت کمزور اور علیل تھیں۔ وہ آرام کررہی ہیں۔ آپ کہیں تو اطلاع کردوں کہ آپ ان سے ملنا چاہتے ہیں؟''

''نہیں میں خود اوپر جاتا ہوں۔ میں ان کا شوہر ہوں۔'' سروش نے مختصراً کہا۔ یہ ایک خوشگوار جھوٹ تھا جسے بولتے ہوئے اس کی روح تک جھوم اٹھی۔

''شوہر؟ مگر انہوں نے رجسٹر میں اپنا نام مس رحیم بتایا ہے۔'' لیڈی منیجر نے حیران ہوکر کہا۔

سروش نے اپنا متبسم چہرہ اوپر اٹھایا۔ ''دراصل ہم میں جھگڑا ہوگیا تھا۔ وہ روٹھ کر یہاں آگئیں اور اب میں انہیں منانے آیا ہوں۔'' لیڈی منیجر نے قہقہہ لگایا۔ وہ شاید اس روٹھنے منانے کے فارمولے کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اس نے سروش کو جانے کی اجازت دے دی۔ دو منٹ بعد سروش نے رعنا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے کمزور سی آواز آئی۔

''کم ان!'' اور سروش اندر چلا گیا۔ ہوٹل سے فرار کے بعد بیماری اور کمزوری کے باوجود رعنا نے عزم کرلیا تھا کہ نوکری کرے گی۔ اس وقت وہ ایک روزنامہ لیے ''جگہ خالی ہے'' کے اشتہار دیکھ رہی تھی۔ اس کا جھکا ہوا زرد کمزور چہرہ بکھرے ہوئے بال دیکھ کر سروش کے دل کو دھچکا لگا۔ رعنا نے سر اٹھایا۔ سروش کو دیکھ کر اسے سکتہ سا ہوگیا پھر اس کے منہ سے چیخ نکلی ''سروش!'' اور اگلے لمحے وہ جاں بخش بازوؤں کے حصار میں تھی جو اس سے لپٹ گئے تھے۔ سروش کے دل کی دھڑکن اسے سنائی دے رہی تھی۔ وہ بیک وقت ہنس بھی رہی تھی اور روتی بھی جارہی تھی۔ سروش نے اپنے ساتھ چمٹائے ہوئے اسے ساری کہانی سنائی۔ ''بلاسمز'' سے اپنا فرار، نعیم کا اعترافِ جرم، اپنے دکھ، سب کچھ.....

''اور اب میں تمہیں اس گھر میں لے جاؤں گا جہاں سے ایں اذیت اور عذاب میں تم نکلیں۔ مصیبت اٹھائی رہیں۔ اب ہم اپنوں کی محبت اور خوشیوں کے درمیان اکٹھے رہیں گے۔ میں ساری کہانی ان کو سناؤں گا۔ رعنا! خوش ہوجاؤ کہ اب مسرتوں کی کلیاں پھول بنیں گی۔ کوئی غم نہ ہوگا۔''

افسانہ

گہن زدہ حُسن

ممتاز خانم

دل کی تاریکیاں نہ دور ہوئیں
جگمگائے بہت نظر کے چراغ

کبھی کبھی انسان وہ کچھ دیکھتا ہے جس چیز کا دراصل کوئی وجود ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ پوری داستان ہی بُن لیتا ہے مگر جب حقیقت واضح ہوتی ہے تو ہاتھ ملنے کی نوبت نہیں ٹک آتی

خودستائشی کی کیفیت سے دوچار، ماہ جبین کا احوال

وہ شدید گرمی کا دن تھا۔ جلتا تپتا سورج آگ برسا رہا تھا فضا میں شدید حبس ہونے کی وجہ سے ہوا بالکل بند ہوگئی تھی۔ میں کافی دیر سے اسٹاپ پر کھڑی اپنی بس کے آنے کا انتظار کررہی تھی۔ مجھے یہاں کھڑے کھڑے تقریباً آدھا گھنٹا ہوچکا تھا مگر بس تھی کہ آنے کا نام نہ لے رہی تھی۔

میں نے گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ سب ہی لوگ گرمی سے بیزار اور اکتائے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کچھ لوگ رومال سے اپنے پسینے میں بھیگے چہرے صاف کرنے میں مصروف تھے تو کچھ چھتری تانے کسی رومال یا کاغذ سے ہوا جھلنے میں لگے ہوئے تھے۔ ان سے ذرا فاصلے پر گنے والا اپنے اسٹال پر کھڑا اپنے کام میں مصروف تھا۔ خاصی تعداد میں وہاں لوگ گنے کا ٹھنڈا ٹھنڈا رس پی کر اپنے وجود کو تازگی بخش رہے تھے جو کہ گرمی کی شدت سے کمہلایا جا رہا تھا۔ رس بیچنے والا بیٹا پسینے میں شرابور لپک جھپک کر لوگوں میں شربت تقسیم کرنے میں مصروف تھا۔ کسی سے پیسے لیتا، کسی کو گلاس تھماتا تو کبھی برف کوٹنے والے لڑکے کو ڈانٹ کر تیزی سے ہاتھ چلانے کو کہتا...... میری نظریں وہاں سے ہٹ کر پھر سڑک کی جانب مرکوز ہو گئیں جہاں دو بچیاں تیزی سے سڑک کراس کرتے ہوئے اسٹاپ کی جانب ہی آ رہی تھیں۔ ان کے چہرے دھوپ کی تمازت سے سرخ تھے وہ کسی سایہ دار جگہ میں کھڑے ہونے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں مگر اسٹاپ پر کوئی سایہ دار درخت بھی نہیں تھا جو اس سخت ترین گرمی میں ان کے لیے "جائے پناہ" بنتا کچھ لوگ تو گنے کے اسٹال کے چھجے تلے کھڑے تھے کچھ اپنے چہرے کے آگے اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل یا کتاب کا سایہ کیے کھڑے تھے تو کچھ لوگ اپنے ہاتھوں کا چھجا بنائے اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چمکدار سڑک پر نظریں جمائے اس طرف گھور رہے تھے جہاں سے بس کو آنا تھا۔

"اُف! آج بس آئے گی بھی یا نہیں۔" میرے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ ابھری۔ بھوک سے آنتیں پہلے ہی قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں اوپر سے گرمی اور پیاس سے برا حال ہونے لگا۔ کپڑے الگ پسینے سے بھیگ کر بدن سے چپکنے لگے تھے۔

میں نے اپنی کتابوں کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے جنرل میں رکھے رومال کو نکالا اور اپنے پسینے میں ڈوبے چہرے کو خشک کرنے لگی۔ آج تو ہر شے گویا تنور سے نکلی ہوئی لگ رہی تھی۔ کتابیں جن پر سفید پلاسٹک کَور چڑھے ہوئے تھے، بری طرح تپ رہی تھیں۔ رومال سے بھی گرم گرم بھاپ سی نکل رہی تھی۔ مرچیں سی لگ اٹھی تھیں... رومال سے چہرے کو صاف کرتے ہوئے۔

"اے بیٹا! یہ گلشن رسول کون سی بس جائے گی؟" ایک ضعیف سی خاتون میرے نزدیک آ کر بولیں۔ میں نے رومال تہ کرتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"H 1 جائے گی مجھے بھی اسی بس میں جانا ہے۔" ان سے بات کرتے ہوئے اس جانب کو دیکھا تو بس آ ہی گئی تھی۔ لوگوں کا ہجوم بس کی جانب دوڑ پڑا۔ لوگ جلدی جلدی بس میں گھسنے کے لیے دھکم پیل کرنے لگے جو طاقتور جوان و توانا تھے، وہ اپنے سے کمزور اور بوڑھے لوگوں کو دھکیل کر بس میں چڑھ گئے اور جو نیچے رہ گئے ان کو کنڈیکٹر کی للکار سن کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ عورتوں والے حصے میں خدا کی پناہ اتنا رش تھا کہ توبہ...... ! مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ بس میں بھرے لوگ انسان نہ ہوں بلکہ آلو پیاز جیسی کوئی شے ہوں جنہیں ٹھوس ٹھاس کر اس میں بھر دیا گیا۔ بس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے تو جھرجھری آنے لگی کہ اگر یہ بس خدانخواستہ کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو کس قدر جانوں کا نقصان ہو، خیر جانا تو مجھے بھی اسی بس میں تھا...... اور یہ بس بھی پورے پون گھنٹے کے بعد آئی تھی سو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میں بھی اسی بس کے فٹ بورڈ پر ہینڈل پکڑ کر چڑھ گئی۔ کنڈیکٹر بس کو تھپ تھپاتے ہوئے اِدھر ہی آ رہا تھا۔

"چل مائی پیچھے ہٹ جگہ نہیں ہے۔" اس نے دو بچوں کے ساتھ بس میں سوار ہونے کی کوشش کرتے ہوئے ایک عورت کا بازو پکڑ کر ہٹاتے ہوئے کہا مگر وہ منع کرنے کے باوجود بس میں گھسنے

کی کوشش کر رہی تھی۔

"کاہے کو مغز خراب کرتی ہے کیا خودکشی کرنے گھر سے نکلی ہے۔ مرنا ہے تو کہیں اور جا کر مر ہمارے متھے کیوں پڑتی ہے۔" وہ فٹ بورڈ پر اپنا پیر ٹکاتے ہوئے بولا۔

"چلو کرایہ نکالو ابھی بس کھڑی ہے تو پیسے نکالے نہیں ہیں بعد میں چیں چیں کرتی ہیں۔" وہ بڑبڑانے لگا میں نے بھی جلدی سے اپنے ہاتھ میں پکڑے پیسے اس کے ہاتھ پر رکھے اور فٹ بورڈ سے ذرا اوپر کھسک گئی۔ کنڈیکٹر کے وجود سے پسینے کے بھبکے اٹھ رہے تھے نجانے وہ کب سے نہیں نہایا تھا۔ میرا خواہ مخواہ ہی دل خراب ہونے لگا۔

"ڈبل ہے استاد جانے دو۔ استاد گاڑی ذرا کھینچ کر رکھ پیچھے دوسری گاڑی آ گئی ہے۔" اس نے ایک زوردار ہاتھ بس کی باڈی پر مارا اور گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

"ارے اس لڑکی کو دیکھو ہمارے اوپر چلی آ رہی ہے۔" کسی نے نسوانی انگلیاں میری پشت میں اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے مجھے آگے کی طرف دھکا دیا۔ میں نے تلملاتے ہوئے پیچھے مڑ کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ کچھ محسوس کرتے ہوئے چپ ہو گئی کیونکہ میرا پاؤں اس عورت کے پاؤں پر آ گیا تھا۔ میری ہائی ہیل سے اس کی انگلیاں زخمی ہو گئی تھیں اور پھر اس کی گود میں بچہ بھی تھا۔ ایک ہاتھ سے وہ بچے کو اور دوسرے سے ہینڈل کو پکڑے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ میں شرمندہ سی ہو گئی۔ اس کی تکلیف کا احساس مجھے بڑی شدت سے ہوا۔ بیچاری کا پاؤں میرے پاؤں تلے آ کر کچل گیا۔

"معاف کیجیے گا۔" میرے اس جملے سے اس کے چہرے کا تناؤ کچھ کم ہو گیا، غصے کے بادل چھٹ گئے اور ایک نرم سی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کے گرد ہالہ کرلیا۔ وہ خود بھی بولی۔

"کوئی بات نہیں ایسا ہو ہی جاتا ہے کیا کرے

محبت کی اک نظم

کوئی چہرہ نظر میں آ سماتا ہے
دلوں پہ نقش ہوتا ہے
نگاہیں مسکراتی ہیں
محبت سانس لیتی سی کہیں محسوس ہوتی ہے
محبت زندگی میں آئے تو بے چین کرتی ہے
سہارے چھینتی ہے، توڑتی ہے
تنہا رکھتی ہے
زندگی خواہشوں کی پیاس سے بجھنے سی لگتی ہے
ٹوٹنے لگتے ہیں ارماں، چھوٹنے لگتی ہیں سانسیں
مگر پھر بھی......
محبت سانس لیتی سی کہیں محسوس ہوتی ہے

(کلام۔ سعدیہ ال کاشف)

کوئی...... مسافر ہی اتنے بھرے ہیں کہ صحیح سے قدم جمانے تک کو جگہ نہیں اور اس ہوس کے مارے کنڈیکٹر کو دیکھو۔ عورتوں کو ہر اسٹاپ سے چڑھائے لیتا ہے جیسے ساری بس خالی ہی تو پڑی ہے۔ اس کا بس چلے تو یہ لوگوں کو بس کی چھت پر بھی بٹھا دے۔"

"ہاں بہن اب اسی کی کسر رہ گئی ہے۔ ورنہ منی بس والے تو روزانہ درجنوں لوگوں کو گاڑی کے اندر ٹھونسنے کے علاوہ چھتوں پر بھی بٹھا لیتے ہیں اور گیٹ پر الگ ذرا سا قدم ٹکائے لوگ یوں لٹکے رہتے ہیں جیسے کوئی کٹی پتنگ بجلی کے تاروں پر اٹک کر اِدھر اُدھر جھولتی رہتی ہے جیسے اب گری اور تب گری۔ یہی ان لوگوں کا حال ہے۔"

''بچی مجھے تو ہول آتا ہے۔'' انہیں اس حالت میں دیکھ کر ایک اور عورت بھی اس کی تائید کرتے ہوئے بولی اور میں اپنی شرمندگی مٹانے کی غرض سے ان دونوں کی باتوں پر ہوں، ہاں کرتی رہی ورنہ دل تو کسی سے بات کرنے کو تیار نہ تھا۔ گرمی حبس اور پھر بس کے اندر مسافروں کا ہجوم اور ان کے وجود سے اٹھتی ہوئی مختلف باسیں۔ ایک دم طبیعت متلانے لگی تھی اس پر بالائے ستم بس کے اندر عجیب بے تکے گانوں کی ریکارڈنگ...... اتنے میں کسی بچے نے گرمی کی شدت سے گھبرا کر بری طرح رونا شروع کر دیا۔ ایک عجب عالم طاری تھا پوری بس میں۔ ریکارڈنگ کا شور، بچے کی چیخ پکار اور پھر کنڈیکٹر کی مسلسل دھڑ دھڑاہٹ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔

''یا اللہ یہ کیسا عذاب ہے......؟'' میں منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ جی چاہ رہا تھا کہ کاش بیٹھنے کو تھوڑی سی جگہ مل جاتی مگر اس حالتِ زار کو دیکھتے ہوئے یہ معمولی سی خواہش پوری ہونا ناممکن نظر آ رہا تھا۔

''اللہ میاں کاش تو نے غریبوں کو پیدا ہی نہ کیا ہوتا اور اگر یہ کرم فرمائی کی بھی تھی تو اتنا کرم مزید کر دیتا کہ انہیں تھوڑی سی سہولت بھی عطا کر دیتا کہ ہم جیسوں کے دن بھی کچھ بہتر انداز سے گزرتے۔ تیرے خزانے میں کس چیز کی کمی ہے بھلا۔'' میں دل ہی دل میں خدا سے شکوہ کر بیٹھی۔

گلشن رسول پہنچتے پہنچتے بس کافی خالی ہو چکی تھی مجھے بھی بیٹھنے کو سیٹ مل گئی۔ پتا نہیں اچانک کیسے اللہ میاں کو رحم آ گیا کہ سورج کو کالے گہرے گہرے بادلوں نے اپنی آغوش میں چھپا لیا ہر طرف نم آلود فرحت بخش ہوا چلنے لگی۔

''اللہ میاں جی! تیرا احسان۔'' میں نے نیلے آکاش کو دیکھتے ہوئے سوچا جہاں اب کالے کالے بادل اٹکھیلیاں کرتے پھر رہے تھے۔

''ابے پیسے نکال۔ حرام خور کہیں کا۔ بس میں سفر کرنے چلا ہے اور بہانے یہ کہ پیسے نہیں ہیں۔ پیسے نہیں تھے تو کاہے کو بس میں چڑھا تھا۔ یہ تیرے باپ کی گاڑی ہے کیا؟'' کنڈیکٹر بری طرح سے کسی کو لتاڑ رہا تھا۔ میں نے ڈرائیور کے سامنے لگے شیشے میں دیکھا۔ مردوں والے حصے میں سیٹ پر ایک بارہ تیرہ برس کا دبلا پتلا کمزور سا لڑکا شرمندگی سے نظریں جھکائے دکھ کے آثار لیے لوگوں کی نظروں کے حصار میں بیٹھا تھا اور کنڈیکٹر اس کے نزدیک ہی کھڑا اسے برا بھلا کہنے میں مصروف تھا۔

''یا اللہ قدم قدم پہ تیرے ان بندوں کے ساتھ ایسا سلوک، یہ غریب مجبور و لاچار لوگ یہ بھی تو ان لوگوں کی طرح تیرے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ وہ جو کاروں میں گھومتے ہیں، ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں سوتے ہیں، اعلیٰ اور بڑھیا کپڑوں سے ان کا وجود سجتا اور امپورٹڈ خوشبوؤں سے مہکتا ہے کیا صرف وہ ہی تیرے بندے ہیں صرف وہ ہی تیری توجہ کے لائق ہیں؟ اللہ میاں تو نے غریبوں کو کیوں بنایا......؟ میں دل میں مسلسل شکوہ کناں تھی۔ کیا ان کے ان کا وجود ہے کہ بھوک و افلاس ان کا مقدر ہو۔ یہ زرد چہرے بھوک سے نڈھال جسم، چیتھڑے لگے ہوئے وجود کو گھسیٹتے ہوئے تیرے جہاں میں اپنی معمولی خواہشات کو سینے میں دبائے، حسرتوں کا مزار بنے نظر آتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو ترستے ہیں۔ اللہ میاں جب سب انسان برابر ہیں تو پھر یہ فرق کیوں؟'' میرا ذہن پھر باغی ہونے لگا تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے اس کی عظمت کے آگے سرنگوں تھا۔ اس کی بڑائی کا اعتراف کر رہا تھا وہ پھر دھیرے دھیرے جلنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے پھر بیک ویو مرر سے مردوں والے حصے کی جانب دیکھا۔ وہ بچہ اب وہاں نہیں تھا شاید شرمندگی کے مارے اتر گیا ہو۔ اب وہاں ایک انتہائی خوبصورت سرخ و سفید رنگت والا نوجوان بیٹھا تھا۔ جس نے سن گلاسز سے اپنی آنکھوں کو چھپا رکھا تھا۔ میں ٹھہری حسن پرست

دنیاوی مسائل روحانی مشورے

روحانی اسکالر سید محمد علی قادری دنیاوی مسائل کا حل قرآنی آیات اور اللہ تعالیٰ کے ناموں سے پیش کرتے ہیں

بونڈ کی پرچیاں لگ گئیں

☆ قادری صاحب! میں بہت غریب تھا' میں ہر وقت حالات بدلنے کی ترکیبیں سوچا کرتا تھا میں نے آپ کو اپنا مسئلہ بتایا آپ نے نقشِ تسخیرِ خاص بنا کر دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرے پاس بونڈ کی پرچیاں تھیں جو لگ گئیں' اس سے مجھے کافی مالی فائدہ ہوا اور میرے حالات بدل گئے۔ آپ میرے دوست کو بھی نقش بنا کر دیں تاکہ اس کے حالات بھی بدل جائیں۔ (فاروق خان۔ کراچی)

● اللہ کا شکر ہے کہ آپ کے حالات صحیح ہو گئے۔ آپ اپنے دوست کو کہیں کہ ملاقات کر کے نقش حاصل کر لیں۔

مسائل کا شکار

☆ قادری صاحب! میری عمر 19 سال ہے۔ کئی مسائل کا سامنا کر رہا ہوں۔ جس میں سب سے بڑا مسئلہ معاشی ہے' میرے مسائل کے حل کے لیے میری رہنمائی فرمایئے' مہربانی ہوگی۔ (عابد۔ شکارپور)

● ہر نماز فجر کی نماز کے بعد تین تسبیح **یارزاقُ یا قادرُ** پڑھا کریں' انشاء اللہ' اللہ کرم کرے گا۔

بیٹی کی بیماری سے تنگ

☆ قادری صاحب! میری بیٹی جس کی عمر 18 سال ہے' گیارہویں جماعت کی طالبہ ہے۔ عرصہ تین سال سے اُس کا پورا بدن کھلتا تھا۔ کئی ڈاکٹروں کو دکھایا لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ میں نے آپ سے لوحِ شفا' بنوائی اور دم کیا ہوا پانی لیا جس کے استعمال سے میری بیٹی کی طبیعت کافی بہتر ہو گئی ہے۔ کیا پانی کا استعمال ابھی جاری رکھوں۔ (الیاس۔ کلفٹن)

● اللہ کا شکر ادا کرو جس نے آپ کی بیٹی کو شفا دی۔ پانی کا استعمال ابھی ایک مہینہ اور جاری رکھیں۔

قرضہ کا بوجھ اتر گیا

☆ قادری صاحب! میں قرضے میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ قرضہ ادا نہیں کر پا رہا تھا۔ ہر طرف سے پریشان ہو کر آپ کو اپنا مسئلہ بتایا۔ آپ نے لوحِ تسخیرِ خاص بنا کر دی۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ میرا ایک بونڈ کھل گیا اور مجھے ایک لاکھ کا انعام مل گیا' اب اللہ کا شکر ہے کہ میرا تمام قرضہ اتر گیا ہے۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ آمین (صغیر احمد۔ نواب شاہ)

● اللہ کا شکر ہے آپ کو قرضے سے نجات مل گئی۔ لوح کو ابھی اپنے پاس رکھیں۔ وظیفہ پڑھتے رہیں۔

کاروبار میں نقصان

☆ قادری صاحب! میں پہلے بھی کئی کام کر چکا ہوں' اُن میں بھی مجھے نقصان ہوا' اب میں نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر ایک دُکان کھولی ہے جو شروع میں بہت اچھی چل رہی تھی لیکن اب نقصان ہونا شروع ہو گیا ہے' میری مدد کریں۔ (امجد سلمان۔ روہڑی)

● آپ کے اوپر بندش کے اثرات ہیں' جس کی وجہ سے رزق میں تنگی رہتی ہے۔ آپ آفس کے پتے پر خط لکھیں' استخارہ کر کے جواب دیا جائے گا۔

نقش تسخیر خاص

☆ قادری صاحب! آپ سے نقش تسخیر خاص برائے پروموشن بنوایا تھا۔ اللہ کا کرم ہے' اب میری ترقی ہو گئی ہے۔ آپ سے پوچھنا ہے نقش کا اب کیا کروں؟ (انور اچکزئی۔ کوئٹہ)

● آپ وظیفہ پڑھنا بند کر دیں۔ نقش کو ابھی حفاظت سے رکھیں۔

X......X......X

معروف روحانی اسکالر سید محمد علی قادری

نوٹ: خط و کتابت کیلئے جوابی لفافے کے ساتھ مسائل صرف کراچی کے پتے پر بھیجئے

A-911' سیکٹر 11-B' نارتھ کراچی
نزد نارتھ کراچی ٹیلی فون ایکسچینج۔

E-mail:
mashal_e_raah@yahoo.com
mashal_e_raah1@hotmail.com
Mobile:0333-2105914,
0345-2186233

میری نظریں کچھ دیر اس کے چہرے پر ٹکی رہیں پھر اس کا مکمل سراپا میری نگاہوں کی زد میں تھا۔ اس نے بھی شاید میری نگاہوں کی تپش محسوس کر لی تھی جب ہی اس کا رخ شیشے میں میری نگاہوں کی ہی جانب تھا یعنی وہ بھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے فوراً بس سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد میری نگاہ آپ ہی آپ پھر اس کی جانب اٹھ گئی وہ اب بھی سامنے ہی دیکھ رہا تھا۔ اب کی بار وہ ذرا سا مسکرایا اور یوں سر ہلانے لگا جیسے کہہ رہا ہو کہ میں نے تمہاری چوری پکڑ لی ہے میں نے نظریں چرا لیں مگر میرا دل کم بخت عادت سے مجبور تھا۔ جہاں کسی اچھے چہرے کو دیکھ لے تو بس پھر مچلے ہی جاتا تھا سو اب بھی میری لاکھ سرزنش کے باوجود وہ باز نہیں آ رہا تھا اور مچل مچل کر مجھے پیچھے دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ میری نگاہ جب بھی اس کی جانب اٹھتی وہ مسکراتا ہوا نظر آتا تھا۔ میرا دماغ سلگ اٹھا۔

''یہ مرد کتنے چیپ کتنی گھٹیا ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں۔ کسی عورت کی نظر ایک دو بار ان کی جانب اٹھ جائے تو انہیں کیسی خوش فہمی ہونے لگتی ہے کہ وہ عورت شاید انہیں لفٹ کرانے یا شاید پسند کرنے لگی ہے۔ نامعقول کہیں کے..... ایکدم بے وقوف ناہنجار! فضول میں، میں نے اسے دیکھا، پتا نہیں اب وہ اپنے دل میں کیا سوچ رہا ہوگا۔'' ایک بار پھر میری نگاہ اس کے چہرے پر جا ٹکی۔ اس کے لبوں پر اب بھی مسکراہٹوں کے گلاب کھلے ہوئے تھے۔

''اف کمینہ، ذلیل، کیسا بے ہودہ انسان ہے میں دل ہی دل میں خوب کوس رہی تھی۔ میرا بس چلتا تو اس کے لبوں سے وہ مسکراہٹ نوچ لیتی جسے وہ بڑی شان سے اپنے چہرے پر سجائے بیٹھا تھا۔

''ارے بھیا آصف کالونی آئے تو روکنا۔'' کسی نے ڈرائیور کو پکار کر کہا۔

''اگلا ہی اسٹاپ ہے گیٹ پر پہنچو۔'' کنڈیکٹر نے آواز لگائی۔ میری نگاہ ایک بار پھر پیچھے چلی گئی۔ وہ سیٹ اب خالی تھی۔

''اچھا تو اتر گیا وہ ذلیل آدمی۔'' میں نے سوچا۔ ''چلو بھائی آصف کالونی والے۔'' کنڈیکٹر نے پکارا۔ مجھے بھی اسی اسٹاپ پر اترنا تھا۔ ویسے بھی یہ اس بس کا تقریباً آخری اسٹاپ تھا میں جلدی جلدی کتابیں اور بیگ سنبھالتے ہوئے ڈنڈا پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔ بس کے رکتے رکتے کافی لوگ اتر گئے۔ میں بھی اترنے لگی تھی تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے میرا ہاتھ دبایا ہو۔ میں نے جلدی سے اتر کر پیچھے مڑ کر دیکھا یہ تو وہ ہی آدمی تھا اور اب عورتوں کے کمپارٹمنٹ کے فٹ بورڈ سے نیچے اترنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرا زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا۔ سیاہ گلاسز دور جا پڑے۔

''ذلیل کمینے کہیں کے، اتنی معصوم صورت اور باطن اتنا سیاہ تیرا۔ ڈوب مر کہیں..... ہے غیرت۔'' میں نے طیش میں آ کر اسے نیچے گھسیٹ لیا۔

''اُف'' وہ کراہتے ہوئے بولا کیا ہوا خاتون کیا کیا ہے میں نے؟''

''ذلیل آدمی میرا ہاتھ دبا کر۔ پوچھتا ہے کیا کیا ہے؟'' میں غصے سے دھاڑی۔

''میں.....'' وہ فضا میں اِدھر اُدھر ہاتھ لہراتے ہوئے کسی سہارے کا متلاشی تھا۔

''کیا ہوا بھائی'' کنڈیکٹر اس کے نزدیک آ کر کہنے لگا۔

''میں تو گم صم اس نوجوان کو دیکھ رہی تھی جو اتنی بھرپور وجاہت کی دولت پا کر بھی قدرت کے سب سے بڑے عطیے سے محروم تھا۔ وہ نابینا تھا سیاہ گلاسز ہٹ جانے کے بعد اس کا چہرہ عجیب وہ غریب لگ رہا تھا۔ اس کی بے نور پتلیاں بے قراری سے اِدھر اُدھر اور اوپر نیچے یوں گردش کر رہی تھیں جیسے اپنی روٹھی ہوئی روشنی کو تلاش کر رہی ہوں..... اور میں نام نہاد انسانیت کا بورڈ تھامے گہری پستی میں گرتی چلی جا رہی تھی۔

* *

انسانہ

یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

نوخیز انجم

کیا کیجیے سامان یہاں شب بسری کا
نظروں میں ہے انجام چراغِ سحری کا

یہ دُنیا ھر ایک کے لیے الگ الگ مفہوم رکھتی ھے کوئی اُسے عیش و عشرت کی آماجگاہ کہتا ھے تو کوئی اسے وقتی پڑاؤ سمجھ کر برتتا ھے ۔ سچ ھے جو حیاتِ ابدی میں جانے کے لیے یہاں تیاری کر لیتے ہیں وھی کامیاب رھتے ھیں ۔

عبرتناک سانحات سے بھی سبق نہ لینے والوں کا دِل سوز قصّہ

فلیٹ نمبر 2:

''زارا..... زارا اٹھ جاؤ پلیز! سحری کا وقت ختم ہو رہا ہے مجھے سحری بنا کر دو۔'' احسان نے اپنی پیاری سی بیوی کو پہلے تو بہت چاہت سے دھیرے دھیرے آواز دی اور جب اس پر اس لہجے کا کوئی اثر نہ دیکھا تو دوسری مرتبہ اسے بازو سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے ذرا زور سے پکارا تو وہ جھنجلا گئی۔

''کیا مصیبت ہے احسان! ابھی تو آنکھ لگی تھی اور آپ نے جگا بھی دیا۔ پلیز خود ہی کچھ بنا کر کھا لیں نا مجھ سے نہیں بنتا نا شتا..... اور وہ بھی آدھی رات کو۔'' وہ کروٹ بدلتے ہوئے کسلمندی سے بولی۔

''میں کچن میں گیا تھا کہ شاید کچھ کھانے کو مل جائے مگر وہاں تو کچے انڈوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، تم ہی بتاؤ کیا کھا کر روزہ رکھوں.....؟'' وہ جھلا کر بولا۔

''تو پراٹھا بنا لیں' آٹا رکھا ہے فریج میں۔'' ادھر سے مفت مشورہ پھینکا گیا۔

"اگر مجھے پراٹھا بنانا آتا تو میں یوں تمہاری منتیں نہ کر رہا ہوتا۔" وہ اس کی پشت کو گھورتے ہوئے غصے سے بولا۔

"تو یہ ہے احسان! آپ تو بالکل نکمے ہیں' مجال ہے جو انڈا بھی بوائل کرنا آتا ہو' کچھ کر ہی نہیں پاتے آپ۔" وہ کمبل کو غصے سے اتارتے ہوئے اکتائے ہوئے لہجے میں احسان کو گھورتے ہوئے بولی۔

"تو ٹھیک ہے ناں' مردوں کو مردوں والے کام ہی کرنے چاہئیں جو میں بھی بخوشی کرتا ہوں' گھر کے کام کرنا عورتوں کی ذمے داری ہے انہیں وہ ہی کرتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔" وہ اس کے "نکما" کہنے پر جل کر بولا۔

"آج کل کے ماڈرن دور میں عورت اور مرد گھر اور باہر کے سارے کام مل جل کر کرتے ہیں' بلکہ مرد تو آج کل باقاعدہ کوکنگ بھی سیکھ رہے ہیں ...... ہر کوئی تمہاری طرح دقیانوسی سوچ نہیں رکھتا۔" زارا نے بھی بحث میں پڑنا ضروری سمجھا۔

"بھئی کرنے والے کرتے ہیں تو کرتے رہیں میں تو ہمیشہ اپنی پیاری بیوی کے ہاتھ کا بدمزہ کھانا ہی کھاتا رہوں گا۔" احسان نے اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر اتنا ہی بدمزہ ہوتا ہے تو پھر کھاتے کیوں ہو' نہ کھایا کرو۔" وہ مزید منہ پھلا کر بولی۔

"کیا کروں یار اور تو کوئی پوچھے گا نہیں تمہارے ہاتھ کے بنے کھانے کو۔" وہ اسے مزید چڑا رہا تھا۔

"سحری کرنی ہے یا میں دوبارہ سو جاؤں......؟" وہ وارننگ دینے کے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

"اوہ میرے خدا...... مجھے یاد ہی نہیں رہا' پلیز ذرا جلدی سے دو پراٹھے بنا دیجیے اب تو صرف پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولا تو وہ مسکرا کر کچن میں آ کر ناشتا بنانے میں مصروف ہو گئی۔

وہ روزہ نہیں رکھ پاتی تھی' ماں باپ کی لاڈلی اکلوتی اولاد تھی' کبھی والدین نے زبردستی سے روزہ رکھوایا ہی نہیں تھا' کبھی جو رکھ بھی لیتی تو سارا دن ہائے وائے میں ہی گزرتا' اس لیے وہ روزہ رکھنے سے گریز ہی کرتی تھی۔ آخر ماڈرن سوسائٹی کا بھی اثر تھا جہاں مذہب صرف نام کے طور پر ہی استعمال ہوتا تھا۔ مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنا نام نہاد ماڈرن ازم میں دقیانوسی سمجھا جاتا ہے کیونکہ آج کا معاشرہ یہی خیال ثابت کرتا نظر آتا ہے۔

"یار بیوی...... تم ویسے تو بہت اچھی ہو مگر ایک بات تمہاری مجھے بالکل پسند نہیں۔" وہ سحری سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں جاتے ہوئے بیوی سے مخاطب ہو کر بولا جو اس کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی اور آتے ہی بیڈ پر چڑھ کر فوراً کمبل میں گھس کر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"وہ کیا......؟"

"ایک تو روزہ نہیں رکھتیں اور دوسرے نماز بھی نہیں پڑھتیں یہ دین کے اہم ارکان ہیں' جنہیں تم ادا نہیں کر سکتیں تو اور تم کیا کرو گی؟"

"ان باتوں کے لیے ابھی بہت وقت ہے کر لوں گی۔" اس نے ہمیشہ کی طرح رٹا رٹایا وہی جواب دیا جو پہلے وہ اپنے والدین کو دیتی تھی۔

"یہ کس کو خبر ہے کہ ابھی وقت زیادہ ہے اس کے پاس یا کم۔"

"پلیز احسان...... اب مجھے مزید تنگ نہ کرو اور کچھ دیر ریسٹ کر لو پھر تمہیں آفس بھی جانا ہے۔" وہ ہمیشہ ہی ایسی باتوں سے چڑتی تھی۔

"ارے ہاں' مجھے یاد آیا تم بتا رہی تھیں کہ کل مسز جہانگیر کے گھر افطار پارٹی ہے۔" وہ موضوع بدل کر بولا اور زارا کی تو جان تھی پارٹیز میں جانا' وہ ایک دم اس کی طرف کروٹ بدل کر پُرجوش لہجے میں بولی۔

"ہاں مسز جہانگیر نے ہم دونوں کو خاص طور بلایا ہے' میں نے تو اپنی بلیک نیٹ والے بلاؤز کی ساڑی سوچ لی ہے پہننے کے لیے تم بھی پلیز اچھے طریقے سے تیار ہونا کیونکہ تقریباً ساری بلڈنگ کے لوگ وہاں آ رہے ہیں۔"

"کل میں نے مسز جہانگیر کو حسن پلازا میں شاپنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا وہ ببل گم چبا رہی تھیں پھر میں وہ فوڈ پوائنٹ بھی گئی تھیں کیا وہ بھی روزہ نہیں رکھتیں؟"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ سب گھر والے روزہ نہیں رکھتے کیونکہ سارا دن ان کے گھر سے کھانوں کی خوشبوئیں آتی رہتی ہیں۔" زارا نے کہا۔

"اگر وہ سب روزہ نہیں رکھتے تو پھر یہ افطار پارٹی کس خوشی میں ہو رہی ہے......؟" وہ طنزیہ بولا۔

"ظاہر ہے ثواب کمانے کے لیے ہی کر رہی ہیں' آخر روزہ دار ان کے گھر جا کر روزہ افطار کریں گے تو ثواب تو مسز جہانگیر کو بھی ہو گا ناں۔" زارا نے اپنی دانست میں احسان کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے یقین ہے کہ جس طرح تم بے روزہ ہو کر افطاری کرنے کے لیے بڑے طمطراق سے جاؤ گی اس طرح تمہارے اور مسز جہانگیر جیسی باقی ماڈرن خواتین بھی بغیر روزہ رکھے افطاری کے لیے بج دھج کر جائیں گی۔" "ثواب تو ایسی پارٹیز میں کیا ہونا' الٹا ایسی گیدرنگ میں فیشن پرست عورتیں اور مرد ایک دوسرے کو ہوس زدہ نظروں سے دیکھ دیکھ کر گناہ ہی کماتے ہیں۔" احسان نے کھل کر حقیقت بیان کی۔ وہ دل سے ایسی پارٹیز کے خلاف تھا مگر بیوی کے اصرار پر کبھی کبھار چلا جاتا تھا۔

"تم ہر بات کا اتنا غلط مطلب کیوں لیتے ہو......؟ ہر ایک کی نیت اور اس کا عمل اس کے ساتھ ہے اور پھر تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ایسی پارٹیز میں جانے سے ایک تو سب میں اتفاق اور یگانگت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور دوسرے کئی مسائل ایک دوسرے کے حل ہو جاتے ہیں۔" وہ اپنے مؤقف پر ڈٹی رہی۔

"ہاں بھئی یہ تو تم نے ٹھیک کہا کہ لوگوں کے مسائل حل ہوتے ہیں' عورتوں کا مسئلہ ہوتا ہے کہ آج کل کون سا فیشن اِن ہے کون سا آؤٹ...... نیا کیا چل رہا ہے؟ اور یہ سب ان پارٹیز میں جانے سے ہی تو پتا چلتا ہے اور مردوں کے برعکس ایسی پارٹیز میں مزید پھلتے پھولتے ہیں' وجہ تو تمہیں پتا ہی ہو گی؟" وہ مزید کڑواہٹ کے ساتھ بولا۔

زارا کو اتنی سچی اور کڑوی باتیں بھلا ہضم کہاں ہوتی تھیں فوراً تپ کر بولی۔ "میں تو اس وقت کو کوس رہی ہوں جب میں نے تم سے شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ تم اس قدر دقیانوسی خیالات کے مالک ہو گے مجھے اندازہ نہ تھا۔ پاپا ٹھیک ہی کہتے تھے کہ یہ چھوٹے شہروں میں رہنے والے لوگ بہت تنگ نظر ہوتے ہیں اور تم تو تین سال سے اسلام آباد جیسے ترقی یافتہ شہر میں رہ کر بھی ویسے کے ویسے ہی ہو کم از کم دوسروں کو دیکھ کر ہی کچھ سیکھ لو۔" وہ حد سے زیادہ تلخ ہو گئی۔

"میں نہ تو گھٹیا ہوں اور نہ ہی یہ فیشن کے نام پر کیے جانے والے گھٹیا کام کروں گا تم تو خود گھاٹے کا سودا کیے بیٹھی ہو میں بھلا اوروں سے کیا سیکھوں......؟ کوئی کام قابلِ ستائش ہو تو مجھے بتاؤ۔" احسان بیوی کی ہٹ دھرم طبیعت سے آگاہ تھا سو اس کے نہایت تلخ جملوں کو نظر انداز کر کے یہی کہہ پایا۔

"میں تم سے اس وقت بحث کرنا نہیں چاہتی' اس لیے مجھے اب ڈسٹرب مت کرنا۔ میں دیر تک سوؤں گی تم خود ہی دروازہ لاک کر کے آفس چلے جانا۔" وہ غصے سے تن تناتی ہوئی کروٹ بدل کر سو گئی۔

یہ فلیٹ جو دو بیڈ رومز' ایک ڈرائنگ روم' لاؤنج' کچن اور دو باتھ رومز پر مشتمل تھا' زارا کے پاپا نے اسے جہیز میں دیا تھا۔

احسان نے پیٹھ موڑے لیٹی زارا کو افسوس سے دیکھا اور آفس کے لیے تیار ہونے چل دیا۔ قسمت نے اگلی منزل پر قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

فلیٹ نمبر 5:

''تو کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے......؟'' وہ دونوں ابھی بچوں کو اسکول ڈراپ کر کے آئے تھے۔ فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی جمیل نے اپنی بیوی تانیہ سے پوچھا اور صوفے پر ڈھے سا گیا۔

''ہاں یہ میرا آخری فیصلہ ہے اب اسے بدلنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔'' تانیہ نے بے پروائی سے اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ایک جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

''بچوں کے بارے میں ایک بار پھر سوچ لیتیں تو بہتر تھا وہ دونوں ڈسٹرب ہو کر رہ جائیں گے۔''

''انہی کی خاطر تو تمہارے ساتھ اس فلیٹ میں رہنے پر سمجھوتا کیا ہے اور بھلا کیا کروں ان کے لیے......؟'' وہ جتاتے ہوئے بولی۔

''لیکن جب وہ ہم دونوں کو یوں ایک دوسرے سے ناراض دیکھیں گے تو ان کے ذہنوں پر کیا اثر پڑے گا؟''

''جب پہلے سے ہر بات ہم نے طے کر رکھی ہے تو تم آج جبکہ فیصلے کا دن ہے مجھ سے کیوں بحث کر رہے ہو؟''

''ٹھیک ہے...... اگر تم یہی چاہتی ہو تو پھر مجھے بھی تمہاری کوئی پروا نہیں میں تو صرف بچوں کی خاطر پریشان ہوں لیکن نہ جانے تم کیسی ماں ہو جو صرف اپنی خوشی اپنی آزادی کی خاطر دو معصوم بچوں کی زندگیوں کو داؤ پر لگا رہی ہو۔'' وہ بھی تلخ ہو گیا۔

''مجھے تمہاری ان بے سروپا باتوں سے کوئی سروکار نہیں، تم یہ بتاؤ کہ تمہارا وکیل ٹھیک نو بجے یہاں پہنچ رہا ہے یا نہیں؟'' وہ اپنے مخصوص اکھڑ لہجے میں بولی۔

''ہاں فکر مت کرو میرا وکیل ٹھیک وقت پر آجائے گا۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔

جمیل اور تانیہ کی شادی پانچ سال پہلے ہوئی تھی اور بقول دونوں فریقین کے یہ پانچ سال عذاب میں گزرے تھے۔ دونوں انا کے خول میں لپٹے ہوئے انسان تھے۔ اپنی اپنی بات سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹنے والے، ہر بات میں بحث مباحثہ دونوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ آخر کار دونوں نے فیصلہ کر لیا کہ اب اس رشتے کا دونوں کے لیے ختم ہو جانا ہی بہتر ہے۔ اللہ نے انہیں دو جڑواں بیٹے دیے تھے جو ابھی نرسری جانے کے قابل ہوئے تھے۔ دونوں نے مل کر فیصلہ کیا تھا کہ فلیٹ چونکہ ان دونوں نے مل کر خریدا تھا اس لیے وہ دونوں کا ساجھا ہے اور فی الحال یہیں رہیں گے کیونکہ اس وقت نیا گھر لینا بہت مشکل تھا۔ اس طرح دونوں کے رہنے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا اور بچے بھی کچھ نہ سمجھ پاتے یہاں تک کہ سمجھدار ہو جاتے۔

تانیہ ایک بینک میں جاب کرتی تھی جبکہ جمیل ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی کا مالک تھا۔ دونوں کا ایسا تھا کہ وہ گھر کے لیے وقت نہیں نکال پا رہے تھے اور اسی طرح ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہراتے ٹھہراتے پانچ سال گزر گئے۔ جمیل تھا بھی آزاد خیال۔ ہر خوبصورت ماڈل کے ساتھ افیئر چلانا اس کا من پسند مشغلہ تھا۔ تانیہ کے منع کرنے کے باوجود وہ خود کو اس کام سے روک نہیں سکا تھا بلکہ وہ تو تانیہ کی جاب کے خلاف تھا خود تو من مانیاں کرتا تھا لیکن بیوی کے لیے اس کی وہی روایتی سوچ تھی اور خاص بیگ تنگ نظری کا مظاہرہ کرتا تھا۔ بات بات پر اسے گھر کو نظر انداز کرنے کے طعنے دیتا تھا۔ یہی باتیں دونوں کے درمیان بحث و تکرار کا باعث بنتیں اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آج اپنے اپنے وکیل کے سامنے دونوں اس کاغذ پر سائن کر رہے تھے جس کے تحت جمیل تانیہ کو طلاق دے دے گا لیکن اس عرصہ تانیہ اور بچے اسی فلیٹ میں رہیں گے جب تک

جمیل تانیہ کا حصہ اس کو نہیں دے دیتا۔ وہ دونوں اپنے اپنے فیصلے پر مطمئن تھے لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جو اٹھلاتی ہوئی کسی دوسرے فلیٹ میں چلی گئی۔

☆☆☆

فلیٹ نمبر 7:

''جہانگیر...... تم اچھی طرح جانتے ہو جب بھی گھر پہ کوئی پارٹی ہوتی ہے اماں جی مہمانوں کے سامنے ہماری کتنی انسلٹ کرواتی ہیں، پلیز تم انہیں آج ہی عامر بھائی کے گھر چھوڑ آؤ۔''

''لیکن عامر بھائی اور ان کی فیملی بھی تو انوائیٹڈ ہے، وہ لوگ ادھر ہوں گے تو اماں جی وہاں کیا کریں گی؟''

''اماں جی کوئی بچی نہیں ہیں جو انہیں اکیلے رہنے سے ڈر لگے گا، رات کو عامر بھائی اور بھابی وغیرہ واپس چلے جائیں گے اور پھر ان کا ملازم بھی تو گھر پر ہی ہوگا ناں!'' مسز زویا جہانگیر نے فائکر کے ساتھ تیزی سے اپنے ناخن کو یوں رگڑا جیسے یہ ناخن نہ ہو بلکہ ان کی ساس ہو۔

''ٹھیک ہے میں اماں جی سے بات کرتا ہوں تم ان کے چند جوڑے بیگ میں رکھ دو۔'' جہانگیر صاحب نے دھیمے لہجے میں جواب دیا اور اماں جی کے کمرے میں چلے آئے۔ اماں جی تلاوتِ قرآن پاک میں مشغول تھیں بیٹے کو دیکھا تو قرآن پاک بند کرتے ہوئے بولیں۔

''آؤ بیٹا...... کیسے زحمت کر لی آج ماں کے کمرے تک آنے کی؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی گلہ کر گئیں۔

''وہ اماں جی...... بس مصروفیت ہی اتنی ہوتی ہے کہ وقت ہی نہیں نکال پایا آپ کے لیے، آج کل دوسرے روز کہیں نہ کہیں افطار پارٹی بھی ہوتی ہے وہاں جانا پڑ جاتا ہے پھر آفس کے جھمیلے...... بس اپنے کے باوجود وقت نکل نہیں پاتا ویسے بھی آپ شام تو لاؤنج میں ہی گزارتی ہیں۔'' وہ پتا نہیں واقعی شرمندہ تھا یا اداکاری کر رہا تھا۔

''چلو بیٹا جی...... کوئی بات نہیں تم اپنے بیوی بچوں کے لیے وقت نکال لیتے ہو یہ ہی بہت ہے۔'' اماں جی نے عام سے لہجے میں کہا لیکن جہانگیر کی سمجھ میں اماں جی کا طنز اچھی طرح آ گیا تھا۔

''وہ اماں جی! عامر بھائی نے کل فون پر کہا تھا کہ میں آج آپ کو آفس جاتے ہوئے ان کے ہاں چھوڑتا جاؤں، آپ تیار ہو جائیں زویا بیگ تیار کر دے گی۔ دو چار دن بعد میں آپ کو واپس لے آؤں گا۔'' جہانگیر نے سفید نہیں بلکہ سیاہ جھوٹ بولتے ہوئے اپنی ماں سے کہا اور کوئی بہانہ جو نہیں سوجھ رہا تھا۔

''عامر نے خود بلاوا بھیجا ہے؟ اس نے بیوی سے پوچھا بھی ہے یا نہیں......؟ یہ نہ ہو کہ میں وہاں جاؤں اور وہ واویلا مچا دے۔'' اس انگریزن کو تو میں بڈھی عورت ایک آنکھ نہیں بھاتی۔'' اماں جی نے حیرانی سے پوچھا تو جہانگیر ایک لمحے کے لیے ماں سے جھوٹ بولتے ہوئے گڑبڑا گیا۔ اماں جی کی نظریں بھی بیٹے کے رنگ بدلتے چہرے پر ہی ٹکی ہوئی تھیں۔

''دونوں کا ارادہ ہوگا تبھی تو عامر بھائی نے خود کہا ہے، ویسے بھی وہ آپ کے بیٹے کا گھر ہے آپ کا حق بنتا ہے وہاں رہنے کا۔''

''کس کا کیا حق بنتا ہے اور کیا فرض یہ تو بیٹا رہنے ہی دو، یہ بتاؤ کس وقت چلنا ہے۔'' اماں جی افسردگی سے بولیں۔

''بس آپ تیار ہو جائیے پھر چلتے ہیں۔'' جہانگیر تیزی سے بولا جیسے اسے ڈر ہو کہ اماں جی جو اتنی آسانی سے مان گئیں ہیں کہیں بدل ہی نہ جائیں۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' اماں جی بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولیں۔ کچھ ہی دیر میں وہ بڑا سا سفید دوپٹا اوڑھے تیار ہو کر باہر آئیں تو لاؤنج میں ان کی بہو اور بیٹا ان کا بیگ لیے کھڑے

تھے جیسے انتظار کر رہے ہوں کہ کب وہ یہاں سے نکلیں۔

''بہو رانی...... سنا تھا کہ تم نے آج کسی افطار پارٹی کا انتظام کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے اچانک پوچھا تو زویا جہانگیر گڑبڑا کر رہ گئی۔

''جی...... جی اماں جی آج افطاری کروا رہی ہوں ساری بلڈنگ والے اور دیگر جو دوست احباب ہیں۔'' وہ بوکھلاہٹ میں صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں بھئی روزہ داروں کی اور بالخصوص غریبوں اور ناداروں کی افطاری کروانے کا بڑا اجر ہے اللہ کے ہاں...... تم تو بہت نیک ہوتی جا رہی ہو۔'' وہ طنزاً گویا ہوئیں۔

''جی اماں جی......'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''کسی روزہ دار کو بھی بلایا ہے یا سب اپنے جیسے ہی بلا رکھے ہیں؟'' اماں جی نے پھر سچ کی مار ماری۔

''اماں جی کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ آخر سب مسلمان ہیں اور روزہ بھی رکھتے ہیں اور جہاں تک میری بات ہے آپ کو تو معلوم ہے مجھے نئی کمزوری ہو جاتی ہے۔'' زویا کا جی تو چاہ رہا تھا کہ کھری کھری سنائے بڑی بی کو' مگر شوہر کی موجودگی میں وہ ذرا خود کو کنٹرول میں ہی رکھتی تھی۔

''مسلمان ہیں سب بے شک لیکن صرف نام کے ہی مسلمان...... جو نام نہاد دکھاوے کی افطار پارٹیاں اور سحریاں کرواتے ہیں' اپنی دولت کی نمائش کرنے کے لیے اپنے تعلقات بڑھانے کے لیے مختصر ترین لباس پہن کر اپنے گندے جسموں کی نمائش کرنے کے لیے...... آخر تم لوگ کیا دکھانا چاہتے ہو' تم لوگوں کے پاس آخر ہے ہی کیا جو دکھا سکو......؟'' اماں جی کو بقول زویا کے پھر دورہ پڑ گیا تھا اس نے گھور کر قریب کھڑے شوہر کو دیکھا وہ بھی اچانک اس نئی افتاد سے گھبرا گیا تھا۔

''اماں جی...... آپ کیا بحث لے کر بیٹھ گئیں' مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولا تاکہ اماں کہیں اپنا رخ اس کی طرف نہ موڑ لیں مگر اماں رخ موڑ چکی تھیں۔

''مجھے افسوس ہے' صد افسوس...... اپنی حلال کی کمائی سے پالی ہوئی اولاد پر' کاش کہ میں بے اولاد ہی رہتی۔'' اماں جی نے آنکھوں میں آئے پانی کو دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

''پلیز اماں جی بس کر دیں اب...... چلیں دیر ہو رہی ہے عامر بھائی آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔'' جہانگیر نے تیز لہجے میں کہا۔

''تم جھوٹ در جھوٹ مت بولو بیٹا' میں نے اپنی کوکھ سے تمہیں جنم دیا ہے جانتی ہوں کہ تم مجھے گھر سے باہر کیوں بھجوا رہے ہو' عامر کو بھی خوب جانتی ہوں اور اس کی بیوی کو بھی' تم میرا سامان اٹھاؤ اور مجھے ایدھی سینٹر دو دن کے لیے چھوڑ آؤ تمہاری رنگ رلیاں ختم ہو جائیں اور ماں کی یاد آ جائے تو لے آنا' نہیں تو وہیں پڑے رہنے دینا۔''

اماں جی نے دوپٹے میں مزید آنسو جذب کیے اور دروازے کی طرف بڑھ گئیں' ان کے پیچھے ان کا لاڈلا بیٹا بیگ لیے جا رہا تھا یوں جیسے کسی نے اس کا سب کچھ لوٹ لیا ہو اور وہ تہی داماں رہ گیا ہو۔ بہو رانی ساس سے اتنی آسانی سے چھٹکارا پا لینے کے مارے خوشی و حیرت کے گنگ سی اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ پاگل نہیں جانتی تھی کہ یہ عارضی خوشیاں بہت جلد ختم ہونے والی ہیں۔ اس مرتبہ تقدیر نے ایک ٹھٹھا لگایا اور اگلے گھرانے کا حال دیکھنے چل دی۔

☆☆☆

فلیٹ نمبر 10:

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم میرے ساتھ میرے گھر میں ہو۔'' وہ اسے محویت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''یقین کر لیں جناب! کیونکہ ہماری شادی کو اب ڈیڑھ مہینہ ہو چکا ہے۔'' ندا نے اپنے شوہر کی دیوانگی دیکھ کر سرشار سے لہجے میں کہا۔

''واقعی؟'' وہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے ابھی کل ہی کی بات ہو۔''

''آپ اپنی یہ دیوانگی ختم کریں گے تو آپ کو احساس ہوگا ناں کہ کتنا عرصہ ہو گیا ہے ہماری شادی کو۔'' وہ اس کے بالوں کو بکھیرتے ہوئے بولی۔

''ہم تو سرکار شروع سے ہی آپ کے دیوانے تھے اور رہیں گے اور جناب...... مرتے دم تک یہ دیوانگی ختم ہونے والی نہیں۔'' وہ مخمور لہجے میں بولا۔

''احمد......'' وہ کچھ کہنے والی تھی کہ احمد اس کے بالکل قریب آ کر بولا۔ ''جی جان احمد!'' وہ ہنس کر بولی۔ ''پلیز اب ذرا رومانس کی دنیا سے نکلیں اور آفس جانا شروع کریں کام کا بہت حرج ہو رہا ہے روز ہی تو فون آتے ہیں آپ کے آفس والوں کے۔ ان سے چلتے وقت بھی آپ نے امی جان سے یہی کہا تھا کہ آفس آپ کے بغیر ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔''

''یار...... وہ تو صرف وہاں سے نکلنے کے بہانے تھے۔ میں تو یہ اتنے خوبصورت دن صرف اپنی جان کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ اس لیے امی سے مصلحتاً جھوٹ بولنا پڑا اور پھر آفس کا کیا ہے ساری زندگی کام ہی تو کرنا ہے' کر لیں گے۔'' بے پروائی سے ندا کے بالوں کی لٹ اس کے چہرے پر لہراتے ہوئے بولا۔

''لیکن آج سے آپ آفس جا رہے ہیں' بس۔'' وہ بھی اسے آفس بھیجنے پر مصر ہو گئی۔

''پلیز مسز! اتنا ظلم تو نہ کرو...... چلو آج معاف کر دو کل سے آفس شروع...... ٹھیک ہے۔'' وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔

''آپ روز یہی کہتے ہیں لیکن آج میں کوئی بہانہ منظور نہیں کروں گی' فوراً اٹھیے اور آفس جائیے۔'' وہ بھی اپنی بات پر ڈٹی رہی۔

''سنا تھا بیویاں تو رو رو کر شوہروں کو آفس جانے سے روکتی ہیں......'' وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر مزید بولا ''ہائے ری قسمت ہمیں بیوی بھی ایسی ملی ہے جو دھکے دے دے کر کہتی ہے جاؤ آفس...... جاؤ آفس۔'' وہ ایک ہاتھ ماتھے پر ٹکائے مسخرا لگ رہا تھا۔ ندا کی تو ہنسی چھوٹ گئی۔

''ٹھیک ہے اگر آپ آج نہیں جائیں گے تو پھر ایک وعدہ کریں۔''

''مجھے ہر شرط بغیر سنے منظور ہے۔'' وہ خوشی سے اچھلتے ہوئے بولا۔

''روزے کا احترام کرتے ہوئے آپ کوئی شرارت کے موڈ میں نہیں آئیں گے اور تمام نمازیں مسجد میں باجماعت پڑھیں گے' منظور ہے؟'' وہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولی۔

''آرڈر میں کچھ کمی بیشی کی گنجائش تو یقیناً موجود ہوگی۔''

''ہرگز نہیں' جلدی سوچیں ورنہ دوسری صورت میں آفس جائیں۔''

''کیا کریں جی بندہ تو حکم کا غلام ہے' جیسا افسرانِ بالا چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔'' وہ سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے بولا۔

''اور اگر آپ نے حکم عدولی کی تو سخت ترین سزا کے مستحق ہوں گے۔'' اس نے بھی فرمانِ شاہی جاری کیا۔

''جو حکم ملکہ عالیہ۔'' اس نے کہا اور پھر دونوں کا بہ آواز بلند قہقہہ پورے فلیٹ میں گونج اٹھا۔

''ہاں...... آخری قہقہہ۔'' قسمت بھی ہنس رہی تھی۔

☆☆☆

فلیٹ نمبر 11:

''بابا جان! کیا دادا ابا بھی دادی اماں کی طرح اللہ میاں کے پاس چلے جائیں گے؟'' ننھی حرا نے اپنی توتلی زبان میں اپنے بابا جان سے پوچھا جو ابھی سحری اور نماز کے فرض سے فارغ ہوئے تھے۔

''نہیں بیٹا ایسا کچھ نہیں ہوگا' اللہ میاں سے دعا کرو کہ وہ تمہارے دادا ابا کو جلدی صحت دیں پھر ہم انہیں واپس اپنے گھر لے آئیں گے۔'' حسن علی

سے پہلے فوزیہ نے بیٹی کو مطمئن کرتے ہوئے کہا جو دادا کی بیماری کا سن کر پریشان ہو گئی تھی۔

''لیکن ماما جی! ابھی تو بابا جان آپ سے کہہ رہے تھے کہ اگر دادا کا آپریشن فوراً نہ کیا گیا تو ان کی جان جانے کا خطرہ ہے۔'' وہ دونوں ہی بیٹی کی ذہانت پہ چونکے۔

''بیٹا آپ اپنے کمرے میں جائیے اور جلدی سے اپنی ڈول اٹھا کر لے آئیے' وہ بھی تو آپ کے ساتھ دادا ابا کو دیکھنے کراچی جائے گی ناں۔'' فوزیہ نے اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے کہا۔

''اور ماما جی میری کیٹ بھی......؟''

''ہاں بیٹا وہ بھی جائے گی تم لے کر تو آؤ۔'' فوزیہ نے بیٹی کو کھلونے لینے کے بہانے کمرے سے بھیجا اور حسن سے بولی۔

''حسن آپ کے دوست جو ایئر پورٹ پر ہوتے ہیں ان سے فون پر کہہ دیں ناں کہ وہ ہماری سیٹیں آج صبح والی فلائٹ کی ہی کنفرم کروا دیں' ہمیں جلد از جلد کراچی پہنچنا چاہیے۔''

''ہاں میں نے ادریس کو فون کر دیا ہے وہ کہہ رہا تھا بے فکر ہو کر آؤ' سیٹیں کنفرم ہیں' آج کل ایمرجنسی سیٹیں ملنا بھی تو مشکل ہے ناں۔'' وہ ضروری کاغذات دیکھتے ہوئے بولا۔

''بابا جان اگر یہاں سے نہ جاتے تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔'' فوزیہ نے اداسی سے کہا اور ساتھ ساتھ الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

''جب سے دل کے مریض ہوئے ہیں تب سے کہیں گئے بھی تو نہیں تھے' اس لیے گھبرائے ہوئے تھے آج کل خود کو فٹ سمجھ رہے تھے اس لیے سفر کرنے کا رسک لے بیٹھے لیکن شاید اللہ کو یہی منظور تھا۔''

''میں نے ہمیشہ تایا اور تائی جی کو اپنے ماں باپ ہی سمجھا ہے وہ بھی مجھے بیٹیوں سے بڑھ کر چاہتے رہے ہیں پہلے تائی جان چھوڑ گئیں اب اگر خدا نہ کرے بابا جان بھی......تو ہمارے سر سے تو دعاؤں والا ہاتھ ہی اٹھ جائے گا۔'' وہ کپڑے بیگ میں رکھتے رکھتے رونے لگی۔ وہ بابا جان کی یتیم بھتیجی تھی جسے انہوں نے ہی پالا پوسا' پڑھایا لکھایا پھر اپنے بیٹے ہی سے شادی بھی کر دی۔ فوزیہ نے بھی انہیں ہمیشہ والدین جیسا ہی رتبہ اور مقام دیا۔ بہو بن کر بھی بیٹیوں کی طرح ان کی خدمت کی۔

''فوزیہ......پلیز خود کو سنبھالو ابھی اگر حرا نے تمہیں روتا ہوا دیکھ لیا تو وہ بھی پریشان ہو جائے گی۔'' حسن نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے' تیار ہو جائیے میں ذرا کچن وغیرہ سمیٹ لوں۔''

''ہاں میں تو بس تیار ہی ہو رہا ہوں۔ تم اعجاز کو فون کر دو کہ ہمیں ایئر پورٹ ڈراپ کر دے۔'' وہ بھی بس تیار ہی تھی کچن کی چیزیں دیکھ بھال کر وہ بیٹی کے کمرے میں آ گئی۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ دروازے کی طرف پشت کیے کھڑی حرا اپنی گڑیا سے باتیں کر رہی تھی۔

''میرے جانے کے بعد اداس نہیں ہونا' میں کراچی جا رہی ہوں کوئی اللہ میاں کے پاس تو نہیں جا رہی ہوں جو واپس نہیں آؤں گی۔ ماما کہتی ہیں اللہ میاں کو اپنے جن بندوں سے پیار ہوتا ہے وہ انہیں اپنے پاس بلا لیتے ہیں' پتا نہیں اللہ میاں کو دادا ابا سے پیار ہے یا نہیں لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ میاں کو دیکھوں ماما' بابا اور دادا ابا سب ہی ان کا اتنا ذکر کرتے ہیں کہ میرا دل انہیں دیکھنے کو چاہتا ہے۔ کیا پتا اللہ میاں مجھ سے پیار کرتے ہیں یا نہیں' اگر کرتے ہیں تو یقیناً مجھے بھی جلدی اپنے پاس بلا لیں گے پھر میں تم سب کو بھی بلا لوں گی۔''

فوزیہ نے بیٹی کی آخری بات سنی تو بوکھلا کر رہ گئی۔ سات سالہ حرا باتیں تو بہت کرتی تھی مگر ایسی بڑی بڑی باتیں کرے گی فوزیہ نے سوچا بھی نہ تھا۔

''حرا بیٹا......کیا کر رہی ہو؟ جلدی سے اپنے کھلونوں کو خدا حافظ کرو' کیونکہ آپ کے بابا جان انتظار کر رہے ہیں۔''

''چلیں ماما! جلدی چلیں......کہیں بابا ناراض نہ ہو جائیں' خدا حافظ دوستو۔'' حرا نے اپنے کھلونوں کو خدا حافظ کہا اور اپنی گڑیا اور سرخ آنکھوں والی بلی اٹھا کر چل پڑی۔ فوزیہ نے گھڑی پر نظر دوڑائی تو آٹھ بج کر بیالیس منٹ ہو چکے تھے اور اکتوبر کی آٹھ تاریخ تھی۔ اس نے جلدی سے تمام دروازے لاک کیے اور دونوں تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آ گئے جہاں حسن چوکیدار کو کچھ ہدایات دے رہا تھا اپنی نئی گاڑی پر کور چڑھوا کر وہ اعجاز کی گاڑی میں آ بیٹھے جو پندرہ منٹ سے ان کا منتظر تھا۔

ہر گھر میں معمول کا کاروبار جاری تھا مگر کون جان سکتا تھا کہ تقدیر ان کے ساتھ کیا چال چلنے جا رہی ہے۔ قضا و قدر لکھی جا چکی ہے مگر تقدیر معلق دعا کی محتاج ہے۔ ہمارے ہی نیک و بد اعمال تقدیر کا فیصلہ بھی ٹال دیتے ہیں۔ اگر سب کچھ مقدر ہوتا تو دعا کی کیا اہمیت تھی مگر ناسمجھ انسان یہ جان لے تو اندھیرے میں کیوں رہتے۔

☆☆☆

گاڑی کو ابھی بلڈنگ سے نکلے ہوئے بہ مشکل تین چار منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ ایک زوردار جھٹکا لگا جیسے کسی نے نیچے سے زمین کھینچ لی ہو' کئی گاڑیاں آپس میں ٹکرانے لگیں کچھ زوردار بریک کے ساتھ اپنی جگہ پر رک گئیں پچھلی سمت ایک زوردار دھماکا ہوا تھا یوں لگا جیسے بہت بڑی بلا زمین بوس ہو گئی ہو۔ لوگوں کی چیخ و پکار ہر آن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ لوگوں کو اللہ کی بڑائی یاد آنے لگی اور انہوں نے بلند آواز کے ساتھ اللہ اکبر کی صدائیں لگائیں۔ وہ جو بے روزہ دار تھے فجر کے وقت میں غافل پڑے ہوئے تھے اب کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کلمہ تکبیر ادا کر رہے تھے۔ چند لمحوں بعد جھٹکے رک گئے خدا کو ترس آ گیا' رب العالمین جو ہے اس نے اپنی مخلوق کی آہ و بکا سن لی اس نے پھر ایک بار ثابت کر دیا کہ وہ گنہگاروں کو بھی بخشنے والا مہربان ہے وہ غفور الرحیم ہے وہ بے نیاز ہے۔ ایک ''کن'' سے جب چاہتا ہے جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

حسن اور فوزیہ نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر رکھی تھیں فوزیہ کی گود میں ننھی حرا اپنے ساتھ اپنی گڑیا کو چمٹائے سہمی ہوئی ابھی تک آنکھیں بند کیے پڑی تھی' آنسو اس کی آنکھوں سے خاموشی سے جاری تھے۔ آنسو تو حسن اور فوزیہ کے بھی بہہ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ ہمت کر کے آنکھیں کھولیں تو ہر طرف سے اٹھتی ہوئی دھول اور لوگوں کا ہجوم نظر آنے لگا ہر کوئی اپنے پیاروں کو ڈھونڈ رہا تھا۔

گاڑیوں کے تصادم سے کئی ایکسیڈنٹ ہو چکے تھے۔ بہت سارے لوگ ایک ہی سمت بھاگے چلے جا رہے تھے اسی سمت جہاں سے ابھی فوزیہ اور حسن آ رہے تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور پھر فوزیہ اپنے منہ پر ہاتھ سختی سے جمانے کے باوجود اپنی چیخوں کو روک نہ سکی۔ ان کے فلیٹ والی بلند و بالا عمارت زمیں بوس ہو کر ملبے کا ڈھیر بن چکی تھی۔ صرف تین چار منٹ پہلے وہ بھی تو وہیں تھے۔ حسن نے اپنا سر بے جان سے انداز میں ڈیش بورڈ پر ٹکا دیا وہ کبھی تو خدا کا شکر ادا کرنے لگتا اور کبھی توبہ کے انداز میں ہاتھ باندھ لیتا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ کس طرح وہ گھر لاک کر کے اور گاڑی اپنی طرف سے محفوظ کر کے آیا تھا۔ اسے کیا پتا تھا کہ تقدیر کھڑی ہنس رہی ہے۔ فوزیہ نے حرا کو اور زور سے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا اور زار و قطار رونے لگی۔ اعجاز نے موبائل فون گھر لگانے کی کوشش کی مگر نہ مل سکا۔ ان کے دل خوفِ خدا سے لرز رہے تھے۔ انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ چند لمحوں میں پل صراط سے گزر کر آ رہے ہوں۔ ان کا رواں رواں خدا کے حضور شکر گزار تھا۔ حسن ایک وجد میں گاڑی سے نکلا اور سڑک پر ہی خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ وہ اپنی حقیقت اور خدا عز و جل کی معرفت پا چکا تھا۔ اعجاز کی زبان سے ہکلاتے ہوئے یہ مصرعہ ادا ہوا۔

''یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے''

❋❋

ناولٹ

آبلہ پائی سے شناسائی تک

شہلا شکور

سُہانے موسموں کی دِلکشی آواز دیتی ہے
سنو تم بھی کہ اک دنیا نئی آواز دیتی ہے
نکل آؤ، جدائی کے اندھیروں سے نکل آؤ
اُجالوں کا سفر ہے روشنی آواز دیتی ہے

حادثے ہوں یا سانحے کسی نہ کسی حوالے سے متاثرہ فرد کی زندگی کا مرتے دم تک حصار کیے رہتے ہیں مگر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں سچے مسیحا مل جائیں۔ اُن کی زندگیاں بھی سانسیں چلنے کے باوجود ختم ہوگئی تھیں مگر سچے مسیحاؤں نے آکر غم کے حصار سے انہیں باھر نکال لیا۔

سانحۂ 8 اکتوبر کے تناظر میں لکھی گئی ایک دِلگداز داستان

''امی میں شام کو دیر سے آؤں گی۔ ہماری NGO کے ریجنل ہیڈ امریکا سے آئے ہوئے ہیں۔ آج ان کی پریس کانفرنس ہے۔ بجلی، ٹیلی فون کا بل میں ... نے اٹھالیا ہے جمع کروادوں گی۔ آپ حُسنہ آنٹی کو فون کر لیجیے گا وہ رمضان میں عمرے کے لیے جارہی ہیں ناں تو مبارک باد دے دیجیے گا...... یاد سے۔ اچھا خدا حافظ!'' وہ تیز رفتاری سے مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر بیگ میں ٹھونسنے کے ساتھ ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر برتن سمیٹتی مسز صدیقی کو سارے دن کے کاموں کے بارے میں بتاتی بھی جارہی تھی۔ آخر میں اپنے موبائل کو چارجر سے کھینچا اور تقریباً دوڑتی ہوئی پورچ میں نکل آئی۔ گرد آلود پوٹھوہار کے ونڈ اسکرین کو محض جھاڑنے پر اکتفا کیا اور تیزی سے ریورس کرکے باہر نکال لیا۔

اس کے پیچھے تقریباً دوڑتی ہوئی مسز صدیقی جھنجلا کر رہ گئیں۔ وہ اس پر ہر روز آیات دم کرتی تھیں اور یہ اس کا روز کا معمول تھا کہ بہ مشکل رکتی تھی۔ تصور میں اس کو لا کر حصار باندھا اور گیٹ ... کرتی اندر آگئیں۔

وہ اور ہنزل گزشتہ پانچ سال سے علیم صد... صاحب کی وفات کے بعد سے تنہا رہ رہے ... باقی سارا خاندان وقتاً فوقتاً امیگریشن لے کر ... اور امریکا شفٹ ہو چکا تھا۔ علیم صاحب ... ادویات کی فرم میں اچھے عہدے پر تھے ان کی ... بیوی اور اکلوتی بیٹی ہنزل کے ساتھ بہت خو... زندگی گزر رہی تھی کہ اچانک ہی ایک دن دل ... شدید دورے میں جانبر نہ ہو سکے۔ دونوں ماں ... اس صدمے سے کافی دن تک سنبھل ہی نہ سکیں مگر دفتر والوں کی جانب سے بھرپور تعاون اور ... مدد نے انہیں تھوڑا بہت حوصلہ دیا۔ واجبات ... صورت میں ملنے والی معقول رقم، انشورنس اور ... سرٹیفکٹ، دونوں کے اخراجات کے لیے کافی ... ہنزل نے قائد اعظم یونیورسٹی میں ایم بی اے ... ایڈمشن لیا تھا۔ ماں باپ نے بے حد توجہ اور لاڈ ...

کے باوجود اپنی تربیت میں جھول آنے نہ دیا تھا۔ اس لیے وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے بہت مختلف تھی...... ذہین، بولڈ، زندگی کے ہر پہلو کو بہت تیز اور حقیقت پسندانہ نظروں سے دیکھنے والی، فیشن میک اپ کپڑوں اور جیولری کے خبط سے کوسوں دور حتیٰ کہ ایم بی اے فرسٹ کلاس فرسٹ سے کرنے پر علیم صاحب کی پرانی کرولا کو بیچ کر مسز صدیقی کی جانب سے اضافی رقم ملانے کے بعد پوٹھوہار جیپ خریدنے پر اس کے تمام ملنے جلنے والوں کو کچھ زیادہ حیرانی نہ ہوئی۔ بقول اس کے کہ جس گاڑی کو ہموار راستوں پر بھی اسپیڈ سے نہ چلایا جا سکے اس کا فائدہ؟

رزلٹ آتے ساتھ ہی ایک غیر ملکی این جی او میں پروجیکٹ مینیجرز کے عہدے کے لیے آئے ہوئے اشتہار نے نہ صرف اس کی بلکہ اس کے کلاس فیلو اور بہترین دوست محبّ علی کی توجہ بھی حاصل کی۔ انٹرویو والے دن دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا محبّ علی تم اس قدر مین نکلو گے۔ منہ دیکھے کی دوستی نظر آ گئی ہے چپکے چپکے اپلائی کر بھی ڈالا...... کم از کم بندہ بتا ہی دیتا ہے مگر ایسا کہاں۔'' اس نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''ہنی...... بائے گاڈ میں بتا دیتا مگر گوروں کے ساتھ کام کا کچھ پتا نہیں چلتا ہے ناں۔ کیا معلوم رکھتے ہیں یا نہیں۔ بلاوجہ مذاق بنوانے کا فائدہ کیا؟'' وہ حسب عادت سر کھجاتے ہوئے بولا۔

''شٹ اپ...... تمہارا یہ خیال تھا کہ نہ ہوا تو میں مذاق اڑاؤں گی۔ تم سچ مچ بہت کمینی سوچ رکھتے ہو۔'' وہ حقیقتاً ناراض تھی۔ وہ یونیورسٹی میں پہلے دن سے اس کا دوست بن چکا تھا اور دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف تھے۔

''خیر چھوڑو اسے، اب یہ بتاؤ کہ ہم دونوں ایک ہی عہدے کے امیدوار ہیں۔ مجھ سے قربانی کی امید ہرگز مت رکھنا۔''

''ہاں جانتا ہوں۔ تم کسی کو ایک کپ چا[ئے] آفر کرتی نہیں ہو جاب کیسے چھوڑو گی۔'' اس [نے سر] ہلایا۔

''نہیں ایسی بھی بات نہیں اگر تم یہ چھپانے وا[لی] حرکت نہ کرتے تو پھر بھی سوچا جا سکتا تھا۔'' اس [نے] ایک شانِ بے نیازی سے اپنے شولڈر کٹ بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

دونوں ویٹنگ ہال میں بیٹھے اپنی اپنی کال آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

''ارے ہم تو ایسے بات کر رہے ہیں جیسے ادارہ ہمارے باپ کا ہو اور یہ باقی دو بے چار[ے] صرف خانہ پُری کے لیے بلائے گئے ہوں۔'' اس کے کہنے پر دونوں ہنس پڑے۔

''امریکن ہے۔ لہٰذا اپنے باپ ہی کا سمجھو۔'' محبّ ہمیشہ تیکھا ہی بولتا تھا۔

''ویسے کتنا مزہ آئے ہنی اگر ہم دونوں کا ہی [ہو] جائے۔'' وہ ہنس پڑا۔

''کیسے؟ پوسٹ تو صرف ایک ہی ہے۔'' [وہ] بولی۔

''ایک کب ہے! لگتا ہے بی بی آپ [نے] اشتہار میں صرف اپنے مطلب کا عہدہ دیکھا [ہے] میں نے فنانس مینیجر کے لیے اپلائی کیا ہے اور [مجھے] یقین ہے تم کم از کم اس پر نظر نہیں ڈال سکتی ہو کیونکہ میں تو ایم ایس سی اکنامکس بھی ہوں۔'' وہ ا[طمینان] سے بولا۔

''اوہ گریٹ۔ تم نے مجھے خوامخواہ کی ا[ن] بددعاؤں سے بچالیا۔ ورنہ میرا ہو جانے کے [بعد] یہاں سے واپس جاتے تو لازماً بددعا ہی دیتے۔'' [وہ] شرارت سے مسکرائی۔ اتنے میں اس کا نام بلایا گیا [تو] وہ وش یو گڈ لک کہتا ہوا صوفے پر مزید پھیل گیا۔

اس کا انٹرویو حسب توقع بہت شاندار [رہا] پینل میں بیٹھے افراد اس کے شاندار تعلیمی ریکارڈ [اور] کسی بھی این جی او کے لیے کام کرنے کے خیا[لات] سے متاثر نظر آ رہے تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے [کے]

[مخت]لف سوالوں کے جواب دینے کے بعد وہ باہر آئی [تو] وہ اونگھ رہا تھا ہنزل نے ایکسائٹڈ ہو کر اس کا [کن]دھا ہلایا۔

''محبّ۔ اٹھو یار۔ تمہارا نمبر ہے۔''

''اچھا تم آ گئیں مجھے تو لگ رہا تھا آج تمہارا [کا]م بھی گورے ہی کروائیں گے۔'' وہ سیدھا ہوا۔

''بکو مت۔ ٹائی کی ناٹ تو صحیح کرو۔ جوکر سی لگ [رہ]ی ہو۔ وہ ویل ڈریسڈ اسٹاف ممبر پسند کرتے [ہ]یں۔''

''اپن تو ایسا ہی ہے۔ آج تو پھر بھی ٹائی لٹکا آیا [ہ]ے ورنہ یہ سب ڈھکوسلے اور میں محبّ علی خان...... [ہ]وئے۔'' اس نے سر ہلایا۔ اتنے میں اس کا نام [پک]ارا گیا۔

''او کے پارٹنر! میری پُرخلوص دعائیں تمہارے [س]اتھ ہیں۔''

''جھوٹا، ڈراما! پہلے دیتیں تو مانتا بھی۔'' وہ [فو]لڈر اٹھا کر اندر جاتے ہوئے بولا۔

''اس کا انٹرویو بھی اچھا ہوا۔ اس کے باہر [آنے] پر وہ وہیں بیٹھی ملی۔

''ارے اب تک تم یہاں ہو۔''

''ہاں...... تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ جلدی سے [بتاؤ ک]یسا ہوا انٹرویو......؟ کیا امید ہے؟''

''بھوکے پیٹ تو میرے ابا جان بھی نہیں [بتا]ئیں گے۔ کم بختوں نے اُلٹے سیدھے سوال کر [کے] دماغ پکا کر رکھ دیا ہے اور منہ ٹیڑھا کر کے [انگری]زی بول بول کر میرے جبڑے ہل گئے ہیں۔ [چلو] چل کر پیٹ پوجا کرتے ہیں...... ذرا میلوڈی فوڈ [سٹ]ریٹ تک چلو اور غریب کو کھانا کھلا دو۔ اللہ تمہاری [نوک]ری سلامت رکھے۔ اللہ تمہارے خرچے [بڑھ] جائے۔ اللہ......''

''بس بس چل بھی مرد اب'' اس نے محبّ کو آگے [دھکی]لا۔

''اللہ خوش رکھے...... میں ذرا اسد کو بھی پوچھ [لو]ں۔ بڑے دن ہوئے اس کی شکل دیکھے۔'' اس

عظیم رشتہ

دنیا رشتوں کا بندھن ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی خاص رشتے میں جُڑا ہوا ہے۔ اس کی پوری زندگی ان ہی کے درمیان گزر جاتی ہے۔ ان سے محبت، ان کے حقوق کی ادائیگی اور ضروریات کی تکمیل ہی میں انسان کی زندگی کا یہ سفر ختم ہو جاتا ہے۔

لیکن ان تمام رشتوں میں ایک رشتہ ایسا ہے کہ جس کی نہ ابتدا انسان کی پیدائش سے ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا خاتمہ اس کی موت پر واقع ہوتا ہے۔ یہ رشتہ تمام رشتوں سے زیادہ عظیم ہے بلکہ یہ رشتہ ان تمام رشتوں کو وجود میں لانے والا ہے۔ اسی نے ان رشتوں کے درمیان محبت پیدا کی اور ایک خاص نظام کے ذریعے ان رشتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم کر دیا۔

یہ رشتہ خدا اور بندے کا رشتہ ہے۔ ایک دائمی رشتہ...... ہماری خلقت کے وقت سے یہ رشتہ موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ انسان دنیا میں ہو یا نہ ہو یہ رشتہ قائم رہے گا...... دنیا رہے نہ رہے، یہ رشتہ باقی رہے گا۔

یہ رشتہ خالق اور مخلوق کا ہے...... جو اس وقت سے قائم ہے جب سے انسان نے اپنے وجود کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔

یہ رشتہ رازق اور مرزوق کا ہے...... جو اس وقت سے موجود ہے جب اس کی ماں اسے رزق دینے سے غافل تھی اور اس رازق نے اس کی ماں کے ارادے اور اختیار کے بغیر اسے رزق پہنچانے کا انتظام کیا اور اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس کا رزق اس دنیا میں پہنچا دیا۔ بے شک یہی عظیم رشتہ ہے۔ شکریہ'' طاہرہ''

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

نے جیب سے اپنا موبائل نکالتے ہوئے کہا۔

''بے کار ہے۔ وہ آج کل عائشہ کے ساتھ لنچ کر رہا ہے۔ وہ بھی باقاعدگی کے ساتھ۔'' وہ مسکرائی۔ ''اب وہ بہت مصروف رہنے لگا ہے۔''

''ہائیں کیا عائشہ کے ساتھ......'' اس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ انداز اس قدر مشکوک اور معنی خیز تھا کہ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

''حد ہوتی ہے محبّ! تم آخر کب سُدھرو گے؟ چلو سنبھالو اپنی بلیلہ 1857ء......'' وہ اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

''ہاں ہاں کہہ سکتی ہو بھئی...... امیر اماں باوا کی اکلوتی اولاد۔ گاڑیاں تو سالگرہ میں گفٹ ہوتی ہیں آپ لوگوں کے ہاں۔ میرے جیسے غریب تو اسی کو اپنی مرسیڈیز سمجھتے ہیں۔'' وہ اپنے لہجے کو غمگین بناتا ہوا بولا تو وہ ہنس پڑی۔

''بے کار ہے محبّ۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں اور تمہاری خاندانی غربت کو بھی۔''

ڈھائی بج رہے تھے جب وہ فوڈ پارک پہنچے۔ باہمی مشورے سے سیور فوڈ اور کولڈ ڈرنک کا آرڈر دیا اور اپنی ٹرے سنبھالتے ہوئے ایک ہوادار سے گوشے میں جم گئے۔

''یہ عائشہ کا کیا قصہ ہے کیا اسد سچ مچ سیریس ہے؟'' وہ پُرتشویش انداز میں رائتے کا پیکٹ پھاڑتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ارے پاگل ہوئے ہو کیا...... بات کا بتنگڑ ہی بنا دیا ہے۔ وہ اس کی نئی ایڈیشن انچارج ہے، کولیگ ہے، دونوں اگر لنچ ساتھ کر رہے ہیں تو اس میں اسکینڈلائز کرنے کی کیا بات ہے؟'' وہ بڑے پُرسکون انداز میں بولی۔

''تو نہیں آئے مگر وہ بھی تو دوستوں کو نہ بھولا کرے ناں تقریباً پندرہ دن سے ایک شہر میں ہونے کے باوجود بدتمیز نے اپنی شکل تک نہیں دکھائی ہے حالانکہ میرا تو ''گرائیں'' بھی ہے۔''

''دوستی میں بدگمانی ہمیشہ دراڑ ڈالتی ہے۔ بی پازیٹیو یار۔ وہ ایسا نہیں ہے۔ کام زیادہ ہوگا۔'' اس نے محبّ کو ٹھنڈا کیا۔

''اور رہی عائشہ تو وہ ابھی کچھ عرصے کے لیے یہاں آئی ہے۔ چلی جائے گی ویسے بھی وہ لندن میں فارن ڈیسک اکیلے ہی دیکھ رہی ہے۔''

''ارے تو چلی جائے ناں۔ آنٹی نہ ہو تو۔'' وہ ایک بار پھر تپا۔

''محبّ بس۔ خاموشی سے کھانا کھاؤ۔ جل جل کر کھاؤ گے تو السر ہو جائے گا۔ یہ سوچو کہ ہمارا انٹرویو اچھا ہوا ہے۔ بس سلیکٹ بھی کر لیے جائیں۔''

وہ اس جاب کے لیے بہت سیریس تھی۔ ایک تو کام اس کے مطلب کا تھا دوسرے سوشل ورک کی طرف اس کا رجحان بچپن سے رہا تھا لہٰذا CANDLE کو جوائن کرنے کی خواہش شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ کھانے کے بعد دونوں نے اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیا۔

اگر آپ کی لگن سچی اور محنت کرنے کا جذبہ موجود ہو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ چند روز بعد ملنے والے تقرری کے پروانے دونوں کے لیے ایک پُرجوش اور کامیاب مستقبل کے آغاز کی خوشخبری لائے۔ دونوں کی پرانی دوستی اور انڈر اسٹینڈنگ کی اطلاع سلیکشن کمیٹی کے لیے بھی خوش کن تھی کیونکہ اچھے دوستوں کے ساتھ کیا جانے والا کام کارکردگی کے لحاظ سے بہترین ہوتا ہے اور CANDLE بورڈ کا اس پر یقین تھا۔

☆☆☆

تقریباً گزشتہ دو سالوں سے وہ دونوں اس NGO کے ساتھ منسلک تھے اور بے شمار فلاحی پروجیکٹس کو بہت عمدہ طریقے سے پایۂ تکمیل تک پہنچا چکے تھے۔

مارگلہ کے ان بلند مقامات پر جہاں پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے لوگوں کو مسائل کا سامنا تھا، ان بھاری پمپس کے ساتھ پانی پہنچانا اور وہاں ایک طبی مرکز کا قیام ان کا سب سے حالیہ کام تھا جس کی بہترین رپورٹ ان سب کو تعریفی سرٹیفکیٹ دلوانے کا باعث بھی بنی تھی۔

جنوبی ایشیا کے لیے ریجنل ہیڈ مارشل اسلے کی پاکستان آمد بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ پریس کانفرنس کے بعد وہیں مقامی ہوٹل میں ایک چھوٹے سے فنکشن میں NGO کے بارے میں بریفنگ اور اس پروجیکٹ کی کامیابی کے لیے محنت کرنے والے کارکنوں کو سرٹیفکیٹ ملنے تھے۔ بلز جمع کرواتے ہوئے وہ آفس پہنچی تو ساڑھے نو بج رہے تھے۔ پارکنگ میں محبّ کی آلٹو کھڑی دیکھ کر مسکرائی۔ ''یہ صاحب اس قدر ٹائم پر...... انقلاب ہے۔'' وہ بڑبڑائی اور اندر داخل ہوگئی۔ سب اپنی اپنی ڈیسک پر مصروف تھے...... محبّ پرنٹر سے کچھ پیپرز نکال رہا تھا۔

''فاروق...... پتا ہے آج محکمۂ موسمیات نے کوئی خلافِ معمول پیش گوئی تو نہیں کی تھی۔'' فاروق نے اس کی آواز پر چونک کر اوپر دیکھا تو وہ بھی مڑا۔ ہنزل کی شرارتی آواز میں کہا گیا جملہ وہ بھی سن چکا تھا۔

''سورج نکلا کدھر سے تھا؟ چلو کہیں سے بھی ہو مگر یہ چاند اس وقت کہاں سے نکل آیا......'' وہ ہنستی ہوئی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دبی دبی ہنسی...... ہونٹوں پر مسکراہٹ...... آنکھوں میں شرارت وہ اپنے اطراف محسوس کر رہی تھی۔ وہ تمام پیپرز سمیٹ کر مڑا اور اس کے سامنے آ کر جم گیا۔

''فاروق حسن...... ایمن کیا تم لوگوں نے ایسے بے مروّت لوگ بھی دیکھے ہیں جو دن کو چاند کے لقب اور ان کے گھر اُتر آنے پر اسے صبح کی کافی بھی نہ پوچھیں۔ سلام دعا تو ان کے مذہب میں منع ہے ناشتے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔'' جوابی کارروائی بھرپور تھی۔

''ارے...... میرے کرم کیا اس قدر ہی ہوئے ہیں کہ یہ چاند میرے گھر میں اُترے گا۔'' وہ ترت بولی۔ تو سب ہنس پڑے ان دونوں کی نوک جھوک سارے آفس کے ماحول کو خوشگوار رکھتی تھی۔

''شکر ہے محبّ کم از کم تم نے مارشل کی تو لاج رکھ لی۔ آج ویل پریسڈ شرٹ کے ساتھ میچنگ ٹائی میں نظر آ رہے ہو۔'' اس نے تعریفی نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

''ارے تو کیا روزانہ کُرتے کے اوپر ٹائی باندھتا ہوں جو حیرت ہو رہی ہے۔ بی بی یہ روزی کی...... مار ہے۔ روزی بھی جو نہ کروائے کم ہے۔ ورنہ مجھ کنگال کے پاس تو چار جوڑے بھی ڈھنگ کے نہیں۔'' اس نے ایک بار پھر اپنا پسندیدہ موضوع چھیڑا۔ ''یہ امیر لوگ ہم سے جینے کا حق بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔ خود ڈالرز میں کماتے ہیں۔ دبئی بنکاک جا کر لُٹاتے ہیں۔ ارے پوچھو ذرا ان بی بی پروجیکٹ منیجر سے۔ آخر ہم جیسے غریبوں کے لیے ان کے پائپ لائن میں پھنسے منصوبے باہر کب آئیں گے۔''

''عارف......'' اس نے اطمینان سے چپراسی کو آواز دی۔

''جی میڈم!'' وہ بھی دروازے پر مستعد کھڑا ...... صبح کی...... اس ''لائیو نشریات'' سے محظوظ ہو رہا تھا۔

ان دونوں منیجرز کی نہ ختم ہونے والی جُملے بازی کو تمام اسٹاف نے اجتماعی طور پر لائیو نشریات کا نام دیا تھا۔

''عارف ذرا گرما گرم کافی کے ساتھ یہ سامنے والے کھوکھے سے پاؤ کیک رس تو لے آؤ۔ ہم اس چاند کو ذرا ناشتہ کرا دیں تاکہ اس کے بعد سنجیدہ ہو کر کچھ کام بھی کیا جا سکے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''رہنے دیں بی بی، اس قدر احسان کرنے کی ضرورت نہیں آپ فرانس کی ملکہ نہیں جو غریبوں کو کیک منگوا کر دے رہی ہیں۔ ''غریب کے بچے'' کے لیے کافی ہی کافی ہے۔'' عارف بیچارگی سے کھڑا تھا۔

''ارے جاؤ ناں۔''

''میڈم وہ کیک۔'' وہ ہکلایا۔

''اسے چھوڑ دو۔ اب بتاؤ شام کی تیاری کہاں تک پہنچی۔ پروگرام میں کوئی تبدیلی ہے؟'' محبّ اب سنجیدہ تھا۔ شام کا فنکشن ہنزل سپروائز کر رہی تھی۔

''نہیں! کل مارشل کو سید پور اسکول کا وزٹ کروانا ہے۔''

''اوکے۔'' یامین صاحب جو یہاں کے ڈائریکٹر تھے۔ تقریباً پندرہ دن کے لیے اپنی بیٹی کے پاس لندن گئے ہوئے تھے لہٰذا ان کی سیکریٹری ایمن بھی آجکل فراغت یا کر ان کے گروپ میں شامل ہوگئی تھی۔ ویسے تو اچھی خاصی معقول اور تیز لڑکی تھی۔ جاب بھی شوقیہ ہی کر رہی تھی مگر محبّ کو دیکھ کر خواہ مخواہ ہی اسٹائل میں آجایا کرتی تھی اور اس سے بدلتے ہوئے انداز میں گفتگو کرتی تو ہنزل اور باقی سب کو تو جیسے موقع ہی مل جاتا چھیڑنے کا۔ اس وقت بھی اسے صبح صبح آفس میں دیکھ کر تو جیسے کھل ہی اٹھی تھی۔

''محبّ کانگریچولیشنز! آپ کو سرٹیفکیٹ مل رہا ہے۔ اب تو آپ کی طرف سے پارٹی ڈیو ہوگئی ہے۔'' برطانوی کاؤنٹس والے لہجے میں فرمائشی پروگرام پر ہنزل اپنی بے ساختہ ہنسی نہ روک سکی۔

''جی محبّ علی! ہم جیسے فقیر تو بھیک مانگ کر کھانے والے پیشہ ور ہیں۔ اب ذرا اس فرمائش کو ہری جھنڈی دکھائیں تو جانوں...... تھینکس ایمن۔ ہم تو شاید صدیوں منتظر رہتے مگر اب امید ہو چلی ہے۔'' اس نے برابر سے ایمن کو بھی مکھن لگایا تو اس نے گھور کر دیکھا۔

''میری تنخواہ ان عیاشیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی اور ایک خوشامدی رقعہ ان بی بی کو بھی مل رہا ہے۔ ان سے کوئی کیوں نہیں مانگ رہا ٹریٹ۔'' وہ اس کی طرف مڑا۔

''مگر مختلف فاسٹ فوڈز اور پکنک اسپاٹس پر خواتین کو لنچ، ڈنر کروانے میں آپ کا ریکارڈ بہت ہی سنہری رہا ہے بلکہ میں تو سوچ رہی ہوں کہ اسد کو ایک رپورٹ اس ٹاپک پر بھی کرنے کا مشورہ دوں۔'' وہ اطمینان سے اس کی کھچائی کر رہی تھی۔

''ویسے بھی عائشہ کے واپس جانے کے بعد سے اس پر جو ہجر کا موسم چھایا ہے اس نے اس کا قلم بہت دھار دار کر دیا ہے۔ کلاس لگانے پر آتا ہے تو اپنا پرایا سب بھول جاتا ہے۔''

''ارے ہنی اچھا یاد دلایا۔ شام کے فنکشن میں اسے تو انوائٹ کرو۔ آخر اپنا گرائیں ہے۔ فوٹو شوٹو تے لگے گی انے وڈے انگریزی اخبار وچ...... موجاں وی موجاں۔'' وہ فوراً ہی اپنے پوٹھوہاری رنگ میں آگیا۔ ایمن اپنی بات ادھر ادھر ہوتی دیکھ کر مایوسی سے اپنی سیٹ پر واپس چلی گئی اور یہی وہ بھی چاہتا تھا۔ لاکھ کھلنڈرا ہونے کے باوجود اس کو ایمن کے قبیل کی لڑکیاں ذرا پسند نہ تھیں۔

''اوکے فرینڈز ہنسی مذاق ختم، اب تھوڑا کام بھی ہو جائے۔'' اس نے اپنی کرسی سنبھالی۔

''ہمارے سید پور والے اسکول کو بہت پسند کیا جا رہا ہے...... کچھ آئیڈیاز اس پروجیکٹ کو چند اور گاؤں تک پہنچانے کے میں نے مارشل کو E mail کیے تھے آج وہ اس پر بھی بات کرے گا۔ اگر یہ آئیڈیاز ایکسیپٹ کر لیے جاتے ہیں تو ہمیں بہت ڈھیر سا کام کم وقت میں کرنا ہوگا۔ آر یو ریڈی؟ اور محبّ تم ٹوٹل اخراجات کا ایک بجٹ بناؤ تاکہ شام کی بریفنگ میں دیا جا سکے۔'' وہ نہایت پروفیشنل انداز میں اس کی جانب مڑی۔

''لو جی تھانیداری شروع۔'' وہ بڑبڑایا۔

''بی بی...... ابھی کھڑا میں جھک نہیں مار رہا تھا۔ اتنی صبح صبح اگر آیا ہوں تو صرف آفس یاترا نہیں کرنی تھی۔ یہ رہا ٹوٹل پلان ود بجٹ۔'' اس نے کاغذات کا پلندہ اس کی جانب بڑھایا۔

''اوہ گریٹ محبّ۔ کبھی کبھی مجھے اپنے اندازے کی غلطی کا احساس ہوتا ہے جب تم ایک

بارگی دکھاتے ہو۔ اگر صرف تھوڑے سے ریلیکس ہو جاؤ تب پتا نہیں کہاں سے کہاں نکل جاؤ۔'' اس نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی۔

''بس رہنے دو۔ میں پینڈو ہوں۔ مجھے آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں اوکے۔'' محبّ نے اس لہجے میں کہا تو سب ہنس پڑے۔ شام کا فنکشن ان کی توقعات کے عین مطابق نہایت شاندار ہوا۔ مارشل نے محبّ، ہنزل اور فاروق کو سرٹیفکیٹ دیے۔ ادارے کے آیندہ پروجیکٹس کے بارے میں بتایا۔ پریس بریفنگ کے بعد شاندار سا ڈنر تھا۔ رات دس بجے کے بعد وہ تھکی ہاری گھر کو لوٹ رہی تھی۔

☆☆☆

رمضان کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ تیسرے روزے پر وہ حسب معمول اپنی تیاریوں میں مصروف تھی کہ گھر بُری طرح لرزنا شروع ہوگیا۔

''امی...... امی زلزلہ...... زلزلہ!'' وہ تقریباً بھاگتی ہوئی ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔ زلزلہ جاری تھا اور شدت اتنی زیادہ تھی کہ لگتا تھا اب گھر گرا کہ اب گرا...... دونوں بلند آواز میں کلمہ پڑھتی باہر صحن میں نکل آئیں۔ تقریباً بارہ پندرہ منٹ بعد زلزلہ تھما تو اندر آئیں۔ ایک عجیب سا خوف طاری تھا۔ سارے شہر میں بے چینی سی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ٹی وی آن کیا کہیں سے کچھ خاص پتا نہ چلا کہ کہاں کیا کیا نقصانات ہوئے ہیں مگر یہ یقین ضرور تھا کہ زلزلے کی غیر معمولی شدت نے نقصان اور تباہ کاری کا اسکیل بڑھایا ہوگا اور حسب توقع تقریباً گھنٹا بھر بعد ہی مارگلہ ٹاور کے زمین بوس ہونے اور سرحد اور کشمیر میں تاریخ کی بدترین تباہی کی خبریں آنا شروع ہوگئیں۔ فوری طور پر کسی بھی جانی یا مالی نقصان کا اندازہ کرنا مشکل تھا ان کے اپنے ہیڈ کی طرف سے فوری ریسکیو اور ریلیف ورک کے لیے بلا دیا گیا جو کشمیر میں متاثرہ لوگوں کے لیے تھا۔

اگلے دو دن ان کی پوری ٹیم کافی سوچ بچار کے بعد بنائی گئی ضرورت کی اشیا کی فہرست اٹھائے، خریداری اور پیکنگ میں مصروف رہی۔ تیسرے دن منہ اندھیرے ہی وہ ایک بڑی ہائی ایس میں سامان بھر کے دوسری میں خود ٹھنس ٹھنسا کر بیٹھ گئے۔ خشک بسکٹ، ادویات، فرسٹ ایڈ کا سامان، کمبل، گرم کپڑے، دودھ، جوس، پانی کا وافر مقدار میں ذخیرہ۔ جس قدر وہ لے سکتے تھے سامان لے لیا تھا۔ ان کی منزل ڈائریکٹ بالاکوٹ، ناران اور ملحق علاقے تھے۔ مانسہرہ کے بعد سے تباہی کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ مسمار گھر، ملبے کا ڈھیر بنے دیہات کھلے آسماں تلے بے آسرا بیٹھے مکین۔ خدا جانے یہ آزمائش تھی یا قہر خداوندی مگر زندگی ایک عبرت کا نشان بنی سسکتی نظر آ رہی تھی۔ نہایت خطرناک اور جگہ جگہ لینڈ سلائڈنگ سے دھنسی روڈ پر نہایت سُست روی کے ساتھ چلتے وہ تقریباً دو بجے بالاکوٹ پہنچ گئے۔

''اوہ مائی گاڈ'' ان سب کے چہرے اُتر گئے۔ اس قدر ہولناک تباہی ہزاروں کی آبادی میں سے بہ مشکل چند سو زندہ مگر مُردوں سے بدتر حالات میں بچے تھے۔ تین دن کے زخم میں یا تو پیپ پڑ چکی تھی یا کھرنڈ جم چکی تھی۔ ہر قسم کے خوشی غم کے تاثرات سے خالی، جذبات سے عاری آنکھوں کے ساتھ پوچھے جانے والا سوال اسے کتنی ہی جگہ رُلا گیا۔

''آپ کے پاس کفن ہوگا؟ میرے گھر والوں کے جنازے پڑے ہیں۔ دفن کرانے میں مدد کرا دیں۔ نہیں نہیں ہمیں کھانا نہیں چاہیے۔ پہلے ہمارے مُردے دفنا دو۔'' کیا زندگی اس قدر بھیانک روپ میں بھی سامنے آسکتی تھی۔ ان خوش باش بے فکرے ٹولے نے شاید تصور بھی نہیں کیا تھا مگر یہ وقت رونے یا افسردہ ہونے کا نہیں تھا۔ ریلیف ورک کے ساتھ انہیں آیندہ کے لیے ایک شماریاتی رپورٹ بھی مرتب کرتے جانا تھا تاکہ اگلی کھیپ زیادہ مربوط انداز میں پہنچائی جا سکے۔

''ہم گیارہ افراد ہیں۔ ایک سامان کے پاس

رہے گا اور تھیلوں میں بھرنے کا کام کرے گا...... ایک سارے علاقے کا سروے کر کے ہلاکتوں، زخمیوں کی رپورٹ بنائے گا اور باقی نو تین تین کی ٹولی میں مختلف ڈائریکشن میں جا کر لوگوں تک یہ مدد پہنچائیں گے۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں پروگرام بتایا۔

"محب ایک ٹیم تمہاری۔ اسدؔ فاروق اور رفا ایک ٹیم میں تم ہو گے جب کہ میں حسن اور ارشد سامنے والی پہاڑی پر جا رہے ہیں مجھے لگ رہا ہے کہ وہاں کچھ گرے ہوئے مکانات ہیں جن میں لوگ یا تو زخمی ہیں یا راستہ ختم ہو جانے کی وجہ سے نیچے پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ ناؤ ہری اپ۔" سب نے تقریباً پچیس تیس کلو وزنی تھیلے کندھوں پر اٹھائے اور مختلف ڈائریکشنز میں پھیل گئے۔ روزے کی حالت میں دشوار پہاڑی راستوں پر وزن کے ساتھ سنبھل کر چلنا ایک خطرناک تجربہ تھا۔ علاقے میں مسلسل زلزلے کے جھٹکے محسوس ہو رہے تھے مگر وہ سب اب ہر قسم کے خوف سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ زندگی اور موت کے درمیان صرف چند سیکنڈوں کا فرق ہوتا ہے اور دنیا بدل جاتی ہے۔ بچپن سے سننے اور پڑھے جانے والے اس فلسفے کا مطلب انہیں اب سمجھ میں آیا تھا...... جگہ جگہ رک کر لوگوں کی مرہم پٹی کرنا۔ ان کے درد کو کم کرنے کی ادویات دینا۔ انہیں دو یا تین وقت کے لیے بسکٹ دودھ اور جوس دینا جو ان کی تین دنوں کی بھوک کی اذیت کا خاتمہ کر سکے۔ ہر گھر کے ملبے کے نیچے اپنے کسی پیارے رشتے کی آخری سانس بھی ختم ہوتا دیکھنے اور بے بسی سے کچھ نہ کر پانے کی تکلیف سب کے چہروں پر کندہ ہو چکی تھی۔ بہت سی خواتین شدید زخمی حالت میں ملیں اور ان کے خاندان کے مرد نے عورت کے علاوہ کسی کو قریب جانے کی اجازت نہیں دی۔ شدید ادھڑے ہوئے زخموں پر صفائی کے بعد ڈریسنگ کرنا اس کی زندگی کا بدترین تجربہ تھا۔ عصر کی نماز انہوں نے ایک دھنسے ہوئے گھر کی چھت پر تیمم کر کے پڑھی ابھی سلام پھیرا ہی نہ تھا کہ خوفناک جھٹکے دوبارہ شروع ہوئے مگر اب کوئی دہشت نہ تھی۔ انہی حالات میں انہوں نے چلتے چلتے روزہ کھولا۔ مغرب کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ انہوں نے اپنے بیگز سے طاقتور ٹارچز نکال لیں تاکہ راستہ دیکھنے اور لوگوں کی رہنمائی میں آسانی ہو۔ وہ گاڑی سے مزید سامان دوبارہ لینے کے لیے تیزی سے نیچے اتر رہی تھی کہ حسن نے اسے آواز دی۔

"ہنزل۔ پلیز رکیں۔" وہ مڑی۔

"خیریت۔ کیا ہوا؟" وہ تیزی سے اس کے پاس پہنچا۔

"میں نے ابھی اس طرف درختوں کے پیچھے میں ویسے ہی ٹارچ ڈالی تو لگا کہ وہاں کوئی گھر تھا جو مکمل دھنس چکا ہے اور کچھ لوگ بھی بیٹھے محسوس ہوئے...... شاید خواتین تھیں۔ بہت اندھیرا ہے آپ ساتھ چلیں ہو سکتا ہے آپ کی ضرورت پڑ جائے۔"

"اوکے" وہ واپس مڑی پھلانگتے ہوئے ٹاپتے وہاں پہنچے تو حیران رہ گئے۔ عمارت یقیناً بڑی شاندار ہوگی مگر اس وقت مکمل دھنسی ہوئی تھی اور صرف سیڑھیاں اور چھت ایک برابر نظر آ رہی تھی مگر ان سب سے ہٹ کر وہاں ان سیڑھیوں پر دو لڑکیوں کی موجودگی باعث حیرت تھی کہ اس قدر ویرانے میں چاروں طرف موت کے مناظر اس قدر گھنا ٹوپ اندھیرے کے باوجود وہ وہاں بیٹھی تھیں۔ ہنزل نے اپنی ٹارچ ان کے چہرے پر ڈالی تو روشنی کی چمک سے انہوں نے سر اٹھایا تقریباً دس بارہ سال کی ایک لڑکی اور تقریباً بیس بائیس برس کی دوسری تھی۔ لباس گرد آلود تھا اور ویرانی تو جیسے اس علاقے کے مکینوں کے چہروں پر ثبت ہو کر رہ چکی تھی۔

"ہیلو...... آپ لوگوں کو ہماری کسی مدد کی ضرورت ہے؟" اس نے قریب جا کر پوچھا۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تھوڑا اور قریب

گئی۔ چہرے پر زردی۔ پپڑی زدہ ہونٹ بتا رہے تھے کہ وہ اتنی بھوکی پیاسی ہیں۔

"آپ کو کچھ چاہیے؟" اس نے پھر پوچھا تو بڑی والی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"دیکھیں۔ یہ جگہ صحیح نہیں ہے۔ جنگل ہے اور اندھیرا بھی ہے۔ آپ کو اپنے گھروں کے قریب آبادی والی جگہ پر رہنا چاہیے۔" حسن نے تشویش انداز میں کہا تو اس نے ایک بار پھر سر ہلایا۔

"تو ہم کہاں جائیں۔ یہی تو ہمارا گھر ہے۔" سلجھا ہوا شائستہ لہجہ کچھ معمول سے ہٹ کر لگا۔

"اوہ" وہ تینوں شاکڈ رہ گئے۔

"اوہ آپ کو ہماری کسی مدد کی ضرورت ہے؟ کوئی فوڈ...... وغیرہ لیں۔"

"نو تھینکس۔ ہمیں کچھ نہیں چاہیے یہ آپ ان کو دے دیں جنہیں ضرورت ہے۔" اس بار شستہ انگریزی میں بولا جانے والا فقرہ انہیں شدید تحیر میں مبتلا کر گیا۔ اس علاقے میں لڑکیوں کے پرائمری پاس کرنے کا تناسب غالباً ایک فیصد تھا اور کہاں یہ فلوئنٹ لہجہ۔

"پھر بھی کچھ تو بتائیں ہم آپ کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔" ہنزل نے پھر اصرار کیا وہ انہیں اس طرح چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہیں تھی۔

"ہمیں جو ہیلپ چاہیے تھی شاید اب اس کی ضرورت ختم ہو چکی ہے۔ کیا آپ لوگ اس مکان کا ملبہ ہٹا کر اندر سے میرے ممی پاپا اور بھائی کو نکال سکتے ہیں۔ نہیں ناں۔ اس لیے میں منع کر رہی تھی۔ وہ تین دن سے اندر دبے ہیں پتا نہیں کس حال میں ہوں گے ہم انہیں چھوڑ کر کہاں جائیں۔ سب کچھ تو یہاں ہے۔" آواز میں گھلا درد محسوس کر کے وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی۔ اپنے پیاروں کے زندہ دفنائے جانے کے بعد قبروں کے سرہانے زندگی کی موہوم سی امید کے سہارے بیٹھنا واقعی دل گردے کا کام تھا۔ وہ گھر یقیناً بہت مضبوط اور خوبصورت بنا ہوگا مگر اب صرف ملبہ تھا۔

"میں نے پپا کو کتنی آوازیں دیں مگر لگتا ہے نیچے ہماری آواز نہیں جا رہی۔" چھوٹی والی نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"میرا بھائی ہارون بھی پاپا کے ساتھ سو رہا تھا وہ بھی نہیں بولتا ہے۔ وہ زندہ ہوگا ناں مگر کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہمارے لیے۔ جائیں آپ لوگ دوسرے لوگوں کو دیکھیں۔"

"دیکھیں میں آپ کو منع نہیں کر رہی مگر اس وقت یہ جگہ بالکل اندھیری اور ویران ہو چکی ہے آپ لوگ نیچے چلیں کچھ کھا پی لیں۔ دو تین دن سے آپ لوگوں نے کچھ بھی کھایا نہیں ہوگا۔"

"نہیں نہیں۔ اگر ہم یہاں سے چلے گئے اور نیچے سے کسی نے آواز دی تو کون سنے گا؟" دس گیارہ سال کی معصوم لڑکی کی آنکھوں میں اب بھی امید کی روشنی تھی۔ بے چاری کو اندازہ نہ تھا کہ اتنے بھاری ملبے کے نیچے ہوا کے بغیر چند گھنٹے ہی زندگی ممکن ہو سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں پھر چھلک اٹھیں۔

"اچھا تم یہ کھاؤ ہم اپنے ساتھیوں کو بلوا کر انہیں آواز دینے کی کوشش کرتے ہیں۔"

انہیں بہ مشکل دو دو بسکٹ دودھ کے ساتھ کھلانے کے بعد اس نے وین کے پاس سے مزید ساتھیوں کو بلانے کے لیے حسن کو بھیجا۔ دس منٹ بعد محب، فاروق، اسد، ارشد سب ہی ہتھوڑے اور کدال کے ساتھ آ گئے۔ باوجود اس کے ان سے بھاری لینٹر ہٹانا ناممکن تھا۔ انہوں نے ایک کونے کو توڑ کر وہاں ایک سوراخ بنایا۔

"ہیلو۔ اگر آپ میں سے کوئی ہماری آواز سن رہا ہے تو زور سے بولیں۔ اللہ اکبر!" مگر ان کی آواز پہاڑوں میں گونج کر رہ گئی۔ اندر مکمل خاموشی تھی یا موت کا سناٹا تقریباً رات دس بجے وہ ان کو لیے وین تک آئے۔ فضا میں مردہ اجسام کا تعفن اس قدر بڑھ چکا تھا، ڈبل ماسک لگانے کے باوجود وہ وہاں ٹھہر نہ سکے ...اور گاڑی کو شہر سے باہر

نکال کر ایک پٹرول پمپ کے احاطے میں کھڑا کر دیا۔ تین دن سے مسلسل جاگنے اور تناؤ کی کیفیت میں رہنے کی وجہ سے دونوں کی حالت بہت شکستہ ہو رہی تھی۔ اس نے انہیں سکون آور گولیاں کھلا کر وہیں سلا دیا۔ دوسری وین میں سامان نکلنے کی وجہ سے جگہ بن گئی تھی۔ کچھ لڑکے وہاں منتقل ہو گئے وہ بھی ان کے قریب ستانے کو ٹک گئی۔

”ہنی تھک گئی ہو؟“ محب اس کے قریب آ بیٹھا۔

”ہاں۔“ اس نے سر ہلایا۔

”محب ہم کیا کر پائے ان کے لیے کچھ بھی تو نہیں۔ کتنے لوگ اب بھی یہاں بے بسی سے پڑے ہیں۔“ وہ آزردہ تھی۔

”نہیں ہنی! ہم نے اپنی سی کوشش ضرور کی ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ ہماری نیت ٹھیک ہے۔ تم نے ان کے بارے میں کچھ سوچا؟“ محب نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا جو کمبل میں لپٹی غافل تھیں۔

”ہاں صبح آرمی کی یونٹ یہاں پہنچ رہی ہے۔ ان کے پاس کٹر اور دوسرا سامان بھی ہو گا ملبہ ہٹوا کر ان کی تسلی کروا دیں گے۔ میں انہیں اپنے ساتھ اسلام آباد لے جانا چاہتی ہوں۔“ اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔ محب نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور سر ہلا دیا۔ چند گھنٹے کے ریسٹ نے ان سب کو قدرے بہتر کر دیا۔ بہ مشکل تمام سحری کھائی گئی۔ صبح ہو چکی تھی۔ فوج کی گاڑیاں شہر میں داخل ہو رہی تھیں۔ محب اور اسد کی ریکوئسٹ پر سب سے پہلے ان کے مکان کا ملبہ ہٹانے کا کام شروع ہوا تقریباً چار گھنٹے کی سرتوڑ محنت کے بعد فوجی جوان نیچے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اندر سے ایک مرد ایک عورت اور ایک تقریباً سولہ سترہ سالہ لڑکے کی کچلی ہوئی لاشیں نکال لی گئیں۔ آس ٹوٹ گئی آخری امید بھی بجھ گئی۔ ان کی ساری دنیا پلک جھپکتے اندھیری ہو چکی تھی۔ وہیں گھر کے احاطے میں ان کی تدفین ہوئی اور شام ڈھلے سکتے سے باہر آئی دونوں بہنوں کو لیے واپس آئے۔ ہنزل انہیں اپنے گھر لے گئی!!

☆☆☆

محب...... محب میں تمہیں اب مار بیٹھوں گی اگر تم سیریس نہیں ہوئے تو۔“ وہ مظفر آباد اور باغ کے علاقوں سے اکٹھے کیے اعداد و شمار کے ساتھ ایک رپورٹ لکھ رہی تھی۔ ابھی پچھلے ہفتے وہ ان علاقوں میں تقریباً چار پانچ دن کا ریلیف کیمپ لگا کر آئے تھے۔ وہاں پر ایک باقاعدہ آبادکاری کی ضرورت تھی اور وہ اسی پوائنٹ پر لکھ رہی تھی مگر محب مسلسل دخل اندازی کیے جا رہا تھا۔

”او کے اچھا بکو۔ کیا پرابلم ہے؟“ تنگ آ کر اس نے فائل سیو کی اور اس کی جانب مڑی۔

”وہ جو ہم وہاں سے دو عدد خواتین امپورٹ کر کے لائے ہیں کیا ان کو گھر میں قید کر کے پھپھوند لگانے کا ارادہ ہے؟“ وہ اس کے قریب ہی کرسی کھسکا لایا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا بکواس کر رہے ہو...... وہ اچھی فیملی کی لڑکیاں ہیں۔ سوچ سمجھ کر منہ سے کچھ نکالنا۔“ وہ محب کی رنگین طبیعت یونیورسٹی کے زمانے سے ہی واقف تھی۔

”ہنی پلیز یار۔ اب تم میرے بارے میں اپنے خیالات بہتر کر لو وہ وقت گزر چکا ہے NOW WE ARE IN PROFESSIONAL LIFE“ وہ عاجزی سے بولا۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم کون سدھرے، جو میں اپنی سوچ بدلوں۔ آج بھی تم لڑکیوں کے ROMIO NO 1 ہو۔ اتنا حادثہ گزرا مگر پچھلے ہی ویک اینڈ پر تم PAPAY DE SALES پر ایک سنہری زلفوں والی کے ساتھ میٹھی میٹھی سرگوشیوں کے ساتھ پیزا حلق میں ٹھونسنے میں مصروف تھے۔ اب خدارا یہ مت کہنا کہ

تمہارے فلاں بن فلاں چچا کے سالے کے پھوپھا کی بیٹی کی نند تھی اور اس رشتے سے تمہاری کزن ہوئی۔ محب علی خان اس جنم میں تو کم از کم تمہارے سدھرنے کی امید تو تمہاری اماں جان کی بھی ختم ہو چکی ہے۔ تو میں کس شمار میں۔“ وہ اطمینان سے بولی اٹھی اور کارنر میں لگے الیکٹرک جگ سے مگ میں گرم پانی اور ساتھ ہی ٹی بیگ، چینی، دودھ ڈال دوبارہ آ کر بیٹھ گئی۔

”مائی گاڈ۔ ہنزل! تم یقیناً اہل جنات میں سے ایک ہو۔ آخر تمہیں کیسے علم ہو جاتا ہے میری مصروفیات کا وہ بھی انتہائی پرسنل نوعیت کی۔ ویسے تم اس ویک اینڈ پر تو تم غالباً اپنے کسی عزیز کے گھر گئی ہوئی مصروف تھیں۔“

”ہاں مگر اس سے پہلے مارکیٹ آنے پر پابندی تو نہیں تھی نا۔ اور پھر تم لب سڑک کھڑکی سے لگ کر بیٹھ کر اڑاؤ گے تو کم از کم میری نظروں سے تو ہرگز نہیں بچ سکتے ہو۔“

”اچھا پھر...... کیا برائی ہے اس میں؟“ وہ معصوم بن گیا۔

”ہاں تو میں نے کب کچھ کہا کہ برائی ہے۔ میں تو صرف تمہیں یہ بتا رہی تھی کہ سیریس جاب میں آنے کی وجہ سے کم از کم تمہاری عادت و اطوار پر کوئی مثبت تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے۔“

”ہنی۔ تم نے ایک بار پھر نہایت مہارت سے بات کا ٹاپک سے ہٹا دیا ہے ناں۔“ وہ ایکدم جیسے چونکا تو وہ ہنس پڑی۔ ”اچھا بولو۔“

”میں بولوں۔ کیا کہہ رہا تھا ــــ ارے ہٹلر کی اولاد، میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ جو بی بی ہیں اس طرح گم صم گھر میں بند رہیں تو ان کا غم کبھی ہلکا نہیں ہوگا۔ اسے یہاں ہی لا کر CANDLE میں کسی کام پر لگا دو اور کچھ نہیں تو صرف تمہاری ہی خاصی کو آرڈینیٹر بن سکتی ہے۔ یہ جو تنہا اسے تو سارے کام خود نمٹانی ہو۔ کچھ مدد ہی مل جائے گی۔ ایسے یہ رپورٹس وغیرہ کا کام اسے دے دیں۔ ذہین لڑکی لگی تھی مجھے اور اسکولنگ بھی غالباً معقول طریقے سے ہوئی ہے۔“ اس نے اپنا جملہ مکمل کیا تو وہ حیرت سے بال پوائنٹ منہ میں دبائے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”ارے کیا ہوا؟ اب میں نے کون سی ایسی غیر اخلاقی بات کہہ دی کہ مجھے اس قدر خوفناک انداز میں گھور رہی ہو۔“

”محب۔“ بالآخر اس نے کہا۔

”الٰہی خیر کوئی نیا الزام...... جی سرکار حکم۔“

”آن بیلیو ایبل بھی کبھی تم اس قدر اچھی اور کام کی باتیں کرتے ہو کہ مجھے صرف شک نہیں یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی نیک دل جن تمہارے اندر آیا ہوا ہے...... خاموشی سے سنو۔ کتنا اچھا ہوا کرے کہ تم ہمیشہ ہی ایسی معقولیت میں نظر آؤ۔“

”افوہ ہنی۔ مانا کہ میں تمہاری نظروں میں دو کوڑی کا بھی نہیں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تمہارے پاس لڑکیوں والی آنکھ نہیں بلکہ میرے ابا جان والی عینک ہے مگر یقین کرو اتنا بھی برا نہیں۔ اچھا اب جلدی سے یہ بتا دو کہ اس مشورے پر عمل کب سے در آمد کر رہی ہو؟“

”ارے ارے دھیرج بھیا دھیرج مجھے پہلے اس سے پوچھنے تو دو کہ وہ ہمارے ساتھ کام کر بھی سکے گی یا نہیں؟“

”او کے۔ اور وہاں اس کے باقی رشتے داروں کا کچھ پتا چلا؟“

”ہاں اسد کے ذمے لگایا تھا گاؤں میں سوائے ان دونوں کے کوئی بھی نہیں بچا ہے۔ ایک دو دور پار کے رشتے دار یو کے میں ہیں مگر یہ ان سے ملنا نہیں چاہتی ہے۔ اس صورت میں ظاہر ہے ہم اس پر دباؤ تو ڈال نہیں سکتے ناں؟“ ہنزل نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ محب کا آئیڈیا اس کے دل کو لگ رہا تھا۔

”او کے چلو یہ نیکی تو کرو کم از کم۔ ہر وقت جنگ و جدل پر تیار رہتی ہو۔ میں ارتھ کو ٹیک پبلک ریلیف

کمیشن کے دفتر جا رہا ہوں۔"

☆☆☆

وہ لاؤنج میں حسب معمول ایک غائب دماغی کی کیفیت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ تقریباً تین ماہ ہونے کو آئے تھے مگر وہ اب تک اپنی اس کیفیت سے باہر نہیں نکلی تھی۔ چھوٹی والی بہن سحر تو آہستہ آہستہ نارمل ہوتی جا رہی تھی۔ ہنزل نے اس کا داخلہ ایک اچھے اسکول میں کروا دیا تھا تاکہ مصروف ہو گی تو بھولتی جائے گی اور واقعی نئے ماحول نے اس پر ایک مثبت اثر چھوڑا تھا مگر مہر ہر وقت نہ جانے کن خیالات میں گم رہتی تھی۔ شروع میں صرف ایک بار اس نے غالباً کسی ہاسٹل یا دارالامان وغیرہ جانے کی بات کی تھی مگر اس کی امی کے منع کرنے پر خاموش ہو گئی اور پھر نام نہیں لیا۔ وہ چند منٹ تک کھڑی اس کو دیکھتی رہی پھر اس سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"مہر" ہنزل اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ وہ چونک کر مڑی۔

"جی۔"

"آج میں بہت ریلیکس موڈ میں تم سے گپ شپ لگانے آئی ہوں۔ سحر کو دیکھو۔ ماشاءاللہ کتنی جلد اسکول میں سیٹ ہو گئی ہے مگر تم تو لگتا ہے ابھی تک ہمیں غیر سمجھتی ہو۔"

"نہیں۔ نہیں ایسی بات نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "بلکہ جو کچھ آپ نے کیا ہے ایسا تو شاید ہی کوئی سگا رشتہ دار کرتا۔"

"اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری تعلیم کہاں تک کی ہے۔ بھئی صاف بات یہ ہے کہ تمہارے طور طریقے کسی طرح بھی اس علاقے کے لوگوں سے میچ نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی لہجہ۔ لہٰذا سب سے پہلے تو اپنے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں بتاؤ۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"آپ کا اندازہ ٹھیک ہے۔ ہم لوگ رمضان سے صرف چند دن قبل ہی مانچسٹر سے وہاں پہنچے تھے۔ میرے پاپا تقریباً پچیس سال سے یو کے میں سیٹل تھے۔ ہمارا وہاں ریسٹورنٹ اور جنرل اسٹور تھا۔ میرے گرینڈ فادر کا تعلق اسی گاؤں سے تھا اس لیے پاپا نے وہیں پر زمین لے کر اچھا سا گھر بنوایا تھا کہ چھٹیوں میں پاکستان آنے پر ہمیں گاؤں میں کوئی پرابلم نہ ہو۔ میری پھوپیاں چاچا سب وہیں رہتے تھے مگر اب تو کوئی بھی نہیں بچا۔"

"تم نے تعلیم کہاں سے حاصل کی؟" اس نے اس کو دوبارہ اداس ہوتے دیکھ کر جلدی سے موضوع بدلا۔

"لندن اسکول آف بزنس سے BBA کیا تھا۔ ایم بی اے کرنے کا ارادہ تھا کہ چھٹیوں میں پاکستان آنا پڑا۔" اس کے لہجے میں عجیب سی حسرت اور دکھ تھا۔ وہ اس کی کیفیت کا اندازہ کر سکتی تھی۔

"دیکھو مہر۔ تم بڑے حوصلے والی سمجھدار لڑکی ہو۔ تم نے جس طرح خود کو سنبھالا ہے سب اس کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ دنیا ہے، ہم مرنے والوں کے ساتھ چلے نہیں جاتے ہیں۔ ہاں ان کی مغفرت کی دعا ہم پر فرض کی طرح واجب ہے۔" اس نے اس کے ہاتھوں کو نرمی سے دبایا۔

"مہر میں نے سوچا ہے کہ میں تم کو اپنے آفس لے جایا کروں۔ کم از کم کام میں مصروفیت کی وجہ سے تم خوامخواہ کی سوچوں سے باہر نکل آؤ گی دوسرے ریلیف ورک سے تمہارے دل کو بھی سکون ملے گا کہ تم ان مجبور لوگوں کے لیے کچھ کام کر رہی ہو۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" وہ آرام سے تیار ہو گئی۔

☆☆☆

میرون شلوار قمیض پر گرم بلیک کوٹ پہنے اس کی شخصیت بہت نکھری ہوئی لگ رہی تھی تیکھے نین نقش اور شفاف گلابی رنگت وہ بلاشبہ اپنے علاقائی حسن کی مکمل تصویر تھی۔

گاڑی آفس پارکنگ میں رکی تو وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے لمحہ بھر کو رک سی گئی۔

"کیا ہوا؟"

"ہنی آپ نے مجھے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ مجھے کام کیا کرنا ہو گا۔ مجھے آفس کا آئیڈیا ہی نہیں ہے۔" وہ گھبراہٹ کا شکار تھی۔

"ارے ایک فارن کوالیفائڈ لڑکی یہ سوچ رہی ہے کہ وہ کام کیسے کرے گی۔ ارے تم اندر تو چلو۔ کام خود ہی نکلتے چلے آئیں گے۔ بے فکر رہو۔ ہم تمہیں مفت کی روٹیاں ہرگز نہیں توڑنے دیں گے۔" دونوں اندر داخل ہوئیں تو سامنے ٹیبل پر اپنے لیے کافی مکس کرتا محبّ چونک کر مڑا اور ایک خوشگوار مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر دوڑ گئی۔

"ویل ڈن ہنی دی گریٹ یہ ہوئی ناں اصل اداکاری۔" خوشگوار انداز میں کہا۔ ہنزل باری باری اسے سب سے ملانے کے بعد گیسٹ روم میں لے آئی۔

"اب بتاؤ۔ آفس کا ماحول کیسا لگا۔ ہم سب لوگ یہاں بالکل ایک فیملی کی طرح رہتے ہیں اور اسی طرح کام کرتے ہیں اور فی الوقت میں نے تمہارے لیے جو اسائنمنٹ سوچی ہے وہ ہر پروجیکٹ کی ابتدائی اور اختتامی رپورٹس ہیں۔ ہم لوگ جن پروجیکٹس کو شروع کر چکے ہیں ان کی ہر ماہ باقاعدگی سے ہیڈ آفس رپورٹ جاتی ہے پہلے یہ کام میرے ذمے تھا مگر SOME TIMES میرے باہر فیلڈ میں مصروف ہونے کی وجہ سے یہ رپورٹس لیٹ ہو جایا کرتی تھیں مگر اب تم یہ دیکھو گی۔ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ بس سمجھنے کی بات ہے۔ ہم سب تمہاری ہیلپ کرا دیا کریں گے۔"

"جی۔" وہ پہلی بار اس تمام عرصے میں اس کے چہرے پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ دیکھ رہی تھی۔ وہ پورے انہماک سے کمپیوٹر اسکرین کی جانب متوجہ تھی۔

"ہیلو مہر!" محبّ کی آواز پر وہ چونک کر مڑی۔

"جی" اس نے KFC کا زنگر جونیئر اس کے سامنے رکھا۔ "آپ کو تو یاد آئے گا نہیں کہ لنچ ٹائم کس

امام حسینؑ کے ارشادات

انسان کی حالت کے بارے میں

☆...... جب آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کس حال میں صبح کی؟ تو آپؑ نے فرمایا: اس طرح کہ میرا پروردگار میرے فوق یعنی پر ہے اور آتش جہنم سامنے اور موت میری طلب گار ہے اور حساب مجھ پر نگاہ جمائے ہے اور میں اپنے اعمال کا اسیر ہوں۔ جو چاہتا ہوں وہ پاتا نہیں اور جس سے بیزار ہوں اس سے اپنے کو دور نہیں کر سکتا۔ تمام امور کسی اور کے ہاتھ میں ہیں، وہ چاہے تو مجھ پر عذاب کرے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔ لہٰذا اب کون مجھ سے بڑھ کر نادار ہو سکتا ہے۔

☆...... خدا کا اپنے بندوں کو ڈھیل دینا یہ ہے کہ نعمتوں سے نہال تو کر دے لیکن شکر کرنے کی توفیق چھین لے۔

ظلم کے بارے میں

☆...... ایسے پر کبھی ظلم نہ کرنا جس کا تمہارے مقابلے میں خدا کے سوا کوئی اور مددگار نہ ہو۔

آلِ محمدﷺ کی محبت کا نتیجہ

☆...... جس نے ہمیں خوشنودی خدا کے لیے محبوب رکھا تو ہم اور وہ نبیؐ کے پاس یوں اکٹھا پہنچیں گے جیسے دو انگلیاں (آپؑ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر بتایا) اور جو ہمیں صرف دنیا کے لیے محبوب رکھے گا تو دنیا تو نیک و بد سبھی کو مل جاتی ہے۔

وقت شروع ہو کر ختم بھی ہو جاتا ہے مگر ہمارے جیسے مزدوروں کو محنت کے بعد بھوک لگنے لگتی ہے۔" وہ بے تکلفی سے بولتا ہوا کرسی کھینچ کر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا...... اس نے کمرے میں نظر دوڑائی۔ ہنی کہیں

بھی نظر نہ آئی۔
"ہنی کہاں ہیں؟"
"لو۔ آپ کو یہ بھی نہیں پتا آج ایک اور گاؤں میں ہمارے شمع اسکول کا افتتاح تھا، میڈم وہاں ہی سدھار چکی ہیں۔
"اوہ" اسے اپنی بے خبری پر حیرت ہوئی۔
"کھائیں۔ آپ کے لیے لایا ہوں۔" محبّ نے پیکٹ آگے بڑھایا۔
"پلیز آپ اس قسم کا تکلف نہ کریں۔" اس نے واپس کرنا چاہا۔
"دیکھیں بی بی۔ آپ ٹھہریں UK سٹیزن آج نہیں تو کل "ٹونی" آپ کو بہ زورِ بندوق واپس بھی بلوا سکتا ہے پھر حالات بدل جائیں گے مگر مجھ غریب کی تنخواہ تو وہی رہے گی ناں۔ لہٰذا میری درخواست ہے کہ میری حق حلال کی کمائی سے خریدے گئے اس برگر کی توہین مت کیجیے اور کھا لیجیے۔" اس کی اتنی لمبی تقریر سے وہ پریشان ہو گئی۔
"نہیں۔ بخدا ایسی بات نہیں۔" اور جلدی سے برگر اٹھا لیا۔ جس پر محبّ نے بہ مشکل گردن موڑ کر اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو دبایا۔ نہ جانے کیوں وہ پہلے دن سے اس لڑکی میں انٹرسٹ لینے پر خود کو مجبور پا رہا تھا۔ ہنزل سے اصرار کر کے یہاں بلوانے کی ایک بڑی وجہ بالاکوٹ میں وہ منجمد دکھ کے ساتھ دلکش چہرہ تھا جو ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا تھا پھر دوسری بار ہنزل ہی کے گھر پر عید کے دوسرے دن تمام دوستوں کی محفل میں اس سے سرسری سی سلام دعا...... وہ زندہ دل ضرور تھا، دوست بنانا...... ان کی محفل انجوائے کرنا۔ ہلا گلا اس کی زندگی کا حصہ تھا مگر یہاں وہ جو کچھ اس کے لیے محسوس کر رہا تھا وہ یقیناً کچھ ہٹ کر تھا۔ کئی دفعہ خود کو بُری طرح جھاڑا پھٹکارا کہ وہ لڑکی نہ صرف مظلوم بلکہ معصوم بھی ہے مگر دل تو ایک الگ ہی راگ الاپے جا رہا تھا۔ وہ اپنے اس جذبے کو فلرٹ کا نام ہرگز نہیں دے سکتا تھا اور ہنزل سے کچھ کہہ دینے کا مطلب تھا وہ خود کو ایک زبردست قسم کی جھاڑ کے لیے تیار رکھے۔ وہ خاموشی سے اسے برگر کھاتا دیکھ رہا تھا۔
"کافی چلے گی؟" اس نے ایک بار پھر آفر کی تو اس نے صرف سر ہلا دیا۔
کافی کے مگ تیار کرنے کے بعد اس نے اس کا مگ سامنے رکھا۔
"مہر کیا صرف چند منٹوں کے لیے آپ اپنی مصروفیات کو چھوڑ کر میری بات سننا پسند کریں گی؟" اس کا لہجہ اس قدر سنجیدہ تھا کہ وہ چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ ورنہ عموماً اس کی شوخ نظروں کا سامنا کرنے سے گریز کرتی تھی۔
"جی۔" اس نے اس کی طرف رخ کر لیا۔
"مجھے دوسروں کی طرح نہ تو کوئی مفید مشورہ دینا ہے۔ نصیحت مجھے ویسے ہی کرنا اور سننا دونوں ہی برا لگتا ہے لہٰذا صرف ایک دوستانہ سی فرمائش ہے۔ تقریباً دو ہفتے تو ہو ہی چکے ہیں آپ کو اس آفس کو جوائن کیے مگر غالباً آپ کو یہاں کے پورے اسٹاف ممبر کے ناموں کا بھی علم نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جو مصیبت آپ کے ساتھ گزری وہ بلاشبہ زندگی کی بدترین حقیقت ہے۔ خدا کسی کو بھی اس دکھ کا سامنا نہ کروائے مگر یہ بھی طے ہے کہ زندگی بھی اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور بہت خوبصورت ہے ذرا اس کو بھی برت کر دیکھیں بڑی دنیا نظر آئے گی۔ یہاں ہو سکتا ہے آپ سے بھی زیادہ دکھی لوگ مسکراتے نظر آئیں۔ مہر آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں؟" وہ بولتے بولتے رکا۔
"جی۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔
"گڈ۔ تو چلیں آج نئے سرے سے اسٹارٹ کرتے ہیں۔ میرا نام محبّ علی ہے اور میں یہاں کا فنانس منیجر ہوں آپ کو اس آفس میں لا کر آپ کی پوشیدہ قابلیت سے مستفید ہونے کا سنہرا خیال میرا ہی تھا مگر تمغہ حسب روایت آنٹی ہنٹر کے سج گیا۔" اس کے اس طرح تعارف کروانے پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ سفید ہموار دانتوں کی قطار۔

"ماشاءاللہ، سبحان اللہ۔" اس نے سر دھنا۔
"کس قدر عظیم صدقۂ جاریہ عنایت کیا ہے۔ آپ نے اس وقت خالص خاندانی ہونے کی دلیل دے کر۔ بخدا نایاب ہو چکی ہے۔"
"جی۔" وہ ایک بار پھر ہونق بن گئی۔
"میں آپ کی بات سمجھی نہیں۔" اس کی زیادہ تر ہنزل سے چلنے والی جملے بازی بھی اس کے سر پر سے گزر جایا کرتی تھی۔
"ارے خاتون۔ ہمارے جدّ امجد نے فرمایا ہے کہ اچھی مسکراہٹ صدقۂ جاریہ ہے پھر اس قدر ترنم ہنسی تو عظیم صدقہ ہوئی ناں۔ جس سے صرف میں خوش نصیب فیض یاب ہوا ہوں۔" اس کی وضاحت پر وہ ایک بار پھر ہنس پڑی۔
"اے لڑکی تم ہنستی ہوئی بہت ہی اچھی لگتی ہو۔ دل ڈرتا ہے کسی کی نظر نہ لگ جائے میری دعا ہے تمہاری اس مسکراہٹ کو کبھی زوال نہ آئے۔" دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا ایک بے ساختہ فقرہ اس کے تمام جذبات کو سمیٹے ہوئے تھا۔ وہ بلاوجہ ہی بلش ہو گئی۔ آج تک کسی نے اس طرح اس کی تعریف نہیں کی تھی مگر وہ خود بھی فوراً سنبھل گیا۔
"اوکے بہت ٹائم ویسٹ ہو گیا۔ ہنٹر والی تھانیدارنی نے سب سے پہلے آ کر کام کی رپورٹ لی ہے وہ لحاظ تو کسی کا کرتی نہیں ہے۔ لہٰذا تم مجھے دعائیں دو گی۔ میں اس سے پہلے ہی کھسک لوں۔" وہ مسکراتا ہوا اپنے کیبن کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

پچھلے دو چار دنوں سے وہ بہت زیادہ مصروف تھی۔ مہر کے بتانے پر کہ اس کے پاپا نے پاکستان آنے سے قبل یہاں اپنے اکاؤنٹ میں تقریباً دس ہزار پاؤنڈز منتقل کروائے تھے مگر زلزلے کے دوران بنکوں کے بھی تباہ ہو جانے کے بعد تمام اکاؤنٹس منجمد کر دیے گئے اور مکمل چھان بین کے بعد لوگوں کو ان کی رقوم مل رہی تھیں۔ اس نے محبّ کے ساتھ مل کر اس کی رقم نکلوانے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ یہ کام اس قدر آسان نہ تھا یہاں بھی بے شمار لوگ خوفِ خدا سے بے گانہ جعلی لیٹر یا نیم کارا استعمال کرتے ہوئے مال بٹورنے میں مصروف تھے۔ خصوصاً یہ کام ایسے اکاؤنٹس کے ساتھ ہو رہا تھا جن کے مالکان زندگی کھو بیٹھے تھے۔ بہ مشکل تمام مین برانچ سے اکاؤنٹ نمبر دے کر رجسٹر سے اس کا اسٹیٹمنٹ تیار کروایا گیا تو یہ خوشخبری تو مل گئی کہ رقم محفوظ ہے مگر اس کے حصول کے لیے شناخت اور تصدیق کے ایک طویل اور صبر آزما مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔ لہٰذا انہوں نے مانچسٹر سے ان کے فیملی وکیل کے ذریعے تمام شناختی کاغذات منگوا لیے تھے۔ تقریباً بیس دن۔ مہینے بعد ان کا نمبر آنا تھا۔
زلزلے کو چھ ماہ ہونے کو آئے تھے۔ موسم سرما میں وہاں شدید ٹھنڈ اور برف باری نے صورتِ حال

کو مزید گمبھیر بنا دیا تھا۔ کھلے آسمان تلے یا ترپال کے خیموں میں سر چھپائے لوگوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ ان کے پاس فنڈز کی کمی نہیں تھی گرم کپڑوں، کمبل، ادویات کی خریداری اور باقاعدہ پیکنگ کر کے انتہائی ضرورت کی جگہوں پر بھجوانے کا کام اس قدر بڑھ چکا تھا کہ اسے سر کھجانے کا بھی ٹائم نہ تھا۔ اس وقت وہ تقریباً گیارہ بجے رات کو گھر میں تھکی ٹوٹی داخل ہوئی تو سامنے ہی نہایت ذوق و شوق سے ویڈیو گیم کھیلتے راحیل اور سحر پر نظر پڑی۔

''آپی آ گئیں۔'' سحر نے نعرہ لگایا۔ راحیل کی آمد ایک خوشگوار سرپرائز تھا۔

''ہیلو لوزر آج ہماری یاد کیسے آ گئی؟''

''ہائی چیٹر۔ جب عرصے تک کسی کو خود سے چیٹنگ کرتے نہیں پاتا ہوں تو صرف تم ہی یاد آتی ہو۔'' دونوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ہلایا۔ راحیل اس کی پھپھو کا بیٹا تھا اور بچپن سے ہی امریکا میں رہا تھا۔

''دو سال بعد شکل دکھائی ہے تم نے۔ مجھے تو لگا کہ اب جو میدان سے بھاگے تو شاید ہی لوٹو گے۔''

''ہاں! سوچا تو میں نے بھی کچھ ایسا ہی تھا مگر کافی ہفتوں سے ایک چڑیل خواب میں آ رہی تھی کہ پاکستان آ کر مجھ سے مل لے ورنہ تیرے امریکا کو اس بار WTC سے بھی بڑی تباہی دیکھنی پڑے گی۔ بس اتنا خوف تھا کہ سیدھا ٹکٹ کٹایا اور یہاں پر آ گیا۔''

''ظاہر ہے، تمہارے تو کرتوت ہی ایسے ہیں کہ خواب میں چڑیل ہی نظر آئیں گی پریاں تو دکھائی دینے سے رہیں۔'' ابھی ان دونوں کی نوک جھوک مزید چلتی کہ گاڑی کی پچھلی سیٹ سے فائلز اور بیگ سنبھالے وہ اندر داخل ہوئی۔ اس کا فقرہ منہ میں ہی رہ گیا۔ بچپن سے آج تک امریکا میں رہنے کے باوجود بھی اس قدر خوبصورت چہرہ نظر وں سے نہیں گزرا تھا۔ بلیک جینز پر گرے کھدر کا کرتا اور بلیک کشمیری کڑھائی کی شال لپیٹے چہرے پر تھکن لیے وہ آگے بڑھی۔

''السلام علیکم۔'' راحیل کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں اُلجھن کے تاثرات در آئے۔

''راحیل یہ مہر ہے۔ ہماری این جی او کی ورکر اور ہمارے گھر کی ممبر سحر کی آپی۔''

''او کے۔ تو پارٹنر تم اس سسٹر کی تعریف کر رہی تھیں۔'' وہ راحیل کی سحر سے بے تکلفی پر حیران سی ہوئی۔

''مہر یہ بانگڑو میرا کزن ہے۔ کیمیکل انجینئرنگ کی ڈگری آئیوا یونی ورسٹی سے لی ہے۔'' اس نے فائلز وہاں کارنر ٹیبل پر رکھیں۔

''اور سناؤ۔ تم لوگوں کا کام کیسا جا رہا ہے کتنا مال پانی بٹورا ریلیف ورک کے نام پر۔'' اس نے ایک آنکھ دبائی۔

''بکو مت...... ہماری این جی او میں یہ سب نہیں چلتا۔ ہم صحیح حقداروں تک مال پہنچا رہے ہیں۔''

''ہاں ہاں سب یہی کہتے ہیں مگر درحقیقت...... خود ہی بتاؤ کیا یہاں چلنے والے سارے فلاحی پروجیکٹ شفاف طریقے سے چل رہے ہیں؟'' راحیل کو ملنے والی اطلاعات بھی غلط نہ تھیں۔

''سب کا تو میں نہیں جانتی ہوں مگر...... کم از کم یہ یقین ہے کہ ہماری این جی او میں آج تک ایک ڈالر بھی کسی غلط مقصد میں نہیں خرچ ہوا ہے۔''

''ہاہا...... کیا بات ہے۔'' اس سے قبل کہ وہ اس کا مزید ریکارڈ لگاتا مہر نے گفتگو میں دخل دینا مناسب سمجھا۔

''راحیل صاحب SHE IS RIGHT ہم واقعی کسی اور کے بارے میں نہیں کہہ سکتے ہیں مگر یہ لوگ جس طرح جا کر کام کر رہے ہیں، میں حیران ہوں ان کی ہمت پر۔ بغیر کسی PROPER راستے کے ان پہاڑی گاؤں میں لوگوں تک مدد پہنچانا۔ سننے اور پڑھنے کی حد تک تو آسان لگتا ہو گا مگر عملاً بے انتہا مشکل ہے۔'' اس کا اس قدر دو ٹوک انداز

میں بولنا ایک لمحے کو سب کو ہی ساکت کر گیا۔

''ارے بھئی یہاں کیا گوند گر گئی ہے جو آ رہا ہے یہیں چپکتا جا رہا ہے۔ بچہ شام سے آیا بھوکا بیٹھا ہے چلو بنی، مہر پانچ منٹ کے اندر چینج کر کے آؤ اور کھانا لگاؤ۔'' مسز صدیقی کی مداخلت ایک نہ ختم ہونے والی بحث کو سمیٹ گئی۔

خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ کھانے کے دوران وہ سحر اور بنی سے فقرے بازی میں مصروف رہا۔ سحر اس کی کمپنی میں بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ وہ تھا ہی اس قدر چلبلا سا۔

کھانے کے بعد مہر نے خاموشی سے برتن سمیٹے اور کچن میں جا کر سب کی مشترکہ فرمائش پر قہوہ بنانے لگی۔ مسز صدیقی نے سارا کھانا خود بنایا تھا لہٰذا تھکاوٹ کے سبب سونے چلی گئیں۔ ویسے بھی وہ جلدی سو جاتی تھیں۔ وہ اور راحیل وہیں اپنی دو سال سے جمع یادوں کی پٹاری کھول کر بیٹھ گئے۔ صرف چند ماہ کے فرق سے دونوں نہ صرف ہم عمر بلکہ گہرے دوست بھی تھے۔ پھپھو کے ہر سال چھٹیوں میں پاکستان آنے کی وجہ سے ہزاروں میل کا فاصلہ بھی ان کو سمٹا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ بنی کے پچھلے سال نہ آنے کی وجہ پوچھنے پر بتایا کہ ''نئی نئی جاب لگی ہے۔ اب کمپنی ڈیڈی کی تو ہے نہیں کہ مہینہ بھر چھٹیاں لینے پر کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔''

''تو ابھی کیسے لے کر آ گئے؟'' اس نے جرح کی۔

''ہماری کمپنی آپ کی سرزمین پاک سے تیل کی تلاش کے ایک معاہدے پر کام کر رہی ہے اور میں یہاں اس پروجیکٹ کا انچارج بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' اس نے فرضی کالر اکڑائے۔

''مائی گاڈ۔ تم جیسے نالائق، نان سیریس شخص کے ہاتھوں میں آخر اس قدر بڑا پروجیکٹ دیا کیسے انہوں نے۔'' اس نے نہایت دل جمعی سے مونگ پھلی پھانکتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''ہر کوئی تمہاری طرح جل ککڑا نہیں ہوتا ناں۔ خود تو ڈالرز کماؤ مگر دوسرے کی ترقی سے سڑو۔'' راحیل کا انداز صاف جلانے والا تھا۔

''ارے ارے...... مطلب کیا ہے تمہارا میں اور تم سے جلوں گی۔ مسٹر راحیل حسن کسی سے جلنے کے لیے اس میں کسی قسم کے گن کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے اور تمہارے پاس سوائے اُلٹے سیدھے فیشن اور درجن ڈیڑھ درجن گوری کالی، نیلی پیلی گرل فرینڈز کے رکھا ہی کیا ہے۔'' ...... وہ بھنا ہی تو اٹھی تھی۔

''دیکھا دیکھا پھر جلی نا...... جلی نا...... میری سہیلیوں سے۔'' اس نے تیزی سے جملہ اُچکا۔

''بکو مت اور سدھر جاؤ۔ ورنہ ساری زندگی خوب سے خوب تر کے چکر میں ہی کنوارے بیٹھے رہ جاؤ گے۔'' اس نے ڈرانا چاہا۔

''ناممکن میرے جیسا ہینڈسم، خوش اخلاق

بذریعہ ڈاک
خواتین و حضرات گھر بیٹھے داخلہ لیں

انگلش لینگویج کورس	ایئر ہوسٹس	ہوم اکنامکس	بیوٹی پارلر کورس
ریفریجریشن ایئر کنڈیشننگ	الیکٹریکل	بوتیک فیشن	آلو سر وسنگ
ریڈیو ٹی وی وی سی آر مکینک	الیکٹریشن	ڈرافٹس مین	ڈرائنگ پینٹنگ
اسکول ٹیچنگ میتھڈ	صحافت	فوٹو گرافی	انٹیریئر ڈیکوریشن
امپورٹ ایکسپورٹ / شمسی توانائی	مہر سازی	سلمنگ بیوٹی	حکمت / اردو ادب
موٹر سائیکل مرمت / لائبریرین	کمپیوٹر	کوکنگ بیکنگ	لیڈیز ٹیلرنگ
ایگریکلچر سپروائزر (جدید زراعت)	میڈیکل ایڈ	آئل پینٹنگ	ڈینٹل ٹیکنیشن
پولٹری ڈیری فارمنگ	نیوز رپورٹر	فلاور میکنگ	پبلک ریلیشن آفیسر

یہ تمام کورسز اردو میں سینکڑوں تصاویر اور ڈایاگرام کے ساتھ پرنٹڈ کتب کی صورت میں بذریعہ ڈاک لڑکے لڑکیوں کو گھر پر کرائے جاتے ہیں۔ کورس کے دوران اور سند لینے کے بعد بھی مکمل راہنمائی۔ ایک وقت میں ایک کورس میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ جوابی لفافے کے ساتھ خط لکھیں۔

اسلام آباد اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر 1237 جی پی او، اسلام آباد

بھاری تنخواہ کمانے والا...... جس پر ہاتھ رکھ دوں میرا ہو جائے۔ کرلو تم اسے نوٹ آج کی تاریخ میں۔"

"بڑے بول مت بولو راحیل۔ حرکتیں دیکھو اپنی۔"

"دیکھو ہنی۔ مجھے سب کا تو پتا نہیں مگر ایک لڑکی کے بارے میں کنفرم جانتا ہوں کہ اگر ساری دنیا نے بھی انکار کر دیا تو کم از کم وہ تو مجھ سے ضرور شادی کرلے گی۔ میں اس کا اتنا ہی عزیز از جان ہوں۔" اس کا لہجہ ایکدم شرارتی ہوا۔

"آخر کو میری بچپن کی منگ ہے۔ ٹھیکرے کی منگ۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"بکو مت۔" مگر باوجود کوشش کہ اپنے چہرے کو بلش ہونے سے نہ روک سکی۔ راحیل کا قہقہہ کافی بلند تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور قریب پڑا کشن، کھینچ مارا۔

"ارے ارے خدا کا خوف کرو۔ ہاتھا پائی پر اتر آئی ہو۔"

"منہ دھو رکھو۔ میں اور تم سے شادی کروں گی۔ دنیا کے فلرٹ نمبر ون سے۔ کیا دماغ خراب ہے میرا؟"

"تو تمہاری بات کون کر رہا تھا؟...... بلاوجہ ہی خود کو ہیروئن سمجھ بیٹھی ہو۔" وہ مسکرایا۔

"اچھا تو ذرا بتانا کہ تمہاری بچپن کی منگ کون ہے۔" وہ غرائی۔

"آہا! تو آج اعتراف کرلیا ناں کہ مما اور ماما کے طے کیے رشتے کو تم زبان سے نہ مانو نہ سہی مگر دل میں تسلیم کرتی ہو۔" وہ بھی ایک نمبر کا تیز تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔ بس۔ کم از کم تم سے تو ہرگز شادی نہیں کرسکتی میں۔"

"ہاں تو میں بھی تو کافی عرصے سے سب کو سمجھا رہا ہوں کہ مجھے گھر بسانا ہے سر نہیں منڈوانا اپنا۔ خیر چھوڑو اسے یہ مس مہر... مس ورلڈ آپ کے ہاتھ کہاں سے لگیں۔ کیا اسٹوری ہے ان کی؟" اس نے موضوع بدلا۔

"راحیل میری وارننگ ہے، مہر کو کبھی اپنی دلنواز حسیناؤں کی فہرست میں مت رکھنا وہ بہت دکھی لڑکی ہے ہم نے لاکھ جتن کے بعد اس کو زندگی کی طرف لوٹایا ہے۔" ہنی نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

"ارے دماغ خراب ہے کیا میرا کہ اپنے گھر کی لڑکیوں پر نظر رکھوں گا۔" وہ جھلا اٹھا تو وہ مسکرا دی۔

"یہ ہمیں بالاکوٹ سے ریلیف ورک کے دوران ملی تھیں۔" پھر اس نے اس کی تمام اسٹوری سنادی۔

"اوہ ویری سیڈ!" اس کا انداز افسردہ تھا۔

"تم لوگوں نے بہت اچھا کام کیا اگر میری کسی بھی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو کال می اینی ٹائم۔ بلا تکلف ہزار دو ہزار ڈالر تو میں بھی ڈونیٹ کرسکتا ہوں اس سے زیادہ نہیں۔ اوکے دو بجنے والے ہیں صبح تم نے آفس بھی جانا ہوگا۔ جاؤ سو جاؤ۔ میں ذرا ٹی وی دیکھوں گا۔ میرے سونے جاگنے کے ٹائم سیٹ ہونے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔"

"شب بخیر۔" وہ مسکرائی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

باہر سے بھیجے جانے والے امدادی سامان کی بڑی کھیپ ان کو موصول ہو چکی تھی۔ اس بار اس کی درخواست پر برف باری میں بچاؤ دینے والے پیکٹ زیادہ تھے اگرچہ برف باری کا موسم جا رہا تھا اور اب انہیں فوری طور پر متاثرہ علاقے میں پہنچانا تھا۔

"محب یہ سامان بہت قیمتی ہے۔ صرف یہ خیمہ ہی پینتیس ہزار تک کا ایک ہے لہٰذا ہمیں پوری احتیاط سے انہیں پہنچانا ہوگا۔"

"ہاں تو مسئلہ کیا ہے۔ ہو جائے گا۔" وہ بے پروائی سے چیونگم چباتا ہوا بولا۔

"محب پلیز بی سیریس...... پریس NGOS کو کٹہرے میں کھینچ رہا ہے کہ اس طریقے سے لوگ

مال بنا رہے ہیں۔ ہمیں بہت احتیاط کرنا ہوگی۔ نیک نامی سے بڑی اور کوئی دولت نہیں۔"

"ہنزل۔ یار آخر تمہارا پرابلم کیا ہے؟ کیوں بلاوجہ کی ٹینشن لے رہی ہو۔ ڈرنا ان کو چاہیے جو غلط کام کر رہے ہیں جب ہم ٹھیک ہیں تو ہماری بلا سے جو جس کے دل میں آئے کرے۔" محب بے فکر تھا۔

"ہاں مگر اس سے رضا کار بددل ہو رہے ہیں۔" وہ حقیقتاً پریشان تھی۔ محب ہم نے لوگوں کے لیے ایک فارم ڈیزائن کیا ہے اسے پھر سے دیکھ لو کہیں کوئی چیز کم نہ رہ جائے۔ مقامی لوگوں سے پوچھ کر ان کی ضروریات کی تصدیق وہاں فوج سے کروائی جاسکتی ہے۔ اس طرح صحیح حق دار کو ہی یہ خیمہ مل سکے گا۔ ورنہ اسد بتا رہا تھا کہ فوج نے ان ہی علاقوں میں کتنے ایسے کیسز پکڑے ہیں جو اپنی ضرورت سے زیادہ سامان لے کر بازار میں مہنگے داموں فروخت کر رہے ہیں۔"

"ہنی یار۔ کیوں فکر کرتی ہو کہہ دیا ناں میں ہوں نا۔" بلکہ ایسا کرتے ہیں اس بار یہ سامان فاروق اور جمیل کے ساتھ ہم لوگ بھی دینے جاتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"ہنزل کیا میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چل سکتی ہوں؟" وہ اپنے کام میں مصروف تھی مگر ان دونوں کے شمالی علاقہ جات اور کشمیر کیطرف جانے کا پروگرام سن کر رہ نہ سکی۔ ان چھ ماہ میں پہلی بار اس نے خود سے وہاں جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا ورنہ ہنزل کے ایک بار پوچھنے پر اس کی آنکھوں میں خوف و دہشت کے سائے دیکھ کر اس نے دوبارہ نہیں کہا۔

"تم! ہاں ہاں ضرور چلو۔ اچھا ہے ہمیں تمہارے علاقے میں اس کام میں سہولت ہو جائے گی۔"

"میری وجہ سے سہولت؟" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"میں تو خود اپنے علاقے میں مہمانوں کی طرح آئی تھی مہینے بھر کی چھٹیوں میں پندرہ دن تو ہمارے بچے اسلام آباد میں ہی ملنے ملانے گھومنے پھرنے میں نکل جاتے تھے چلیں خیر۔"

اگلے دن انہوں نے تیاری میں گزارے کیونکہ وہاں پر اس بار سردی کچھ زیادہ ہی پڑ رہی تھی۔ برف باری نے علاقے کو تقریباً ڈھانپا ہوا تھا۔ ایک کھلی پک اپ پر انہوں نے خیمے لوڈ کروائے اور خود اس علاقے میں ہی چلنے والی ایک جیپ مع ڈرائیور کے کرائے پر لے لی۔ اس بار ان کا ارادہ براستہ مری کوہالہ مظفر آباد سے ہوتے ہوئے باغ اور وہاں سے ناران اور واپسی میں بالاکوٹ رکنے کا تھا۔ اس تمام عرصے میں فوج کافی حد تک سڑکوں کی بحالی اور مواصلاتی رابطے بہتر بنانے کا کام کر چکی تھی مگر پھر بھی ابھی تک نیلم اور جہلم ویلی روڈ جگہ جگہ سے ادھڑی اور شکستہ تھی۔ ان علاقوں میں ڈرائیونگ یقیناً بہت خطرناک تھی۔ اسے محب کے جیپ ہائر کرنے کے فیصلے کی دانش مندی کا اندازہ ہوا۔ امیر بخش نہ صرف ایک ماہر ڈرائیور تھا بلکہ اس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھا اور مقامی زبان بھی روانی سے بول سکتا تھا۔ سو میں سے ستر کے قریب خیمے انہوں نے بری طرح متاثرہ علاقے باغ میں تقسیم کیے۔ یہاں سے ان کی اگلی منزل بالاکوٹ، کاغان، ناران اور ملحقہ علاقے تھے۔

"امیر بخش یہ راستہ ناران تک کا شارٹ کٹ تو ضرور ہے مگر بالکل خراب ہے۔ سنبھل کر کہیں ہم ہی نہ اوپر پہنچ جائیں۔" اس نے ڈرائیور کو سمجھایا۔

"فکر نہ کرو بی بی صاب ہم کو اپنا کام پتا ہے۔"

ڈرائیور گزشتہ دو دنوں سے ان کے ساتھ تھا اور ان کے کام کے طریقہ کار سے بہت متاثر بھی اس کے خیال میں اس نیکی میں اس کا حصہ جب ڈالا جاسکتا ہے تو وہ اپنے ہر ٹرپ میں اس کو ہی ساتھ لے کر آئیں اور انہوں نے وعدہ بھی کرلیا تھا۔ مہر زیادہ تر خاموش رہی تھی۔ اس نے کئی بار اس کی آنکھ کے

گوشے نم ہوتے دیکھے مگر پوچھنا مناسب خیال نہیں کیا۔ دن کے دو بجے کے قریب وہ ایک وادی نما علاقے سے گزر رہے تھے ان کا ارادہ شام سے قبل ناران پہنچ جانے کا تھا مگر خراب راستوں کی وجہ سے وقت کافی لگ رہا تھا اور موسم کے تیور بھی عنقریب برفباری کی پیش گوئی کر رہے تھے۔ اچانک گاڑی ایک طرف جھک گئی۔

اللہ خیر امیر بخش یہ کیا ہوا ہے؟'' وہ باہر نکلا اور چیک کیا۔

''اوہو یہ تو گڑبڑ ہے۔ یہ ایکسل کی پٹی ٹوٹ گئی ہے۔ ادھر کوئی مکینک ملے گی نہیں۔ ام خود ہی سب کرتا ہے۔'' امیر بخش اوزار سنبھالے گاڑی کے نیچے جا گھسا اور وہ چاروں ٹولیوں کی شکل میں نیچے اُتر آئے۔ وہ اور محب اب تک کے نکلنے والے سامان پر بات کرنے لگے۔ فاروق ڈرائیور کے ساتھ مل گیا جب کہ مہر خاموشی سے نیچے گہری وادی میں دوربین سے کچھ دیکھنے لگی۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد جب وہ فارغ ہوئے تو گاڑی میں بیٹھنے لگے۔

''مہر۔ مہر۔'' ہنزل نے آواز دی مگر جواب ندارد۔ وہ لوگ اب پریشان ہو گئے۔ چاروں اطراف دیکھا مگر وہ نہ تھی۔

''فاروق مہر کو تم نے کہیں جاتے دیکھا؟''

''نہیں میڈم میں تو ڈرائیور کے ساتھ تھا۔''

اچانک محب کو یاد آیا وہ سڑک سے نیچے ڈھلان کی طرف اتر رہی تھی۔ وہ تیزی سے اس جانب بڑھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے بھاگے، نیچے جھاڑیوں میں اسے اس کا اسکارف نظر آیا۔ وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ آگے بڑھا تو دل کے خدشات سامنے موجود تھے۔ وہ غالباً نیچے اُترنے کی کوشش میں سلپ ہو گئی تھی اور سر پر پتھر سے لگنے والی چوٹ سے بے ہوش تھی۔

اس نے لپک کر اسے اٹھایا۔ سر سے خون بہ رہا تھا۔ شکر ہے زیادہ شدید چوٹ نہیں آئی تھی۔ اسے لے کر آئے۔ ہنزل نے جلدی سے اس کی ڈریسنگ کی اور بہ مشکل پانی کے چند قطرے اس کے حلق سے نیچے اتارے وہ ذرا سی ہوش میں آئی۔ پہلے تو کچھ یاد نہ آیا مگر دوبارہ سوچنے پر نیچے گرے ہوئے مکانات کے قریب جانے کی کوشش میں پاؤں سلپ ہو جانا یاد آ گیا۔ سب کے پریشان چہرے...... وہ از حد شرمندہ ہوئی۔

''خاتون۔ کیا آپ کو زلزلے میں زخمی ہونے کا صدمہ اس قدر شدید تھا کہ چھ ماہ بعد آ کر پھر وہیں زخمی ہوئیں۔'' محب کے جملے پر سب ہنس پڑے۔ ہلکی ہلکی برف پڑنا شروع ہو چکی تھی مگر امیر بخش کی ماہرانہ ڈرائیونگ نے انہیں جلد ہی ناران پہنچا دیا۔ یہاں پر حالات بہتر ہو چکے تھے لہٰذا انہوں نے گرم دوپٹا اور دوسرے دیہاتوں میں پیکٹ دیے۔ مہر نے اپنا گھر اور والدین کی قبروں پر جانے کی فرمائش کی جسے کوئی بھی رد نہ کر سکا مگر وہاں جا کر اس کا بے حال ہو کر رونا اور زمین پر گر کر رونا سب کو پریشان کر گیا۔

''مہر اٹھو۔ اس طرح نہیں کرتے ہیں تمہارے اس قدر رونے سے انہیں تکلیف ہو گی اور تمہارے سر پر چوٹ بھی لگی ہوئی ہے۔ طبیعت خراب ہو جائے گی۔ بہ مشکل اس کو وہاں سے کھینچ کر واپس لایا گیا۔

واپسی کے سفر میں سب ہی افسردہ تھے مگر وہ دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو چکی تھی۔ ''پاپا آپ کا گھر اب ویران نہیں رہے گا۔''

☆☆☆

رمضان کی آمد آمد تھی۔ مسز صدیقی نے حسب روایت پہلے سے سودا منگوا کر اسٹور کر لیا تھا۔ سحر ان کی معاونت کے کام سے بہت خوش رہتی تھی۔ خصوصاً اس وقت جب وہ اور راحیل مل جایا کرتے تھے۔ مہر کی کم گوئی برقرار تھی۔ اچانک دماغ میں در آنے والے خیال نے ہنزل کو ایکسائٹڈ سا کر دیا۔ سیدھی مسز صدیقی کے پاس پہنچی۔

''امی اگر ہم راحیل کی شادی مہر سے کروا دیں تو کیسا رہے گا؟'' مسز صدیقی کے ہاتھ سے چھری چھوٹ گئی۔ وہ پالک بنا رہی تھیں۔

''باؤلی ہو گئی ہو کیا؟''

''کیوں امی۔ اس قدر خوبصورت بہو پا کر پھپو بھی خوش ہو جائیں گی۔'' اس نے پرزور انداز میں دلیل دی۔

''دماغ خراب ہوا ہے کیا۔ جاؤ یہاں سے۔'' ان کا انداز ناراضی لیے ہوئے تھا۔

''امی وجہ تو بتائیں۔ آخر کیوں؟ کیا برائی ہے راحیل میں؟''

''کوئی برائی نہیں۔ سوائے اس کے کہ عید کے چاند تمہاری اس سے شادی ہو رہی ہے۔ آپا بیگم نے ملک نے بات کر لی ہے راحیل ابھی سال چھ ماہ کے لیے ادھر ہی ہے وہ بھی آ جائیں گی اس سے بہتر ٹائم اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔'' وہ حق دق ان کی بات سُن رہی تھی۔

''امی جی...... راحیل سے...... میرا تو اس سے ایک لمحہ بھی گزارا نہیں ہو سکتا ہے اور آپ زندگی بھر کے لیے۔'' اس کے لہجے میں بے چارگی دکھ خوف سب ہی کچھ تھا۔

''ہنی بیٹا۔ یہ ایک دو دن کی بات نہیں عمر بھر کے فیصلے ہیں۔ آپا نے سب سے پہلے راحیل سے ہی پوچھا تھا۔ ہم ان والدین میں سے نہیں جو اپنے بچوں پر اپنی مرضی ٹھونستے ہیں۔ راحیل دل و جان سے اس رشتے کے لیے راضی اور خوش ہے۔ تم کو بھی علم ہے کہ آپا اور بھائی صاحب نے تمہیں بچپن کا مانگا ہوا ہے تو اب اس فضول ضد کا فائدہ؟'' ماں کی طویل نصیحت سن کر وہ چپ ہو گئی۔

''مگر امی!'' مہر کا کیا ہو گا۔ وہ اس علاقے میں دوبارہ واپس جانے کا کہہ رہی ہے کیا آپ اسے اکیلے جانے دیں گی بتائیں۔ نہیں نا مگر وہ کرے گی کیا۔ اسے جو کچھ بینک سے ملا تھا وہ اس نے اپنے گھر کی جگہ ایک اسکول کی عمارت کی تعمیر میں لگوا دیا تھا۔ اب تو بلڈنگ تیاری کے قریب ہے۔''

''ماشاءاللہ۔ اللہ اس بچی کو اس کارِ خیر کا اجر دے گا۔'' مسز صدیقی مسکرائیں۔

''کیسا اسکول بنایا ہے...... بچیوں کے لیے ہے کیا؟''

''جی دونوں کے لیے۔''

''مگر لڑکیوں کو داخلہ زیادہ ملے تاکہ وہاں لڑکیوں کی تعلیم کے رجحان کو بہتر بنایا جا سکے۔''

''افوہ امی! آپ کو یکایک اس پروجیکٹ سے کیا محبت ہو گئی۔ ادھر میری جان پر بنی ہوئی ہے۔'' وہ جھنجلا اٹھی۔

''ہنزل تمہاری ٹینشن بیکار کی ہے۔ راحیل کے بارے میں، میں نے مہر کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ بچی سن کر بہت خوش ہوئی تھی۔'' اس نے سر پیٹ لیا۔

''یعنی ڈگڈگی بجا کر رکھ دی آپ نے زمانے بھر میں۔''

''ہنزل! بس اب ایک بھی فضول بات نہیں ہو گی۔ جاؤ جو فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ بدلے گا نہیں مجھے کافی کام دیکھنے ہیں۔ تمہیں تو توفیق نہیں ہے کہ گھر میں رہو اور کچھ ہیلپ ہی کروا دو۔'' یہ کچھ کہنا سننا بے کار تھا لہٰذا وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی آئی۔ اب آخری ٹرائی راحیل کی کلاس لینے کی تھی مگر وہ بھی غالباً موقع دیکھ کر سائٹ ایریا پر نکل گیا تھا۔

''تم سے تو میں نمٹوں گی چیٹر۔'' وہ دانت کچکچا کر اس کا موبائل ملانے لگی مگر وہاں ریکارڈڈ میسج چل رہا تھا۔

''I KNOW YOU ARE MISSING ME''

☆☆☆

وہ چہرے پر مسکراہٹ لیے رپورٹ فائنل کر رہی تھی ستائیس رمضان کو اس نے اسکول کا افتتاح مسز صدیقی کے ہاتھوں کروانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''اور سنائیں میڈم! بڑی مگن ہیں۔ سچ ہے جی

لوگ بڑی بے وفا ہوتے ہیں۔ مزدوری تک کروالی ہم سے اور اب چھوڑ کر جاتے وقت چہرے پر ذرا جو دُکھ ہو۔" محبّ نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے اسکول کی تعمیر کا کام محبّ نے اپنے کسی جاننے والے ایماندار ٹھیکیدار سے کروایا تھا اور وہ اس کے لیے اس کی شکر گزار بھی تھی۔

"پلیز محبّ آپ تو اب اس طرح کے طعنے مت دیں۔ یہ سب کچھ آپ ہی کی وجہ سے تو ممکن ہوا ہے۔" وہ ممنون لہجے میں بولی۔

"ارے ایسے طعنے نہ دوں تو کیا کروں فضول خرچی، میک اپ، کپڑے کے اخراجات، بجلی کے بل، دھوبی، دودھ والے کے پیسے کا طعنہ تو میں دے نہیں سکتا تمہیں۔"

"جی۔" وہ حسب توقع حیران و پریشان تھی۔

"جی!" اس نے نقل اتاری۔

"ارے بی بی یہ سارے اخراجات بیویاں بڑھاتی ہیں۔ نہ تو آپ بیوی بننے پر تیار ہیں اور نہ ہی ایسے کسی قسم کے شوق پالے ہیں پھر میں کیا کروں۔ تم ہی بتاؤ۔"

"جی میں کیا بتاؤں آپ کو؟" وہ ایک بار پھر بے چارگی کا شکار تھی۔

"اف میرے خدایا۔ یا تو عورت کو عقل دی تھی، تو اس کا استعمال بھی سکھاتا یا بالکل ہی فارغ کر دیتا۔ ہر بات کی تشریح اس کا حُسن ختم کر دیتی ہے۔ سمجھیں آپ۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"جی۔" اس نے جواباً سر ہلایا۔

"میری اماں کو افتتاح میں بلوایا ہے آپ نے؟" اچانک اسے ایک نئی سوجھی۔ وہ بوکھلا گئی۔

"وہ نہیں۔ ہنی...... ہی سب کو انوائٹ کر رہی ہیں۔ آپ لے آئیں مجھے خوشی ہوگی۔"

"واقعی۔" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ شفاف معصوم انداز۔ دل بے ساختہ اپنی چوائس پر جھوم اٹھا۔ "اور وہ آنٹی سے اگر کچھ بات کریں گی تو بھی کوئی اعتراض تو نہیں۔" کڑے انداز میں سوال آیا۔

"نہیں۔ مجھے کیوں ہونے لگا اعتراض۔"

"سوچ لیں۔" ایک بار پھر ڈرایا۔

"بے فکر رہیں۔ آنٹی تو ویسے بھی بالکل میری مما جیسی ہیں۔" وہ نہایت عقیدت سے بولی۔

"گڈ۔ تو بی بی آپ اپنی تمام تر سعادت مندی کا اظہار کر چکی ہیں لہٰذا غور سے سنیں۔ میری اماں آنٹی کے پاس ان کی دوسری بیٹی مہر ابراہیم کو اپنے ہونہار بیٹے محبّ علی کے لیے مانگنے آج شام کو افطار کے بعد جا رہی ہیں اور جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ خاکسار بھی آپ کو کچھ خاص ناپسند نہیں۔" لہجے کی شوخی اور بات کا مفہوم ہزار مغربی ماحول میں کی گئی تربیت کے باوجود چہرے کو رنگین کر گیا۔ اس نے آہستہ سے رخ موڑ لیا۔

"تھینکس مہر۔ تھینکس آ لاٹ۔"

☆☆☆

18 اکتوبر 14 رمضان کو مہر کے والدین کی پہلی برسی کا اہتمام مسز صدیقی نے اپنے گھر پر ہی کیا تھا۔ قرآن خوانی اور یٰسین شریف کے ختم کے بعد انہوں نے مہر کو بلا کر محبّ کی والدہ کی خواہش سامنے رکھی تو اس نے سر جھکا دیا۔ آج سے ٹھیک ایک سال قبل اللہ تعالیٰ نے اس سے ہر پیار کرنے والے رشتے کو چھین لیا تھا اور اس کے صبر اور حوصلے کے انعام میں اسے محبّ جیسا کیئرنگ شریک حیات...... ہنزل اور راحیل جیسے بہن بھائی اور مسز صدیقی کے روپ میں ماں واپس مل گئی تھیں۔

ایک طویل صبر آزما راستے پر چلنے کے بعد آج وہ ایک محفوظ اور پُرسکون زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی!! سچ ہے زخموں پر مرہم رکھنے والے اب بھی اس دنیا میں زندہ ہیں۔

آج اس کی آنکھوں میں والدین کے غم کے ساتھ ساتھ آئندہ کی خوشگوار زندگی کا احساس لیے تشکر بھرے اشک بھی تھے۔

⁎ ⁎

فکاہیہ کالم

دھنک رنگ

عقل مند لوگ

انجم انصار

جب اماں پرلے درجے کی کنجوس ہوں...... اور سب بہنیں بھی کسی کو تحفہ دینے کی قائل نہ ہوں، ایسے میں شاہد بھائی کی عیدی جانا...... ایک مسئلہ بن گئی تھی۔

"اللہ اللہ کر کے شاہد بھائی کی منگنی بڑے ارمانوں کے ساتھ ہوئی...... اور کیوں نہ ہوتی...... وہ ہم ساتوں بہنوں کے اکلوتے دلارے اور پیارے سے بھائی تھے۔

اماں نے کوئی دو درجن لڑکیاں رد کی تھیں اور ہم بہنوں نے محلے کے محلے...... علاقے کے علاقے چھان مارے تھے...... جب کہیں جا کر فرزانہ پسند آئی تھی۔

منگنی کے بعد پہلی عید آ رہی تھی...... اماں کا خیال تھا رمضان کے دوسرے ہفتے میں ہم فرزانہ کی عیدی لے جائیں اور تیسرے ہفتے میں وہ لوگ شاہد بھائی کی عیدی لے آئیں...... مگر عیدی جانا ہی مسئلہ بن رہی تھی۔

بڑی آپا کا کہنا تھا۔ "پہلی عید ہے چوڑی دار پاجامے کا سوٹ، اس کے ساتھ میچنگ جیولری، ایک پرس، سینڈل، میک اپ کا سامان اور چوڑیاں جائیں۔" مگر اس پیکج کا بجٹ آٹھ ہزار سے دس ہزار تک میں بن رہا تھا۔

اماں نے صفا چٹ انکار کر دیا...... "پاگل ہو گئی ہو تم لوگ، اگر عید پر میں دس ہزار خرچ کر دوں گی تو کیا بری کے کپڑوں پر ایک لاکھ لگاؤں گی۔ اپنی اوقات کے حساب سے چلو۔"

"اچھا تو آپ ہی بتا دیجیے کہ آپ کے حساب سے فرزانہ کی عیدی میں کیا جانا چاہیے......؟" چھوٹی باجی نے تمسخر سے پوچھا۔

"کوئی سا ایک جاپانی سوٹ لے لو، پانچ سو روپے میں کپڑا آ جائے گا۔ گھر میں خود ہی سی کر لے جاؤ۔ جوڑے کے ساتھ پچاس روپے کی چوڑیاں لے لو اور ایک مٹھائی کا ڈبا...... لو ہو گئی عیدی ایک ہزار میں ہی نمٹ جائیں گے۔"

"اماں ایسی عیدیاں قیام پاکستان سے پہلے جاتی ہوں گی۔ اگر اتنی بری عیدی آپ لے کر جائیں گی تو قسم خدا کی میں نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ۔" میں نے غصے سے کہا۔

"اے ہے...... ننھی کو کا ہے کو غصہ آ رہا ہے، فرزانہ کیا ان کی بہن ہو گئیں...... جو ان کو برا لگ رہا ہے۔ اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم لڑکے والے ہیں...... لڑکے والے تھوڑی خرچہ کرتے ہیں۔"

"آپ لوگ تو چاہیں گی ناں کہ شاہد بھائی کی عیدی زوردار آئے۔" میں نے اپنا غصہ پیتے ہوئے ان سے پوچھا۔

"اے لو...... وہ تو آئے گی ہی...... میرا منتوں مرادوں کا ایک ہی بچہ ہے...... کیا میں اس کی خوشیاں بھی نہیں دیکھوں گی؟"

"آپ کا کیا خیال ہے فرزانہ کے گھر سے شاہد بھائی کی عیدی میں کیا کچھ آنا چاہیے؟"

"جو دنیا میں دامادوں کے لیے آتا ہے...... وہی آئے گا۔" اماں نے کھسیا کر ہنس کر کہا۔

"پھر بھی آج کل کیا ریٹ چل رہا ہے عیدی کا؟"

"اری باؤلی مجھ سے کیا پوچھ رہی ہے، پچھلے سال اپنے لندن ماموں کی عیدی نہیں دیکھی تھی اور آپا مکھن کے گڈو کی عیدی نے تو پورے خاندان میں دھوم مچا دی تھی۔"

"ہمارے ہاں بھی وہی آ جائے گا جو چل رہا ہے۔ نماز کے لیے کرتا شلوار۔ ایک پینٹ شرٹ کا جوڑا اور

ایک گرم سوٹ۔ ایک پشاوری چپل اور ایک جوڑی جوتا۔ شیونگ کا سامان، پرفیوم، مٹھائی کے چار ٹوکرے۔ ساس کا شیفون چکن کا جوڑا۔ ساتوں بہنوں کے سلک کے سوٹ اور کامدانی کے دوپٹے اور بے چاری ساس کے لیے ہلکا پھلکا سا کوئی زیور۔ اور بس...... لڑکے کی عیدی میں ہوتا ہی کیا ہے۔'' اماں نے لمبی چوڑی تفصیل بتا کر بیٹیوں کو فخر سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں کہ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں!

''اماں! ایک ہی تو ہمارا بھائی ہے۔ کیا پہلے پہل عیدی پر بہنوں کے لیے کوئی زیور نہیں آئے گا۔'' چھوٹی باجی نے خاصا تڑپ کر کہا۔

''ارے واہ کیوں نہیں آئے گا۔ کوئی وہ لوگ گرے پڑے تھوڑی ہیں، اتنی بڑی کوٹھی میں رہتے ہیں...... سب سے چھوٹی بیٹی ہے فرزانہ کیا وہ لوگ اپنے ارمان بھی نہیں نکالیں گے۔'' بڑی آپا نے گرہ لگائی۔

''اگر کسی کو کچھ نہیں دیا تو آپ لوگ کر ہی کیا سکتے ہیں؟'' مجھے سب کی باتیں سن کر غصہ آ رہا تھا۔

''دیکھ نھی تیری بڑی کالی زبان ہے، خواہ مخواہ تو اس معاملے میں دخل نہ دے...... ہم نے اونچی جگہ اس وجہ سے تو نہیں ہاتھ مارا کہ بھائی کے لیے کوئی ایسا روتا پیٹتا جوڑا آ جائے جسے دیکھ کر صبح دس اور شام کو پچاس گالیاں سنانے کو دل چاہے۔''

'آپا...... آپ لوگ بھابی کے لیے تو کچھ نہیں لے جانا چاہتی ہیں...... مگر یہ سب کی خواہش ہے کہ ہمارے ہاں ہر چیز آئے اور خوب اچھی آئے!''

''ارے کوئی دنیا سے انوکھی خواہش تھوڑی ہے ہماری...... ایک تو ہم ان کی لڑکی سار کر رہے ہیں۔ ان کو تو ہمارا احسان مند ہونا چاہیے تھا...... ورنہ کیا آج کل اچھی اچھی لڑکیاں بیٹھی نہیں رہ جاتیں، کہاں ملتا ہے ان کو بر......'' ساری بہنیں مجھ پر چڑھ آئیں۔

''فرزانہ بھابی کی عیدی اچھی جانی چاہیے۔ اکلوتی ہماری بھاوج ہیں، آخر ان کے دل میں بھی تو ارمان ہوں گے کہ ان کی سسرال سے اچھی اچھی چیزیں آئیں۔'' میں بدستور اپنے مؤقف پر قائم تھی۔

''اری پگلو...... تجھے کیا پتا دنیا داری کا...... یہ سب ارمان لڑکی والوں کو دکھانے پڑتے ہیں...... تاکہ سسرال والوں کا دل ٹھنڈا رہے۔ ان کے دل میں لڑکی کے لیے محبت آئے۔'' باجی تمسخر بھرے لہجے میں مجھے لتاڑ رہی تھیں۔

''جب آپ ان کے ہاں سے آیا ہوا جوڑا پہن کر مٹکیں گی تب ہی آپ کے دل میں محبت پیدا ہوگی......'' میں نے جرح کی۔

''ہاں یہ تو دنیا کا دستور ہے...... تحفہ دینے سے محبت بڑھتی ہے۔''

''مگر ہمارے ہاں تو صرف تحائف لینے سے محبت بڑھتی ہے اور تحائف دینے سے محبت ختم ہوتی ہے۔''

''نھی...... جو بات پتا نہ ہوا کرے اس میں بولو متی......'' اماں نے بڑے خاص لہجے میں کہا۔ اس طرح کے جملے وہ اسی وقت بولا کرتی تھیں...... جب انہیں حد سے زیادہ غصہ آیا کرتا تھا۔

''نہ جانے کتنی میٹنگز ہوئیں اور کتنی ہی لڑائیاں...... تب کہیں جا کر فرزانہ بھابی کی عیدی بنی...... مقررہ وقت پر گیارہویں روزے کو ہم سب بہنیں بساط سے بڑھ کر تیار ہو کر فرزانہ بھابی کے ہاں پہنچے...... سوٹ انتہائی گھٹیا تھا۔ اس کا میچنگ کا دوپٹا پچھلے سال بڑی آپا کے سوٹ کا رکھ دیا تھا۔ (ان کا سوٹ جل جو گیا تھا)

جمعہ بازار کی سستی والی چوڑیاں جوتے کے ڈبے میں رکھی تھیں۔ ہاں مٹھائی کا دو کلو کا ڈبا لیا گیا تھا جس میں ایک کلو مٹھائی رکھوائی گئی تھی۔

سیل میں ایک چپل سو روپے کی مل گئی تھی۔ وہ فرزانہ بھابی کے پیر سے ایک نمبر بڑی تھی...... اماں نے یہ کہہ کر خرید لی تھی کہ سردیوں میں موٹے موزے پہن کر یہ سینڈل بالکل ٹھیک آئے گی۔

ہماری عیدی دیکھ کر فرزانہ، اس کی بہنوں اور ساری بھابیوں کا منہ فق سا ہو گیا! تعریف کا ایک جملہ بھی ان کے لبوں سے نہیں نکلا۔

بہت اچھی افطاری اور بہت اچھا کھانا کھا کر جب ہم ان کے ہاں سے چلے تو اماں نے بطورِ خاص کہا۔

''آپ کے جمعے کو آپ لوگ شاہد کی عیدی لے کر آیئے گا اور روزہ بھی ہمارے گھر کھولیے گا۔''

''روزہ ہم اپنے گھر سے کھول کر آئیں گے۔'' فرزانہ کی بڑی بہن نے عیدی کے جوڑے کو دیکھتے ہوئے کہا تو اماں نے جھٹ ان کا جملہ گود لے لیا اور ہامی بھرتے ہوئے کہا۔ ''جیسی آپ کی مرضی۔ میرا تو خیال ہے آپ لوگ کھانے وانے سے فارغ ہو کر گیارہ، بارہ بجے تک آ جایئے گا ہم لوگ تو خاصی دیر سے سوتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ہم لوگ تراویح سے فارغ ہو کر آئیں گے۔''

پورا ہفتہ پھر سے گزر گیا...... شاہد بھائی نے کئی بار اماں کو سمجھایا کہ سمدھیانے والوں کو فون کر دیں کہ وہ لوگ روزہ ہمارے ہاں افطار کریں مگر اماں نے انہیں جھڑک کر کہا۔ ''ارے ہم نے تو ان سب کو دعوت دی تھی مگر وہ لوگ روزہ خود ہوں گے جب ہی تو ہامی نہیں بھری۔''

''اچھا آپ ان سے یہ تو کہہ دیں کہ ہمارے گھر کھانا تو کھا لیں۔'' شاہد بھائی کا لہجہ التجائی سا تھا۔

''ارے پاگل ہو گیا ہے کیا...... اتنا بڑا خاندان ہے ان کا۔ ایک ایک بیاہی بہن کے پانچ پانچ بچے ہیں۔ چھ بڑے بھائی، ان کی بیویاں ان کے بچے...... مجھے کیا اپنے گھر میں برات بلانی ہے جو کھانے کو پوچھوں گی۔ اول شب آئیں گے تو چائے پلا دیں گے اور اگر دیر سے آئے تو شربت پلا دیں گے...... اللہ اللہ خیر صلا...... عیدی ہی تو لا رہے ہیں کوئی ہمارے سر پر احسان تو نہیں کر رہے ہیں۔ ہم بھی فرزانہ کے لیے خوب اچھی عیدی لے کر گئے۔ اگر وہ لے آئیں گے تو کون سا تیر ماریں گے!''

''ٹھیک ہے مگر چائے کے ساتھ لوازمات اچھے رکھیے گا۔'' وہ بڑے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''دنیا دیکھی ہے میں نے، کیا ہو رہا ہے اور کیا کرنا چاہیے...... سب جانتی ہوں۔''

بیرون ملک مقیم قارئین

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ ماہنامہ پاکیزہ

ماہنامہ سرگزشت اور ماہنامہ دلکش

کے

سالانہ خریدار

بن کر بذریعہ رجسٹرڈ ائر میل
اپنا پسندیدہ ڈائجسٹ گھر بیٹھے حاصل کریں

ڈاک خرچ میں 100% اضافے کی وجہ سے غیر ممالک کے لئے زرِ سالانہ کی شرح مندرجہ ذیل ہوگی

ایشیا، یورپ اور افریقا کے لئے فی ڈائجسٹ

سالانہ ڈاک خرچ تقریباً	-/3080 روپے
12 شماروں کی قیمت	-/420 روپے
زرِ سالانہ	-/3500 روپے

امریکا، آسٹریلیا، کینیڈا اور نیوزی لینڈ کے لئے فی ڈائجسٹ

سالانہ ڈاک خرچ تقریباً	-/4080 روپے
12 شماروں کی قیمت	-/420 روپے
زرِ سالانہ	-/4500 روپے

اپنے ڈرافٹ اور منی آرڈر ادارے کے نام، ذیل میں درج پتے پر ارسال کریں۔ یہ کراچی میں قابل ادائیگی ہونا ضروری ہیں۔ بیرون شہر/ملک ادائیگی کے لئے بینک کمیشن کے دس ڈالر کے مساوی رقم کا اضافہ کریں۔

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C PHASE II EXTENSION,
D.H.A., MAIN KORANGI ROAD,
KARACHI 75500
PHONES: (92) (21) 5802552,
5804200 FAX: 5802551,
E-MAIL: jdpgroup@hotmail.com

اور پھر شاہد بھائی کی عیدی آ گئی۔ صرف ایک بہن اور ایک چھوٹا بھائی آیا تھا جو عیدی رکھ کر ضروری کام کا بہانہ کر کے فوراً ہی چلے گئے، نہ پانی پیا نہ شربت! ساری بہنیں اور اماں ڈبوں کے ریپر نوچ نوچ کر پھینکنے لگیں! شاہد بھائی کے لیے صرف ایک شلوار قمیص کا جوڑا تھا۔ اس کے ساتھ چپل بھی تھی ایک پرفیوم کی شیشی اور ڈھائی کلو مٹھائی اور بس۔"

آپا کو تو غش آ گیا...... باجی بھی اوندھے منہ بستر پر گر پڑیں...... بجو نے تو شلوار قمیص کا ڈبا دیوار پر دے مارا اور اماں مارے گھبراہٹ کے ہاتھ کا پنکھا ایسے جھلنے لگیں جیسے کباب والے کوئلوں کو دہکانے کے لیے جھلتے ہیں۔

"ارے کم بخت ماریوں نے ایسی ناس پٹی عیدی بھیجی۔" اماں نے سینے پر ہاتھ مار کر بین شروع کیے۔

"ان منحوسوں کو معلوم نہیں کہ ہمارا بچہ پینٹ شرٹ بھی پہنتا ہے۔ کیا اس کو نیچ قوم کا سمجھا تھا کہ شلوار قمیص کا جوڑا دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔ ناچے گا گائے گا...... ارے مجھے کیا پتا تھا کہ میں چالاکوں میں پھنس رہی ہوں کہ دکھیا ساس کو ہری جھنڈی دکھا دی، نہ شال، نہ سوئیٹر، نہ جوڑا اور نہ کوئی ہاتھ کا چھلا!"

"اماں...... ہمارا ایک ہی بھائی...... اور ہمارے لیے ان کم بختوں نے ناک پونچھنے کے لیے ایک رومال تک نہ بھیجا۔" بڑی آپا نے روتے ہوئے کہا۔

"میری بچی ہلکان مت ہو...... ابھی کچھ نہیں بگڑا میں کل ہی بڑی چچی کو فون کرتی ہوں۔ کہاں پھنسا دیا آپ نے ہمیں...... ایسے ہوتے ہیں سمدھیانے والے...... جو لڑکوں والوں کی عزت بھی نہیں کرتے، کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں...... بعد کو تو نہ جانے کیا کچھ کریں گے!" اب وہ پھکا پھک رو رہی تھیں۔

اگلے دن بڑی چچی کو بلایا گیا اور کہا گیا کہ "ہم شاہد کی منگنی توڑنا چاہتے ہیں۔ ایسے کنجوس اور چھوٹے لوگوں کے ساتھ ہماری نبھ نہیں سکتی۔"

"مگر آپ تو فرزانہ کی خوبصورتی پر فریفتہ ہوئی تھیں، اس کی تعلیم سے متاثر ہوئی تھیں، ان کا گھرانا بہت اچھا لگا تھا۔"

"ارے گولی مارو ان باتوں کو۔ خالی شکل ہمیں کیا چاٹنی ہے۔ ان کے تو ایسے رنگ ڈھنگ ہیں کہ میری بچیوں کا تو دل مسوس کر رہ جائے گا!"

"مگر بھابی...... اب منگنی کے بعد ایسی باتیں نہیں ہونی چاہئیں...... انہوں نے تو آپ کی عیدی میں کوئی کیڑے نہیں نکالے!" چچی نے سمجھانے کی سعی کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا...... منگنی تو ویسے بھی ڈھکنی ہوتی ہے۔ لڑکی والوں کے ڈھنگ دیکھے جاتے ہیں...... اور یہ فرزانہ کا خاندان بری طرح فیل ہو گیا ہے۔ میرا ایک ہی بچہ ہے۔ ایسے کنجوس لوگوں میں ہرگز شادی نہیں کرنے کی!" اماں کا لہجہ حتمی تھا...... تب عید سے پہلے پہلے منگنی ٹوٹ گئی۔

اگلا نشانہ...... بڑے سمجھدار لوگوں کا تھا۔ انہوں نے منگنی کے بعد صرف ایک ماہ شادی کرنے کے لیے مانگا اور ایک ماہ میں، ہم سب لوگوں کی اتنی دعوتیں کیں اتنا کھلایا کہ جب ہم ناصرہ کے گھر سے آتے تو سب بہنوں کو الٹیاں آ رہی ہوتیں (حلق تک جو بھرتی تھیں)

چٹ منگنی کے بعد پٹ شادی ہو گئی...... مگر لڑکی والوں نے خاطر داری سے یکدم ہاتھ روک لیا۔ بے غیرت بن کر بہنیں چلی بھی جائیں تو وہ پانی کو نہیں پوچھتے...... اور ہم سب بہنوں کی پھٹاؤنیاں ایسی آئی تھیں کہ اس سے کہیں اچھا ہم فرزانہ کے لیے جوڑا لے کر گئے تھے۔

اماں فارغ اوقات میں خوب روتی ہیں اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر فرزانہ کو کوستی ہیں۔ جس نے ایسا جادو کروایا کہ اچھے بھلے سمدھیانے والے از خود برے بن گئے۔

اور اس میں سارا ہاتھ ان ہی لوگوں کا ہے...... جن سے ہم نے منگنی توڑی تھی۔

جب کہ میرا یہ خیال ہے کہ ناصرہ کے گھر والوں نے کچھ زیادہ ہی عقلمندی دکھائی...... دانہ دے کر پورا کٹورہ اٹھا لیا!

❄❄

فرزانوں میں دیوانہ

امر جلیل

کوئی نہ مل سکا رہِ ہستی میں آشنا
ہم رہروؤں کی صورتیں پہچانتے رہے

اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں پر سب ہی فخر کرتے ہیں مگر کارنامے بھی وہ جو واقعتاً قابلِ فخر ہوں...... ایسے ہی کسی خاندان کا وہ بھی چشم و چراغ تھا مگر اپنے باغیانہ خیالات کا کیا کرتا جو کسی طور اس کے خاندان سے میل نہ کھاتے تھے۔

دیوانگی کی حدود کو چھونے والے ایک فرزانے کا قصہ

گھر کے ہر فرد کو مجھ سے ہمیشہ شکایت رہی ہے۔ وہ مجھے کندہ ناتراش، نا سمجھ، احمق اور نہ جانے کیسے کیسے القابات سے نوازتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر جب سے میں نے بی اے کی ڈگری لی ہے تب سے گویا ہمارے گھر میں اُدھم سا مچا ہوا ہے اور میں عجیب مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

میں عادات اور افعال میں اپنے بہن بھائیوں سے بالکل مختلف ہوں۔ اس حقیقت کا اظہار میری ماں اپنی سہیلیوں اور پڑوسنوں کے سامنے اکثر کرتی رہتی ہیں۔ "نہ جانے کس پر گیا ہے۔ میرے چاروں

بچوں سے الگ ہے۔ عزیز گزیٹڈ آفیسر ہے...... کریم تو دیکھتے ہی دیکھتے دواؤں کے کاروبار میں قابل ہو گیا ہے۔ بلقیس ڈاکٹر ہے اور نجمہ انگریزی کی لیکچرار ہے لیکن یہ اجو......! کہتا ہے کہ میں مزید پڑھوں گا ہی نہیں۔"

نہ جانے کس طرح بے زاری سے گویا سانس روک کر میں نے بی اے کا امتحان دیا تھا۔ میرے والد بڑے اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ انہوں نے سفارشیں چلا کر مجھے سیکنڈ کلاس میں پاس کرایا تھا۔ بی اے کرنے کے بعد سب نے اصرار کیا کہ میں علم سیاست میں ایم اے کر لوں لیکن میں نے رکھائی سے انکار کر دیا۔

"بے وقوف!" میرے انکار پر بھائی نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

میرا بڑا بھائی عزیز، سماجی بھلائی اور بہبود کے ادارے میں بہت بڑا آفیسر ہے۔ دراز القامت، خوبرو، ذہین اور ہنس مکھ جوان ہے۔ جب تک اس کی شادی نہیں ہوئی تھی وہ کلبوں کا روح رواں ہوتا تھا۔ کلبوں کی لڑکیاں بھی اس پر جان دیتی تھیں جب کبھی اسے موقع ملتا تھا تو وہ بابا کی کار پر کسی خوبصورت لڑکی کے ساتھ ہاکس بے جا کر رات گزار آتا تھا۔ اب اس کی شادی ہو گئی ہے اور اپنی چنچل سالیوں کی اردلی میں ہے۔ اس کا سسر ایک کارخانے کا جنرل منیجر ہے۔

بھائی کی سالیاں سینٹ جوزف کالج میں پڑھتی ہیں۔ میں تو انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ میں نے ایک دن بنگلے کے لان میں ان کی گفتگو سنی تھی۔

"اجو! اف، عجیب بے وقوف ہے۔"

"بالکل گدھا ہے۔"

عزیز اور کریم کیسے ہینڈسم ہیں۔"

"اور نجمہ تو اس گھرانے کی سب سے ذہین فرد ہے۔"

"وہ کہانیاں بھی تو بہت اچھی لکھتی ہے۔"

میری بہن نجمہ، جس نے انگریزی میں ایم اے کیا ہے۔ کہانیاں بھی لکھتی ہے۔ اس کے افسانے سندھی اور اردو رسالوں میں چھپتے ہیں۔ افسانوں کے ساتھ اپنا فوٹو بھی دیتی ہے۔ کہانی چھپنے کے بعد اسے آٹھ دس عشقیہ خطوط ملتے ہیں۔ ایسے خط پڑھتے ہوئے میں نے اکثر اس کے چہرے پر خوشی لہراتے ہوئے دیکھی ہے لیکن مصنوعی غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہتی ہے۔ "سلی"

نجمہ، بابا کو جب ایسے خطوط دکھاتی ہے تو وہ کہتے ہیں۔ "ہمیں یورپ میں رہنا چاہیے تھا۔ یہاں کے لوگ جاہل ہیں۔" ایسی باتیں کرنے کے بعد اکثر پائپ کا گہرا کش لے کر اپنی آرام کرسی پر دراز ہو جاتے ہیں۔ "آہ، کیسے اچھے دن ہوا کرتے تھے۔" یہ بابا کا مخصوص جملہ ہے۔

بابا نے انگریزوں کی بڑی خدمت کی جب ہر طرف انگریزوں کے خلاف تحریکیں جاری تھیں اور ملک بھر میں آزادی کی ہلچل مچی ہوئی تھی...... تب بابا رازداری کے ساتھ ... آزادی کے بانیوں کے نام انگریزوں تک پہنچاتے ... آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والے رضاکاروں میں شامل ہو کر ان کے راز معلوم کرتے پھر ... سرکار کے گوش گزار کر دیتے۔ انگریز ان کی وفاداری اور انتھک محنت سے بہت خوش تھے انہیں خان بہادر کا لقب عطا ہوا اور سندھ کے ایک زرخیز علاقے میں تین سو ایکڑ زمین بھی بخشش کے طور پر پیش کی گئی۔ بابا کی خان بہادری کی سند ہمارے ڈرائنگ روم میں نمایاں جگہ پر آویزاں ہے۔

میں نے جب بی اے کی ڈگری لینے کے بعد مزید پڑھنے سے انکار کر دیا تو بابا نے مجھے اپنے ... بلوایا۔ اول ڈانٹا پھٹکارا، دھمکایا۔ جب ... نہ ہوا تو ایک دم ان کا لہجہ بدل گیا۔ "اچھا ... ایس پی کی تیاری کرو۔ کچھ ممبر میرے واقف ... بن جائے گا۔"

"میں کتابوں سے بیزار ہو گیا ہوں۔" ... جواب دیا۔

"وہاٹ!" بابا تقریباً چیخ پڑے۔ "آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے سوچنے کی مہلت دیجیے۔"

"مہلت......!" بابا غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "یہ رفتار اور ترقی کا دور ہے۔ دنیا تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے...... اور تم سوچنے کے لیے مہلت مانگ رہے ہو؟"

"راکٹ، میزائل، نیوکلیئر بم، سب تیز رفتار ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "دنیا واقعی ترقی کر رہی ہے لیکن مجھے سوچنے کی مہلت دیجیے۔"

میں دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال کر بابا کے کمرے سے نکل آیا۔ عقب میں، میں نے انہیں ... تے ہوئے سنا۔ "نجمہ! اس بے وقوف اجو کو سمجھاؤ۔"

نجمہ مجھ سے سخت نفرت کرتی ہے۔ میں عمر میں اس سے چھوٹا ہوں لہٰذا اس کی ڈانٹ ڈپٹ بھی سننی پڑتی ہے۔ وہ میرے مسلے ہوئے میلے کپڑے، الجھے ہوئے خشک بال اور بڑھی ہوئی شیو دیکھ کر کہتی ہے۔ "تم ہمارے خاندان پر ایک بدنما داغ ہو۔"

میں اسے کوئی جواب نہیں دیتا۔ اسے خاندانی ... کا بہت احساس ہے۔ وہ روزانہ کبھی ساڑھی، کبھی غرارہ اور کبھی شلوار قمیص پہن کر کالج پڑھانے جاتی ہے لیکن یہ اس کا معمول ہے کہ شام کو کلب جاتے وقت بغیر آستین کا بلاؤز اور شوخ رنگ کی ساڑھی لپیٹ لیتی ہے۔ اسے پینسل ہیل سینڈل پسند ہیں۔ وہ بڑے فخر سے بتاتی ہے کہ مشہور امریکی سنگر اور ایکٹر ایلوس پریسلے اس کا قلمی دوست ہے۔ ہمارے خاندان میں سب سے ذہین، نفیس اور مہذب سمجھا جاتا ہے۔

بابا کی ہدایت پر وہ مجھے سمجھانے آئی۔ "آخر تم کیا چاہتی ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"کچھ بھی نہیں!" نجمہ نے غصہ دباتے ہوئے کہا۔ "ذرا سوچو تو سہی تم کتنے بڑے خاندان کے فرد

علاج

ایک آدمی...... ڈاکٹر سے: "ڈاکٹر صاحب! میرے بیٹے کا قد نہیں بڑھ رہا اس کا کوئی علاج بتائیں؟"

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اس کا نام مہنگائی رکھ دیجیے خود بخود بڑھنے لگے گا۔"

☆☆☆

ہو۔ عزیز بھائی جان اور کریم بھائی جان کو دیکھو انہوں نے کس طرح اپنے لیے بلند مقام حاصل کیا ہے۔ بلقیس آپا ڈاکٹر ہیں اور میں......"

نجمہ اپنے بارے میں کچھ بتاتے ہوئے ہچکچائی تو میں نے اس کا جملہ مکمل کیا۔ "اور تم انگریزی کی لیکچرار، ایلوس پریسلے کی دوست اور مشہور افسانہ نگار ہو۔" میں نجمہ کو چھوڑ کر باہر نکل آیا۔

جب انگریز آقا تھے اور ہم غلام تب ہمارے گھر میں بابا کو ڈیڈی اور امی کو ممی پکارا جاتا تھا۔ تب ہم بچے تھے لہٰذا کڈز کہلاتے تھے اللہ کا کرم ہوا اور انگریز رخصت ہو گئے اب ہمارے گھر میں ممی کو امی، ڈیڈی کو بابا، بھائی کو بھائی جان اور بڑی بہن کو آپا پکارا جاتا ہے۔

میری آپا بلقیس ڈاکٹر ہے۔ اس کا کلینک وکٹوریا روڈ پر ہے اب تک اس نے شادی نہیں کی ہے۔ اماں شادی کے لیے اصرار کرتی ہیں تو وہ جواب دیتی ہے۔ "میں انسانوں کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ فی الحال میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

وہ سچ مچ انسانوں کی خدمت کرتی ہے۔ سرمایہ دار، کارخانے دار، زمیندار اور بیوروکریٹس کی بیویاں اس کے پاس آتی ہیں۔ مشورے کی فیس صرف ایک ہزار روپے لیتی ہے۔ ایک مرتبہ اس کی بوڑھی اور ضعیف ٹیچر خاتون جس نے آپا کو اسکول

میں بڑھاپا تھا شدید بیمار تھیں تو اسے بلوایا تھا لیکن آپا بلقیس نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

اماں نے سمجھایا تو اس نے کہا تھا۔ ''نچلے طبقے کے لوگوں کے پاس جانے سے قدر اور اہمیت گھٹ جاتی ہے۔''

ان اصولوں پر چلتے ہوئے آپا بلقیس بہت مشہور ہو گئی ہے۔ لاہور، راولپنڈی، پشاور اور کوئٹہ سے بڑے بڑے سیٹھوں کی بیگمات اس کے پاس علاج کی غرض سے آتی ہیں۔ ایسی خواتین کو صرف تین بیماریاں ہوتی ہیں۔ موٹاپا، تھکاوٹ اور چکر وغیرہ۔

بلقیس آپا نے بھی مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اجو! آخر تمہیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا ناں!''

''میں کچھ نہیں کروں گا۔''

''اپنے بھائیوں کی طرف تو دیکھو، عزیز کالج کا بہترین ڈیبیٹر تھا۔''

''لیکن اسے انعام کبھی نہیں ملا۔'' میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

بلقیس آپا کسی سیانے سیاستدان کی طرح میرا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ ''کریم کالج کی کرکٹ ٹیم کا کیپٹن تھا۔''

''لیکن وہ کبھی دس رنز بھی نہیں بنا سکا تھا۔''

میں خاموش طبع ہوں جب تک بالکل خفا نہیں ہو جاتا جواب دیتا رہتا ہوں۔ میرے جواب پر بلقیس آپا کے تن بدن میں گویا آگ سی لگ گئی۔ میں اٹھ کر کھڑکی کے راستے باغ میں آ گیا اور ایک مالٹا توڑ کر اسے چوستا ہوا باہر نکل گیا۔

بنگلے کے دروازے پر کریم ملا۔ وہ اپنی کنورٹیبل موٹر سے اترا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بنی سنوری لڑکی بھی تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے لڑکی کے کان میں کچھ کہا۔ لڑکی نے پہلے تو حقارت سے میری طرف دیکھا پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

کریم میرے قریب آتے ہوئے بولا۔ ''یار! سستی چھوڑ دو، آگے تعلیم جاری رکھو یا بزنس کی طرف آ جاؤ۔''

''دونوں کام مجھ سے نہیں ہوں گے۔''

''کیوں؟''

''معلوم نہیں۔''

''اگر بابا تمہارا جیب خرچ بند کر دیں پھر......!''

اس کے سوال میں ٹھٹھول تھی۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور نیم کے خشک پتوں کو روندتا ہوا باہر نکل گیا۔

کریم، عزیز سے چھوٹا ہے۔ بڑے جتن کے بعد بابا نے اس سے بی اے کرایا تھا پھر کریم انجینئر ہو گیا۔ اس نے دو تین سال ملازمت کی اس عرصے کے دوران سیمنٹ، سریا فروخت کر کے، ٹھیکیداروں سے ساز باز کر کے اس نے خوب دولت کمائی اس کے بعد اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ بابا نے اسے درآمدی بیوپار کا لائسنس لے کر دیا ہے جس انگریزی دوائیں منگوا کر فروخت کرتا ہے۔ بچ اسے کاروبار کرنے کا ہنر آتا ہے۔ بروقت ضرور دوائیں چھپا دیتا ہے، پھر بلیک میں بیچ دیتا ہے۔ اس کا بینک بیلنس لاکھوں میں ہے۔

میری خود سمجھ میں نہیں آتا کہ بی اے کے بعد میں کیا کروں؟ مزید پڑھنا میرے بس میں نہیں ہے۔ بالکل کمزور ہوں اگر حالات سازگار نہ ہوتے تو شاید میٹرک بھی نہ کر پاتا مجھے کالج سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ نہ ہی میں کھلاڑی ہوں۔ مباحثوں میں بولنے کی ہمت مجھ میں ہے نہیں۔ خاص طور پر کلاس سے تو ازلی بیر ہے۔ نہ جانے کس طرح لوگ افسانے اور کہانیاں لکھ لیتے ہیں۔ مجھ سے تو کاروباری تین سطریں نہیں لکھی جاتیں۔ میں دیکھتا تھا کہ میرے کالج فیلو ادیب، کلاس روم کے بجائے کینٹین میں بیٹھے رہتے تھے۔ کئی کتابیں بغل میں، بال بکھرے ہوئے، آنکھیں مصنوعی طور پر اداس، بڑھی ہوئی شیو اور کان میں ادھ جلے سگریٹ کے ٹوٹے رکھ کر اپنے ادیب ہونے کا اشتہار بنے ہوتے تھے۔ ٹریجڈی کی اچھی خاصی ایکٹنگ بھی کر لیتے ہیں۔ ان کی صورتیں دیکھ کر میں نے کینٹین میں جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ کالج کے تلخ اور خشک تجربے کے بعد یونیورسٹی میں قدم رکھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔

شام کو گھر لوٹا تو اماں بلند لہجے میں پڑوس کی عورتوں کے ساتھ گفتگو کر رہی تھیں۔ خوشی اور غم کے مواقع پر اماں سے رہنمائی لی جاتی ہے۔ جب تک بابا کو خان بہادری کا لقب نہیں ملا تھا اور نہ ہی انگریز سرکار کی طرف سے جاگیر عطا ہوئی تھی، اس وقت تک اماں کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ آج کل محلے کے جھگڑے، لینا دینا، شادیاں، منگنیاں اور دیگر تقریبات اماں کے مشورے سے ہوتی ہیں۔ خاص طور پر اماں کے لیے دو سندھی اخبار گھر میں آتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اماں سیاست میں اس قدر ماہر ہو گئیں کہ گھر میں بھی ملکی مسائل پر بولتی رہتی ہیں۔

عورتوں سے جان چھڑا کر اماں میرے پاس آئیں۔ ''اجو بیٹے! میں تمہاری ماں ہوں۔ کیا مجھے بھی نہیں بتاؤ گے کہ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے! اگر تم چاہو تو اعلیٰ تعلیم کے لیے تمہیں باہر بھیجا جائے۔''

''میں باہر نہیں جاؤں گا۔''

''تو آخر تم کیا کرو گے؟''

''خدارا میری جان چھوڑیے۔ میں کچھ نہیں کروں گا۔''

''تمہیں باپ کی عزت کا بھی کچھ خیال نہیں ہے!''

میں نے اس وقت اماں کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہا۔ رات کے کھانے پر سب قہر آلود نگاہوں سے مجھے گھور رہے تھے۔ بابا ٹماٹر کے سوپ کا چمچ بھرتے ہوئے بولے۔ ''اجو! اب تم بچے نہیں رہے۔ بڑے باپ کے بیٹے ہو۔ تمہیں بڑا آدمی بننا ہے۔''

میرا سر جھکا رہا۔ بابا بولتے رہے۔ ''اگر بزنس کرنا چاہو تو میں تمہیں آج ہی امپورٹ ایکسپورٹ کا لائسنس دلا دوں۔ لاکھوں روپے کماؤ گے۔''

اماں نے درمیان میں کہا۔ ''اگر تم کہو تو ہم تمہیں دس بارہ ریس کے گھوڑے خرید دیں۔ ریس کورس میں بڑے لوگوں سے ملتے بھی رہو گے اور خوب کماؤ گے بھی۔''

میں نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ سب پر ایک نظر ڈالی۔ ان کی آنکھوں سے گویا شعلے نکل رہے تھے۔ آخر کار ہمت کر کے میں نے دل کی بات کہہ دی۔

''مجھے زمین دلا دیجیے۔''

''بہت خوب!'' بابا کھل اٹھے۔ ''بہت اچھی بات کہی ہے تم نے۔ میں کل ہی بیراج کے زرخیز حصے میں سے تمہیں پانچ سو ایکڑ الاٹ کرا دیتا ہوں۔ وہاں کی کپاس چاندی اور گندم سونا ہے...... اور اس اراضی پر کسان بھی سستے مل جائیں گے۔''

کریم نے کہا۔ ''ایسا بہترین پلان تو تمہیں پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔''

''میں زمینداری نہیں کروں گا۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''ایں...... ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں زمین دلائی جائے۔'' عزیز نے غصے سے کہا۔

''میں نے زمین کے لیے کہا تھا، پانچ سو ایکڑ کے لیے نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''آپ مجھے پانچ ایکڑ زمین خرید کر دیں۔ اس میں، میں خود ہل چلاؤں گا۔ میں محنت کش ہاری بننا چاہتا ہوں۔''

''ربش!'' نجمہ نے کہا اور چمچ سوپ کے پیالے میں پٹخ کر اٹھ گئی۔ بلقیس آپا نے کہا۔ ''اجو دماغی مریض ہے۔''

''لعنت ہے ایسے بھائی پر۔'' کریم نے چیختے ہوئے کہا۔ ''جو خاندانی ترقی میں ہاتھ نہ بٹائے۔''

''آہ کیا دن تھے!'' بابا نے اپنی سند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سب آہستہ آہستہ کرسیوں سے اٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں، میں تنہا رہ گیا۔

⌘⌘

مکمل ناول

آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

صائمہ اکرم

جب تلک بھی ہے سحر ہونے کا امکاں باقی
اک نہ اک اشک رہے گا سرِ مژگاں باقی
میں ابھی گردشِ حالات سے ہارا تو نہیں
میرے دل میں ہے ابھی جینے کا ارماں باقی

زندگی شاید حادثات کا ہی دوسرا نام ہے وہ چاہے خوشگوار ہوں یا ناخوشگوار..... انہی کے بیچ جیون کی پُر پیچ راہیں سفر کرتی ہیں۔ حالات و واقعات انسان کو کبھی کبھی انسانیت کے رُتبے سے گرا بھی دیتے ہیں مگر اعلیٰ ظرف لوگ ہر قسم کے حادثات کا مقابلہ پُر د باری و متانت سے کرتے ہیں۔ اُسے بھی اعلیٰ ظرف انسان کا ساتھ نصیب ہو گیا تھا۔

اُمید و نا اُمیدی کی کیفیت میں ڈولتی لڑکی کا پُر اثر احوال

رات بہت تیزی سے گزر رہی تھی لیکن ''حیات ولا'' کے اس وسیع و عریض لان میں جینز اور ٹی شرٹس پہنے اپر کلاس کے ان چند کھلنڈرے نوجوانوں نے ایک اُدھم برپا کر رکھا تھا۔ ڈیک پر چلنے والے تیز انگلش میوزک کی دُھن پر وہ بڑی مہارت سے اسٹیپ لے رہے تھے اور بار بار ایک ہی گانے پر پریکٹس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اسے مکمل اور بھرپور انداز سے کسی فنکشن میں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ایک گھنٹے کی ریہرسل کے بعد وہ تھک کر گھاس پر اِدھر اُدھر گر چکے تھے۔ ان میں سے ایک وائٹ شارٹس اور بنیان پہنے لمبے لمبے بالوں والا فریہی مائل لڑکا اب گٹار اٹھا کر کسی انگلش سونگ کی دُھن بجانے لگا جبکہ باقی سب اردگرد پڑے ٹیبل پر رکھے ممنوعہ مشروبات کی طرف متوجہ ہو چکے تھے اور ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد سب مگن ہو کر دنیا و مافیہا سے بے نیاز گھاس پر بے پروائی سے گر چکے تھے۔

مناہل ٹیرس پر لگی گرل پر دونوں بازوؤں کو جمائے اپنے ہاتھوں کے پیالے پر چہرہ رکھے بڑی سی افسردگی سے ان کی حرکات و سکنات سے آگاہ اب آسمان کو دیکھنے لگی۔ آسمان پر موجود زرد اور تنہا چاند اسے اپنی طرح اُداس محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں کھوئی جب ''حیات ولا'' کا بلند و بالا سیاہ گیٹ کھلا اور دو جدید ماڈل کی گاڑیاں اندر داخل ہوئیں۔ اس نے چونک کر اپنی رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا تو رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ وہ بیزاری سے اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔

کمرے میں بھی اُداسی اور خاموشی کا راج تھا۔ ایک عجیب سی بے کلی نے اس کے وجود کا احاطہ کر رکھا تھا۔ کمرے کے سناٹے کو دور کرنے کے لیے اس نے T.V آن کیا تو کسی چینل سے انگلش فلم چل رہی تھی۔ کچھ دیر تو اس نے زبردستی اس میں دلچسپی لینے کی کوشش کی اور پھر تنگ آ کر وارڈ روب سے کپڑے نکالے اور واش روم میں آدھا گھنٹا شاور

لے کر جب وہ باہر نکلی تو اس کے اعصاب خاصے پُرسکون ہو چکے تھے۔ نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو اسے احساس ہوا کہ اس کے کمرے میں جائے نماز نہیں اور وہ جو نماز کی پابندی میں مشہور تھی مگر پچھلے ایک ماہ سے وہ ایک دفعہ بھی اپنے رب کے سامنے نہیں کھڑی ہوئی۔ شرمندگی نے اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ متلاشی نگاہوں سے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر وارڈ روب سے صاف بیڈ شیٹ کارپٹ پر بچھائی اور نماز پڑھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

"کیا دعا مانگوں؟ اور کس لیے مانگوں؟" وہ کافی دیر سوچتی رہی اور پھر افسردگی سے ہاتھ گرا دیے۔ وہ تو سب جانتا ہے جو شہ رگ سے بھی زیادہ اپنے بندے کے قریب ہے۔ چادر تہ کر کے وارڈ روب میں رکھ کر اس نے ٹائم دیکھا تو ساڑھے تین بج رہے تھے اور آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اُکتا کر وہ ایک دفعہ پھر ٹیرس پر نکل آئی۔ جھانک کے نیچے دیکھا تو لان سنسان تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔

وہ اپنے سابقہ اسٹائل میں کہنیاں گرل پر جمائے تھوڑا سا جھک کر کھڑی تھی جب اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس کا دل غیر مانوس انداز میں دھڑکا تو وہ چونک کر مڑی۔ اس کے بالکل سامنے حیات صاحب کا اکلوتا بیٹا وصی حیات ہاتھ میں جوس کا ٹن پکڑے اپنے گھریلو حلیے میں انتہائی بے پروائی سے گرل پر اپنے بازو ٹکائے اسی کے اسٹائل میں کھڑا تھا۔

مناہل کو حیات ولا میں آئے آج پورے پچیس دن ہو چکے تھے اور یہ اس کی اس کے ساتھ پہلی ملاقات تھی۔ ویسے تو وہ سارا دن اپنے کمرے میں بند رہتی۔ اسے بیگم شہلا حیات کی سرد اور کھوجتی نظروں سے خوف آتا تھا لیکن وصی کو اس نے کئی بار آتے جاتے دیکھا تھا۔ وہ اپنے حلیے کے بارے میں خاصا بے پروا اپنے فرینڈز کی کمپنی میں مگن جس میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی اور اس کی مصروفیات کلب، جم اور یونیورسٹی تھی۔ مناہل کے آنے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا اور نہ ہی اس نے خود اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اب بھی لان میں کسی نامعلوم سی چیز پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے صاف پتا چلتا تھا کہ اس کا دھیان کہیں اور ہی ہے لیکن پھر وہ گلا کھنکار کر عام سے لہجے میں اس سے مخاطب ہوا تو وہ جو اندر جانے کو پر تول رہی تھی ایک دم گھبرا گئی۔

"آپ اس ٹائم پر کیوں جاگ رہی ہیں؟"

"نیند نہیں آ رہی۔"

"کیوں؟" اس کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔

"مجھے اپنے تکیے کے بغیر نیند نہیں آتی۔" روانی میں مناہل کے منہ سے نکلا لیکن اس کے بے اختیار اپنی طرف متوجہ ہونے پر اسے لگا کہ وہ شاید کچھ غلط بول گئی ہے تبھی اس کے غور سے دیکھنے پر وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"اس کا مطلب ہے کہ جب سے آپ ولا آئی ہیں تب سے بالکل نہیں سوئیں۔ انٹرسٹنگ!" اس کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا مگر آنکھوں میں اب کے حیرانی تھی۔ مناہل نے اپنا رخ اس کی جانب سے موڑ لیا تھا اور اب بے چینی سے انگلیاں چٹخانے لگی جبکہ وصی نے گہری نظروں سے اسے دیکھا اور سرسری انداز سے پوچھا۔

"ویسے آپ کو کیسے تکیے پر نیند آتی ہے نرم یا سخت؟" مناہل نے چونک کر اسے دیکھا جو ہاتھ میں پکڑے جوس کو گھونٹ گھونٹ پی رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی کو دیکھ کر وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔ "سخت۔"

"ہوں، تبھی کیونکہ یہاں پر تو سب تکیے فوم کے ہیں، اب کیا ہوگا؟" مناہل کو محسوس ہوا کہ اب کے اس کے لہجے میں فکر مندی کا رنگ غالب تھا۔

"خود ہی عادت ہو جائے گی۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"نہیں، یہ تو غلط بات ہے اور پھر عادتیں اتنی جلدی کہاں بدلتی ہیں؟ آپ ذرا ٹھہریں میں کچھ کرتا ہوں۔" اس نے جوس کا خالی ڈبا لان میں پھینک کر دونوں ہاتھ جھاڑے اور اندر کی طرف قدم بڑھائے لیکن جاتے جاتے پلٹا اور سنجیدگی سے بولا۔

"آپ یہیں کھڑی رہیں، میں ابھی آتا ہوں۔" اور ٹھیک تین منٹ کے بعد وہ ایک براؤن کلر کے غلاف والے تکیے کے ساتھ وہاں تھا۔ مناہل نے بے یقینی سے اسے دیکھا جو بڑے مطمئن انداز میں وہاں کھڑا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے تو وہ گڑبڑا گئی۔

"تھینک یو۔" تکیہ پکڑتے ہوئے ہلکے سے مسکرائی تو وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔ مناہل کی نگاہ اٹھی تو اسے احساس ہوا کہ وہ اس کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ مناہل کا دل اس کے حلق میں آن ٹکا۔ ماتھے پر پل بھر میں پسینہ چمکنے لگا۔

"یہ میرے گرینڈ فادر کا تکیہ ہے۔ وہ کاٹن کا یہ تکیہ استعمال کرتے تھے۔ مجھے اچانک یاد آیا کہ یقیناً وہ اسٹور میں ہوگا اور تھینکس گاڈ مجھے مل گیا۔ اب یقیناً آپ کا پرابلم حل ہو گیا ہوگا۔"

مناہل نے اثبات میں سر ہلا دیا اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ بند کرنے سے پہلے اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ اپنے بازوؤں کو ورزش کے اسٹائل میں گھما رہا تھا۔ مناہل کے چہرے پر حیرت کے سائے پھیل گئے۔

☆......☆

اگلے دن وہ صبح گیارہ بجے اٹھی تو اسے احساس ہوا کہ ایک طویل عرصے کے بعد اسے لمبی اور بھرپور نیند میسر آئی تھی۔ وہ ناشتے کے لیے ڈائننگ روم میں آئی تو ڈاکٹر حیات اور بیگم شہلا حیات کو دیکھ کر چونک گئی۔ وہ عموماً اس وقت نیچے آتی تھی جب بیگم شہلا اپنے کورٹ اور ڈاکٹر حیات اپنے ہاسپٹل چلے جاتے تھے۔ بیگم شہلا حیات کا تعلق وکالت کے شعبے سے تھا اور ان کا شمار شہر کی مشہور و معروف سماجی کارکن اور حقوقِ نسواں کے حوالے سے ہونے والی

استقبالِ رمضان اور نبی اکرم ﷺ کا خطبہ

حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت کے مطابق "شعبان المعظم" کی آخری تاریخ کو رسول ﷺ نے ایک خطبہ دیا۔ اس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینے کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے افضل ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (نماز تراویح پڑھنے) کو عبادت مقرر کیا ہے، جو شخص اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت، یا نفل) ادا کرے گا تو اسے دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا اجر ملے گا اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں فراخی اور اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزے دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے) افطار کرایا تو یہ اس کے لیے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اسے روزے دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزے دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی کا ہے۔" بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا) "جو شخص اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اسے دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا۔"

(بیہقی/شعب الایمان)

سرگرمیوں سے تھا جبکہ ڈاکٹر حیات کا شمار پاکستان کے گنے چند سرجنوں میں تھا۔ وہ ایک مشہور و معروف اور قابل سرجن تھے۔ شہر میں ان کے ہاسپٹل کا ایک نام اور مقام تھا اور خود ڈاکٹر حیات کی مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ وہ آئے روز مختلف شہروں میں مسیحائی کے لیے جاتے تھے اور باقاعدہ میڈیکل کالجز میں لیکچرز کا سلسلہ بھی جاری وساری تھا۔

''آؤ آؤ مناہل! راستے میں کیوں رک گئیں؟ آکر ناشتا کرو۔'' اسے ایک دفعہ پھر احساس ہوا کہ ڈاکٹر حیات کا انداز خاصا دھیما دھیما جبکہ نگاہوں میں سادگی اور چہرہ ہر قسم کے تصنع اور بناوٹ سے پاک تھا۔ وہ اسے دیکھ کر دھیرے سے مسکرائے تھے جبکہ بیگم شہلا حیات نے بڑی کڑی نظروں سے اسے دیکھا تھا جو بڑے گم صم انداز میں کھڑی تھی۔ وہ جھجکتی ہوئی ڈائننگ چیئر پر آکر ٹک گئی تھی۔ بیگم شہلا کے ماتھے کے بل گہرے ہوگئے تھے۔

''اور بیٹا! کیا حال احوال ہیں۔ کیا کرتی ہیں سارا دن۔ ذرا کمرے سے نکلا کرو اور سب کے ساتھ آکر بیٹھا کرو۔'' انہوں نے بہت اپنائیت سے اسے مخاطب کیا جبکہ اس کے جواب دینے سے پہلے ہی مسز حیات چبھتے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''کمال کرتے ہیں آپ بھی حیات صاحب! وہ کس کے ساتھ آکر بیٹھا کرے اس پانچ کینال کے وسیع وعریض گھر میں صرف تین ہی تو بندے ہیں۔ آپ ہاسپٹل میں اور میں اپنے سماجی کاموں میں جبکہ وصی کی اپنی مصروفیات ہیں۔ میں نے تو کہا بھی تھا کہ ہاسٹل میں داخل کروادیں اور خرچ آپ افورڈ کرتے رہیں۔''

حیات صاحب نے بدمزگی سے گرے ساڑھی میں بڑی تمکنت کے ساتھ بیٹھی شہلا کو دیکھا۔ انہیں شاید ان کا اندازِ تخاطب حد درجہ ناگوار محسوس ہوا تھا تبھی دوٹوک انداز میں بولے۔

''میں بہت اچھے طریقے سے جانتا ہوں کہ مجھے کس موقع پر کیا کرنا ہے۔'' مناہل کا جسم سن ہونے لگا اس سرد ماحول میں۔ بیگم شہلا حیات [illegible] گہری سانس بھر کے ٹشو سے ہاتھ صاف کیے اور بڑے پُرسکون انداز میں گویا ہوئیں۔

''اٹس او کے! لیکن کل کو اگر کچھ اونچ نیچ ہوگئی تو آپ خود سنبھالیے گا۔ میں اور آپ سارا دن [illegible] ہوتے ہیں اور گھر میں جوان بیٹا بھی ہے اور کم از کم میں کسی کی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتی۔''

ڈاکٹر حیات نے چائے کا کپ سامنے ر[illegible] سپید رنگت والی مناہل کو ایک نگاہ دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور پھر چشمے کی اوٹ سے بیگم شہلا حیات کو دیکھا جن کی پیشانی پر شکنوں [illegible] اضافہ ہو رہا تھا اور وہ خود کو خواہ مخواہ مصروف ظاہر کرنے کے لیے اپنے ہینڈ بیگ کو ٹٹول رہی تھیں۔

''آپ کسی کی گارنٹی دے سکتی ہوں یا نہیں لیکن میں اپنے بیٹے کو بہت اچھے طریقے سے جانتا ہوں اور مناہل بھی سمجھدار بچی ہے اس لیے آپ [illegible] ہوکر باہر اپنا سوشل ورک کرسکتی [illegible] صاحب کی بات پر شہلا حیات کا [illegible] وہائٹ گولڈ کے نیکلس کو درست کرتا ہاتھ [illegible] رہ گیا۔

''اٹس اگین او کے!'' شکایتی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے وہ لاتعلق انداز میں بولیں۔

''تھینکس!'' وہ متانت سے بولے اور [illegible] میں ٹائم دیکھتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور بیگم [illegible] کے ساتھ ہی باہر کی طرف قدم بڑھا دیے اور [illegible] کو یوں لگا کہ وہ پوری دنیا میں بالکل تنہا ہے [illegible] اور کوئی ساتھ نہیں۔ وہ ہاتھ میں پکڑے سلائس [illegible] بھول گئی۔ زرد چہرہ لیے وہ بالکل سن تھی۔ اسے [illegible] نہیں چلا کہ کب وصی بالکل اس کے سامنے آ [illegible] جبکہ مناہل کے آگے کپ میں پڑی چائے بھی [illegible] ہوچکی تھی۔

''ہیلو! آپ ناشتا نہیں کر رہیں؟'' اس [illegible] پرچ میں چمچ بجایا۔

''جی!'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔

''آپ کچھ لے نہیں رہیں۔'' اس نے ٹیبل پر [illegible] تمام ان چھوٹے لوازمات کا جائزہ لیا۔

''بس دل نہیں چاہ رہا۔'' مناہل نے سلائس کترنا شروع کردیا۔

''کیوں؟'' اس نے غور سے اسے دیکھا جس کا چہرہ دھلا ہوا تھا۔ چمکدار اور روشن سا۔ میک اپ سے بے نیاز!

''بس ویسے ہی۔'' مناہل نے کچھ اُلجھتے ہوئے کہا۔

''ویسے آپ کا نام کیا ہے؟'' اورنج جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے اس نے سرسری انداز سے پوچھا تو مناہل نے حیرانی سے وصی کا چہرہ دیکھا جو بالکل سپاٹ تھا۔

''مناہل فاطمہ!''

''کس کلاس میں پڑھتی ہو؟'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

''میں پڑھتی تھی لیکن اب نہیں پڑھتی۔''

''کیوں؟'' اس بار وصی ٹھٹک گیا۔

''کہاں پڑھوں؟'' وہ مایوسی سے بولی۔

''ظاہر ہے اسکول، کالج یا یونیورسٹی میں اور کہاں؟''

وہ چند ثانیے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی جو [illegible] توجہ سے ناشتا کرنے میں مگن تھا اور پھر بڑے [illegible] انداز میں بولی۔

''وہ سب تو ختم ہوگیا آٹھ اکتوبر کے زلزلے میں۔''

''کیا؟'' اسے شاک ہی تو لگا تھا۔ وہ تاسف [illegible] انداز سے اسے بے یقینی سے تکے جارہا تھا اور پھر کچھ سنبھل کے بولا۔ ''سوری! مجھے پتا نہیں تھا۔ ایکچوئلی میں سمجھا تھا کہ آپ ماما یا پاپا کے کسی [illegible] کی بیٹی ہوں گی یا پھر مما کے کسی سوشل ورک کے نتیجے میں یہاں آئی ہوں گی۔ اصل میں، میں ماما اور پاپا کے معاملات میں انٹرسٹ نہیں لیتا۔''

وہ گہری سانس کھینچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وصی نے آزردگی سے اسے دیکھا جو ناشتا ادھورا چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑی تھی۔

☆......☆

آج پھر اس کی سوتے میں اچانک آنکھ کھل گئی۔ شاید کوئی خوفناک خواب دیکھا تھا جب ہی دھڑکنیں اعتدال پر نہیں آرہی تھیں۔ کافی دیر تک وہ تو کمرے میں پھیلی نیلگوں مدھم روشنی میں کمرے کی دیواروں کو تکتی رہی اور پھر اچانک اٹھ کر کھڑکی کے قریب آکر پورے پردے کھینچے تو باہر صبا کے نرم جھونکے اس کے چہرے سے ٹکرائے تو اسے احساس ہوا کہ باہر بارش ہو رہی ہے۔ وہ بالوں کو جوڑے کی صورت میں باندھ کر دوپٹا گلے میں ڈالے بڑے خوشگوار انداز میں ٹیرس پر آئی اور باہر آتے ہی ٹھٹک گئی۔ اصل میں اس وسیع وعریض ٹیرس سے تین کمرے منسلک تھے جن میں ایک مناہل کا، دوسرا وصی کا اور تیسرا گیسٹ روم خالی تھا۔

سامنے ہی گرل کے ساتھ رکھی راکنگ چیئر پر بیٹھا وصی بڑے مگن انداز میں اسموکنگ کرنے میں مصروف تھا۔ اسے دیکھ کر وہ چونکا اور پھر جلتا ہوا سگریٹ نیچے لان میں پھینک دیا۔ بارش کی شدت میں کمی آگئی تھی۔ اس نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا تو صبح کے تین بج رہے تھے۔ وہ جھجکتی ہوئی گرل کے پاس آکر رک گئی اور ہاتھ آگے کر کے بارش کی بوندوں کو دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا؟ آج پھر نیند نہیں آرہی۔ اب تو تکیہ بھی سخت ہے آپ کے پاس۔'' وہ اسے دیکھ کر سادگی سے بولا تو وہ منہ نیچے کر کے مسکرائی۔ ''نہیں، بس اچانک ہی آنکھ کھل گئی۔''

''دوبارہ سونے کی کوشش کرنی تھی۔'' اس کا لہجہ نرم اور انداز سمجھانے والا تھا۔

''مجھے بھوک لگ رہی تھی۔'' مناہل نے کہا تو وصی نے اس پر ایک گہری نظر ڈالی اور بھویں اُچکا کر بولا۔

''آئیں ذرا میرے ساتھ۔'' اس نے حیرت

سے وصی کو دیکھا جو سفید ٹی شرٹ اور بلیک شارٹس میں ملبوس تھا اور سر جھکائے اس کے پیچھے چل پڑی جو فرسٹ فلور میں بنے اسٹائلش سے امریکن کچن کے پاس آرکا تھا اور فریج میں تانک جھانک کرکے اس نے کچھ پھل نکالے لیکن مناہل نے بیزاری سے نفی میں سر ہلایا تو اس نے کچھ سوچ کر آلو نکالے اور چھری اٹھا کر اس کے سامنے رکھ کر کہا۔ ''اسے کاٹیے۔'' اور خود فریج سے مینگو جوس کا ڈبا نکال کر اسٹرا سے پینے لگا جبکہ مناہل خاموشی سے آلو کاٹنے لگی اور پھر اس کے کاٹتے ہی اس نے کوکنگ آئل فرائی پین میں ڈالا اور سارے آلو اس میں ڈال دیے اور چپس تلنے لگا اور دس منٹ کے بعد وہ گرما گرم چپس پلیٹ میں ڈالے' ہاتھ میں ٹومیٹو کیچپ کی بوتل اٹھائے... خاموشی سے ٹیرس کی طرف چل پڑا۔ مناہل اس کے پیچھے وہاں پہنچی تو وہ اندر سے دوسری چیئر نکال کر لے آیا اور چھوٹی ٹیبل پر چپس، ٹومیٹو کیچپ اور پھر اندر سے کوک کی لیٹر سائز بوتل اور دو گلاس لے آیا۔ وہ خاموشی سے چپس کھانے لگی۔

''مزے کے ہیں نا؟''

''ہوں۔'' مناہل نے آہستگی سے سر ہلایا۔

''آپ بابا کے ریفرنس سے یہاں آئی ہیں کہ ماما کے؟'' اس نے اچانک پوچھا تو وہ چونک گئی۔

''ڈاکٹر حیات میرے بابا کے بہت اچھے دوست اور کولیگ تھے۔''

''آپ کہاں ملیں ان کو؟''

''وہ امدادی سرگرمیوں کے لیے مظفر آباد آئے تھے۔''

''اور آپ کے بابا اور ماما؟'' وہ کچھ جھجکا۔

''میرے ماما، بابا اور بھائی سب اس زلزلے میں ختم ہوگئے ہیں۔ میں ان دنوں لاہور تھی ہاسٹل میں۔ جب میں مظفر آباد پہنچی تو بابا زندہ تھے لیکن بہت زیادہ زخمی اور پھر مجھے انکل حیات کے سپرد کرکے وہ بھی چلے گئے۔'' آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے اور آواز بھرا گئی۔

''مناہل پلیز!'' وہ پریشان ہوا۔ مناہل نے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت سے اپنے آنسو پونچھے۔

''کس کلاس کی اسٹوڈنٹ تھیں آپ؟''

''تھرڈ ایئر''

''آپ دوبارہ ایڈمشن کیوں نہیں لے لیتیں؟''

''بس دل ہی نہیں کرتا۔''

''کیوں؟''

''کس کے لیے پڑھوں گی۔ پہلے تو بابا کو شوق تھا۔''

''اب اپنے لیے پڑھیں۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا لیکن وصی حیات کو مکمل یقین تھا کہ وہ اس پر عمل درآمد نہیں کرے گی۔

''آپ کیا کرتے ہیں؟'' مناہل کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ یہ پہلا سوال تھا جو اس نے کیا تھا۔ وصی کے چہرے پر مسکراہٹ لمحہ بھر کو آکر معدوم ہوگئی۔

''میرا انجینئرنگ کا آخری سال ہے۔''

''آپ ڈاکٹر کیوں نہیں بنے؟''

''کیوں؟'' وصی نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''اس لیے کہ آپ کے فادر ڈاکٹر ہیں۔''

''اگر میں ڈاکٹر بن جاتا تو آپ نے کہنا تھا کہ ایڈووکیٹ کیوں نہیں بنے؟''

''کیوں؟'' مناہل نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''اس لیے کہ میری ماما ایڈووکیٹ ہیں۔'' اس کے شرارتی لہجے پر مناہل کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی تو وہ اسے غور سے دیکھ کر بولا۔

''اصل میں انجینئرنگ میں میرا ذاتی انٹرسٹ تھا اور کچھ دل کا بھی کمزور تھا اس لیے میڈیکل میں نہیں گیا۔''

''آپ لگتے تو نہیں ہیں دل کے کمزور؟'' وہ بے تکلفی سے بولی تھی۔

''اور آپ بھی لگتی تو نہیں ہیں اتنی نالائق؟''

[و]صی کے برجستہ جواب پر وہ احتجاجاً بولی۔ ''میں نالائق تو نہیں ہوں۔ میں بی بی اے پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ تھی اور DBA میں، میں نے ٹاپ کیا تھا۔''

''اچھا!'' وہ مصنوعی تعجب سے بولا اور پھر لاپروائی سے کندھے اُچکا کر کہا۔ ''میں کیسے مان سکتا ہوں۔ ویسے بھی یہاں IBA میں سخت کمپیٹیشن ہے۔ یہاں ٹاپ کرکے دکھائیں تو میں مانوں بھی۔ ہوسکتا ہے وہاں لاہور میں آپ کے سارے کلاس فیلوز بس سو سو ہوں۔''

''آپ مجھے چیلنج مت کریں۔ میں آپ کو یہاں بھی ٹاپ کرکے دکھا سکتی ہوں۔'' وہ بڑے پُراعتماد لہجے میں گویا ہوئی اور اس کے پُرعزم چہرے کو دیکھ کر وصی اپنا مطلوبہ ہدف پورا ہوتے دیکھ کر مسکرایا۔

''اچھا بھئی ڈن!''

''ڈن!''

''اوکے! اگر آپ نے ٹاپ کیا تو میں آپ کی ایک بات مانوں گا اور اگر نہ کیا تو آپ کو میری ایک بات ماننا ہوگی۔''

''کون سی بات؟'' اس کے چہرے پر تشویش کے سائے لہرائے۔

''بھئی کوئی بھی ہوسکتا ہے میں آپ سے کہوں کہ مجھے... دی ویلج میں زبردست سا ڈنر کروائیں یا مجھے کوئی اچھا سا گفٹ دیں یا اور کچھ......'' وصی کے بے پروا لہجے پر وہ مطمئن ہوگئی لیکن پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''لیکن میرا تو یہاں یونیورسٹی میں ایڈمشن ہی نہیں ہے۔''

''ڈونٹ وری! یہ میرا پرابلم ہے۔ انشااللہ ایک دو دن میں ہوجائے گا۔'' مناہل نے مطمئن ہوکر سر ہلا دیا۔

''لیکن میں کہتا ہوں کہ ایک دفعہ سوچ لیں کیونکہ IBA میں ایک سے بڑھ کر ایک ذہین اسٹوڈنٹ موجود ہے۔'' وصی نے اسے پکا کرنے کے لیے کہا۔

''نو پرابلم!'' وہ آہستگی سے مسکرائی۔

''اٹس اوکے!'' وصی مطمئن ہوگیا۔

اور پھر اگلے دن وہ ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھا۔ بیگم شہلا حیات نظر نہیں آرہی تھیں۔ وہیں وصی نے انگلش نیوز پیپر پڑھتے ڈاکٹر حیات کو مناہل کے ایڈمشن لینے کا بتایا تو وہ خاصے خوش ہوئے۔ انہوں نے بڑی خوش دلی سے ٹوسٹ پر جیم لگاتی مناہل کو سراہا تھا جبکہ وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔

☆......☆

اگلے دو دن وہ خاصا مصروف رہا تھا۔ لاہور یونیورسٹی سے اس کے کاغذات کی کاپی نکلوائی اور وہاں سے کراچی یونیورسٹی میں مائیگریشن کروانے کے لیے ڈاکٹر حیات نے اپنا تمام تر اثر و رسوخ استعمال کیا اور کچھ ہی دنوں میں اس کا IBA میں ایڈمشن ہوگیا۔ اس عرصے میں وہ سارا وقت حیات ولا میں بولائی بولائی پھرتی۔ وصی کی اپنی مصروفیات تھیں اور وہ بیگم شہلا کی وجہ سے کھل کر بھی ہر جگہ نہیں پھرتی تھی کہ کہیں اعتراض نہ کریں۔ ان کی آنکھوں کی سرد مہری سے اسے خوف آتا تھا۔ اس دن شام کو وصی اسے یہ کہہ کر کہ صبح یونیورسٹی جانا ہے خود غائب ہوگیا۔ وہ فرسٹ فلور پر بنے ٹی وی لاؤنج میں رات گیارہ بجے تک تو اس کا انتظار کرتی رہی۔ اسے پریشانی تھی کہ وہ صبح کیسے جائے گی؟ رات ساڑھے بارہ بجے ملازم نے اس کے آنے کی اطلاع دی تو اس کی جان میں جان آئی۔ وہ جھجکتی ہوئی اس کے کمرے کا دروازہ ناک کرکے اندر اجازت ملنے پر داخل ہوئی اور وہ جو بے تکلفی سے میٹرس پر لیٹا ہوا تھا، ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے کمرے میں بے ترتیبی کا عنصر نمایاں تھا۔ کمرا خاصا کشادہ تھا۔ لائٹ براؤن کلر کا کارپٹ اور ڈارک براؤن پردے تھے۔ دیواروں پر بروک شیلڈ اور جولیا رابرٹس کے بڑے بڑے پوسٹرز، دائیں کونے میں زمین پر کمپیوٹر پڑا تھا

اور پاس سی ڈیز اور وی سی ڈیز کا ڈھیر بے ترتیبی سے بکھرا ہوا تھا۔ دائیں دیوار پر بلند و بالا وارڈ روب اور ساتھ ہی چھوٹا سا ڈریسنگ روم تھا جہاں پر وصی کی شرٹس اور تولیے بکھرے ہوئے تھے۔ کمرے میں AC کی خنکی تھی اور وہ اب سنبھل کر بیٹھ چکا تھا۔

''آؤ آؤ مناہل! کیسے آنا ہوا؟'' وہ دروازے کے پاس کھڑی ہوئی تیزی سے بولی۔

''میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ صبح کتنے بجے یونیورسٹی جانا ہے اور میں کیسے جاؤں گی؟''

''بھئی تمہاری پہلی کلاس نو بجے ہے۔ اس لحاظ سے آٹھ یا سوا آٹھ بجے نکلنا ہوگا اور جہاں تک بات کیسے جانے کی ہے تو ظاہر ہے کہ میں ہی لے کر جاؤں گا۔ تمہارا ڈیپارٹمنٹ اور کلاسز دکھادوں گا اور بعد میں جیسے ممکن ہوگا کرلیں گے۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے اسے دیکھا جو خاصی بے چین کھڑی تھی تبھی ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔ ''بھئی بیٹھو نا، وہ فلور کشن لے لو۔ دراصل مجھے فلور سیٹنگ پسند ہے اور ایزی ہو کر بیٹھیں۔ آپ فرسٹ ٹائم میرے کمرے میں آئی ہیں۔ کچھ خاطر تواضع کرتے ہیں۔'' وہ روم فریج کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ تبھی مناہل نے غور کیا کہ وہ اسے کبھی ''تم'' اور کبھی ''آپ'' کہنے کے چکروں میں خاصا کنفیوژ نظر آتا ہے اور وہ شاید اس کی سوچ پڑھ چکا تھا تبھی مسکرا کر کہنے لگا۔

''اصل میں مجھے پتا نہیں چل رہا کہ آپ کو کیا کہوں۔ آپ کم از کم بھی مجھ سے پانچ چھ سال چھوٹی ہوں گی۔''

''میری عمر انیس سال ہے اور اس اگست میں، میرا بیسواں سال شروع ہو جائے گا۔'' وہ بے اختیار بولی تھی۔

''اور میری عمر چھبیس سال ہے اور اکتوبر میں، میں ستائیسویں میں شروع ہو جاؤں گا۔'' وصی کی آنکھوں میں شرارت تھی جسے محسوس کر کے وہ جھینپ گئی اور پھر فوراً مڑ گئی اور اس کے روکنے کے باوجود بہانہ کر دیا کہ مجھے نیند آرہی ہے۔

اگلی صبح چھ بجے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ آج اپنے اندر ایک توانائی سی محسوس کر رہی تھی ورنہ پچھلے دنوں قنوطیت کے حصار میں اسے زندگی بے معنی اور بے مقصد لگنے لگی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ اب زندگی میں شاید وہ کبھی بھی دوبارہ واپس نہیں آسکتی تھی اور کبھی بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ نماز پڑھ کر وہ نیچے لان میں آگئی۔

پھول مستی میں جھوم رہے تھے اور ہوا سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ تاحدِ نگاہ پھیلا سبزہ آنکھوں کو ٹھنڈک بخش رہا تھا۔

''آج صبح کتنی پیاری ہے۔'' اس نے ... کلیاں توڑتے ہوئے بے اختیار سوچا اور اسی ... وسیع و عریض لان میں بنے جوگنگ ٹریک پر جوگنگ کرتے ڈاکٹر حیات اور وصی اسے دیکھ کر ... ایک لمحے کو رکے اور مسکرا کر اسے دیکھا اور آگے چل پڑے۔

سفید کاٹن چکن کے سوٹ ... اوڑھے وہ اپنے بیگ اور فائل کے ساتھ ... انداز میں ڈائننگ ٹیبل پر آئی تو بیگم شہلا ... بری طرح چونک کر اسے دیکھا لیکن وہ ان کی نظروں پر خائف نہیں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے ... کچھ استفسار کرتیں، ڈاکٹر حیات اپنے دوٹوک اور قطعی انداز میں وصی سے مخاطب ہوئے تھے۔

''وصی! تم مناہل کو نہ صرف اس کے ڈیپارٹمنٹ تک چھوڑ کر آؤ گے بلکہ اس کی کلاسز بھی دکھا آنا۔''

بیگم شہلا حیات نے ناگواری سے پہلو ... اور ایک سرد نگاہ مناہل پر ڈالی تو اس کے لیے ... پینا دشوار ہو گیا جبکہ وصی بڑے ریلیکس انداز میں ناشتا کرنے میں مگن تھا اور پھر وہاں سے نکلنے ... ان کی کڑی نظروں کے حصار میں رہی۔ وہ ... سے کراچی آئی تھی آج پہلی دفعہ گھر سے نکلی تھی ... لیے اس کے لیے ہر چیز حیران کن تھی اور یونیورسٹی میں گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرنے اور ڈیپارٹمنٹ میں پہنچنے کے عرصے کے دوران اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وصی حیات خاصا سوشل بندہ ہے جبکہ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں اس کے ساتھ تھی جو راستے میں آنے والے بے شمار لوگوں سے بڑے کھلے دل سے مل رہا تھا اور پھر شاید اسے اپنا گروپ نظر آگیا تھا تبھی اس نے دور ہی سے ہاتھ ہلانا شروع کر دیا تھا۔

''بھئی یہ ہیلن آف ٹرائے کہاں سے ڈھونڈ لائے؟'' کوئی بڑی بے تکلفی سے بولا تھا۔ وصی کے چہرے پر ناگواری کی لہر نمودار ہوئی تھی۔ اس نے تیکھی نظروں سے مقابل کو دیکھا اور بڑے سرد انداز میں وضاحت کی۔

''میری کزن ہے۔''

''اچھا، حلیے سے تو نہیں لگتی۔'' ایک ماڈرن حلیے میں چیونگم چباتی محترمہ خاصے تیکھے لہجے میں بولی تھیں جبکہ مناہل کا دل چاہا کہ اسے جواب دے کہ اس ٹائٹ جینز اور ٹی شرٹ میں تو تم بھی مسلمان ہونا تو دور کی بات پاکستانی بھی نہیں لگتیں لیکن مصلحتاً خاموش رہی۔ وصی بڑی سنجیدگی سے اس کا تعارف اپنے گروپ سے کروا رہا تھا۔ اسے بالکل نہیں معلوم ہوسکا کہ مایا کون ہے تو حیدر کون؟ اور نہ ہی وکی، سونی، علیزہ اور فہد کا پتا چلا تھا۔ وہ سب برگر فیملی کی بگڑی ہوئی اولادیں لگ رہی تھیں۔ اس کی اُکتائی ہوئی نظروں اور بیزار انداز کو دیکھ کر وصی اسے لے کر اس کے ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل پڑا مگر سارا ... وِل اور کلاس رومز دکھا کر بھی وہ اسے اکیلے چھوڑتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ تنگ آکر اسے کہنا پڑا۔

''ڈونٹ وری! میں نے شروع سے کو ایجوکیشن میں ہی پڑھا ہے اس لیے کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

اس کے پُراعتماد انداز پر وصی کے چہرے پر مسکراہٹ بے ساختہ پھیل گئی۔ اس نے کندھے اُچکا کر کہا۔ ''اصل میں مجھے پریشانی اس بات کی ہو رہی تھی کہ تمہاری یہاں کسی سے جان پہچان بھی نہیں ہے۔''

''جب میں نے لاہور میں ایڈمشن لیا تھا تو تب بھی میری کسی سے جان پہچان اور شناسائی نہیں تھی۔'' اس نے اطلاع دی۔

''اوکے وش یو بیسٹ آف لک!'' اس نے تھک ہار کر الوداعی مسکراہٹ دی اور پھر ڈیپارٹمنٹ میں پہلی ہی کلاس میں اس کی اپنے ساتھ بیٹھی زرش منصور سے نہ صرف اچھی گپ شپ ہوگئی بلکہ آخری کلاس تک وہ آپس میں خاصی بے تکلف ہو چکی تھیں اور یہی وجہ تھی جب وہ مقررہ ٹائم پر وصی کے بتائے ہوئے پوائنٹ پر زرش کے ساتھ پہنچی تو اسے بے تکلفی کے ساتھ ہنستے مسکراتے آتا دیکھ کر وہ خاصا مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ اس کی وائٹ بیلینو گاڑی کے پاس پہنچتے ہی بڑے جوش و خروش سے بولی تھی۔

''وصی! یہ زرش منصور ہیں۔ میری کلاس فیلو اور بہت اچھی دوست۔''

''بہت اچھی دوست! تم انہیں پہلے سے جانتی ہو۔'' وصی کی حیرانی پر وہ سادگی سے بولی۔ ''نہیں آج ہی ملاقات ہوئی ہے۔'' جبکہ زرش خاموش کھڑی مسکراتی رہی۔ بلیو جینز پر پہنے ہوئے وائٹ کُرتے میں اس کی گوری رنگت دمک رہی تھی اور وہ بڑی دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''حیرت ہے ایک دن میں ہی دوستی...... اور وہ بھی بہت اچھی دوستی۔'' وہ کندھے اُچکا کر بڑی حیرت سے بولا تھا جبکہ مناہل منہ بسور کر رہ گئی جبکہ زرش بڑی سنجیدگی سے بولی تھی۔

''وصی حیات! بعض لوگوں سے مل کر لگتا ہے کہ ہم ان سے پہلے بھی کئی دفعہ مل چکے ہیں اور شناسائی کے لیے تو ایک پل ہی کافی ہوتا ہے اور مناہل خود ہی اتنی اچھی، چارمنگ اور انوسینٹ ہے کہ خود بخود ہی بندہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔''

''گڈ!'' وہ مسکرا کر بولا اور پھر چونک کر بولا۔ ''آپ میرا نام پہلے سے کیسے جانتی ہیں؟''

"آپ کو کون نہیں جانتا۔ ماشاءاللہ آپ کا گروپ خاصا ایکٹیو اور اِن ہے اور آج کل تو آپ کے چکر بھی IBA میں خاصے لگتے ہیں میں نے اکثر MBA کی ایما کے ساتھ آپ کو گھومتے دیکھا ہے۔"

"اوہ!" وہ گڑبڑا کر رہ گیا اور مناہل کو نہ جانے کیوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو تبدیل ہوا تھا اور پھر گھر واپسی تک وہ اسے چھوٹی چھوٹی کئی باتیں بتا چکی تھی اور طے یہ ہوا کہ صبح وہ اس کے ساتھ ہی نکلا کرے گی جبکہ واپسی پوائنٹ سے ہوگی جس کا اسٹاپ زیادہ دور نہیں تھا اور راستے میں اس نے مارکیٹ سے کچھ سامان اور ضروری کتابیں بھی لے لی تھیں۔

☆......☆

اسے کراچی آئے ہوئے چار ماہ کا عرصہ ہونے والا تھا اور اس دن سوشل ورک ڈپارٹمنٹ کے اسٹوڈنٹس کا ایک گروپ زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے بھاری ساز و سامان کے ساتھ گیا تھا اور سب نے دل کھول کر امداد دی تھی۔ مناہل خاموشی سے جانے والے لوگوں کا جوش وخروش دیکھ رہی تھی۔ ان کی اپنی کلاس سے کچھ لوگ جا رہے تھے اور وہ آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ مناہل کا دل رنج، دکھ اور تکلیف سے بھر گیا تھا۔ عامر رضا، آمنہ مبین کو چھیڑ رہا تھا کہ وہ اپنے موٹاپے کے ساتھ وہاں پہاڑوں پر کیسے جائے گی جبکہ سونیا نے اپنی اسکن خراب ہونے کے ڈر سے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ زرش بہت غور سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی جو لحہ بہ لحہ بدل رہے تھے۔

"آؤ مناہل! ذرا لائبریری تک چلتے ہیں۔ مجھے کچھ بکس ایشو کروانی ہیں۔" زرش کی بات پر وہ کچھ دیر چپ چاپ اس کی شکل دیکھتی رہی اور پھر خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔

"تم بہت بہادر اور صبر والی ہو۔ اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔" زرش نے کھلے دل سے اسے سراہا تو اس کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"میں صرف اتنا جانتی ہوں زرش کہ دوسرے ہمارے دکھ کو صرف سمجھ سکتے ہیں لیکن ویسا محسوس نہیں کر سکتے۔ قیامت جس پر ٹوٹتی ہے اس کی تکلیف کی شدت کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے۔ اس زلزلے نے درد کے سارے مناظر اجاگر کر دیے ہیں جنہیں [illegible] عبرت سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ وہ سانحہ ہے جس نے ہنستے ہنساتے لوگوں کو بھی رلا دیا ہے لیکن زندگی ہر پل متحرک رہتی ہے۔ جو اس سانحے سے براہِ راست متاثر ہوئے ان کے زخموں کو بھرنے کے لیے ایک طویل وقت درکار ہے جبکہ باقی لوگ آہستہ آہستہ اپنی زندگیوں میں مگن ہو جائیں گے۔ [illegible] والے بھی آخر کب تک ان علاقوں کو کوریج دیں گے۔ وہ بھی تھک جائیں گے اور آخر میں اپنا بوجھ سب کو خود ہی ڈھونا پڑے گا۔" وہ بری طرح بکھر رہی تھی جبکہ زرش دکھ اور تاسف سے اسے [illegible] دیکھ کر رہ گئی۔

"پتا ہے زرش! میں تو وہ لڑکی تھی جو [illegible] چوٹ لگنے پر بے تحاشا روتی تھی۔ کھانے میں نخرے کرتی تھی۔ ماما، پاپا کی لاڈلی اور چھوٹے [illegible] کی جان تھی۔ اب تو میں رونا ہی بھول گئی ہوں۔ [illegible] یہ احساس زندہ ہے کہ اب روئی تو کون [illegible] کروائے گا۔ کس کو میرے رونے سے تکلیف ہوگی۔" اس کا لہجہ بھرا گیا تھا اور پھر اس دن وہ [illegible] بھی جلد واپس آ گئی تھی۔ طبیعت پر عجیب بے کلی اور بے قراری چھائی ہوئی تھی اور اپنے کمرے میں آ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ ماتم کناں بلند آواز رفتہ رفتہ بالکل پست ہو کر جیسے کسی فریاد میں ڈھل گئی تھی اور وہ جو ٹیرس میں کسی کام سے آیا تھا، اس کمرے کی کھلی کھڑکیوں کے ذریعے باہر آنے والی آواز سن کر باہر ہی منجمد ہو گیا تھا۔ اسے گہرے ملال اور تاسف نے آن گھیرا حالانکہ زرش نے اسے ڈپارٹمنٹ میں ہی مناہل کے جلد گھر جانے کا [illegible] تھا لیکن وہ اس وقت جلدی میں تھا اس لیے وہ [illegible]

[illegible] تھی۔

شام کو وہ سو کر اٹھی تو خاصی بہتر تھی۔ نماز پڑھ کر اس نے کمرے میں موجود الیکٹرک کیتلی میں چائے بنائی اور اپنی پسندیدہ جگہ ٹیرس پہ مگ لے کر آ گئی۔

اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی سے اسے باہر دیکھ کر وہ فوراً وہاں پہنچا تھا۔ دوپہر میں اسے چھیڑنا اس نے مناسب نہیں سمجھا کیونکہ اس کے رونے سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ خاصی بری طرح بلاسٹ ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ زبردستی مسکرائی تھی۔

"کیسی ہو مناہل؟ اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟"

"ایوری تھنگ از فائن!" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"آر یو شیور؟" پتا نہیں کیوں وصی کو محسوس ہوا تھا کہ اس کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا۔

"ہاں کیوں؟" اس نے کھوجتی ہوئی نظروں سے ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بے پروائی سے کھڑے وصی کو دیکھ کر پوچھا جبکہ اس نے سرسری انداز میں بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"اسٹڈی میں اگر کوئی پرابلم ہو تو تم میری ہیلپ لے سکتی ہو۔ بلیو می! میں بہت اچھا اسٹوڈنٹ رہا ہوں۔"

"اچھا!" مناہل کے چہرے پر پھیلی بے یقینی دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی تو وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ "ایسا ہے مناہل کے تمہارے پاس صرف دس منٹ ہیں۔ تم فوراً تیار ہو کر آ جاؤ۔ میں کلب جا رہا ہوں اور تمہیں آج میں زبردستی ساتھ لے جا کر بڑی زبردست ورائٹی دکھاؤں گا اور دیکھنا میری کتنی ویلیو ہے۔"

"لیکن میں وہاں جا کر کیا کروں گی؟"

"تم گھر میں بیٹھ کر کیا کرو گی؟"

"کچھ نہیں اسٹڈی کر لوں گی۔"

"مجھے پتا ہے تم جتنی اسٹڈی کرو گی۔ آج تو تمہیں میری بات ماننا پڑے گی۔" وہ اس کے سامنے جم کر کھڑا دھونس جما رہا تھا۔

"زبردستی ہے کیا؟"

"ہاں، زبردستی ہے۔" اس کے لہجے میں بڑی قطعیت تھی۔

"یا اللہ! آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟" وہ زچ ہوئی۔

"ہاں اب صحیح سوال کیا ہے تم نے مگر میں اس کا جواب بعد میں دوں گا۔ فی الحال میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ کلب چلو اور وہاں موجود میری گرل فرینڈز کو جلاؤ تاکہ ان کو معلوم ہو کہ ہمارے گھر میں ایک نازک سی، گڑیا سی اور چارمنگ سی لڑکی رہتی ہے تاکہ ان کی نیندیں خراب ہوں۔"

"پھر اس سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟" مناہل کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تمہیں نہیں، مجھے فائدہ ہوگا۔ میری ویلیو میں اضافہ ہو جائے گا۔ تمہاری اسمارٹ نیس دیکھ کر وہ موٹو ایما فوراً سلمنگ سینٹر جوائن کر لے گی۔ سونی تمہاری چمکتی اسکن دیکھ کر تلملائے گی۔ روحا کا بس نہیں چلے گا کہ تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دے۔" مناہل گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے ان دیسی انگریزنیوں کے منہ لگنے کی۔" مناہل کے برجستہ فقرے پر وصی کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکلا۔ "واہ! کیا خطاب دیا ہے تم نے ان کو۔ دیسی انگریزنیاں زبردست!" اس نے کھلے دل سے سراہا تھا اور پھر پتا نہیں وہ کیا سوچ کر اس کے ساتھ کلب چلی آئی اور وہاں آ کر اسے معلوم ہوا کہ وصی کو اپنی ہینڈسم پرسنالٹی کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہے اور یہ یقین دلانے میں اس کی فرینڈز کا خاصا ہاتھ تھا البتہ ان کی فضول اوور ڈریسنگ، بے باک انداز اور کھلی ڈھلی گفتگو اس کے لیے مسلسل کوفت کا باعث بن رہی تھی۔ وہ اسے ایک کونے میں چند خواتین کے ساتھ بٹھا کر خود مصروف ہو چکا تھا۔ واپسی پر مناہل نے اسے ٹھیک ٹھاک سنائی تھیں اور پھر ایک بک شاپ پر دانستہ دیر لگائی جبکہ وہ جو بیزاری سے کھڑا تھا اس

کے دیکھنے پر زبردستی مسکراتا تو مناہل کو مزید ہنسی آجاتی اور کتابوں کے ریک کی طرف متوجہ ہوجاتی۔

''یار تم اتنی ساری کتابیں کیسے پڑھوگی؟'' بکس گاڑی میں رکھتے ہوئے اس نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

''جیسے آپ ان فضول، اوورکونفیڈنٹ اور چیپ سی لڑکیوں سے باتیں کرتے ہوئے اپنے بے ہودہ سے میوزیکل گروپ کے ساتھ مصروف رہتے ہیں اور آپ کو یہ سب کام کرتے ہوئے کوفت نہیں ہوتی۔ اس طرح یہ کتابیں میری دوست ہیں اور مجھے ان کے ساتھ وقت گزار کر خوشی ملتی ہے۔''

مناہل کو پتا ہی نہیں چلا کہ کب اس کی اپنے سے سات سال بڑے وصی کے ساتھ بے تکلفی ہوگئی تھی۔ اب وہ اکثر اس کے ساتھ کلب چلی جاتی تھی کیونکہ زرش کی مما بھی باقاعدگی سے وہاں جاتی تھیں اور اس کی وجہ سے زرش نے بھی جانا شروع کردیا تھا۔

اس دن زرش اسے چھوڑنے گھر آئی تو مسز شہلا حیات سے اس کا ٹاکرا ہوگیا اور مناہل کی نسبت وہ زرش سے بڑی خوش دلی سے ملی تھیں حالانکہ اس ٹائم پر وہ اپنے NGO کے آفس کے لیے روانہ ہوجاتی تھیں لیکن اس وقت سب کچھ بھولے ہوئے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی زرش منصور ہمدانی کو مکمل کمپنی دے رہی تھیں۔ مناہل کو خاصی حیرت ہوئی اور ان کی خوش اخلاقی کا راز بھی جلد کھل گیا تھا جب وہ بڑی اپنائیت سے کہہ رہی تھیں۔

''بیٹا! ہماری این جی او مظلوم خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے خاصا کام کررہی ہے اور اگلے ہفتے ہم کاروکاری جیسی قبیح رسم کے خاتمے کے لیے اعلیٰ پیمانے پر ایک پروگرام کا انعقاد کروا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم نے منصور ہمدانی صاحب سے خاصے رابطے کی کوششیں کیں تاکہ انہیں چیف گیسٹ بنا سکیں لیکن ان کا پی اے کسی صورت ٹائم دینے پر راضی ہی نہیں ہو رہا تھا۔''

''بس آنٹی، پپا کی ایسی ہی مصروفیات ہیں اور جب سے ہمدانی انڈسٹریز کی برانچز چاچا نے بیرون ممالک میں بھی کھولی ہیں تب سے مما کو بھی ان سے گلہ رہنے لگا ہے۔ ویسے آپ فکر مت کریں، مجھے بتادیں کب فنکشن ہے۔ میں پپا سے کہہ دوں گی، وہ آجائیں گے کیونکہ وہ میری بات نہیں ٹالتے۔'' زرش کی یقین دہانی پر شہلا حیات کے چہرے کے تاثرات میں واضح طور پر تبدیلی آئی تھی۔ ان کے چہرے پر پھیلی خوشگواریت کو دیکھ کر مناہل بری طرح ٹھٹکی تھی۔

''آؤ آؤ مناہل! رک کیوں گئیں۔ زرش کے لیے خلیل سے کہہ کر کھانا لگواؤ۔ اسے لنچ کیے بغیر مت جانے دینا۔'' وہ اپنے گرے ساڑھی کی فال ٹھیک کرتے ہوئے کھڑی ہوئی تھیں جبکہ زرش نے فوراً منع کیا۔

''ارے نہیں آنٹی! بالکل موڈ نہیں ہو رہا۔ آپ کی مناہل صاحبہ نے آج یونیورسٹی میں ٹھنسوا دیا تھا۔ ویسے میں اس سلسلے میں حاضر ہوئی تھی کہ یہ انویٹیشن کارڈ آپ کو بھی دے سکوں۔ اس ویک اینڈ پر ہمارے ہاں گیٹ ٹو گیدر ہے۔ آپ ضرور آیئے گا۔ میں وہیں آپ کی ملاقات پپا سے کروادوں گی اور آپ کو ٹائم بھی لے دوں گی۔''

''ہاں ہاں ضرور، کیوں نہیں۔'' انہوں نے بڑی خوش دلی سے کارڈ پکڑا تھا اور زرش جاتے جاتے بولی تھی۔

''آنٹی! آپ نے مناہل کو ضرور لے کر آنا ہے۔ ان محترمہ کو رات کے فنکشنز سے الرجی ہے۔ بہت زبردست میوزیکل گروپ بھی پپا نے بلوایا ہے اور مما نے بھی خاص تاکید کی تھی کہ مناہل ضرور آئے۔ وہ تو اس کی دیوانی ہیں۔'' زرش کے تکلفانہ لہجے پر بیگم شہلا نے پہلی دفعہ مناہل کو غور سے دیکھا تھا جو اس کی باتوں پر خاموشی سے مسکرا رہی تھی۔

''ہاں ہاں، مناہل بھی آئے گی۔'' بیگم شہلا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ اسی وقت وصی بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ وہ شاید یونیورسٹی سے سیدھا آرہا تھا۔ زرش کو دیکھ کر وہ بے تکلفانہ انداز میں بولا۔

''واہ، آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں ہمارے گھر۔ کیسی ہو زرش؟''

''فائن! اور تم کیسے ہو؟ اور ہاں آنٹی، وصی کو بھی لے آیئے گا۔ پورے شہر کی کریم ہمارے ہاں انوائیٹڈ ہے اور وصی کو حقیقتاً اتنی ورائٹی دیکھ کر خوشی ہوگی۔'' زرش کی مناہل کی وجہ سے وصی سے خاصی بے تکلفی ہوگئی تھی جبکہ بیگم شہلا حیات کو یہ بے تکلفی بہت اچھی لگ رہی تھی تبھی وہ مسلسل مسکرا رہی تھیں۔

زرش کو باہر تک سی آف کرکے وہ اندر آتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ لگتا ہے کہ زرش کے فادر کوئی ٹاپ پرسنالٹی ہیں ورنہ بیگم شہلا حیات چھوٹے موٹے لوگوں کو منہ لگانے کی قائل نہیں تھیں۔ وہ ڈرائنگ روم میں آرہی تھی جب بیگم شہلا کی کھوجتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ ''وصی! تم زرش منصور کو کیسے جانتے ہو؟''

جبکہ وہ بے پروائی اور سادگی سے جواب دے رہا تھا۔ ''کمال کرتی ہیں مما آپ بھی۔ وہ مناہل کی اکلوتی بیسٹ فرینڈ ہے اور مناہل کی وجہ سے اس سے اچھی ہیلو ہائے ہے اور اکثر کیمپس میں بھی کہیں نہ کہیں ٹاکرا ہو ہی جاتا ہے۔''

''کیسی لڑکی ہے؟'' بیگم شہلا نے بات جاری رکھی۔

''اچھی ہے۔ سادہ سی، مخلص سی اور مناہل بتاتی ہے کہ خاصی کیئرنگ اور لوونگ ہے۔'' اس سے پہلے کہ وصی مزید کچھ کہتا، بیگم شہلا حیات نے مداخلت کی۔

''تمہیں معلوم ہے کہ ہمدانی انڈسٹریز کے منصور ہمدانی کا شمار بزنس ٹائیکون میں ہوتا ہے اور میں نے تو سنا ہے کہ مسز منصور خاصی پراؤڈلی خاتون ہیں اور ان کا حلقۂ احباب محدود اور سلیکٹو ہے لیکن ان کی بیٹی ان سے سراسر مختلف ہے اور مجھے بہت سمپل لگی ہے۔''

''مما! وہ مناہل کی فرینڈ ہے۔ ظاہر ہے فرینڈز کے ساتھ تو بندے کا رویہ عام روٹین سے مختلف ہی ہوتا ہے۔'' وصی نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہا۔ اسے حقیقتاً بیگم شہلا کی باتوں کی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔

''اچھا! اس نے مناہل سے دوستی کیسے کرلی؟'' ان کے چبھتے ہوئے لہجے پر مناہل کا دل تاسف سے بھر گیا جبکہ دوسری طرف اندر بیٹھا وصی بری طرح چڑا تھا۔

''کیوں مما، مناہل کو کیا ہوا ہے؟ ایک ویل اسٹیبلشڈ اور ویل ریپوٹڈ فیملی سے اس کا تعلق ہے۔ اس کے فادر ایک بہترین ہارٹ سرجن جبکہ مدر یونیسیف کے ایک پراجیکٹ پر کام کررہی تھیں۔ بابا بتا رہے تھے کہ مناہل کے والدین اس کے لیے اتنا کچھ چھوڑ کر گئے ہیں کہ وہ ساری زندگی آرام سے بیٹھ کر کھا سکتی ہے۔ اس کے اسٹائل، اس کے مینرز سب چیخ چیخ کر بتاتے ہیں کہ اس کا تعلق کسی بہت اچھی فیملی سے تھا۔ آپ پتا نہیں کیوں اسے انڈر اسٹیمیٹ کرتی ہیں؟'' باہر کھڑی مناہل بغیر دیکھے جان سکتی تھی کہ بیگم حیات نے کھا جانے والی نظروں سے اپنے اکلوتے بیٹے کو گھورا ہوگا کیونکہ وہ سرد مہری سے بولی تھیں۔

''بہرحال تمہارے فادر نے اسے لانے سے پہلے مجھ سے مشورہ کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔''

''تو آپ کو شکایت بابا سے ہونا چاہیے۔ اس میں مناہل کا کیا قصور ہے؟''

''میں نے مناہل سے کب کچھ کہا؟''

''مما! ضروری نہیں کہ لفظوں سے ہی کچھ کہا جائے۔'' وصی کے شکایتی لہجے پر مناہل کو احساس ہوا کہ وہ اتنا بھی بے پروا نہیں ہے جتنا کہ نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔

''بہر حال تم اسے ساتھ لے جا کر بیٹا کے بوتیک سے کچھ اچھے اور اسٹائلش سے سوٹ دلوا دینا کیونکہ میں منصور ہمدانی کی پارٹی مس کرنا نہیں چاہتی کیونکہ میری این جی او کو اس وقت فنڈز کی اشد ضرورت ہے اور سنا ہے کہ رفاہی کاموں کے لیے منصور ہمدانی کا ہاتھ خاصا کھلا ہے۔'' وہ شاید باہر جانے کے لیے کھڑی ہوگئی تھیں۔ ان کا لہجہ سنجیدہ اور دوٹوک تھا۔

''مما! زندگی میں فنڈز سے زیادہ انسانی جذبات اہم ہوتے ہیں۔ ان کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔'' وصی نے شاید تلملا کر کہا تھا تبھی بیگم شہلا چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تھیں۔

''تمہیں مناہل کی کچھ زیادہ فکر نہیں ہو رہی؟''

''ہاں ہو رہی ہے اس لیے کہ جو حادثہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے۔ وہ میرے ساتھ بھی آ سکتا تھا اور وہ تو پھر بھی بہت بہادری سے اسے فیس کر رہی ہے جبکہ میرے اندر اتنا حوصلہ نہیں ہے۔''

''وصی!'' بیگم شہلا نے اسے تنبیہی انداز میں ٹوکا تھا اور پھر کچھ سنبھل کر بولیں۔ ''فضول باتیں نہیں کرتے۔ ہم نے ہر ممکن اس سانحے سے متاثر ہونے والے لوگوں کی مدد کی پوری کوشش کی ہے اور پورا ایک ٹرک سامان کا تو ہماری این جی او نے بھی بھیجا ہے۔''

وصی تمسخرانہ انداز میں ہنسا تھا۔ ''مما! میں حیران ہوں کہ یہ کیسا زلزلہ تھا جس نے بڑے بڑے پہاڑوں اور سنگلاخ چٹانوں کو دھنک دیا لیکن پتھر جیسے دلوں میں کوئی لکیر بھی نہ ڈال سکا۔''

''وصی! میرا موڈ خراب مت کرو۔'' بیگم شہلا حیات نے زچ ہو کر اسے بلند آواز میں کہا تھا جو شاید غصے سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ وہ کافی دیر باہر کھڑی رہی اور پھر نڈھال قدموں سے اندر کی طرف چل پڑی۔ ڈرائنگ روم خالی تھا اور وہ فرسٹ فلور پر بنے اپنے کمرے میں آ کر چپ چاپ لیٹ گئی۔

☆.....☆

شام کو وہ ناک کر کے اس کے کمرے میں آیا تھا اور اس کی موجودگی میں پہلی دفعہ آیا تھا اس لیے مناہل کو خاصی حیرانی ہو رہی تھی۔

''بھئی، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے کیوں دیکھ رہی ہو، واپس چلا جاؤں؟''

''نہیں نہیں آؤ۔ تمہارا گھر ہے، تم آ سکتے ہو؟''

''مطلب کیا ہے تمہارا؟'' وہ دروازے میں ہی کھڑا ہو گیا۔ ''اگر یہ تمہارا گھر ہوتا تو تم مجھے اندر نہ آنے دیتیں۔'' اس کا لہجہ سرد اور کھوجتا ہوا تھا۔

''اوہ نو! میں تو مذاق کر رہی تھی۔'' مناہل نے غور سے اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھا جو تلخی سے بھرپور تھے۔ وہ شدید اضطراب کا شکار لگ رہا تھا۔

''آ جائیں ناں!''

''نہیں، تم دو کپ چائے بنا کر میرس پر آ جاؤ، میں انتظار کر رہا ہوں۔'' اپنی بات کر کے وہ رکا نہیں اور ٹھیک دس منٹ کے بعد وہ دروازے میں رکھے وہاں پہنچی جو نہایت سنجیدگی سے نیچے لان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مناہل کے آنے سے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور اپنا مگ اٹھا کر خاموشی سے پینے لگا۔

''سوری مناہل! تم مما کی باتوں کا مائنڈ مت کیا کرو۔ وہ دل کی بری نہیں ہیں۔'' وہ بری طرح چونک کے ٹھٹکی تھی۔ اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سچ بات منہ پر کہہ دینے کا عادی ہے۔

''مناہل! تمہیں اپنا گھر، والدین اور شہر یاد آتے ہیں؟'' وصی کی بات پر اس نے اسے دیکھا تو وصی کو اس کی آنکھوں میں شکوہ اور شکایت نظر آئی۔ وہ صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''کیسا گھر تھا تمہارا؟ کون کون رہتا تھا وہاں؟''

''وصی پلیز!'' اس نے ایک شاکی نظر اس پر ڈالی۔

''مناہل پلیز! بتاؤ نا۔ مجھ سے کچھ تو شیئر کرو پلیز!'' وصی کے پُرزور لہجے پر مناہل کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل سینے سے نوچ کر مٹھی میں دبا لیا ہو اور اب مٹھی بھینچے جا رہا ہو۔ وہ روئی نہیں تھی پر اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ بہت مضبوطی سے میز کے گرد لگی لوہے کی گرل کو پکڑے کھڑی تھی جبکہ ٹیبل پر پڑا اس کا چائے کا کپ جوں کا توں تھا۔

''میرا گھر؟'' اس نے بہت ضبط سے اپنے ہونٹ بھینچے اور پھر سنبھل کر گویا ہوئی۔ ''وصی! میرا گھر بہت پیارا اور خوبصورت تھا۔ جب پہاڑوں کے پیچھے سے سورج نکلتا تو اس کا نظارہ بہت دلفریب لگتا تھا۔ ہمارے گھر کے صحن میں آڑو اور خوبانی کے درخت تھے جو پھلوں سے لدے رہتے تھے..... میرے گھر میں میرے پپا، ماما، دادو اور بڑے ابا رہتے تھے اور سب سے چھوٹا بھائی سنی بھی اور میرے پپا اپنے والدین کے اور میری مما بھی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں۔ مما کا تعلق ترکی سے تھا اور پپا کے ساتھ لو میرج کے بعد وہ پاکستان آ گئیں۔ ان کی صرف مما یعنی میری نانو زندہ تھیں جن کی پچھلے سال ڈیتھ ہو گئی۔ میرے پیرنٹس بہت زندہ دل اور زندگی کو انجوائے کرنے والے تھے۔ ان کی آپس میں بہت زیادہ انڈر اسٹینڈنگ تھی اور پتا ہے وصی! میں اپنے والدین کی شادی کے پورے سات سال بعد بہت منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہونے والی بہت لاڈلی بیٹی تھی اور سنی مجھ سے پورے اس سال کے بعد دنیا میں آیا تھا اور مما کی خواہش پر میں نے کامرس پڑھنے کا ارادہ کیا تھا۔ اصل میں وہ پپا کی میڈیکل کی فیلڈ روٹین کے بعد بالکل بھی اس فیلڈ میں نہیں تھیں کہ میں میڈیکل میں جاؤں۔''

''اچھا پھر؟'' وہ بھرپور اشتیاق سے سن رہا تھا۔

''اور میری دادو اور بڑے ابا بھی بہت زیادہ پیار کرنے والے تھے اور وہ پپا سے لڑتے تھے کہ مناہل کو کیوں مظفر آباد سے اتنی دور لاہور بھجوایا ہے اور میرے گھر میں سنی کی ایک پیاری سی بکری ''می می'' بھی تھی اور پتا ہے وصی! میرا بھائی سنی بہت شرارتی تھا۔ کبھی کبھی پہاڑوں کے اوپر چڑھ جاتا تو بڑے ابا... کئی کئی لالچ دے کر اسے نیچے اتارتے تھے۔ وہ دادو کا اور میں بڑے ابا کی بہت زیادہ لاڈلی تھی۔ جس دن زلزلہ آیا بابا ابھی گھر تھے، ہاسپٹل نہیں گئے تھے۔'' وہ بات کرتے کرتے رکی۔ ''اور جس دن زلزلہ آیا میں لاہور ہاسٹل میں تھی اور جب تک میں پہنچی سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ صرف پپا زندہ تھے اور پورے دس دن میں نے پاگلوں کی طرح انہیں ہر ہاسپٹل میں چیک کیا مجھے وہیں پنڈی کے ایک ہاسپٹل میں وہ ملے۔ ان کی دونوں ٹانگیں بری طرح کچلی گئی تھیں۔ وہ پھر بھی ہوش میں تھے اور وہیں انہیں انکل حیات ملے تو وہ کچھ مطمئن ہوئے اور مجھ سے ملنے کے ٹھیک دو دن کے بعد وہ بھی چلے گئے اور پھر انکل حیات مجھے اپنے دوست کے گھر اسلام آباد چھوڑ آئے۔ میں دس دن ہوش و حواس سے بیگانہ وہاں رہی اور پھر آتے ہوئے انکل مجھے کراچی لے آئے۔'' مناہل کی آواز بہت آہستہ تھی اور آنسو آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر لڑی کی صورت میں بہہ رہے تھے۔ وہ نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے بے دردی سے مسل رہی تھی۔ مناہل نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائی تھیں۔ وصی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ روئی روئی سی سرخ آنکھیں دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا۔ جذبات میں یکدم ہلچل سی پیدا ہوئی۔ فیروزی دوپٹا پیشانی تک، دھلا دھلا، نکھرا نکھرا اگلابی چہرہ اور ستواں ناک، کٹورا آنکھیں کچھ بھی تو نظر انداز کرنے والا نہیں تھا۔

''تمہیں معلوم ہے مناہل کہ اگلے ہفتے ہم کچھ انجینئرز دوست نادرن ایریاز کی طرف جا رہے ہیں۔''

''کیوں؟'' وہ خالی الذہن سی ہو گئی۔

''میرا خیال ہے کہ ان علاقوں کو سول انجینئرز کی ضرورت ہے۔'' وہ ٹہلتے ٹہلتے رکا اور پھر تنبیہی لہجے میں کہا۔ ''دیکھو مما کو ہرگز نہ بتانا۔ میں نے پپا کو بتا دیا ہے اور انہوں نے اجازت بھی دے دی انہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ مما ہرگز نہیں مانیں گی اس لیے

میں نے تذکرہ نہیں کیا۔"
"لیکن آپ اپنی مما سے کیا کہیں گے؟" مناہل کو ایک نئی فکر نے گھیر لیا۔

"یہی کہ پندرہ دن کے لیے فرینڈز کے ساتھ لاہور جا رہا ہوں چونکہ ایگزام سے فراغت ہے اس لیے وہ بھی کچھ نہیں کہیں گی۔" وصی نے بے پروائی سے جواب دیا اور پھر اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"میں مظفر آباد میں تمہارا گھر بھی دیکھوں گا جس کے صحن سے پہاڑوں کے پیچھے سے نمودار ہونے والا سورج بہت پیارا لگتا ہے۔ وہ ٹیرس بھی دیکھوں گا جہاں کبھی بے پروائی سے کھڑے ہو کر تم سنی کو آوازیں دیتی ہو گی۔"

مناہل نے دھیرے سے اس کی بات کاٹی۔
"لیکن وہ سب کچھ تو ختم ہو گیا۔"

"دیکھو مناہل! زندگی میں کچھ بھی ختم نہیں ہوتا۔ وقتی طور پر انسان کو لگتا ہے۔ اگر سب کچھ ختم ہو چکا ہوتا تو پہاڑوں کے پیچھے سے سورج کبھی نمودار نہ ہوتا۔ اس کائنات میں جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا سارا نظام چلتا رہے گا۔ دیکھ لینا کچھ سالوں بعد ان علاقوں میں زندگی بھرپور انداز میں مسکرائے گی۔" وہ بے یقینی سے وصی کے پُرعزم چہرے اور امید بھرے لہجے کو سن رہی تھی۔ اس کے لیے وصی کی باتیں انوکھی اور نئی تھیں اور خود بخود ہی اس کا سر اثبات میں ہل گیا۔

وصی نے غور سے اسے دیکھا۔ بڑی بڑی کشادہ آنکھوں پر جھکی ہوئی سیاہ پلکیں بھیگی بھیگی سی تھیں بلکہ اس نے غور کیا تو اس کے رخساروں پر بھی آنسوؤں کے قطرے تھے۔

☆......☆

"خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم دونوں خواتین مجھے شاپنگ کے دوران اتنا ذلیل کرو گی تو میں ہرگز ساتھ نہ آتا۔" وہ دونوں جو آنٹی بینا کی بوتیک میں موجود ہر ڈریس میں سو سو نقص نکال کر ریجیکٹ کر رہی تھیں جس پر وصی اتنا ہی جھنجلا رہا تھا اور بیزاری اور کوفت سے ان دونوں کے بے معنی سے اعتراض سن رہا تھا جو اسے نظر انداز کیے اپنے کام میں پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے مصروف تھیں پھر یکدم سوچ کر وہ زبردستی خواتین کی ورائٹی کو دیکھنے لگا۔

"سنو مناہل! میں نے تمہارے لیے یہ سی گرین اور سیجنٹا اکنٹراسٹ سوٹ پسند کیا ہے۔ بس تم یہی پہنو گی۔" وہ ایک نفیس سی کڑھائی والا سوٹ نکال کر اس کے پاس پہنچا تو اس نے چونک کر دیکھا۔ سوٹ اسٹائلش مگر نفیس تھا لیکن کلر خاصا ڈارک تھا۔

"وصی! اس کا کلر خاصا تیز ہے۔ میں ذرا ڈل کلر کا ڈریس دیکھ رہی تھی۔" مناہل کے اعتراض کو اس نے صاف رد کر دیا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی میں سارے رنگ پہننے چاہئیں اور رات کے فنکشن میں ڈارک کلرز ہی اچھے لگتے ہیں اور تمہاری ایج کی لڑکیاں کھلتے ہوئے رنگوں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔" اور پھر اس نے نہ جانے کیا سوچ کر اس کا پسند کیا ہوا ڈریس بھی لے لیا۔ زرش ابھی تک اپنی شاپنگ میں اُلجھی ہوئی تھی۔ وہ اب فارغ ہو کر وصی کے ساتھ اس کا انتظار کر رہی تھی جس کی شاپنگ خدا خدا کر کے ختم ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی فرمائش کی۔

"وصی! اب تم ہمیں اچھا سا لنچ کراؤ گے۔"

"کیوں؟" وہ بدک کر پیچھے ہٹا۔ "وصی حیات پر کون سی سختی آئی ہوئی ہے۔ پہلے صبح کو تمہیں گھر سے اٹھائے پھر شاپنگ کے لیے ساتھ لے کر لور پھرے اور اب کھانا بھی کھلائے۔ کچھ خوف خدا کرو مجھ جیسے کے ہینڈسم اور ڈیشنگ بندے پر۔"

"اوہ ہینڈسم اور ڈیشنگ بندہ تو دیکھو۔" زرش نے سراسر مذاق اڑایا تو وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ "میں نے تم دونوں کو اپنے ساتھ کچھ زیادہ فری نہیں کر لیا۔ پورے سات سال بڑا ہوں تم لوگوں سے کچھ شرم کرو۔"

"تم بڑے ہو۔ شرم بھی خود کر لو، ہمیں کیا پتا شرم کیسے کرتے ہیں؟" زرش نے پاپ کارن کھاتے

ہوئے بے پروائی سے جواب دیا تو اس کے انداز پر مناہل کو بھی ہنسی آ گئی اور اسے اندازہ ہوا کہ زرش اچھی خاصی اوور کونفیڈنٹ اور آؤٹ اسپوکن لڑکی ہے جبکہ وصی برے برے منہ بناتا ہوا گاڑی ایک ہوٹل کے سامنے روک رہا تھا اور پھر کھانا کھا کے وہ لوگ گھر پہنچے تو شام کے چار بج رہے تھے اور زرش جاتے جاتے خاص تاکید کر کے گئی تھی کہ آپ لوگ ٹھیک نو بجے تک پہنچ جائیں اور بیگم شہلا حیات کو تو اس نے خصوصاً تاکید کی تھی اور وہ منصور ہمدانی کی اکلوتی بیٹی کی بار بار یاد دہانی پر پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ ان کا اگلے چار گھنٹوں کے لیے بیوٹی پارلر کا پروگرام تھا اور وہ چلی بھی گئی تھیں۔

مناہل خود بھی زرش کے گھر کے ڈنر کے لیے تیار ہوئی تو آئینہ دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔ پٹیالہ شلوار اور سی گرین شارٹ شرٹ اور چنے ہوئے دوپٹے میں ہلکی پھلکی ہم رنگ جیولری پہنے اور لائٹ سا میک اپ کیے وہ حقیقتاً بہت دلفریب لگ رہی تھی۔ اپنے لمبے سیاہ گھنے بالوں کو اس نے برش کر کے کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اسے نیچے بلانے کے لیے اندر آنے والی ملازمہ نے بھی اسے ستائشی نظروں سے دیکھا.....

"بی بی! آپ اپنے بالوں میں کیا لگاتی ہو؟"

"انڈا، دہی اور تیل۔" اس کے سادہ سے جواب پر ملازمہ نے یوں دیکھا جیسے وہ مذاق کر رہی ہو۔ مناہل کو ہنسی آ گئی۔ فرسٹ فلور کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کی نظر بیگم شہلا حیات پر پڑی جو نیوی بلیو ساڑھی میں سلیقے سے کیے گئے میک اپ اور جوڑے میں واقعی بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ اپنا نیکلس ٹھیک کرتے وقت ان کی نظر ٹی وی لاؤنج کی سیڑھیوں سے آہستہ آہستہ قدم رکھتی مناہل پر پڑی اور پلٹنا بھول گئی۔ انہوں نے تو اسے ہمیشہ سادے انداز میں دیکھا تھا۔ ان کی ستائشی نظروں اور پاس بلیک ڈنر سوٹ میں کھڑے وصی کا والہانہ انداز دیکھ کر اس کا دل عجب انداز سے دھڑکا تھا۔ مسحور کن احساس رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔

"ماشاءاللہ! بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔" بیگم شہلا کے منہ سے نکلنے والے اس بے ساختہ تعریفی جملے پر مناہل نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا جبکہ وصی نے بھی خاصی حیرانی سے اپنی مدر کی طرف دیکھا تھا جو بہت کم ہی کسی کی تعریف کرتی تھیں اور خود مناہل کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا اور پھر وہاں سے نکلنے اور زرش کے وسیع و عریض بنگلے تک پہنچنے کے دوران مناہل کو یقین آ گیا تھا کہ بیگم شہلا حیات کا موڈ خاصا خوشگوار ہے۔ شاید اس لیے کہ زرش سے ان کا تعارف مناہل کے توسط سے ہی ہوا تھا حالانکہ ان کا اپنا تعلق بھی ایک اچھی خاصی شہر کی مشہور و معروف فیملی سے تھا۔ وہ گھر سے نکلے تو موسم اچھا خاصا خوشگوار تھا اور ہوا میں نمی کا تناسب بھی خاصا تھا اور ریسپشن پر زرش جو اپنی مدر کے ساتھ مہمانوں کے استقبال کے لیے کھڑی اسے دیکھ کر بری طرح ٹھٹکی تھی۔ اسے گلے سے لگاتے ہوئے وہ بڑے پُرجوش انداز میں بولی تھی۔

"کمینی! بڑی آفت شے لگ رہی ہو۔"

"تم کون سا کسی سے کم ہو۔" مناہل نے اسے تسلی دی تو وہ صاف گوئی سے بولی۔

"تم سے زیادہ نہیں۔ ویسے بھی جو سحر تیرے لمبے گھنے سیاہ بالوں میں ہے وہ میرے باب کٹ میں کہاں۔"

"بیٹا! آپ کی طرف دیکھ کر مجھے آج پہلی بار احساس ہو رہا ہے کہ کاش میرا کوئی بیٹا ہوتا۔" بیگم منصور ہمدانی نے بڑی نزاکت سے اسے پیار کرتے ہوئے لیکن خاصی خوش دلی سے کہا تھا۔ وہ بری طرح جھینپ گئی۔ اس نے فوراً مڑ کر بیگم شہلا حیات کو دیکھا جو مسز ہمدانی کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھیں اور زرش ان کا تعارف بڑے جوش و خروش سے کروا رہی تھی جبکہ وصی کی نظریں اسی پر تھیں۔ مناہل نے گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

سارا انتظام لان میں تھا۔ زرش انہیں مطلوبہ سیٹوں پر بٹھا کر دوسرے مہمانوں کو ریسیو کرنے چلی

گئی تھی۔

''ارے مسز حیات! آپ نے چپ چپاتے بیٹے کی شادی کر دی اور بتایا تک نہیں۔ ماشاءاللہ بہو تو آپ کی خاصی نازک اور پیاری سی ہے۔'' بلیک ساڑھی میں کوئی محترمہ اچانک ہی انہیں پہچان کر بڑی خوش اخلاقی سے بولی تھیں۔ جواباً بیگم شہلا کا رنگ تیزی سے بدلا اور ان سے ملتے ہی انہوں نے فوراً وضاحت دی۔

''ارے نہیں مسز ابراہیم! وصی کی شادی تو میں نے ابھی نہیں کی اور وصی کی شادی ہو اور آپ کو نہ بلاؤں ایسے تو حالات نہیں۔ یہ بچی تو حیات صاحب کی بھانجی ہے۔''

مناہل کا رنگ بڑی تیزی سے واپس آیا تھا اور وصی کے چہرے پر پھیلی معنی خیز مسکراہٹ سے وہ خاصا گھبرا رہی تھی جس کے آج رنگ ڈھنگ ہی بدلے ہوئے تھے۔ مناہل نے دل ہی دل میں اسے خوب کوسا اور زبردستی بیگم شہلا کی طرف متوجہ ہو گئی جو مسز ابراہیم کو اس کے متعلق ہی بتا رہی تھیں۔

''ماشاءاللہ بچی خاصی پیاری ہے۔ اگر تمہارا ارادہ نہ ہو تو مجھے بتا دینا۔ میرا عمر اپنی اسٹڈیز مکمل کر کے امریکا سے آنے والا ہے۔''

نہ جانے کیوں مناہل کو لگا تھا کہ مسز ابراہیم کی سرگوشی سے بیگم شہلا کے چہرے پر بیزاری اور کوفت کے تاثرات پھیل گئے تھے اور انہوں نے فوراً تردید کی تھی۔ ''جی ضرور بتاؤں گی۔ ویسے میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔''

وصی کو اپنی کوئی دوست مل گئی تھی اور وہ اب اس کے ساتھ مصروف تھا جبکہ بیگم ابراہیم انہیں کچھ شناسا خواتین سے ملانے چل پڑی تھیں اسے دیکھ کر زرش فوراً آئی اور پھر فرداً فرداً اسے لے کر مختلف گروپوں سے متعارف کرانے لگی جبکہ مناہل کو محسوس ہوا کہ خواتین اس کے متعلق خاصا کرید کرید کے پوچھ رہی تھیں اور یہ چیز اس کے لیے کوفت کا باعث بن رہی تھی۔ زرش کے والدین بھی اس کے ساتھ خصوصی برتاؤ کر رہے تھے۔ کھانا لگنے کے دوران وہ اپنی پلیٹ لے کر نسبتاً ایک خالی کونے کی طرف آ گئی اور اپنے سے کچھ فاصلے پر اسے بیگم شہلا حیات ایک گروپ کے ساتھ کھڑی دکھائی دیں۔ ان کے چہرے پر مسرت کے رنگ دور ہی سے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بڑے پُرجوش انداز میں پاس کھڑی خواتین کو بتا رہی تھیں۔

''میرے لیے یہ ڈنر تو بہت ہی زبردست واقع ہوا ہے۔ ہمدانی صاحب نے مجھے بھرپور تسلی اور یقین دہانی کروائی ہے کہ وہ نہ صرف ہماری این جی او کے فنکشن میں چیف گیسٹ بنیں گے بلکہ جو جو ہماری ڈیمانڈ ہوں گی وہ بھی پوری کریں گے۔''

''ویسے آپ کی ہمدانی صاحب تک رسائی کیسے ہو گئی۔ میں نے سنا ہے کہ خاصے دوٹوک انداز میں بات کرنے کے عادی ہیں۔'' ایک خاتون کے تجسس بھرے جواب پر دبے پروائی سے بولی تھیں۔

''ان کی بیٹی میرے وصی کی بہت اچھی دوست ہے۔'' مناہل کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹا تھا۔ اس نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔ اسی اثنا میں کسی نے فوراً کہا۔

''ہاں ہاں، میں نے بھی دیکھا تھا پورے ڈنر میں وہ بار بار آپ کی ٹیبل پر آ رہی تھی۔''

''بھئی مسز حیات کا بیٹا بھی تو خاصا ہینڈسم اور چارمنگ ہے۔'' کسی نے کہا۔

''بھئی اس میں کیا شک ہے۔'' بیگم شہلا کے اترانے پر سب کا قہقہہ فضا میں گونجا۔

''ویسے مسز حیات! اگر ہمدانی صاحب کی اکلوتی دختر نیک اختر آپ کے بیٹے کو پروپوز کرے تو روایتی ماں بننے کی ضرورت نہیں، فوراً ہاں کہہ دیجیے گا۔ آپ کی تو کروڑوں کی لاٹری نکل آئے گی۔'' کسی نے ذرا دھیمے انداز میں انہیں مشورہ دیا تھا۔

''بھئی میرا دماغ خراب ہے جو انکار کروں گی۔'' وہ خاصی خوش دلی سے بولی تھیں اور ایک دفعہ پھر دبے دبے قہقہے فضا میں گونج اٹھے تھے۔

''میں کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں آپ کچھ لے نہیں رہیں۔'' کوئی نیوی بلیو ڈنر سوٹ میں اس کے پاس آ کر بولا تھا۔ مناہل نے چونک کر ہاتھ میں پکڑی خالی پلیٹ اور پھر سامنے کھڑے ہینڈسم سے بندے کو دیکھا جس کی پُرشوق نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''ہاں بس......'' وہ پھیکے انداز میں مسکرائی اور ہاتھ میں پکڑی پلیٹ میں تھوڑے سے فرائیڈ رائس نکال لیے۔ وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا جو خاصی گہری سوچ میں تھی۔

''مجھے صارم جمشید کہتے ہیں۔ جمشید ماربل اینڈ انڈسٹری میرے فادر کی ہے۔ میں پچھلے ماہ ہی بزنس ایڈمنسٹریشن کی ڈگری انگلینڈ سے لے کر آیا ہوں۔ آپ کو پہلی دفعہ کسی فنکشن میں دیکھا ہے۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو مجھے بتائیں گی کہ آپ کے فادر کا کیا نام ہے؟'' مناہل نے کوفت سے اپنے سامنے کھڑے سنجیدہ اور ویزرو سے بندے کو دیکھا۔ وہ قطعاً بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی تبھی مختصر جواب دیا۔

''میں ڈاکٹر حیات کی بھانجی ہوں۔''

وہ بے اختیار چونک کر بولا۔ ''اوہ وصی حیات کی کزن ہیں۔''

''جی!'' اس نے رُکھائی سے جواب دیا اور سامنے وصی کو دیکھا جو کسی الٹرا ماڈرن لڑکی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ اچانک وصی کی نگاہ اس پر پڑی اور وہ بری طرح ٹھٹکا اور اگلے ہی پل تیر کی طرح اس کے پاس پہنچا اور اب سرسری سے انداز سے صارم جمشید سے مل رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے مناہل کو لگ رہا تھا کہ اسے وہاں اس کی موجودگی خاصی ناگوار لگ رہی ہے۔ وصی کی آمد کی وجہ سے صارم کچھ دیر بعد ہی وہاں سے چلا گیا تو مناہل نے دل ہی دل میں اس کے ٹلنے پر شکر ادا کیا۔

محفل موسیقی کے پروگرام کا آغاز ہو چکا تھا۔ مسز شہلا حیات اب جانے کے موڈ میں تھیں۔ ویسے بھی ان کے آنے کا مقصد پورا ہو چکا تھا لیکن زرش، مناہل کو ہرگز جانے کی اجازت دینے کے موڈ میں نہیں تھی اس لیے وہ مسز حیات سے وصی اور مناہل کے لیے اجازت لے کر ہی ٹلی اور مسز حیات نے بھی خلافِ توقع نہایت تحمل سے اسے اور وصی کو ٹھہرنے کی اجازت دے دی تھی۔

رات گئے پروگرام کا اختتام ہوا تو وہ خاصی تھک چکی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے وصی کو غور سے دیکھا۔ بلیک رنگ کے ڈنر سوٹ میں اس کی شخصیت خاصی ہینڈسم لگ رہی تھی۔ اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہی Eternity کی تیز مہک نے مناہل کا گھیراؤ کیا۔ لگتا تھا کہ وصی نے پرفیوم کا بے دریغ استعمال کیا تھا۔

''بی بی اے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' وصی نے گاڑی مین روڈ پر لاتے ہوئے خاموش بیٹھی مناہل سے پوچھا تو وہ چونک گئی اور سادہ سے لہجے میں بولی۔ ''دیکھیں، ابھی کچھ سوچا نہیں۔''

''پھر بھی؟''

''ظاہر ہے MBA''

''اور اس کے بعد؟''

''جاب۔''

''پھر اس کے بعد؟''

اب کے مناہل نے قصداً اسے غور سے دیکھا جو مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا پھر زبردستی اپنے لہجے کو بے پروا بنا کر کہا۔ ''کچھ سوچا نہیں۔''

''اگر میں کہوں کہ آپ کو کچھ سوچنا چاہیے؟''

اب کے وصی کا لہجہ ہرگز نظر انداز کر دینے والا نہیں تھا تبھی اس نے کھوجتے لہجے میں استفسار کیا۔ ''مطلب کیا ہے آپ کا؟''

''مطلب تو بس سیدھا سا ہے۔ میری خواہش ہے کہ جب تم اپنے بارے میں کچھ سوچو تو تمہاری سوچوں کا محور بس میری ذات ہو۔''

''کیوں؟'' مناہل کی آنکھوں کے ساتھ لہجے

میں بھی حیرت در آئی تھی۔
''کیوں سے کیا مراد؟ کیا میرے بارے میں سوچنا تمہیں پسند نہیں؟'' اُلٹا اسی سے سوال کیا گیا تو وہ چپ سی ہو گئی۔ وہ گہری نظروں سے مناہل کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ کئی لمحے یوں ہی خاموشی سے سرک گئے۔
''بہر حال زندگی تمہاری ہے اور تمہیں اس کے بارے میں سوچنے کا مکمل اختیار ہے۔ میں نے صرف اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اگر تمہیں برا لگا ہو تو سوری اور اگر اچھا لگا ہو تو یہ میری خوش نصیبی ہے۔''
''کچھ لوگوں کے لیے خوش قسمتی ہر موڑ پر ہاتھ باندھے کیوں کھڑی ہوتی ہے؟'' مناہل کے سوال پر وہ ٹھٹکا۔ ''کیا مطلب؟''
''مطلب کا تو مجھے پتا نہیں۔ بہر حال آپ ایک خوش قسمت انسان ہیں۔'' مناہل کا لہجہ سادہ سا تھا۔
''تھینک یو یار! تھینک یو سو مچ!'' وصی کی آواز میں دنیا بھر کی مٹھاس تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے اب کچھ گنگنا رہا تھا اور اس کا ارتکاز اسے بے چین کر رہا تھا۔
''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے؟'' مناہل کا دل دھڑکا۔
''بس ایسے ہی۔ اپنی خوش قسمتی کا یقین جو نہیں آ رہا۔'' وہ خوشی سے بے قابو ہو رہا تھا۔
''خدا کا خوف کریں۔ خوش قسمتی کا یقین بعد میں کر لیجیے گا۔ گاڑی تیز چلائیں۔ آدھی رات کا وقت ہے اور مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔'' مناہل نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا تو وصی بھی سنجیدہ ہو کر ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔
گھر پہنچتے ہی وہ بستر پر لیٹی تو تمام دن کے مناظر مناہل کی آنکھوں کے گرد گھومنے لگے۔ نہ جانے کیوں آج ایک طویل عرصے کے بعد اسے زندگی بہت اچھی لگی تھی۔ اس کے کانوں میں چاروں طرف ساز بج رہے تھے اور اسے لگا کہ گویا محبت اپنے پر پھیلائے اسے اپنی بانہوں میں لینے کے لیے بے قرار تھی۔ نہ جانے کیوں وصی حیات کا اسے اہمیت دینا بہت اچھا لگا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی زندگی کے سارے موسم اسے اچھے لگیں گے۔
مناہل کے لیے زندگی کا مفہوم بدل گیا تھا اپنے اردگرد کے سارے موسم، رنگ، ہوا، بادل ہر چیز اسے گنگناتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وصی حیات کے اقرارِ محبت نے اس کے لیے زندگی کو بہت خوبصورت بنا دیا تھا۔
اب شہلا حیات کی کھوجتی نظریں اور سرد لہجہ بھی اسے برا نہیں لگتا تھا۔
ڈاکٹر حیات بھی اب اسے مطمئن اور سرشار انداز میں گھومتے دیکھ کر بے اختیار چونکے تھے۔
زرش منصور ہمدانی اس کی آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں اور لہجے میں جھلکتی خوشگواریت کو بے یقینی سے دیکھتی کیونکہ اس کے لیے مناہل کے تمام انداز نئے اور انوکھے تھے۔
''مناہل تم آج کل کیا استعمال کر رہی ہو......'' اس دن زرش نے بے اختیار اس سے پوچھ ہی لیا یونیورسٹی میں۔
''کیا مطلب......!!'' وہ دل سے ہنسی تھی۔
''مطلب یہ ہے مائی ڈیئر کہ تم روز بروز نکھرتی جا رہی ہو اب اس بلیک سوٹ میں تمہاری چھب ہی نرالی ہے حالانکہ یہ ہی کلر میں نے بھی پہن رکھا ہے لیکن آج تو تمہیں دیکھ کر میں مبہوت سی رہ گئی آخر چکر کیا ہے؟'' زرش نے حیرانی سے پوچھا۔
''فضول مت بولو، کوئی چکر وکر نہیں ہے بس موسم آج کل اچھا ہو رہا ہے ناں۔'' مناہل نے سرسری انداز میں ٹالا لیکن مخاطب زرش منصور تھی کوئی اور نہیں۔
''بکواس مت کرو یہ اگست کا مہینہ ہے اور چاروں طرف حبس اور بارشوں نے مت مار رکھی ہے اور تمہیں اس میں کہاں سے اچھائی اور خوبصورتی نظر آ گئی مجھے بے وقوف مت بناؤ۔''
''زرش کیا ہو گیا ہے؟'' مناہل اب کے گھبرا کے بولی کیونکہ زرش کی تفتیشی نظروں اور مشکوک لہجے نے اسے بوکھلا دیا تھا۔
''بیٹا ہم اڑتی چڑیا کے پر گننے والوں میں سے ہیں۔''
''بھئی مجھے معاف کرو'' مناہل اس کے آگے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ ''ہم تو مری ہوئی چڑیا کے بھی پر نہیں گن سکتے آپ کے ساتھ مقابلہ کیا خاک کریں گے۔''
''مرضی ہے تمہاری، ورنہ میری چھٹی حس تو کہہ رہی ہے کہ مناہل صاحبہ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔''
''کیا مطلب......؟'' مناہل کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ سارے وجود میں ہلچل مچ گئی۔ اس نے دل ہی دل میں زرش کی تیز چھٹی حس کو کوسا۔
''میں سمجھی نہیں۔'' مناہل نے حیرانی سے اسے دیکھا جو بے پروائی سے اپنے ہاتھوں پر لگی کیوٹکس کو دیکھنے میں مگن تھی۔
''مائی سویٹ ہارٹ! زرش منصور کی باتیں لوگوں کو بہت دیر سے سمجھ میں آتیں ہیں۔'' اس کا انداز ہنوز بے پروا سا تھا وہ اب اپنے سیل فون پر آنے والی کال کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ مناہل نے دل ہی دل میں خدا کا لاکھ شکر ادا کیا۔ اسے آج اندازہ ہو گیا کہ زرش سے کوئی چیز چھپانا آسان نہیں ہو گا۔ اس نے سامنے کھڑی زرش کا بہ غور جائزہ لیا ریڈ کلر کے ٹراؤزر اور شارٹ شرٹ میں اپنے خوبصورت اسٹائل کے ساتھ وہ آسانی سے نظر انداز کرنے والی شخصیت نہیں تھی لیکن وہ ہر کسی کو لفٹ بھی نہیں کرواتی تھی۔
آخری کلاس لے کر وہ ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں اتر رہی تھیں جب اچانک زرش نے پوچھا۔
''وصی، مظفر آباد سائڈ سے کب آ رہا ہے؟''
مناہل کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ اس نے چونک کر زرش کو دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ عام سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ ''ابھی تو دس بارہ دن مزید رہے گا۔''
''اس کی مما کو معلوم ہوا......؟''
''نہیں اور خدا کے واسطے ان کے سامنے ذکر بھی مت کرنا۔''
''ویسے مناہل یہ وصی کی والدہ محترمہ کچھ عجیب سی نہیں ہیں۔'' زرش نے ناک چڑھا کر کہا۔
''کیوں وہ کوئی آٹھواں عجوبہ ہیں؟''
''نہیں یار، میں دو تین دفعہ ہی ان سے ملی ہوں مجھے وہ خاتون کچھ سیلفش، خود غرض سی لگی ہیں دیکھو ناں جب میں فرسٹ ٹائم ان سے ملی تو انہوں نے مجھے لفٹ ہی نہیں کرائی اور جب انہیں معلوم ہوا کہ میں ''منصور ہمدانی'' کی دخترِ نیک اختر ہوں تو انہوں نے مجھے مکمل پروٹوکول دیا تب ان کا انداز، لہجہ اور اسٹائل ہر چیز مصنوعی شیرینی میں بدل گئی لیکن انہیں نہیں معلوم تھا کہ آگے بھی زرش خاتون ہیں اگر اتنی ہی معصوم ہوتیں تو اب تک دنیا انہیں بیچ کر کھا چکی ہوتی وہ تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر مناہل سے دوستی رکھنی ہے تو بیگم شہلا حیات کا نخریلا مزاج برداشت کرنا پڑے گا ورنہ ہم اتنے اچھے نہیں ہیں جتنے نظر آتے ہیں۔''
''اچھا بکواس نہ کرو بھی......'' مناہل نے بہ ظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بات کو مزاح کا رنگ دیا لیکن دل ہی دل میں وہ زرش کی شارپ معاملہ فہمی کو داد دے رہی تھی جس نے بیگم شہلا حیات کی شخصیت کا ٹھیک ٹھاک اندازہ لگایا تھا۔
''ویسے زرش تم نے مجھ سے دوستی کیوں کی؟ کیوں کہ میرے آنے سے پہلے تمہاری بس دو چار لوگوں سے ہیلو ہائے تھی لیکن اچھی کمیونیکیشن کسی کے ساتھ نہیں تھی؟'' مناہل کے دل میں جو سوال کافی عرصے سے کھٹک رہا تھا اور آج اس نے وہ پوچھ ہی لیا تھا۔

''بس یار کیا بتاؤں؟'' زرش گہری سانس بھر کر بولی تو اس کے انداز پر مناہل مسکرائی۔

''اصل میں یار لوگ اس قدر سیلفش اور اسٹیٹس کونشس ہو گئے ہیں کہ پہلی ملاقات میں ہی آپ کا بیک گراؤنڈ کھنگالنے لگتے ہیں کہ اس سے کیا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے خالی زرش سے تو کوئی دوستی نہیں کرتا تھا اور جب انہیں پتا چلتا کہ ''ٹو ڈی'' گاڑی کا ہر مال یا ماڈل رکھنے والی محترم ''ہمدانی انڈسٹریز'' کی اکلوتی وارث ہے تو لوگ شہد کی مکھیوں کی طرح اکھٹے ہونے لگتے تھے آخر کو میرے فادر کا اس شہر میں ایک نام ہے اور مجھے اپنے گرد سیلفش اور خوشامد پسند لوگوں کو اکٹھے کرنے کا کوئی شوق نہیں اور تم واحد لڑکی تھیں جس نے میرے بیک گراؤنڈ میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور کبھی نہیں پوچھا اور تمہیں بھی شاید مسز شہلا حیات سے پپا کی حیثیت کا پتا چلا ہوگا اور اب اتنے عرصے میں تو مجھے تمہاری رگ رگ سے شناسائی ہو گئی ہے۔''

''اچھا تو کیا اندازہ لگایا تم نے، میرے بارے میں؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا۔

''یہی کہ مناہل فاطمہ...... ایک ''مختلف'' اور بہت ''خاص'' لڑکی ہے جو بہت مخلص، حساس اور انسانیت سے پیار کرنے والی ہے اور اس کے سامنے اگر زرش منصور کے بجائے ایک عام سے بیک گراؤنڈ والی کوئی بھی لڑکی ہوتی تو وہ اسے اتنی ہی اہمیت دیتی جتنی کہ مجھے دے رہی ہے۔''

''دیکھو زرش! تم نے اگر یہ بات چھیڑ ہی دی ہے تو میں تمہیں بتا دوں کہ یہ انسان کے اندر کے کمپلیکس ہوتے ہیں جو وہ کسی کی حیثیت کا تعین اس کی معاشی حالت سے کرتا ہے اور اس بنیاد پر قائم ہونے والے تعلق کبھی پائیدار نہیں ہوتے اور اس قسم کے سوالات وہ لوگ کرتے ہیں جو احساسِ کمتری کے مارے ہوئے ہوں اور الحمدللہ میرے اندر ایسا کوئی کمپلیکس نہیں اور تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ میرے فادر کا شمار آزاد کشمیر کے سب سے بڑے ہارٹ سرجنوں میں تھا میرے دادا کا وہاں کی سیاست میں ایک نام تھا میری والدہ ''یونیسیف'' جیسے بڑے ادارے میں جاب کر رہی تھیں اور مظفر آباد کا بچہ بچہ میرے فادر اور میرے دادا سے واقف تھا اور میرے والدین نے میری طبیعت ہرگز ان خطوط پر نہیں کی کہ میں کسی کی معاشی حالت سے اس کی شخصیت کا تعین کر کے اسے اہمیت دوں'' مناہل نے تفصیل سے جواب دیا تو اس کے انداز پر زرش کھل کر مسکرائی۔

''تمہاری دوستی میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔''

''موسٹ ویلکم! ہم یہ اعزاز ہر کسی کو نہیں دیتے'' مناہل کے انداز پر زرش کھلکھلا کر ہنسی۔

☆☆☆

''اچھا ...... کمال کرتے ہیں آپ، اکلوتی اولاد کے بارے میں اتنی بے پروائی، حد ہے یہ۔''

مناہل کا دل چاہا کہ وہ مسز حیات کو تسلی کروا دے کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ رات ہی تو اس نے مناہل کے سیل فون پر خاصی لمبی بات کی تھی لیکن مسز حیات کو یہ بتانا اپنی شامت بلانے کے مترادف تھا اس لیے وہ مصلحتاً خاموش رہی۔ البتہ دل ہی دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ اسے فون پر مما کی پریشانی سے آگاہ کر دے گی۔

''بھئی ٹھیک ہوگا، اور وہ اب کون سا بچہ ہے ذرا دوستوں کے ساتھ مصروف ہوگا اور ماشاءاللہ سے اب تو مکمل انجینئر بن گیا ہے اس کے لیے کوئی لڑکی تلاش کرو'' ڈاکٹر حیات نے ان کو ایک نئی راہ پر ڈال دیا تھا تبھی وہ ساری فکر مندی بھلائے اپنے سرکل کی لڑکیوں کو ذہن میں لا رہی تھیں اور ایک ایک کر کے سب کو دل میں ریجیکٹ کیے جا رہی تھیں۔

مناہل کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔

''لیکن بیٹے سے بھی پوچھ لینا اس کی اپنی کوئی پسند نہ ہو۔'' ڈاکٹر حیات نے شرارت سے اپنی مسز کی طرف دیکھتے ہوئے نئی اطلاع دی تو وہ حیرانی

سے انہیں دیکھنے لگیں۔

''خیر ایسا تو نہیں ہو سکتا۔'' انہوں نے خود کو تسلی دی۔

''کیوں نہیں ہو سکتا، حالانکہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ اس کے سوشل سیٹ اپ میں لڑکوں کے بجائے لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے۔''

''وہ تو صرف اس کی فرینڈز ہیں۔''

''بھئی بیگم کوئی ''بیسٹ فرینڈ بھی تو ہو سکتی ہے...... جیسے آپ میری تھیں۔''

''اچھا، فضول مت بولیں۔'' بیگم حیات جھینپ کر بولیں۔

مناہل نے چونک کر پہلے ڈاکٹر حیات کو دیکھا اور پھر بیگم شہلا کو اور اسے اندازہ ہوا کہ ڈاکٹر حیات کے انداز میں شرارت کے ساتھ سادگی اور خلوص کا عنصر بھی جھلک رہا تھا جبکہ ان کے برعکس بیگم شہلا حیات کی شخصیت اگرچہ متاثر کن تھی لیکن ان کے چہرے اور انداز میں ایک نامعلوم سی سرد مہری اور سختی جھلکتی تھی اور انہیں شہر میں ایک کامیاب سرجن کی مسز ہونے اور ایک لائق فائق ہینڈسم بیٹے کی مدر ہونے پر خاصا ناز تھا ان کا انداز خاصا لیے دیے کا سا تھا بہت کم لوگوں کو وہ اہمیت دیتی تھیں۔

اپنے روم میں آ کر مناہل نے اندازہ لگایا کہ وصی حیات کو نادرن ایریاز کی طرف گئے پورے چھ دن ہو چکے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی اس کا فون آیا تو وہ خاصا بوکھلایا ہوا تھا۔ ان علاقوں میں پھیلنے والی تباہ کاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا اس کے لیے خاصا تکلیف دہ تھا خود مناہل بھی اس کی رنجیدہ آواز سن کر پریشان ہو گئی تھی اس سے پہلے مناہل کا وصی کے بارے میں خیال تھا کہ وہ خاصا بے پروا اور اپنے کام سے کام رکھنے والا لڑکا ہے لیکن پھر جس طرح وہ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کی کیئر کرتا تھا اسے اندازہ ہوا کہ وصی مزاجاً اپنے فادر ڈاکٹر حیات کا پرتو ہے۔ ویسا ہی مہربان اور شفیق، چھوٹی چھوٹی بات کا خیال رکھنے والا...... اپنے والدین کے اسٹیٹس سے بے پردا۔

وہ اس دن T.V لاؤنج میں بیٹھی کسی ڈاکومنٹری فلم کو دیکھنے میں مگن تھی جب اس نے بڑی پریشانی کے عالم میں ڈاکٹر حیات کو اپنے بیڈ روم سے نکلتے دیکھا شاید کوئی ایمرجنسی آ گئی تھی وہ اپنے پیشے سے حد درجہ مخلص تھے۔

''تم شہلا کو مت بتانا اور میری فوراً اسلام آباد کی سیٹ کنفرم کرواؤ۔'' ڈاکٹر حیات کی حد درجہ فکر مند آواز پر مناہل کا دل اَن جانے وسوسوں میں گھرا تیز تیز دھڑکنے لگا تھا وہ گاڑی کی چابی ہاتھ میں پکڑے انتہائی حواس باختہ انداز میں سیل فون پر دوسری طرف آنے والی بات سن رہے تھے۔

''اوہ مائی گاڈ !! میں ڈاکٹر وحید سے رابطہ کرتا ہوں وہ ماہر ترین آرتھوپیڈک سرجن ہیں۔'' اب ان کے چہرے پر خوف اور لہجے میں ہلکی سی ناامیدی جھلک آئی تھی اور انہوں نے بے اختیار صوفے کو پکڑا تھا۔ مناہل کا دل ایک لمحے کو رک سا گیا نہ جانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا کہ اس خبر کا تعلق وصی حیات سے ہے۔

اس کے ہاتھ سے ریموٹ کنٹرول چھوٹ کر کارپٹ پر جا گرا تھا ڈاکٹر حیات شاید بیگم شہلا کی وجہ سے کمرے سے نکل کر فون سن رہے تھے مناہل کی تمام تر سماعتیں ڈاکٹر حیات کی طرف متوجہ تھیں۔

''انکل! کک...... کیا ہوا؟؟'' وہ بہ مشکل بولی تھی۔ ڈاکٹر حیات جنہوں نے ابھی فون بند کیا تھا اب خالی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے وہ شاید اس کی موجودگی سے بے خبر تھے۔

''وصی کے دوست کا فون آیا تھا بالاکوٹ سائڈ کی طرف جاتے ہوئے اچانک ان کا گروپ ایک پہاڑی تودے کی زد میں آ گیا ان کے دوست وکی کی تو ڈیتھ ہو گئی جب کہ وصی......'' وہ کچھ دیر کو رکے ''کیا ہوا وصی کو......؟'' مناہل کی سانس رک گئی۔

''وصی کی دونوں ٹانگیں کچلی گئی ہیں اس کے

باقی دوست اسے ہیلی کاپٹر پر اسلام آباد لے گئے ہیں۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں آپ فی الحال اپنی آنٹی سے ذکر مت کرنا۔" ڈاکٹر حیات نے بہت حوصلے اور ہمت سے اسے بتایا تھا ان کے چہرے پر تشویش اور پریشانی پھیلی ہوئی تھی لیکن وہ بڑے صبر کے ساتھ کھڑے تھے اور آنسوؤں کو ضبط کر کے جبراً مسکرا رہے تھے۔

کرب اور اذیت سے انہیں دیکھتے ہوئے مناہل کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن تسلی کے لیے دیا جانے والا ہر فقرہ، ہر بات اسے بے معنی اور رسمی سی لگ رہی تھی وہ ان کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا تھا اور ان کے دکھ کے آگے مناہل کے سارے لفظ چھوٹے لگ رہے تھے۔

وہ کمرے سے نکل چکے تھے جب کہ مناہل کی ٹانگیں چلنے سے انکاری تھیں دھم کر کے وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اس کا دل کٹ رہا تھا اور پورے وجود سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اب کل ہی تو اس کی سالگرہ تھی اور اس نے بڑے جوش و خروش سے رات فون کر کے مناہل کو وِش کیا تھا وہ اسے بتا رہا تھا کہ وہ بہت جلد آنے والا ہے اور پھر کچھ عرصے کے بعد دوبارہ وہاں جائے گا۔

بیگم شہلا حیات کو گھریلو حلیے میں T.V لاؤنج کی طرف آتے ہوئے دیکھ کر اس نے فوراً اپنے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کیا اور فوراً T.V کی طرف زبردستی متوجہ ہو گئی وہ اپنے کمرے سے ہی بولتی چلی آ رہی تھیں۔

"نہیں نہیں مسز ہارون، میں آپ کے فیملی ڈنر میں ضرور آؤں گی اپنے کلب کے اینول فنکشن کے بارے میں وہیں ڈسکشن کریں گے مسز مراد کے بیٹے کا ولیمہ بھی آ رہا ہے وہاں کیا پہن رہی ہیں آپ......؟" ان کا خوشگوار موڈ دیکھ کر مناہل کا ذہن جھکڑوں کی زد میں آ گیا تھا۔

"ارے کمال کرتی ہیں مسز ہارون، اپنے وصی کی شادی پر تو میں بی۔ جی کی بوتیک سے اسپیشل ڈریسز بنواؤں گی آخر کو میرے اکلوتے اور ہینڈسم بیٹے کی شادی کا فنکشن ہو گا۔" وہ کھلکھلا کر ہنستی ہوئی اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ چکی تھیں اور ہاتھ کے اشارے سے اسے T.V کی آواز کم کرنے کو کہا دوسری جانب سے جانے کیا کہا گیا تھا کہ وہ محبت سے لبریز لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وصی خاصی چارمنگ پرسنالٹی کا مالک ہے مجھے مسز ملک کہہ رہی تھیں کہ وہ ملک صاحب کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے لیے ماڈلنگ کرے لیکن وصی نے خود ہی انکار کر دیا میں نے بھی کہا کہ چلو ٹھیک ہے خواہ مخواہ میرے بیٹے کو نظر نہ لگ جائے۔" وہ خالصتاً روایتی ماؤں کی طرح بڑی محبت اور اپنائیت بھرے لہجے میں اپنے بیٹے کا ذکر کر رہی تھیں مناہل کے دل کو کچھ ہوا اس نے وحشت بھری نظروں سے سامنے صوفے پر بیٹھیں مسز حیات کو دیکھا جو بڑے مطمئن انداز میں اپنے سیل فون پر متوجہ تھیں۔ لائٹ پرپل کلر کے سوٹ میں وہ خاصی فریش لگ رہی تھیں ہاتھوں اور پیروں کے ناخنوں پر ہم رنگ نیل پالش سلیقے سے لگائے وہ ہلکا ہلکا میک اپ کیے ہوئے تھیں۔

مناہل دکھی دل کے ساتھ انہیں دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ ان کو احساس ہی نہیں ہے کہ ان کے بیٹے کو واقعی "نظر" لگ گئی ہے اس کے لبوں پر خاموشی اور آنکھوں میں اشک ٹھہر گئے تھے۔

"تمہیں کیا ہوا ہے......؟؟" وہ مناہل کو دیکھ کر اب ٹھٹکی تھیں ان کے چہرے اور لہجے میں حیرت تھی وہ شاید اپنے کمرے میں جا رہی تھیں۔

"کچھ نہیں آنٹی، بس سر میں ہلکا سا درد ہے۔"

"تو کوئی ٹیبلٹ لے لو۔" وہ سرسری سے لہجے میں بولیں اور پھر کچھ چونک کر بولیں "میں نے حیات صاحب سے پوچھا ہی نہیں کہ اچانک اسلام آباد کیا کرنے چل پڑے۔"

مناہل نے گہرا سانس لیا اور بوجھل قدموں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔

ڈاکٹر حیات کو اسلام آباد گئے ہوئے تیسرا دن تھا وصی کے ساتھ ساتھ ان کا سیل فون بھی آف تھا اور اب تو مسز شہلا حیات بھی پریشان ہو رہی تھیں۔ اٹھتے بیٹھتے کسی اَن ہونی کی الجھن نے انہیں گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا اور جس دن مناہل کے صبر کی انتہا ہو گئی وہ کیمپس میں زرش کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور زرش کو بھی سن کر سکتہ ہی تو ہو گیا تھا وہ بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ! میں نے مان لیا کہ مناہل تمہارے اعصاب بہت مضبوط ہیں تم مجھے آج چار دن کے بعد بتا رہی ہو اور اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو اب تک پاگل ہو چکی ہوتی۔"

اس دن وہ زرش کے ساتھ گھر آئی تو گھر کی فضا میں پھیلی سوگواریت سے ان دونوں کو اندازہ ہو گیا کہ مسز شہلا حیات کو خبر ہو گئی ہے۔ ملازمین سے پتا چلا کہ ان کا بی پی خطرناک حد تک لو ہو گیا تھا اور بہت زیادہ خرابیِ طبیعت کی وجہ سے انہیں ہوسپٹل میں ایڈمٹ کر دیا گیا ہے۔ دراصل صبح ہی وکی کی ڈیڈ باڈی کراچی پہنچی تھی اور مختلف لوگوں سے اڑتی ہوئی یہ خبر ان تک بھی پہنچ گئی تھی۔

مناہل کی آنکھوں کے آگے لمبے لمبے بالوں والے بے پروا اور لاابالی سے وکی کی تصویر نہیں ہٹ رہی تھی۔ اسے بار بار یاد آ رہا تھا کہ اس رات وہ کتنے جوش سے گٹار بجا رہا تھا اور اسے علم ہی نہیں تھا کہ موت اس کے تعاقب میں ہے پھر زرش نے ہی سرجن حیات سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ وصی کی دونوں ٹانگیں آپریشن کے ذریعے کاٹ دی گئی ہیں اور وہ دونوں پرسوں کراچی آ رہے ہیں۔ مسز شہلا حیات نے ایئرپورٹ پر جانے سے صاف انکار کر دیا تھا لیکن گھر... میں وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے افسردہ اور رنجیدہ سے وصی کو دیکھ کر وہ جنونی انداز میں چیخیں مار کے روئی تھیں۔ ان کی سسکیاں پورے گھر میں گونج رہی تھیں وہ اس وقت سارے مینرز بھلائے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس حالت میں دیکھتے ہوئے گاؤں کی عورتوں کی طرح بین کر رہی تھیں۔ ان کی حالت دیکھ کر وصی بھی بے آواز رو رہا تھا جب کہ ڈاکٹر حیات آنسوؤں پر ضبط کے پہرے بیٹھا کر ماں بیٹے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے جب کہ مناہل دور کھڑی اپنے منہ پر زبردستی ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ رہی تھی کہ اچانک روتے روتے شہلا حیات کی نظر ایک سائڈ پر متوحش سی کھڑی مناہل پر پڑی چیل کی طرح اس پر جھپٹیں اور کھینچ کر تھپڑ دے مارا جب کہ مناہل پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کا زہر آلود لہجہ سن رہی تھی۔

"یہ منحوس لڑکی ہے اسے اس گھر سے نکالو اس کم بخت کا سبز قدم میرے گھر پر پڑتے ہی آفتیں مجھ پر ٹوٹ پڑی ہیں پہلے یہ اپنے ماں باپ اور بھائی کو کھا گئی اب میرے گھر کے پیچھے پڑ گئی ہے میں اس منحوس لڑکی کو مار دوں گی اس نے میرے اتنے خوبصورت بیٹے کو نظر لگا دی، اسے اس گھر سے نکالو۔"

"شہلا کیا ہو گیا ہے تمہیں، تم اپنے ہوش و حواس میں تو ہو جو اس قدر جاہل انداز میں اتنی گری ہوئی باتیں کر رہی ہو۔ اللہ نے اگر یہ آزمائش ڈالی ہے تو حوصلے سے کام لو اس معصوم پر کس لیے الزام تراشی کرتی ہو، حد ہے جہالت کی۔" ڈاکٹر حیات نے انہیں جھٹکے سے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا مگر وہ ہوش و حواس میں کہاں تھیں ان کی حالت کے پیش نظر ڈاکٹر حیات نے مڑ کر مناہل کو دیکھا جس کا چہرہ سرخ تھا اور وہ بے دردی سے اپنا نچلا ہونٹ کچل رہی تھی۔

"مناہل بیٹا آپ اپنے کمرے میں جائیں شاباش۔" انہوں نے سب سے پہلے اسے اس ماحول سے نکالا تو وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

"یہ منحوس لڑکی ہے۔ یہ سبز قدم ہے...... سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہے۔"

ساری رات شہلا حیات کے زہر آلود فقروں نے اس کے دل و دماغ کا احاطہ کیے رکھا وہ بری

طرح ہرٹ ہوئی تھی آج، اس نے ابھی غور سے وصی کو بھی نہیں دیکھا تھا ابھی اس کا حال احوال تک نہیں پوچھا تھا۔ وہ کتنا خاموش اور افسردہ سا لگ رہا تھا شہلا حیات کے اندر کی نفرت اور تپش نے اس کا تن من جلا ڈالا تھا تبھی وہ اگلے دن صبح صبح زرش کے گھر پہنچ کر اس کے سامنے بری طرح روئی تھی تو زرش کا دل تاسف سے بھرتا جارہا تھا۔

''خدا کی قسم، زرش میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا اور وصی کے لیے، جس کی وجہ سے مجھے زندگی دوبارہ اچھی لگنے لگی تھی کبھی بھی نہیں۔'' وہ روتے ہوئے اپنی زندگی کا سب سے بڑا راز فاش کر گئی تھی۔ زرش نے بے یقینی سے اسے دیکھا جو اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

''مناہل ڈونٹ بی سلی یار مجھے کیا تمہارا نہیں پتا اور یہ کیا جاہلوں جیسی باتیں ہیں کسی کے کہنے سے بھی بھلا کچھ ہوا ہے جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے اور اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔''

جب کہ مناہل ہنوز بازو اپنی آنکھوں پر رکھے اس کے بیڈ پر لیٹی تھی اس کے گالوں پر بکھرے آنسو اس کے رونے کا پتا دے رہے تھے۔

''مجھے لگتا تھا کہ مسز حیات ''سیلفش'' ہیں لیکن اب پتا چلا کہ وہ سیلفش ہونے کے ساتھ ساتھ پڑھی لکھی جاہل بھی ہیں، ٹھیک ہے کہ حادثے لوگوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں لیکن ایسی بھی کیا دیوانگی کے بندہ اپنے ہوش وحواس سے بیگانہ ہو کر دوسروں کا دماغ خراب کرنے لگے میں نے تو کسی دن ٹھیک ٹھاک ان کو سنا دینی ہیں کہ ان کا ہی کوئی بولا ہوا بڑا بول ان کے سامنے آیا ہے وہ بھی بندے کو بندہ کب سمجھتی تھیں۔ اب بھی اللہ تعالیٰ نے سنبھلنے کا موقع دیا ہے۔ وہ اگر سمجھ جائیں تو''

''لیکن زرش اس میں وصی کا کیا قصور تھا؟'' وہ مسلسل رو رہی تھی۔

''مناہل تمہیں معلوم نہیں ہے کہ مسلمان اپنی اولادوں اور مال کے ذریعے بھی آزمائے جاتے ہیں۔'' زرش نے سنجیدگی سے کہا اور اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کرنے لگی۔ ''اور خبردار تمہیں ''حیات ولا'' میں جانے کی ضرورت نہیں ہے ہماری طرف ہی رہو، میری مما تو ویسے بھی تمہاری دیوانی ہیں اور ''زرش ولا'' کے لوگ بھی سمجھیں گے کہ ان کی ایک نہیں دو بیٹیاں ہیں بلکہ مسز حیات کو جلانے کے لیے میں اپنے بنگلے کے باہر ''زرش اینڈ مناہل ولا'' بھی لکھوا دیتی ہوں۔''

زرش کے انداز پر اسے روتے روتے ہنسی آگئی تو اس نے بھی شکر ادا کیا باقاعدہ دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے پھر کچھ سوچ کے بولی ''تم کہاں آؤ گی ہمارے غریب خانے پر ظاہر ہے ''حیات ولا'' میں ''وصی'' صاحب بھی تو ہیں بن کے آنے سے آپ کی زندگی کے سارے موسم خوشگوار ہو گئے تھے۔''

''بکواس مت کرو۔'' مناہل نے مصنوعی غصے سے اسے جھاڑا شام کو وہ گھر لوٹی تو نیچے والے پورشن میں کچھ کنسٹرکشن کا کام ہو رہا تھا اس کی حیرانی پر ایک ملازمہ نے اسے بتایا کہ وصی صاحب ضد کر رہے ہیں کہ وہ اپنا کمرا نہیں چھوڑیں گے اس لیے ان کی ضد اور خواہش پر سیڑھیوں کے ساتھ وہیل چیئر کے لیے سلائیڈ سی بنائی جا رہی ہے کیوں کہ وصی کا کمرا فرسٹ فلور پر تھا اور آج اس کا قیام ڈاکٹر حیات اور شہلا حیات کے ساتھ نیچے ان کے روم میں تھا۔ گھر میں وصی کی عیادت کے لیے آنے والے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔

وصی کو آئے ہوئے چار دن ہو چکے تھے لیکن اس کا ابھی تک مناہل سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ صبح اس نے شہلا حیات کو دیکھا تو وہ اسے خاصی کمزور کمزور سی لگی تھیں۔ ایک ہفتے نے ہی انہیں وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا اپنے حلیے سے بے پروا اور میک اپ سے بے نیاز وہ خاصی نڈھال سی دکھائی دے رہی تھیں آج کل انہوں نے کورٹ جانا اور تمام سوشل ایکٹوٹیز کو چھوڑ دیا تھا ان کا زیادہ وقت

وصی اور اس کی فرمایش پر کچن میں گزرتا تھا جس کی وجہ سے گھر میں موجود تمام ملازمین کی شامت آئی ہوئی تھی سب کے سب ایکٹو اور متحرک دکھائی دیتے تھے۔

اس دن بھی رات کے دس بجے تھے عشا کی نماز پڑھ کر دعا مانگتے ہوئے وہ بے آواز روتی رہی آج کل اس کا کسی بھی کام میں دل نہیں لگتا تھا فرسٹ سمسٹر میں اس نے ٹاپ کیا تھا لیکن کسی کو بھی نہیں بتایا تھا نماز پڑھ کر جائے نماز اس نے تہ کر کے رکھا تو ٹیرس کی طرف موجود اس کے کمرے کے دروازے کو کسی نے انگلی سے ناک کیا اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا اس نے خوفزدہ سی نظر دروازے پر ڈالی۔ اسی وقت اس کے سیل فون پر بیل ہوئی۔ ''وصی کالنگ''

مناہل کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا بہ مشکل اس نے سیل فون آن کر کے کان سے لگایا تو وصی کی آواز سنائی دی۔ ''مناہل! میں ٹیرس پر ہوں وہاں آجاؤ۔''

وصی کی سنجیدہ آواز سن کر وہ بے یقینی اور حیرت سے سیل فون کو دیکھنے لگی اور پھر کچھ سوچ کر اس نے کمرے کا دروازہ کھولا ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔

سامنے گرل کے پاس وصی اپنی وہیل چیئر پر اس کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا وہ دبے قدموں سے اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔

''مناہل ناراض ہو؟'' وہ مڑے بغیر بولا تھا۔

''نہیں، کیوں؟'' اس کا دل دھڑکا۔

''سوری یار اس دن ماما نے بہت زیادتی کی۔ بابا بھی بہت زیادہ افسوس کر رہے تھے لیکن کیا ہو سکتا ہے اصل میں وہ بہت زیادہ ڈپریشن کا شکار تھیں پلیز یار انہیں معاف کر دینا میں ان کی طرف سے ایکسکیوز کرتا ہوں۔''

''وصی!'' وہ فوراً مڑ کر اس کے سامنے آئی اور زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے شدتِ کرب سے اس کا چہرہ سرخ اور ہر انداز میں تاسف کا رنگ نمایاں تھا۔

''بلیوی! میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔''

''پاگل ہو گئی ہو مناہل! یہ حادثہ تو میری قسمت میں لکھا ہوا تھا اور اس میں انسانوں کا کیا دوش اور مجھے حیرانی تو اس بات پر ہے کہ میرے وجود کا ایک حصہ مجھ سے جدا ہو چکا ہے میں کبھی زمین پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ ابنارمل رویّہ تو میرا ہونا چاہیے جب میں حوصلے سے اس حادثے کو برداشت کر رہا ہوں تو مجھ سے وابستہ لوگ مجھے بار بار یہ احساس کیوں دلاتے ہیں کہ میرے ساتھ بہت بڑا سانحہ ہو چکا ہے پلیز مناہل میرے سامنے مت رو، یقین کرو میں کمزور پڑ جاتا ہوں اور یہی بات مما کو بھی سمجھ میں نہیں آتی، یار کیا ہو گیا ہے تم سب لوگوں کو، حادثے لوگوں کے ساتھ ہی تو ہوتے ہیں ہمیں اللہ کی رضا میں راضی رہنا چاہیے۔''

''سوری وصی!'' اس نے بازو کی پشت سے آنکھیں صاف کیں اور بھیگے لہجے میں کہا۔

''مناہل تمہیں پتا ہے کہ صرف تمہاری وجہ سے میں نے مما اور بابا سے ضد کی تھی کہ مجھے اوپر اپنے کمرے میں ہی رہنا ہے مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نیچے رہوں گا تو تم مما کے ڈر سے کبھی وہاں نہیں آؤ گی اور یہاں تو ٹیرس ایک ہونے کی وجہ سے چلو کبھی نہ کبھی نکلا تو کرو گی۔''

''وصی کیا ہوا تھا یہ سب اور کیسے ہوا؟'' وہ تاسف بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''چھوڑو یار! جو ہونا تھا ہو چکا تو پھر کب اور کیسے کا کیا سوال، جب ماضی میں یاد کرنے والی چیزوں کو سوچ کر تکلیف ہو، اذیت ہو تو پھر مستقبل کے بارے میں کوئی اچھی بات سوچ لینی چاہیے میں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے بازو سلامت ہیں وہاں ہوسپٹل میں، میں نے ایک دس سال کا بچہ دیکھا تھا جس کا زلزلے میں صرف دھڑ بچا تھا دونوں ٹانگیں اور دونوں بازوں کچلے گئے تم سوچو کہ وہ

صرف دس سال کا تھا اور ابھی ایک طویل عمر اس کی پڑی ہے۔ بس اللہ پاک نے مجھے حوصلہ دیا ہے ورنہ کافی دن تو میں یہ چیز ذہنی طور پر قبول کرنے کو تیار ہی نہیں ہو رہا تھا پھر بابا نے مجھے بہت حوصلہ دیا تمہیں پتا ہے کہ وہی جس کی ڈیتھ ہوگئی وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اور دو ماہ بعد اس کی علیزے سے شادی ہونے والی تھی تم سوچو کہ ان کے گھر والوں پر کیا قیامت ٹوٹی ہوگی۔'' وہ گہری سانس بھر کے خاموش ہوگیا مناہل نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا وہ ہرگز کسی قنوطیت کا شکار نہیں لگ رہا تھا۔ ایک عجیب سا سکون اس کے چہرے پر ٹھہرا ہوا تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے فرسٹ سمسٹر کے رزلٹ کا کیا بنا؟ تمہیں یاد ہے ناں میں نے کہا تھا کہ اگر تم ٹاپ کروگی تو میں تمہاری ایک بات مانوں گا اگر نہیں تو تمہیں ماننا پڑے گی۔''

وہ دلکش انداز میں مسکرائی اور دھیرے سے کہا۔ ''اب آپ کو میری ایک بات ماننا پڑے گی۔''

''رئیلی !!'' وصی کو حقیقتاً خوشی ہوئی تھی اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا بتاؤ کہ کون سی بات منوانی ہے۔'' وصی کا لہجہ بڑا خوشگوار تھا۔

''ابھی نہیں، پھر کبھی سہی۔'' مناہل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو وہ بھی مان گیا۔

''وصی کافی پیو گے؟''

''ہاں اگر تم اپنے ہاتھوں سے بنا کر لاؤ تو۔''

اور جب وہ اوپر والے کچن سے کافی کے دو مگ بنا کر لائی تو وہ کسی سوچ میں گم تھا۔ اس نے پرچ پر چمچہ مار کر اسے متوجہ کیا تو اسے دیکھ کر مسکرانے لگا' کافی کا مگ پکڑتے ہوئے اس نے دھیمے لہجے میں کہا ''پتا ہے مناہل! میں مظفر آباد گیا تھا تمہارے گھر کے پاس بھی، اگرچہ وہاں ملبہ تھا لیکن میں نے وہاں تمہاری موجودگی کو محسوس کیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ ہم یہ گھر دوبارہ بنائیں گے یہاں زندگی دوبارہ سے رواں دواں ہوگی۔''

''انشاءاللہ'' مناہل نے بھی پُرعزم لہجے میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

☆☆☆

وہ اب اکثر یونیورسٹی سے جلد آکر وصی کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔ وصی کے فرینڈز شروع شروع میں تو کافی اس کا دل بہلانے آجاتے تھے لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے بھی آنا چھوڑ دیا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی بھاگتی دوڑتی زندگی میں مصروف تھا۔ اب تو مسز شہلا حیات نے بھی آہستہ آہستہ اپنی سوشل ایکٹویٹیز میں حصہ لینا شروع کردیا تھا جس کی وجہ سے وصی نے تو خصوصاً خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا تھا کیوں کہ جب تک وہ وصی کے پاس رہتیں مناہل وہاں آنے سے گریز کرتی تھی۔

اس دن موسم خاصا زبردست تھا بادل صبح سے ہی اٹکھیلیاں کرتے پھر رہے تھے مناہل ایک ملازم کی مدد سے وصی کو لان میں لے آئی تھی۔ وصی کا موڈ خاصا شاعرانہ ہو رہا تھا وہ بلند آواز میں مناہل کو یہ اشعار سنا رہا تھا۔

''جب بھی رُت گدرائی، موسم بھیگا
آنکھیں بھیگ گئیں
جب بھی چاند ذرا آنگن پہ ٹھہرا
آنکھیں بھیگ گئیں
تیز ہوا جب ہم کو پاگل کہہ کر
پاس سے گزری تو
ہم نے اس کی بات پہ ہنسنا چاہا
آنکھیں بھیگ گئیں

پتا ہے مناہل کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ کاش میں بادل ہوتا۔'' وصی نے بڑے خوشگوار لہجے میں مناہل سے کہا تو وہ شرارت سے بولی۔

''کاش میں بجلی ہوتی اور آپ کے بالکل پاس آکر گرجتی۔''

''اچھا.....!'' وہ قہقہہ لگا کر اس کے پرجستہ فقرے پر ہنسا اس کی ہنسی رک ہی نہیں رہی تھی کہ اچانک گاڑی سے اترتے ہوئے بیگم شہلا حیات نے

خوشگوار حیرت سے یہ منظر دیکھا آج ایک طویل عرصے کے بعد انہوں نے وصی کو بڑے اچھے موڈ میں دیکھا تھا وہ بے اختیار اس کی طرف چل پڑیں مناہل ان کو اپنی طرف آتے دیکھ کر بری طرح گھبرائی تھی اور چونکا تو وصی بھی تھا۔

''میرا بیٹا آج بہت خوش ہے۔'' ان کے لہجے میں اپنے بیٹے کے لیے ہمیشہ کی طرح شفقت تھی۔

''بس مما، مناہل کی ایک بات پر ہنسی آگئی تھی۔'' انہوں نے سامنے لان چیئرز پر بیٹھی مناہل کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا جو اچانک ہی سنجیدہ ہوگئی تھی۔

''اچھا.....؟'' بیگم حیات نے حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر دانستہ موضوع تبدیل کردیا۔

''بیٹا یہ فہد، علی اور روبی لوگ کافی دن سے نظر نہیں آرہے؟''

''ارے مما! وہ سب لوگ بڑے فاسٹ ہیں ان کی بھاگتی دوڑتی زندگی میں اب آپ کا بیٹا مس فٹ ہے وہ کب مجھ پر ٹائم ضائع کرتے۔ ان کی ہوٹلنگ، جم، کلب وغیرہ کی ایکٹویٹیز میں میں اب ساتھ نہیں دے سکتا۔'' وصی نے ہولے سے ان کا ہاتھ تھپتھپایا جو بے بسی اور کرب سے اپنے بیٹے کی تلخ مگر حقیقت پر مبنی باتیں سن رہی تھیں۔

''کچھ باتیں تقدیر میں لکھی ہوتی ہیں ان کا کرب ان کا دکھ اپنی جگہ پر انسان اپنی تقدیر سے تو نہیں لڑ سکتا ناں، جب میرا سارا خاندان اچانک ختم ہوگیا تو مجھے لگتا تھا کہ میں زندگی میں کبھی بھی نارمل انسانوں کی طرح بی ہیو نہیں کرسکتی لیکن وقت بہت بڑا استاد ہے انسان کو سب کچھ سکھا دیتا ہے اب دیکھ لیں میں آپ کے سامنے ہوں کھاتی ہوں' پیتی ہوں ہنستی ہوں اور انشاءاللہ' اللہ صبر کرنے والوں کو بہت اچھا اجر دے گا۔''

مسز شہلا حیات نے حیرت سے اسے غور سے دیکھا جو پہلی دفعہ ان کے سامنے گویا ہوئی تھی۔ عجیب بے بسی تھی اس کے لہجے میں۔ انہوں نے تو ہمیشہ اسے خاموش اور مطمئن ہی دیکھا تھا۔

''یہ سب اللہ کے کام ہیں اس کی مصلحتیں وہ ہی جان سکتا ہے۔'' وصی نے دانستہ اپنے لہجے کو خوشگوار کیا تو وہ زبردستی ہنستے ہوئے بولی ''وائے ناٹ۔''

جب وہ کافی کے تین مگ لے کر لان میں آئی تو ڈاکٹر حیات بھی وہاں موجود تھے وہ اب اکثر ہوسپٹل سے جلدی آکر باقی ٹائم وصی کو دیتے تھے اور اس وقت بھی وہ تینوں کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے اسے آتے دیکھ کر انہوں نے بڑی شفقت سے اس کا حال احوال پوچھا تھا وہ اپنے حصے کی کافی کا مگ ان کے سامنے رکھ کر خاموشی سے وہاں بیٹھ گئی اور کچھ دیر کے بعد نماز کا بہانہ کرکے اٹھ آئی۔ نماز پڑھ کر وہ کچن میں آئی اور فریج سے چکن نکال کر وصی کے لیے سوپ بنانے لگی۔ ابھی شام میں اس نے فرمائش کی تھی وہ خاصی مصروف تھی جب مسز شہلا حیات نے جھانک کر اسے دیکھا تو ٹھٹک کر رک گئیں۔

''کیا بن رہا ہے؟'' ان کے سرسری لہجے پر مناہل نے سکون کا سانس لیا۔ ''سوپ۔''

''ہاں وصی بھی کچھ دیر پہلے کہہ رہا تھا سوپ کے لیے میں نے سوچا کہ کک سے کہہ دوں۔''

''وصی کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔''

یہ سن کر وہ خاموشی سے فریج کے اندر تانک جھانک کرنے لگیں اور اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا البتہ جاتے جاتے چٹیں اور سرسری لہجے میں استفسار کیا۔

''وہ تمہاری دوست زرش آج کل نظر نہیں آرہی؟''

پیاز کاٹتے ہوئے مناہل کے ہاتھ ایک لحظے کو رکے وہ آہستگی سے بولی ''ایسی تو کوئی بات نہیں ابھی پرسوں کافی دیر وصی کے پاس بیٹھی رہی ہے اور آج کل وہی مجھے یونیورسٹی ڈراپ کرتی ہے اس لیے تقریباً روزانہ ہی آتی ہے لیکن زیادہ تر باہر سے ہی چلی جاتی ہے۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئیں خاموشی سے کچھ پھل نکال کر ٹوکری میں رکھنے لگیں اور ملازمہ کو کچھ

ہدایات دے کر کچن سے نکل گئیں تو منا ہل نے سکون کا سانس لیا۔ پتا نہیں کیوں ان کی موجودگی میں اسے عجیب سی ٹینشن ہونے لگتی تھی۔ وہ تیزی سے ہاتھ چلانے لگی۔

اگلے کچھ دن پھر اس کے مصروفیت میں گزرے بیگم شہلا حیات نے محفل میلاد کا انعقاد کروایا تھا اور ویسے بھی آئے دن انہیں پارٹیاں کرنے کا کریز تھا کبھی کچن تو کبھی ڈیزائر اور وہ حتی الامکان پوری کوشش کرتی تھی کہ ان فنکشنز سے دور ہی رہے۔ اسے خواتین کی کھوجتی نظروں اور تجسس بھرے لہجے پر کوفت ہوتی تھی لیکن اس دن ایک تو محفل میلاد تھی اوپر سے بیگم شہلا نے کئی کام اس کے ذمے لگا رکھے تھے۔

اسٹور سے سفید چادریں نکال کر لان میں بھجوا کر وہ کوریڈور سے گزر رہی تھی جب کسی خاتون کی تمسخرانہ آواز منا ہل کے کانوں میں پڑی وہ نہ جانے کس سے مخاطب تھیں۔

''بھئی مسز حیات کا دماغ اب جا کر ٹھکانے لگا ہے ورنہ ان کی ناک کے نیچے تو کوئی آتا ہی نہیں تھا ہر بات کے جواب میں بڑے غرور بھرے لہجے میں کہتیں تھیں۔ ''میرا وصی اتنا خوبصورت، چارمنگ، ایجوکیٹڈ اور دولت مند ہے کہ کوئی بھی فیملی اس کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کر ہی نہیں سکتی۔۔۔ اور اب پچھلے ڈیڑھ ماہ میں ان کا مزاج جو سوا نیزے پر رہتا تھا خاصا ٹھکانے پر آچکا ہے۔''

''ہاں مسز جمیل! میں تو خود کہتی ہوں کہ بندے کو بڑا بول نہیں بولنا چاہیے ہر وقت اللہ سے ڈر کے رہنا چاہیے۔'' اگلی خاتون نے بھی اطمینان سے جواب دیا۔

منا ہل کا دل تاسف سے بھر گیا پورے میلاد اور محفل قرآن میں جہاں موقع ملتا اکثر خواتین اپنے اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہوئی دکھائی دے رہیں تھیں اور پھر لنچ میں بریانی، چکن، تکے، کباب، کڑاہی گوشت اور سویٹ ڈشز سے بھرپور انصاف کرتے ہوئے بھی وہ دبے دبے لہجے میں مسز حیات پر کمنٹس دینے سے باز نہیں آرہی تھیں منا ہل کو افسوس ہوا کہ خواہ مخواہ ان خواتین کو بلا کر اس پاکیزہ محفل کے بابرکت ماحول کو بھی خراب کیا گیا اکثر خواتین ہاتھ اور پاؤں پر نیل پالش لگائے وضو کر کے قرآن پڑھنے میں مصروف تھیں اور ادھر ادھر دیکھنے میں مگن زیادہ دکھائی دے رہی تھیں۔

''یہ سفید دوپٹے والی پیاری سی لڑکی کون ہے؟'' ایک اور فقرہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا جو کہ شاید نہیں بلکہ یقیناً منا ہل کے لیے ہی بولا گیا تھا۔

''سنا ہے کہ سر جن حیات کے دور پرے کے کسی کزن کی یتیم، مسکین بچی ہے۔'' کسی خاتون کے سمجھ کروانے پر ایک اور جسس بھرا لہجہ اس کے کانوں میں پڑا۔

''سنا ہے مسز حیات نے اس کے آنے پر خاصا مائنڈ کیا تھا اور ان کا رویہ بھی اس بچی سے اکھڑا اکھڑا سا رہتا ہے۔''

''ہاں ہاں میں نے بھی غور کیا ہے۔'' ایک اور خاتون نے مزید تصدیق کی۔

''ہاں میری ثانیہ تھوڑی دیر پہلے کہہ رہی تھی اس لڑکی کی اسکن میک اپ کے بغیر ہی کتنی فریش اور تروتازہ ہے۔''

''یہ بات تو ہے۔''

''مجھے تو لگتا ہے کہ مسز شہلا حیات اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے اب اسے ہی قربانی کا بکرا بنا ئیں گی ورنہ اور کوئی تو ان کے معذور بیٹے کو رشتہ دینے سے رہا۔''

''ارے مسز اجمل بات تو آپ نے سولہ آنے درست کی ہے کدھر ہے وہ بیچاری بچی، میں بھی ذرا دیکھوں غور سے اسے۔''

منا ہل کا دل کوفت اور بیزاری سے بھر گیا اور فوراً لان سے اندر کی طرف نکل آئی۔ مسز حیات بھی افسردہ افسردہ سی تھیں انہوں نے اندر جاتی منا ہل کو بڑے غور سے دیکھا تھا جس کے ہر ہر انداز سے تاسف جھلک رہا تھا۔

وہ تمام کاموں سے فراغت حاصل کر کے وصی کے کمرے میں ناک کر کے داخل ہوئی تو وہ گود میں کتاب رکھے بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے بیڈ کے پاس آبیٹھی نہ جانے کیوں اسے لگا تھا کہ وہ رنجیدہ ہے کوئی بات ہے جو اسے اندر ہی اندر کاٹ رہی ہے۔

''وصی! کیا پڑھ رہے ہیں؟''

اس نے ممتاز مفتی کی ''الکھ نگری'' خاموشی سے منا ہل کے آگے کر دی تو وہ زبردستی بشاشت اپنے لہجے میں پیدا کر کے بولی ''میں نے بھی پڑھ رکھی ہے بہت اچھی ہے۔''

جب کہ وصی کے لبوں پر چپ تھی اور آنکھیں بالکل سپاٹ وہ ایسے اس کی بات سن رہا تھا جیسے کوئی رغبت نہ ہو۔ منا ہل نے اس کا بیزار اور لاتعلق انداز دیکھ کر پوچھا۔ ''وصی کیا ہوا ہے آپ کو؟''

''کیوں؟'' وہ لاتعلق انداز میں بولا تو اس کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹا وہ جو صبح سے افسردہ اور پریشان تھی اس کے اس انداز سے تو بالکل ڈھے گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ وصی کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا وہ کچھ لمحے تو اسے دیکھتا رہا اور پھر گہری سانس بھر کے بولا۔ ''منا ہل پلیز.....!!! مجھے تکلیف ہوتی ہے۔''

''تو پھر مجھے کیوں تکلیف دیتے ہیں؟''

''تو پھر تم اپنا قیمتی ٹائم مجھ پر ضائع کیوں کرتی ہو؟'' وہ نوٹے ہوئے لہجے میں بولا تو منا ہل نے چپ کر اسے دیکھا۔ ''وصی! جب میں بالکل اکیلی تھی تو آپ اپنا قیمتی ٹائم مجھ پر ضائع کیوں کرتے تھے؟''

''اس لیے کہ تم مجھے اچھی لگتی تھیں معصوم سی۔''

''آپ بھی مجھے اچھے لگتے ہیں، اپنے اپنے سے۔'' اس نے دوبدو جواب دیا۔

''لیکن میں تو معذور ہوں، چل پھر نہیں سکتا۔'' اس کے لبوں سے مری مری آواز نکلی۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میں نے کون سا آپ سے کہا ہے کہ میرا تھن ریس میں حصہ لیں۔'' منا ہل کے چڑ کر بولنے سے وصی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس کے موڈ بدلنے کا عمل منا ہل کی آنکھوں سے چھپ نہ سکا بھی وہ مصنوعی خفگی کے ساتھ بولی۔ ''مت بات کریں آپ مجھ سے۔''

''کیوں بات نہ کروں؟'' وہ بشاشت سے بولا۔ ''لیکن تم بہت اچھی ہو ناں۔'' وصی کے چہرے پر پھیلی بیزاری دور ہو چکی تھی۔

''ہاں تبھی مجھ سے لڑتے ہیں۔'' اس نے گلہ کیا۔

''بس یار کیا کروں تھوڑی دیر پہلے مسز ابراہیم اور مسز ہارون مجھ سے ملنے کمرے میں آئیں تھیں اور ان کا لہجہ ہمدردی اور طنز سے لبریز تھا۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس چیز کا عنصر زیادہ ہے ''ہمدردی'' کا یا ''طنز'' کا ان کی باتوں کا لب لباب یہ تھا کہ چونکہ میں معذور ہو چکا ہوں اس لیے زندگی میں کچھ نہیں کر سکتا اور یہ کہ اب میں پہاڑ جیسی زندگی اکیلے کیسے کاٹوں گا؟''

''کیوں انہیں کیا پرابلم ہے انہوں نے اپنی بیٹی کا رشتہ آپ کو دینا ہے کیا؟'' وہ بری طرح چڑ کر بولی تو وصی کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔

''ان سے کہنا تھا کہ میں جسمانی طور پر معذور ہوا ہوں لیکن آپ لوگ ذہنی طور پر معذور ہو چکے ہیں اور جسمانی کمزوری کا تو علاج ممکن ہے لیکن ذہنی کمزوری کا نہیں۔''

''منا ہل! بری بات۔'' اس نے ٹوکا۔

''کوئی بری بات نہیں میرا دل کرتا ہے ایسے لوگوں کو گولی سے اڑا دوں اور کہوں کہ معاف کیجیے گا مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں کہ آپ کی جہالت کا صحیح اندازہ کر سکوں۔''

اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھول کے زرش اندر داخل ہوئی اور منا ہل کے تپے تپے چہرے کو غور سے

دیکھتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں بولی۔
''وصی کیسے ہیں آپ؟ اور یہ مناہل کی دُم پر کس نے پاؤں رکھ دیا۔''
''بکواس بند کرو یہ تمہارے آنے کا ٹائم ہے؟'' مناہل نے کھا جانے والی نظروں سے پہلے وال کلاک کو اور پھر اسے دیکھا جو ڈھٹائی سے مسکرا رہی تھی۔
''بس یار نکلتے نکلتے دیر ہوگئی۔''
''ڈوب کے مرجاؤ صبح نو بجے بلایا تھا قرآن پاک پڑھنے کو اور اب عین لنچ کے ٹائم دو بجے تمہاری تشریف آوری ہو رہی ہے سیدھی جہنم میں جاؤ گی۔''
''یا اللہ خیر آج اسے کیا ہوگیا.....؟ اور کمینی دو تو اب بجے ہیں میں نیچے ڈیڑھ بجے سے آئی ہوئی ذرا خواتین کے فیشن ملاحظہ کر رہی تھی کہ آج کل کون سا اسٹائل اِن ہے؟''
''تمہیں میں نے قرآن خوانی میں بلایا تھا فیشن شو میں نہیں۔''
''لو نیچے تو یہی لگ رہا ہے اور میں نے خود اس محفل کے تقدس کی خاطر ایک بڑے عرصے بعد شلوار قمیص ڈھونڈ ڈھانڈ کر پہنی اور دیکھ لو نیل پالش بھی نہیں لگائی۔'' اس نے اپنے ہاتھ مناہل کے سامنے لہرائے وصی بڑی دلچسپی سے دونوں کی نوک جھوک سن رہا تھا۔
''ہاں بھئی انسان لگ رہی ہو اس حلیے میں۔''
مناہل نے جل کر جواب دیا تو زرش نے خوش دلی سے قہقہہ لگایا اور بیزاری سے کھڑی ہوئی مناہل کو دیکھا جو آج نہ جانے کیوں غصے میں تھی۔
''اب تم نے کچھ ٹھونسنا بھی ہوگا۔''
''ظاہر ہے۔'' اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔
''تو پھر یہیں دبکی رہو میں کسی ملازم کو کہہ کر آتی ہوں میں نے خود صبح سے کچھ نہیں کھایا۔'' اور پھر خیال آنے پر چونکی۔ ''وصی آپ نے کھانا کھایا ہے؟''
''نہیں.....!'' جواب حسب توقع تھا۔
''آپ نے اور زرش نے تو شاید ٹھیکا اٹھا رکھا ہے میرا کلیجا جلانے کا۔'' اس کے تپ کر کہے گئے الفاظ اور خصوصاً کمر پر ہاتھ رکھ کر ''لڑاکا'' انداز پر زرش اور وصی کو بے اختیار ہنسی آگئی اور ان کو ہنستے ہوئے دیکھ کر مناہل کا موڈ بھی کچھ بہتر ہوگیا اور پھر کھانا کھانے اور چائے پینے کے بعد ان تینوں کی خوب محفل جمی جو کہ مغرب کی اذان تک جاری رہی اس دوران مسز حیات دو دفعہ جھانک کر جا چکی تھیں اور وصی کا خوشگوار موڈ انہیں مطمئن کرنے کو کافی تھا۔
اگلے دن وہ یونیورسٹی سے حیات ولا پہنچی تو گھر میں کافی ہلچل تھی ملازمین کو اکیٹو دیکھ کر اسے اندازہ ہوگیا کہ نہ صرف مسز حیات گھر میں ہی ہوں گی بلکہ شاید کچھ مہمان بھی موجود ہوں اور اس کا یہ اندازہ بالکل درست نکلا جب T.V لاؤنج میں مسز شہلا حیات کو ان کی ہی عمر کی ایک خاتون کے ساتھ بے تکلفی سے گپ شپ کرتے دیکھا ان کے قریب بیٹھی خاتون کی سرخ وسپید رنگت اور مغربی انداز کا حلیہ ڈھیلی ڈھالی جینز اور سلیولیس شرٹ اس کے لیے حیرت کا باعث تھی۔ ان سے کچھ فاصلے پر کارپٹ پر نیم دراز وصی کی عمر کے ایک موصوف نہایت فری اسٹائل میں T.V پر لگے فٹ بال کے کسی میچ میں محو تھے حالانکہ T.V لاؤنج میں A.C چل رہا تھا لیکن موصوف کے اسٹائل سے لگ رہا تھا کہ انہیں پھر بھی گرمی لگ رہی ہے ڈھیلا ڈھالا سا کرتا اور صرف بنیان پہنے، بے ڈھنگے اسٹائل میں لیٹا اسے پہلی نظر میں ہی اچھا نہیں لگا۔
''السلام علیکم'' اس نے سرسری انداز میں سب کو سلام کیا۔
''آؤ، آؤ مناہل! ہاں بھئی رینا یہ مناہل ہے۔''
دوسری خاتون بری طرح چونکیں تھیں اور ایک ہی نظر میں مناہل کا بغور جائزہ لیا اور وہ جو باہر کی گرمی سے آئی تھی ان کے اسٹائل پر جی بھر کے بدمزہ ہوگئی۔

''اچھا تو یہ ہے مناہل!!'' خاتون نے جس طرح ''یہ'' کو لمبا کیا تھا مناہل کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کا تعارف مکمل سیاق واسباق کے ساتھ ہو چکا ہے۔
''ہیلو آئی ایم حنان، ویسے میرا نک نیم ''ہنی'' ہے۔'' وہ خاصے اشتیاق بھرے لہجے میں مناہل سے مخاطب ہوا تھا اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کا عنصر خاصا نمایاں تھا۔ مناہل خاموش رہی۔
''مناہل یہ میری فرسٹ کزن رینا ہیں پچھلے تیس سالوں سے کینیڈا میں ہوتیں ہیں وصی کا سن کر آج ہی پاکستان آئی ہیں۔''
''کیسی ہیں آپ؟'' مناہل نے زبردستی مسکرا کر ان کا حال پوچھا حالانکہ اسے مسز شہلا سے یہ امید تو نہیں تھی کہ وہ اسے اتنی اہمیت دیں گی لیکن جلد ہی وہ ''ایکسکیوز'' کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی حالانکہ حنان عرف ہنی مزید تعارف کے موڈ میں تھے۔
''مجھے تو خاصی پراؤڈی لگتی ہے۔'' رینا خاتون نے بڑے عجیب ہی انداز سے کہا۔ چلتے چلتے مناہل کے قدم سست ہوئے لیکن مسز شہلا حیات کا سنجیدہ لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا ''نہیں پراؤڈی تو نہیں البتہ ریزروی ہے۔''
''کم بخت کشمیر کا سارا حسن چرا لائی ہے شہلا تم نے تو اچھا خاصا پانچ فٹ چار انچ کا جیتا جاگتا ''فتنہ'' اپنے گھر ڈال رکھا ہے حیات اور وصی کو بچا کے رکھنا'' رینا خاتون کے مضحکہ خیز انداز پر مناہل کے حلق تک کڑواہٹ گھل گئی لیکن شہلا حیات نے فوراً تردید کی۔
''نہیں، نہیں رینا ایسی کوئی بات نہیں حیات تو بالکل بیٹیوں کی طرح اس کی کیئر کرتے ہیں انہیں ویسے بھی بیٹی کی خاصی خواہش تھی اور جہاں تک بات وصی کی ہے تو وصی کے ساتھ اس کی گپ شپ تو ہے لیکن وصی خاصا سمجھدار ہے اور پھر یہ تو وصی سے کافی چھوٹی ہے۔''
''پھر بھی مرد ذات کا کیا بھروسا، اب میرے بیٹے کو ہی دیکھ لو پچھلے ایک گھنٹے سے اس فٹ بال کے میچ کے پیچھے ماں اور آنٹی کو لفٹ نہیں کروا رہا تھا اور اب اس کی نظریں ہی نہیں اس فتنے سے ہٹ رہیں۔''
''کیا ہے مام! آپ تو بات کے پیچھے ہی پڑ جاتیں ہیں۔'' حنان عرف ہنی نے درشتی سے ماں کی بات کاٹی اور برے برے منہ بناتا ہوا T.V کی طرف متوجہ ہوگیا مناہل نے گہری سانس بھری اور اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

بہت سوچا محبت میں
تجھے میں کیسا تحفہ دوں
جو تیری آنکھوں جیسا ہو
صدا آئی میرے دل سے
یہ جو تم حرف لکھتے ہو
زمانے بھر پہ بھاری ہیں
زمانے بھر سے سندر ہیں
بھگو کر آنسوؤں سے تم
انہیں تحفے میں دے ڈالو

آج صبح سے ہی وہ کچھ اداس تھی ایک تو اس کا دوسرا اسمسٹر خاصا ٹف تھا اور اوپر سے بارشوں نے اسے افسردہ کر رکھا تھا بارش کے بعد اچھا خاصا حبس ہو جاتا تھا اس دن وہ وصی کے ساتھ ٹیرس میں موجود تھی اور کافی کا مگ پکڑے ہوئے اس نے بڑے سنجیدہ لہجے میں وصی سے باتیں کرتے کرتے پوچھا۔
''یہ آپ کی ماڈرن آنٹی اور ان کے مائیکل جیکسن ٹائپ بیٹے کا کب تک واپسی کا ارادہ ہے؟''
''کیوں کیا ہوا آنٹی رینا نے کچھ کہا یا ہنی نے؟'' وہ بری طرح چونکا۔
''آنٹی نے تو خیر کیا کہنا ہے ان کی سرد نظریں ہی کافی ہیں پوسٹ مارٹم کرتی ہوئی البتہ ان کے بیٹے کا شدید اصرار ہے کہ مجھے ہائر اسٹڈی کے لیے کینیڈا جانا چاہیے؟'' اس نے بظاہر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا

ورنہ وہ دل میں تو بے تابی سے منتظر تھی کہ ان کے ٹلنے کی خوشخبری ملے۔

''کینیڈا ہی کیوں؟ امریکا یا انگلینڈ کیوں نہیں؟''

''بھئی ''کینیڈا'' میں وہ موصوف خود جو ہیں گائیڈ کرنے کو۔''

''اس کے ساتھ کیا پرابلم ہے؟'' وصی کو حقیقتاً غصہ آیا۔

''مجھے تو ان ماں بیٹے دونوں کے پرابلم کی سمجھ نہیں آرہی والدہ محترمہ زرش پر فدا ہیں جب سے پتا چلا ہے کہ وہ ''منصور ہمدانی'' کی کروڑوں کی جائداد کی اکلوتی وارث ہے تب سے آنٹی رینا کا بس نہیں چل رہا کہ زرش کو تعویز بنا کر اپنے بیٹے کے گلے میں لٹکا دیں جب کہ بیٹے صبح وشام مجھے یہ سمجھانے میں ہلکان ہو رہے ہیں کہ میرا پاکستان میں مستقبل خاصا تاریک ہے اور اوپر سے وہ کمینی زرش آنٹی رینا کو سبق سکھانے کے چکر میں فل پروٹوکول دے رہی ہے۔''

''یہ کیا ڈراما ہو رہا ہے گھر میں؟ تمہیں کوئی ضرورت نہیں اس ہنی کو منہ لگانے کی، میں مما سے بات کرتا ہوں۔''

''وصی کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ اور مما سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے اگلے مہینے زرش کی انگیج منٹ اس کے کزن کے ساتھ ہو رہی ہے صرف پندرہ دن تو رہ گئے ہیں وہ پرسوں کارڈ دینے آئے گی تو خود ہی آنٹی رینا کا مزاج ٹھکانے آجائے گا۔''

مناہل نے نرم لہجے میں فوراً تسلی دی اور لان میں کھڑے ہنی کو کوفت سے دیکھا جو ہاتھ ہلا ہلا کے اسے اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا شکر ہے کہ ابھی وصی کی اس پر نظر نہیں پڑی تھی وہ فوراً پیچھے ہٹ کر پڑی ہوئی چیئر پر بیٹھ گئی جب کہ وصی کے چہرے پر تفکر کے رنگ غالب تھے مناہل کو افسوس ہوا کہ خواہ مخواہ اس کا موڈ خراب کر دیا۔ ٹھیک پانچ منٹ کے بعد ہنی، وصی کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔

''واہ جی واہ! یہاں تو خوب عیاشی ہو رہی ہے اور میں نیچے لان میں اکیلا بور ہو رہا تھا اوپر سے مام اور آنٹی شہلا پارلر گئی ہوئی ہیں۔''

وصی نے ناگواریت سے اسے دیکھا جس کی والہانہ نظریں مناہل پر تھیں جو شاکنگ پنک اور ادرک سے کلر کے سوٹ میں دمک رہی تھی۔

''مناہل آپ کا روم کون سی سائڈ پر ہے؟''

''یہ سامنے ہی ہے۔'' مناہل نے بیزاری سے جواب دیتے ہوئے وصی کے خراب تیوروں کا جائزہ لیا۔

''اور وصی آپ......؟''

''یہ مناہل کے ساتھ والا۔'' وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اوہ......!!!'' اس نے ذومعنی نظروں سے مناہل اور وصی کو دیکھا اور معنی خیز لہجے میں بولا۔

''واہ پھر تو موجیں ہیں آپ دونوں کی، نیچے انکل اور آنٹی سمجھتے ہونگے کہ آپ اپنے اپنے کمروں میں ہیں اور آپ ٹیرس والے دروازوں سے آرام سے رات گئے تک بے تکلفی سے آجا سکتے ہونگے۔''

مناہل تو اس کے انداز پر کٹ کر رہ گئی جب کہ وصی کے چہرے پر دبے دبے اشتعال کے رنگ ظاہر ہو رہے تھے وہ بڑے تلخ لہجے میں گویا ہوا۔

''محترم حنان! ان معلومات کی فراہمی کا بہت بہت شکریہ۔ ہم باہر والے دروازوں سے بھی ایک دوسرے کے کمروں میں آرام سے آجا سکتے ہیں اور ہمیں اپنی بے تکلفی کی حدوں کا بھی پتا ہے کیوں کہ ہم کینیڈا میں نہیں پاکستان میں رہتے ہیں آپ برائے مہربانی اپنے ''چھوٹے'' دماغ کو زیادہ زحمت مت دیا کریں ہمارے بارے میں سوچ سوچ کر۔''

''وصی بھائی آپ تو لگتا ہے مائنڈ کر گئے ہیں۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنستا ہوا بولا تھا۔

''اور تمہارا MBA مکمل ہوا جو تم کئی سالوں سے کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

وہ کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولا ''بس اس سال مکمل ہو جائے گا اور ویسے بھی وصی بھائی کینیڈا میں اسٹڈی خاصی ٹف ہے۔''

''ہاں نہ پڑھنے والے نالائق لوگوں کے لیے ہر جگہ ہی ٹف ہے چاہے وہ کینیڈا ہو یا پاکستان۔'' وصی نے بھی بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں طنز کیا تو مناہل کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی جب کہ حنان بھی ایک لمحے کو شرمندہ ہوا اور پھر بات بدل کر مناہل سے مخاطب ہوا۔

''بھئی مناہل آپ ہمیں لانگ ڈرائیو پر ہی لے جائیں اور اپنا کراچی دکھا دیں سمندر ساحل، کلفٹن وغیرہ کے خوب چرچے سنے ہیں اب وصی بھائی تو اپنی معذوری کی وجہ سے مجھے کمپنی نہیں دے سکتے آپ ہی دے دیں آخر کو ہم آپ کے ملک میں مہمان ہیں۔''

وصی کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ دوڑا۔ مناہل کو بے تحاشا غصہ آیا تبھی وہ دوٹوک انداز میں بولی ''سوری میرے پاس فالتو ٹائم نہیں ہوتا اور جہاں تک بات ملک کی ہے تو وہ آپ کا بھی اتنا ہی ہے جتنا میرا کیوں کہ آنٹی رینا بتا رہی تھیں کہ آپ کی پیدائش بھی تو یہیں کی ہے اور اکثر و بیشتر آپ لوگ کراچی آتے رہتے ہیں اور ویسے بھی میں وصی کے علاوہ کسی کے ساتھ نہیں جاتی۔''

''پھر تو آپ گھر ہی میں رہتی ہونگی۔'' وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔

''غلط فہمی ہے آپ کی' ابھی کل ہم لوگ شاپنگ کے لیے نکلے ہوئے تھے آپ کے آنے سے پہلے سمندر پر بھی گئے تھے اکثر و بیشتر ہمارے پروگرام بنتے رہتے ہیں۔''

''مرضی ہے آپ کی......!!!' ہنی نے ہار مان کر کندھے اچکائے۔

رات گئے جب آنٹی شہلا اور آنٹی رینا پارلر سے واپس آئیں تو وصی کے کہنے پر ملازم آنٹی شہلا کو بلانے آیا۔ مناہل اپنے کمرے میں تھی جب ٹیرس کی طرف کھلتی کھڑکی سے اسے وصی کے بلند آواز میں بولنے اور چیخنے کی آواز آئی اس نے فوراً اٹھ کر پردے پیچھے کیے وصی کی آواز سے اس کے خراب موڈ کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا مسز شہلا حیات اسے ٹھنڈا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں لیکن وہ کسی طور قابو نہیں آرہا تھا۔ مناہل کو شام سے اس کے خراب موڈ کا اندازہ تو تھا لیکن اس قدر شدید ہوگا اس کا علم نہیں تھا...... مسز شہلا حیات کے تو ہاتھ پیر پھول گئے تھے ان کی آواز دھیمی اور التجا آمیز تھی جب کہ وصی انتہائی بدمزاجی اور چڑچڑے پن سے بول رہا تھا اور پھر تنگ آکر انہوں نے مناہل کا دروازہ ناک کیا اور اسے دیکھتے ہوئے فوراً آہستگی سے بولیں۔

''پلیز ذرا وصی کو سنبھالو وہ بہت زیادہ غصے میں ہے میری تو ایک نہیں سن رہا گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں اور رینا تو اچھا خاصا پورے خاندان میں تماشا بنا دے گی تم ذرا اسے ٹھنڈا کرو میں ڈاکٹر صاحب کو بھیجتی ہوں۔''

اس نے ڈرتے ڈرتے کمرے میں قدم رکھا تو وہ سامنے بیڈ پر دراز تھا خفگی اس کے ہر انداز سے نمایاں تھی۔ ''مما نے اب تمہیں سفارش کے لیے بھیجا ہے۔''

''جی نہیں میں خود آئی ہوں اور آپ کے کہنے پر بھی نہیں جاؤں گی۔'' اس کے پُر اعتماد انداز پر وہ بالکل چپ ہو گیا جب کہ وہ بے پروائی سے کمرے میں چاروں طرف بکھرے کشن سمیٹنے لگی اور اس کام سے فارغ ہو کر اس کے بیڈ کے دوسری سائڈ پر بیٹھ کر بڑی ملائمت سے پوچھا۔ ''وصی! مجھ سے بھی ناراض ہیں؟''

اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا ''تم سے تو ساری زندگی ناراض نہیں ہو سکتا تمہارے ہونے سے ہی تو مجھے یہ زندگی اچھی لگتی ہے۔''

وہ بے اختیار مسکرائی یہ سوچ کر کہ ''کبھی اسے

بھی کسی دور میں صرف وصی کی وجہ سے زندگی کی طرف لوٹنا اچھا لگا تھا۔''

☆☆☆

زرش کی انگیج منٹ کا کارڈ آنے کی وجہ سے آنٹی رینا کا موڈ خاصا خراب تھا وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے حوالے سے اس کے لیے بہت کچھ سوچ چکی تھیں اور اب تو آنٹی شہلا بھی ہنی اور ان کے رویے کی وجہ سے بیزار تھیں وہ وصی کو ان دونوں سے دور رکھنے کے لیے حتی الامکان کوشش کر رہی تھیں کہ کہیں وصی کا موڈ دوبارہ خراب نہ ہو جائے اس دن آنٹی رینا کو جب ڈاکٹر حیات کی زبانی مناہل کی جائداد اور اس کے نام لاہور میں خریدے گئے پلازے کا پتا چلا تو ان کے موڈ نے اچانک پلٹا کھایا تھا اور ان کی حد درجہ پذیرائی اور ان کے بیٹے کی وارفتگی مناہل کے ہاتھ پیر پھلائے دے رہی تھی وہ کافی دنوں سے پریشان پریشان سی تھی اور آنٹی شہلا بھی کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔

اس دن وہ کچن میں اکیلے کھڑی تھیں کورٹ جانا تو انہوں نے کب کا چھوڑ دیا تھا مناہل نے ہمت کر کے انہیں مخاطب کیا۔

''آنٹی! پلیز آپ حنان کو منع کریں وہ ہر تیسرے دن میرے ڈیپارٹمنٹ پہنچ جاتا ہے میں تو ہر زبان میں اسے کہہ چکی ہوں اب بھی وہ باز نہ آیا تو میں انکل سے شکایت کر دوں گی۔''

''تم وصی سے ذکر مت کرنا وہ پھر غصے میں آجائے گا میں رینا سے خود بات کرتی ہوں۔'' مناہل کو ان کے جواب پر خاصی حیرت ہوئی کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ وہ اسے ہی موردِ الزام ٹھہرائیں گی۔

''رینا ویسے ڈاکٹر صاحب سے ہنی کے لیے تمہارے پروپوزل کی بات صبح کر چکی ہیں۔''

''کیا......!'' اس کا سانس رکا ''کیا جواب دیا انکل نے؟''

''کہا ہے کہ سوچ کر بتائیں گے۔'' ساس پین چولہے سے اتارتے ہوئے انہوں نے بے پروائی سے جواب دیا لیکن نہ جانے کیوں مناہل کو لگا کہ وہ اتنی بے پروا نہیں ہیں جتنی شو کر رہی ہیں۔

رات کو لائبریری سے کچھ کتابیں لے کر وہ ساتھ بنے ہوئے ٹیرس پر نکل آئی ڈاکٹر حیات کی اس لائبریری میں دنیا جہان کی کتابیں تھیں اور ڈاکٹر حیات اور شہلا حیات کے بیڈروم اور لائبریری کے آگے کا ٹیرس مشترکہ تھا جب کہ آنٹی رینا اور ہنی اپنے کچھ رشتے داروں سے ملنے گئے ہوئے تھے۔

وہ کتاب لے کر ٹیرس پر نکلی تو ایک ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے اس کا استقبال کیا۔ ڈاکٹر حیات کے بیڈروم کی کھڑکیاں شاید کھلی ہوئی تھیں تبھی اندر کی آواز صاف باہر آرہی تھی۔

''پھر آپ نے رینا کو کیا جواب دینا ہے؟'' شہلا حیات کی کھوجتی ہوئی آواز باہر آئی ''بھئی میں مناہل کی رائے لیے بغیر کیسے ان کو جواب دے سکتا ہوں وہ ایک سمجھدار اور پڑھی لکھی بچی ہے اور ویسے بھی اس کی رائے میرے لیے زیادہ محترم ہو گی اگر اسے کوئی اعتراض نہیں تو پھر ہمیں بھی نہیں ہونا چاہیے۔'' ڈاکٹر صاحب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن مناہل ابھی پڑھ رہی ہے اور پھر ہنی خاصا امیچور ہے اور رینا کی نظریں بھی مناہل کے اور کم اس کی پراپرٹی پر زیادہ ہیں اور آپ اسے بیٹی بنا کر لائے ہیں تو ایک باپ کی طرح خوب سوچ بچار کے بعد فیصلہ کریں۔ مناہل کے لیے رشتوں کی کمی تو نہیں ہے مسز ابراہیم بھی اپنے بیٹے کے لیے کہہ رہی تھیں اور جب گھر میں بھی رشتہ موجود ہے تو باہر کیا جھانکنا۔''

''آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں؟'' ڈاکٹر حیات کا انداز دوٹوک اور حتمی تھا۔

''بھئی میرا خیال ہے کہ وصی، مناہل میں انٹرسٹڈ ہے۔'' انہوں نے صاف صاف کہا۔

''اور آپ کس میں انٹرسٹڈ ہیں؟''

مناہل کا ٹیرس پر کھڑے کھڑے سانس رکا۔ مسز شہلا حیات نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ ''سچ پوچھیں تو ڈاکٹر صاحب میری رائے کی کیا اہمیت؟ مجھ سے اگر وصی کے حادثے سے پہلے آپ پوچھتے تو شاید میں کبھی نہ مانتی لیکن اب میری بے بسی نے مجھے سیلفش بنا دیا ہے مناہل خوبصورت، سمجھدار اور پڑھی لکھی لڑکی ہے اور مجھے معلوم ہے کہ میرے بیٹے کی معذوری کے ساتھ کم از کم ہمارے حلقے میں کوئی لڑکی شادی کے لیے راضی نہیں ہو گی اس لیے مناہل کو تو بہت اچھے رشتے مل سکتے ہیں لیکن وصی کو نہیں......'' مسز شہلا حیات نے صاف صاف اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ مناہل کا دل رنجیدگی سے بھر گیا۔

''تو یہ طے ہے کہ آپ مناہل کے لیے اپنے بیٹے کی ماں بن کر ہی سوچیں گی؟''

''نہیں ڈاکٹر صاحب اب میں اتنی بھی ''خود غرض'' نہیں اگر مناہل کی رضامندی نہیں ہو گی تو میں ہرگز اس پر دباؤ نہیں ڈالوں گی لیکن مجھے لگتا ہے کہ وہ وصی کے لیے انکار نہیں کرے گی۔''

''کیوں......؟'' ڈاکٹر حیات کا سوالیہ لہجہ کمرے میں گونجا تو مسز شہلا حیات پُراعتماد انداز میں گویا ہوئیں۔

''اس لیے کہ اس کا تعلق ایک اچھے خاندان سے ہے اور اس کی تربیت اور فطرت میں خود غرضی شامل نہیں اس نے اس وقت میرے بیٹے کا ساتھ دیا جب اس کے سارے دوست احباب اور رشتے دار اس سے منہ موڑ گئے میں نے کئی کئی گھنٹے اسے لان میں وصی کے ساتھ باتیں کرتے اور اس کی کیئر کرتے دیکھا ہے وہ ایک سادہ، مخلص اور ہمدرد لڑکی ہے اور اس کی وجہ سے وصی زندگی کی طرف لوٹا ہے اب تو وہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فیکٹری لگائے گا اور مجھے یقین ہے اگر مناہل اس کے ساتھ رہی تو وہ کسی عام اور مکمل انسان سے بڑھ کر کامیاب زندگی گزارے گا۔''

باہر کھڑی مناہل کے قدم گویا زمین پر جم گئے اس کا دل ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا اسے لگا کہ آج پہلی دفعہ وہ بہت پُراعتماد انداز سے دنیا کو فیس کرے گی اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں......

''بھئی، مان گیا مسز شہلا حیات آپ کو کہ آپ واقعی ایک کامیاب ایڈووکیٹ ہیں بہت خوبصورتی سے آپ نے اپنے بیٹے کا مقدمہ لڑا ہے لیکن میں کوئی حتمی فیصلہ سنانے سے پہلے مناہل کی رائے ضرور پوچھوں گا حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ اس کا فیصلہ کیا ہو گا۔'' ڈاکٹر حیات کے لہجے میں سرشاری کے رنگ نمایاں تھے۔

''کیا فیصلہ ہو گا اس کا؟'' بیگم حیات نے بے قراری سے پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے بولے ''وہ ایک حساس دل ہارٹ سرجن کی بہت حساس اور مخلص لڑکی ہے اس کا باپ بھی ایسا ہی تھا ہمیشہ سے کھلے دل والا، دونوں ہاتھوں سے بے دریغ لٹاتا تھا اپنے پرایوں پر، اور اللہ بھی اسے بے دریغ ہی دیتا تھا میرا تعلق مڈل کلاس فیملی سے تھا اور وہ اکثر و بیشتر میری ضرورتیں بغیر جتائے پوری کر دیتا تھا ایک دفعہ ہوسپٹل کے ڈیوز ادا کرنے کے لیے میرے پاس رقم نہیں تھی اس نے مجھ سے ایک ٹیسٹ میں شرط لگائی اور خود دانستہ ہار گیا اور سزا کے طور پر میرے سارے ڈیوز کلیئر کر آیا، میں تو آج تک اس کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں۔''

مناہل کی آنکھیں ایک دفعہ پھر بھیگ گئیں اپنے باپ کے ذکر پر، وہ کتابیں اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑی آج اسے پہلی دفعہ اس گھر میں اپنائیت کے رنگ نظر آئے تھے...... اس کے در و بام سے اپنے لیے محبت پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

وہ چلتے چلتے سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر حیات کا اس کے بارے میں اندازہ کتنا درست ہے اور اپنی نم پلکوں کو صاف کرتے ہوئے اس نے سوچا کہ جاتے ہی وصی سے پوچھنا ہے کہ موقع غمی کا ہو یا خوشی کا آنکھیں کیوں بھیگ جاتی ہیں؟

※※

یمنیٰ احمد

فرحانہ اویس سے خوبصورت بات چیت

دلکش قارئین! اس ماہ کے ''دلکش رنگ'' میں آپ کی ملاقات ایک خوبصورت اور پُروقار ہستی سے ہو رہی ہے جو شوبز کی جانب ایک مقصد لے کر آئی اور اس میں کامیاب بھی رہی۔ فرحانہ اویس کو کچھ عرصہ پہلے تک ایک کامیاب نیوز کاسٹر کی حیثیت سے جانا جاتا تھا آج وہ QTV سے شاندار پرفارمنس دے رہی ہیں وہ بھی پروڈیوسر، کمپیئر اور اینکر پرسن کی صورت میں۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ ٹیلنٹ اور لگن ہو تو کسی بھی شعبے میں بھرپور کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

کیو ٹی وی اے آر وائی کا مذہبی چینل ہے جس پر جدید تقاضوں کے مطابق اسلامی پروگرامز ترتیب دیے جا رہے ہیں اور آج کل فرحانہ ایک مقدس ذمے داری نبھا رہی ہیں۔ آیئے ان سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔

دلکش: جی فرحانہ! کیا سوچ کر آپ اس طرف آئیں اور کیسے آئیں؟

فرحانہ: یوں سمجھ لیں بغیر کسی پلاننگ کے اس طرف آنا ہوا۔ ایک دن میں اتفاقاً ویسے ہی پی ٹی وی اسٹیشن آئی تو یہاں آڈیشن ہو رہے تھے لہٰذا شوقیہ میں آڈیشن میں نے بھی دے دیا...... بالکل امید نہیں تھی کہ میں کامیاب ہو جاؤں گی مگر حسنِ اتفاق سے سلیکشن ہو گیا...... یقین نہیں آ رہا تھا بہرحال پھر میں نے بھی باقاعدہ نیوز پڑھنا شروع کر دیا۔

دلکش: آپ کو متعارف کس نے کرایا اور پھر گھر والوں کا کیا ردِعمل سامنے آیا؟

فرحانہ: اگر خاص طور پر کسی کا نام لوں تو لاہور پی ٹی وی کے نثار حسین جی ایم ہوا کرتے تھے انہوں نے مجھے متعارف کروایا۔ میں ان کی وساطت سے ہی ٹی وی وزٹ کرنے گئی تھی مگر اس وقت بالکل ذہن میں نہیں تھا کہ میں آڈیشن کے لیے جا رہی ہوں۔ جہاں تک گھر والوں کا تعلق ہے تو تھوڑا بہت اعتراض تو کیا مگر مجھے زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ مجھے نیوز پڑھنا تھیں نا کہ ایکٹنگ کرنا......

دلکش: کتنا عرصہ ہوا اس فیلڈ میں آئے ہوئے؟

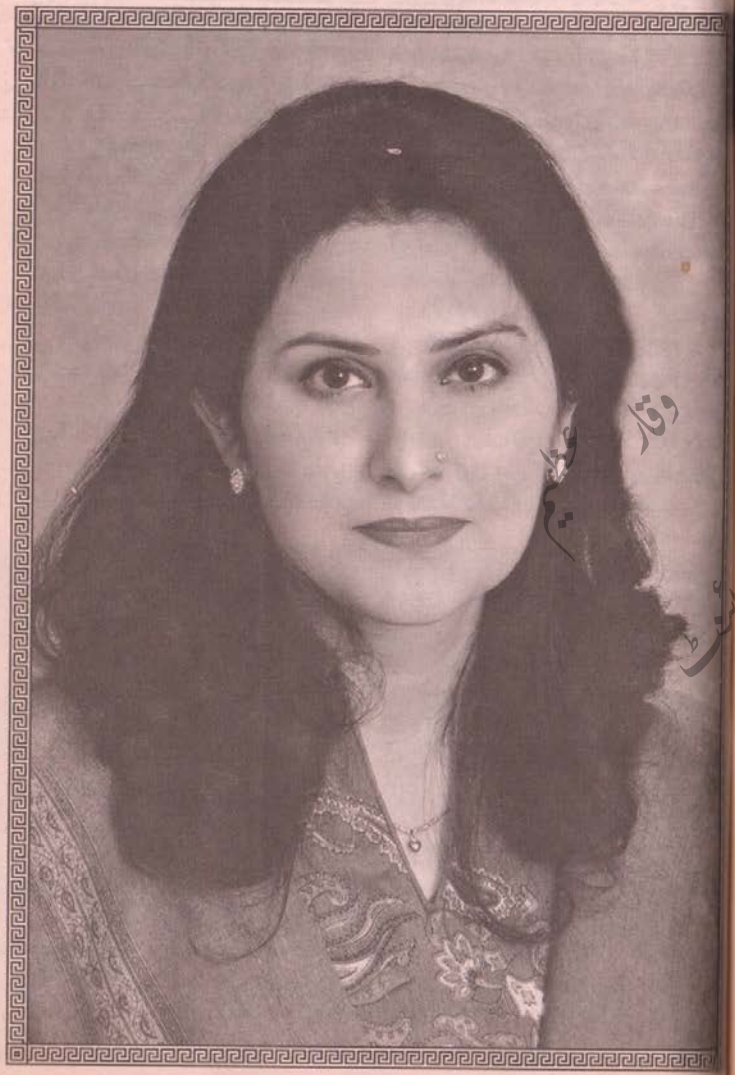

فرحانہ: اگر میں پیچھے مڑ کر دیکھوں تو احساس ہوگا کہ تقریباً سولہ سترہ برس تو ہو گئے مجھے اس طرف آئے ہوئے...... اس وقت میں اسٹوڈنٹ تھی اور BSC کر رہی تھی۔ اس وقت سے ابھی تک یہ سفر جاری ہے۔

دلکش: کس اسٹیشن سے آغاز کیا تھا؟

فرحانہ: ہماری رہائش چونکہ لاہور میں تھی لہٰذا لاہور ٹی وی سے ہی آغاز کیا تھا۔

دلکش: اس راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں؟

فرحانہ: (ہنستے ہوئے) کوئی خاص مشکل پیش نہیں آئی ویسے بھی مجھے تو سمجھیں تھالی میں رکھ کر دے دیا گیا تھا......

دلکش: اس فیلڈ کا انتخاب آپ کی ذوق و شوق کی تسکین کے لیے کافی تھا؟

فرحانہ: ارے میں...... مجھے کوئی شوق نہیں تھا ٹی وی پر آنے کا مگر یہ ضرور ہوا کہ جب سلیکشن ہو گیا تو کام بہت ذوق و شوق سے کیا کیونکہ جب کوئی ذمے داری آپ پر آ جائے تو آپ اسے احسن طریقے سے ادا کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں ناں۔

دلکش: ویسے ماشا اللہ آپ اتنی خوبصورت اتنی اچھی شکل صورت والی ہیں مگر آپ نے نیوز کا شعبہ ہی کیوں چنا آپ کسی ڈرامے میں ہیروئن بھی تو آ سکتی تھیں؟

فرحانہ: جی یمنیٰ کیا بتاؤں کہ مجھے بے شمار آفرز ہوئیں اور اب تک ہوتی ہیں مگر بہت شروع ہی میں، میں نے یہ بات اپنے ذہن میں بٹھالی تھی کہ ڈراما سائڈ پر نہیں جانا یا میوزک کی طرف نہیں جانا۔ میرا خیال ہے کہ جو عزت جو احترام آپ کو نیوز کے شعبے میں ملتا ہے وہ شاید ڈراموں میں ایکٹنگ کر کے نہیں ملتا اور پھر جب آپ مذہبی یا ادبی پروگرامز کی کمپیئرنگ کرتے ہیں تو ایک امیج بن جاتا ہے جو شاید ڈرامے میں کام کرنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ڈراموں میں کام کرنے والوں کا امیج اچھا نہیں ہوتا بہت اچھا ہوتا ہے...... ہم خود انہیں پسند کرتے ہیں مگر دونوں کے امیج میں.... بہت فرق ہے۔

دلکش: آج کل کیا ہو رہا ہے؟ کن موضوعات پہ کام ہو رہا ہے؟

فرحانہ: جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ کیو ٹی وی، اے آر وائی کا ایک مذہبی چینل ہے یہاں میں بہ حیثیت پروڈیوسر کام کر رہی ہوں اور مختلف پروگرامز کی تیاری کر رہی ہوں۔ رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ تقریباً آن پہنچا ہے۔ (یہ انٹرویو رمضان سے قبل لیا گیا تھا) بس اسی حوالے سے کام ہو رہا ہے۔ ''دین و دنیا'' تو آن ایئر جا ہی رہا ہے اور باقی آپ لوگ رمضان کے دوران دیکھ سکیں گے۔

دلکش: خبریں پڑھنے کا تجربہ کیسا رہا؟

فرحانہ: میں سمجھتی ہوں کہ خبریں پڑھنا ویسے تو بہت مشکل کام ہے جس طرح ہم پی ٹی وی پر پڑھتے تھے جو ظاہر ہے لائیو ہوتی تھیں جب کہ دیگر چینلز پر یہ نیوز ریکارڈ ہوتی ہیں تو لائیو پڑھنا بذاتِ خود مشکل کام ہے جس میں غلطی کی گنجائش نہیں ہوتی اور پہلے سے ہی کہہ دیا جاتا تھا کہ آپ کو بالکل باخبر ہونا چاہیے...... اس طرح بیٹھنا چاہیے...... اس طرح بولنا چاہیے تو ظاہر ہے اس وقت کا تجربہ ہمیں آگے جا کر مددگار ثابت ہوا اور ہو رہا ہے۔

دلکش: پہلی بار کیمرے کا سامنا کرنا کیسا لگ رہا تھا؟

فرحانہ: (ہنستے ہوئے) جب پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا تو مجھے کوئی خوف نہیں تھا اور وہ شاید اس لیے نہیں تھا کہ میں نے کوئی پلاننگ تو کی نہیں تھی کہ مجھے شوبز میں ہی آنا ہے لہٰذا اگر نا کام بھی ہو جاتی تو افسوس نہ ہوتا اسی لیے مجھے اس وقت وہ سب ایک کھیل، ایک شغل لگ رہا تھا کہ اچانک موقع مل گیا ہے تو چلو اس کو انجوائے کرو...... میں نے اسے جاری رکھنے کا بھی نہیں سوچا تھا اور آپ کو یمنیٰ مزے کی بات بتاؤں کہ شاید یہ میری کامیابی ہی تھی کہ جب میں نے لوکل نیوز پڑھی تو صرف ایک ہفتے کے بعد ہی مجھے خبرنامہ پڑھنے کی آفر ہو گئی اور میں نے صرف ایک ہفتے بعد ہی خبرنامہ پڑھا جو ایک ریکارڈ ہے لاہور ٹی وی پر کہ اس قدر جلدی خبرنامہ کسی نے نہیں پڑھا جتنی جلدی میں نے پڑھنا شروع کیا تھا۔

دلکش: یہاں کیو ٹی وی پر کیا کر رہی ہیں؟

فرحانہ: جیسا میں نے بتایا کہ یہاں پروڈیوسر کی حیثیت سے پروگرامز کر رہی ہوں مگر کمپیئرنگ بھی کر رہی ہوں۔ بچوں کے بھی کئی پروگرام ہیں پھر تابعین کے حوالے سے ایک پروگرام ہے روشن چراغ اور دوسرا اسفارِ رسول جس میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں جتنے سفر کیے ان سب کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

دلکش: لکھنے کی طرف دھیان ہے یعنی ادب سے لگاؤ ہے؟

فرحانہ: میرا جو شعبہ ہے تو اس میں سیکھنے کے مواقع بہت ملتے ہیں۔ شعوری اہلیت میں اضافہ ہوتا ہے اچھا بولنا آ جاتا ہے اچھا لکھنا پڑھنا آ جاتا ہے لیکن ان تمام مراحل میں اچھا ادب پڑھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ جملوں کی بناوٹ لفظوں کی ادائیگی کا شعور آ جاتا ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے پڑھنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں اور جب کبھی لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو لکھ بھی لیا۔ ویسے مجھے شاعری بہت پسند ہے...... اکثر جب بھی موقع ملتا ہے تو پڑھتی رہتی ہوں۔

دلکش: شادی ہو چکی ہے آپ کی تو اس شادی میں محبت کا عمل دخل کتنا رہا؟

فرحانہ: ہوں...... بات گھما رہی ہیں آپ...... شادی ہو چکی ہے بالکل لیکن میں یہ کہوں گی کہ شادی کے بعد ہی اصل محبت ہوتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے اور جو شادی سے پہلے ہوتی ہے میرا خیال ہے کہ وہ محبت نہیں بس وقت گزاری ہوتی ہے۔ شادی کے بعد جو ساتھ رہنے سے اور ایک دوسرے کو سمجھنے سے محبت ہوتی ہے وہ زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔

دلکش: اچھا یہ بتائیں کامیاب شادی شدہ زندگی کا راز کیا ہے؟

فرحانہ: میرا خیال ہے کہ یہ سوچ لینا کہ آپ کی جو ذمے داریاں ہیں انہیں لازمی آپ کو ہی نبھانا ہے اور وہ بھی اچھے طریقے سے...... اور زندگی میں جو بھی اونچ

نبج آئے تو اس کا بہت صبر اور حوصلے کے ساتھ سامنا کرنا ہے تو مسائل آہستہ آہستہ حل ہوتے جائیں گے۔

دلکش﴾ آپ کے میاں گھر کے کام کاج میں آپ کا کتنا ہاتھ بٹاتے ہیں؟

فرحانہ﴾ میاں...... جی...... کافی ہاتھ بٹاتے ہیں کام میں...... سچ پوچھو تو جہاں جہاں جب جب ضرورت ہوتی ہے تو وہ کبھی منع نہیں کرتے۔ وہ صحیح معنوں میں میرے شریکِ زندگی ہیں۔

دلکش﴾ بچے کتنے ہیں؟

فرحانہ﴾ بچے میرے دو ہیں...... ایک بیٹی ایک بیٹا۔ ماشاءاللہ دونوں ہی سمجھدار ہیں۔

دلکش﴾ پسندیدہ لباس، ڈش، رنگ، پھول کونسا ہے؟

فرحانہ﴾ میرا پسندیدہ لباس تو شلوار قمیص ہی ہے، ڈشز میں کوئی ایک خاص نہیں ہے کبھی کچھ شوق سے کھا لیتی ہوں اور رنگ میں مجھے سبز اور اس کے تمام شیڈز پسند ہیں پھولوں میں مجھے موتیا پسند ہے۔ (فرحانہ اس وقت بھی سبز رنگ کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھیں)

دلکش﴾ تاریخ پیدائش کیا ہے اور اسٹار کونسا ہے؟

فرحانہ﴾ 21 اگست میری تاریخ پیدائش ہے اور اسٹار میرا لیو ہے اور لاہور کی پیدائش ہے۔

دلکش﴾ اچھا کیا آپ یقین رکھتی ہیں اسٹارز اور ان کی باتوں پر؟

فرحانہ﴾ میں اس حد تک یقین رکھتی ہوں کہ اسے شغل کے طور پر پڑھ لیتی ہوں...... کبھی کبھی کچھ صحیح بھی ہو جاتا ہے۔

دلکش﴾ دوستی کے بارے میں کیا نظریات ہیں؟

فرحانہ﴾ بہت کم دوست بناتی ہوں اور ہر کسی سے دوستی نہیں ہو جاتی...... کیونکہ دوست بہت اہم ہوتے ہیں زندگی میں ہم ان سے اپنی زندگی کے وہ حقائق اور راز و نیاز شیئر کر رہے ہوتے ہیں جو ہر کسی سے ڈسکس نہیں کیے جاسکتے۔ اس لیے دوست بہت سوچ سمجھ کر بنانا چاہئیں شاید اس لیے بھی میرے بہت کم دوست ہیں۔

دلکش﴾ مزاج کیسا ہے چڑچڑا یا ہنس مکھ (ہمیں تو بہت سنجیدہ سی لگی ہیں)

فرحانہ﴾ ویسے تو موڈی ہوں جب غصہ آتا ہے تو بہت زیادہ آتا ہے۔

دلکش﴾ بچپن کیسا اور کہاں گزرا؟

فرحانہ﴾ بچپن میرا لاہور میں ہی گزرا اور بہت اچھا بہت مزے کا گزرا الحمدللہ اور تعلیم بھی میری لاہور کی ہی ہے گریجویشن تک پھر شادی ہوگئی اور میں کراچی آ گئی یہاں آ کر میں نے کراچی یونیورسٹی سے ماسٹر کیا۔

دلکش﴾ سفر کن کن ممالک کے کیے؟

فرحانہ﴾ پاکستان میں تو تقریباً سب ہی جگہ گھوم چکی ہوں البتہ پاکستان سے باہر صرف ایک سفر کیا اور وہ میں عمرے کے لیے گئی تھی اور وہ ہی میرا یادگار بے حد حسین اور خوبصورت سفر تھا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سفر بار بار کرائے مجھے۔ (آمین)

دلکش﴾ بہن بھائیوں کی تعداد اور آپ کا نمبر؟

فرحانہ﴾ ہم تین بہنیں اور ایک بھائی ہے اور میرا نمبر دوسرا ہے۔ مجھ سے بڑے بھائی ہیں اور مجھ سے چھوٹی دو بہنیں ہیں۔

دلکش﴾ کوکنگ خود کرتی ہیں یا پکا پکایا مل جاتا ہے؟

فرحانہ﴾ ارے نہیں بھئی توبہ کریں پکا پکایا کیسے...... میں خود کرتی ہوں کوکنگ سارا کھانا میں ہی بناتی ہوں۔

دلکش﴾ اتنی مصروف لائف میں اتنا وقت مل جاتا ہے؟

فرحانہ﴾ جی بالکل...... شیڈول ہی ایسا بنایا ہے میں نے کہ اپنے تمام کاموں کے لیے وقت نکال لیتی ہوں اور پھر یہ سب تو زندگی کا حصہ ہے جو ضروری بھی ہے تب ہی زندگی کی گاڑی اطمینان سے چلائی جاسکتی ہے۔

دلکش﴾ الیکٹرانک میڈیا کی بھرمار میں آپ اپنی شناخت کس طرح بنا رہی ہیں؟

فرحانہ﴾ میں سمجھتی ہوں کہ الیکٹرانک میڈیا چاہے کتنا ہی اسٹرونگ ہو جائے کتنے ہی چینلز آ جائیں لیکن جو شخص اچھا کام کرتا ہے وہ اپنی شناخت بنا ہی لیتا ہے۔ اسے کوئی دشواری نہیں ہوتی کیونکہ اس میں جو آپ کا

ٹیلنٹ ہوتا ہے وہ تو خود ہی بول رہا ہوتا ہے۔

دلکش﴾ اگر کوئی اس فیلڈ کو اپنانا چاہے تو آپ کیا مشورہ دیں گی؟

فرحانہ﴾ ظاہر ہے کہ جو بھی آئے اور جس شعبے میں بھی آئے تو یہ سوچ سمجھ کر آئے کہ اسے فل ٹائم دینا ہے اور اس طرح اپنائیں کہ پوری دلچسپی لیں اپنے کام میں اور چیزوں کو صحیح طریقے سے پیش کریں اور کسی سے پوچھنے یا سیکھنے میں بھی شرم محسوس نہ کریں اگر اپنے آپ کو ہی چیمپئن سمجھ لیں گے تو آپ فیل ہو جائیں گے کوئی بھی انسان پرفیکٹ نہیں ہوتا کیونکہ مزید بہتری کی گنجائش تو ہمیشہ رہتی ہے۔ (سو فی صد درست بات کی فرحانہ نے)

دلکش﴾ جب کوئی مرد فین ملتا ہے تو آپ کے میاں جی کا کیسا رویہ ہوتا ہے؟

فرحانہ﴾ ارے وہ تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ ہرگز برا نہیں مناتے، بہت کھلے دل و دماغ کے ہیں بہت زیادہ کوآپریٹو ہیں۔ فین تو میل، فیمیل دونوں ہی ملتے ہیں انہیں تو بہت خوشی ہوتی ہے میری عزت افزائی پر۔

دلکش﴾ کبھی جیلس نہیں ہوتے؟

فرحانہ﴾ نہیں نہیں! جیلس تو بالکل نہیں ہوتے بلکہ خوش ہوتے ہیں۔

دلکش﴾ میوزک سے لگاؤ ہے؟

فرحانہ﴾ جی بالکل ہے اور میرا خیال ہے کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا کہ اسے میوزک سے کسی نہ کسی طور لگاؤ نہ ہو۔

دلکش﴾ عام طور پر کیا سنتی ہیں؟

فرحانہ﴾ زیادہ تر تو میں غزل سنتی ہوں اور خاص طور پر مجھے نصرت فتح علی کی گائیکی بہت پسند ہے۔ آج کل تو راحت نصرت فتح علی گا رہے ہیں بہت اچھا گاتے ہیں۔

دلکش﴾ اچھا بہ حیثیت پروڈیوسر ایک نعت خواں سے کتنا ریاض کراتی ہیں؟

فرحانہ﴾ ظاہر ہے کہ اچھی آواز چاہیے گانے کے لیے ہو یا نعت خوانی کے لیے ریاض تو بے حد ضروری

غزل

تیری جانب اگر چلے ہوتے
ہم نہ یوں در بدر ہوئے ہوتے

ساری دنیا ہے میری مٹھی میں
کون آئے گا اب تیرے ہوتے

اور اب کیوں نہیں نبھاتے تم
اتنے وعدے ہی نہ کیے ہوتے

پا لیا میں نے ساری دنیا کو
کوئی خواہش نہیں تیرے ہوتے

اس کی آنکھوں میں بار پانے کو
کاش ہم خواب بن گئے ہوتے

کلام:۔ وصی شاہ

انتخاب:۔ کائنات عبدالحلیم میرپور خاص

ہے۔ رہا سوال میرا تو مجھے اپنے کام میں پرفیکشن چاہیے اور جب تک تسلی نہیں ہو جاتی تب تک کام چھوڑتی نہیں ہوں۔ البتہ پریکٹس تو ان کی اپنی ہی ہوتی ہے۔

دلکش: اچھا اچانک مہمان آجائیں تو ان سے معذرت کر لیتی ہیں یا ان کے لیے مصروفیت ترک کر دیتی ہیں؟

فرحانہ: میرے کام کا سلسلہ ایسا ہے کہ ہمارے ہاں آنے جانے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ میں کس وقت فارغ ہوتی ہوں اور کب مصروف اور جب کبھی ارجنٹ بات ہو تو فون کس لیے ہے...... ویسے جب میرے مہمان آتے ہیں تو بھرپور طریقے سے میزبانی کے فرائض انجام دیتی ہوں مجھے خوشی ہوتی ہے مہمانوں کی آمد پر۔

دلکش: آپ کی فیملی میں سے کوئی اور بھی ہے اس فیلڈ میں؟

فرحانہ: ہاں میری بھانجی ہے سعدیہ مرزا جیو سے نیوز پڑھتی ہے؟

دلکش: جب آپ نے اسٹارٹ لیا تو فیملی نے سپورٹ کیا تھا؟

فرحانہ: الحمد للہ میری فیملی بہت اچھی ہے۔ ہم پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ میرے والد ایئر فورس میں تھے اور پھر میری پلاننگ میں شامل نہیں تھا شوبز میں آنا بس اتفاق ہوا کہ میرا سلیکشن ہو گیا...... لیکن گھر والوں نے بس اتنا کہا تھا کہ اگر پڑھائی کے ساتھ کر سکتی ہو تو ٹھیک ہے تعلیم کا حرج نہ ہو...... اور پھر پی ٹی وی کے اچھے ماحول کی وجہ سے بھی کوئی خاص مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ہلکا پھلکا تو سب ہی جگہ ہوتا ہے۔ (قہقہہ)

انتہائی اچھے ماحول میں فرحانہ اویس سے بات ہوتی رہی...... آخر میں انہوں نے خاص طور پر کہا کہ میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا انٹرویو دینے کے لیے مگر مہر وجدانی صاحب جو ہمارے ریسرچ سینٹر میں کام کر رہے ہیں تو ان کے کہنے پر مجھے آپ کے ''دلکش'' کے لیے خاص طور پر وقت نکالنا پڑا کیونکہ میں مہر وجدانی کی بات نہیں ٹالتی ورنہ میں انٹرویو دینے سے بہت گھبراتی ہوں اور مجھے شوق بھی نہیں ہے انٹرویو دینے کا اوروں کو تو میں صاف منع کر دیتی ہوں۔

دلکش کے لیے بالخصوص وقت نکالنے پر ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا...... چلتے چلتے فرحانہ نے بڑے خوشگوار انداز میں ہمیں خدا حافظ کہا۔ ہمیں معلوم تھا کہ وہ اپنی ادھوری ریکارڈنگ کی جانب متوجہ ہو جائیں گی جسے چھوڑ کر انہوں نے ہمارے لیے وقت نکالا تھا۔ ایک مرتبہ پھر بے حد شکریہ فرحانہ آپ کا، دلکش کی پوری ٹیم کی جانب سے اور جناب ہمیں قارئین کے خطوط کا انتظار رہے گا جنہیں یقیناً ہر دلکش رنگ پسند آیا ہوگا۔

⌘⌘

خوش آمدید

نزہت اصغر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دلکش قارئین! السلام علیکم!

خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ آپ سب اپنے اپنے خانوادے، احباب اور متعلقین سمیت جہاں جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں اور ماہ رمضان المبارک کی برکتوں اور سعادتوں سے فیض یاب ہو رہے ہوں۔

پاکستانیوں سے خواہ وہ ملک میں ہیں یا ملک سے باہر ہم اپیل کرتے ہیں کہ رمضان کے اس مقدس مہینے میں ان آفت زدگان کو ہرگز بھول مت جایئے گا جو حالیہ بارشوں کا شکار ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سانحہ 8 اکتوبر کو بھی ابھی سال ہی مکمل ہو رہا ہے لہٰذا ان مصیبت زدگان کے دکھ کو بھی دل سے محسوس کرتے ہوئے اپنا اپنا فرض نبھایئے۔ عید الفطر جو بلاشبہ مسلمانوں کا ایک بڑا مذہبی تہوار ہے کی خوشیوں میں ان کو بھی شریک کیجیے تا کہ آپ رمضان و عید کی برکات اور فیوض سے حقیقی معنوں میں لطف اٹھا سکیں۔

اب آتے ہیں اپنی بزم کی طرف جہاں آپ کے دلکش نامے ان صفحات کی زینت بننے کے منتظر ہیں۔

☆ سب سے پہلے بشریٰ مسرور، مسرور مسروری کراچی سے تشریف لائی ہیں۔ ''تبصرہ لکھنے سے پیشتر میں جاسوسی ڈائجسٹ کی روح رواں محترمہ عذرا رسول کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے میرے ''احوال ملاقات'' کی رپورٹ کا نوٹس لیا اور سراہا۔ وہ چھپنے کے بعد بھی رسالے کا ایک ایک حرف پڑھتی ہیں اور اپنی رائے سے نوازتی ہیں بے شک یہ وقت طلب کام ہے اس کے باوجود شگفتگی اور سادگی ان کی شخصیت کا احاطہ کیے رہتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ حالات حاضرہ پر گہری نظر اپنے رائٹرز سے مسلسل رابطہ اور اس کے علاوہ دیگر رسائل اور میگزین کے مضامین سے باخبر رہنا، یہ ان کی شخصیت کا خاصہ ہے۔ بلاشبہ وہ ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ اس کے علاوہ معراج صاحب کی تیمارداری، اولاد کی بے مثال پرورش اور پھر قارئین کی ذہنی و علمی پیاس بجھانے کے لیے سامان کرنا...... یہ انہی کا کمال ہے۔ غرض کہ ایسی ہستیاں نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ خدا ان کی ہمتوں میں اضافہ کرے (آمین) کہانیوں کی بات کروں تو تقریباً سب ہی اچھی ہیں خصوصاً آپ بیتیوں کا سلسلہ اچھا جا رہا ہے شیریں حیدر کی کہانی بھی مزیدار بلکہ شاندار تھی بہت لطف آیا۔ سلسلے بھی اچھے ہیں۔ انٹرویوز میں نئی و پرانی نسل سب کو شامل کریں اور آخر میں ڈھیر ساری دعائیں۔ (بشریٰ اتنی تفصیلی بات چیت کا شکریہ)

☆ فرح مسکان فری دستگیر کراچی سے تشریف لاتی ہیں۔ ''دلکش کا سرورق ہر دفعہ ہی عمدہ ہوتا ہے۔ نازک اور خوبصورت ماڈل، دلفریب میک اپ، جیولری میں آنکھوں کو بھی بھلی لگتی ہے۔ گزارش ہے کہ آئندہ بھی ایسے سرورق دیکھنے کو ملتے رہیں گے۔ اگست کے شمارے میں مفاہیم قرآن و حدیث سے واقعہ معراج کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔ زہے نصیب میں بہت اچھی شخصیات آرہی ہیں۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی گفتگو پڑھ کر مزہ آیا۔ بات بے بات کی پڑھ کر بہت لطف آتا ہے۔ بشریٰ مسرور نے عذرا آنٹی کو چینی گڑیا سے بہت صحیح تشبیہ دی ہے۔

☆ پروین زبیر صاحبہ کراچی سے ٹیلی فونک تبصرہ باقاعدگی سے فرماتی ہیں۔ ''میرا ناولٹ انگارے کے بارے میں آپ قارئین کی دلکش رائے اور تبصرے پڑھ کر لطف آیا۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ عام ڈگر سے ہٹ کر اور حقیقت پر مبنی کہانیاں لکھی جائیں۔ بہرحال آپ سب کے سراہنے کا شکریہ اگر میری تجاویز کو پذیرائی ملے تو کچھ عرض کرنا چاہوں گی۔ خواتین کے حوالے سے وہ ایشو جن سے روزمرہ سامنا ہوتا ہے یا اسلامی حوالے سے خواتین کی تعلیم و تربیت اور شعور و آگاہی والے مضامین ضرور شامل کریں۔ اس کے علاوہ کسی عالم دین سے بھی ملاقات کروا سکتی ہیں اور اسلام میں عورتوں کے حقوق و فرائض کے بارے میں گفتگو بھی شامل کی جا سکتی ہے اگر آئندہ کسی شمارے میں اس کی گنجائش ہو تو ضرور میری تجویز پر غور کریں۔ اس کے علاوہ ابھی اور بہتری کی گنجائش ہے بہرحال دلکش نے توقع سے زیادہ چھ ماہ میں قارئین کے دلوں میں ایک مقام حاصل کر لیا ہے۔ اسے اغلاط سے پاک رسالہ بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔''

(پروین صاحبہ آپ کی تجاویز سب تعمیری اور قابل عمل ہوتی ہیں ان شاء اللہ ضرور اس پر غور کیا جائے گا۔)

☆ شمیم ناز صدیقی کراچی سے کچھ یوں فرما رہی ہیں۔ ''رمضان کی پیشگی مبارکباد دیتے ہوئے تبصرہ حاضر ہے۔ ماہ ستمبر کا دلکش کا سرورق بہت عمدہ تھا۔ حرفِ اول کا شعر بہت خوبصورت ہے۔ زہے نصیب میں معین اختر کا انٹرویو بہت تفصیلی اور دلچسپ تھا۔ نبیل کے انٹرویو کا بھی جواب نہیں۔ خوش آمدید میں قاری اور رائٹر کی خوبصورت محفل کا جواب نہیں۔ عذرا رسول صاحبہ کا خط پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ ان کی یہی تو انفرادیت ہے کہ وہ اپنے پرچے میں بالکل اسی طرح خط لکھتی ہیں جیسے ایک عام قاری ہوں اور پھر اس ادارے کی یہ ایک مثال ہے کہ ایڈیٹر ہو یا مدیر اعلیٰ سب کے پاس ہی خلوص کا خزانہ ہے۔ انجم باجی کے پاس بھی خلوص کا ایک خزانہ ہے تو ہماری نزہت اصغر بھی اس خزانے میں بڑی

خود تفصیل ہیں کیا خیال ہے نزہت آپ کا! کافی نام پابندی سے پڑھنے کو مل رہے ہیں۔ آپ بیتیاں تینوں اچھی تھیں۔ نوخیز انجم کا افسانہ حقیقت سے قریب انتہائی تلخ تحریر تھی۔ نجمہ صاحبہ کا ناول ایک بہترین مگر پُرسوز تحریر تھی پڑھ کر دل اداس ہو گیا۔ باقی ناولٹ بھی اچھے تھے۔ یہ رسالہ کامیابیاں اور ترقی حاصل کرے۔ آمین۔" (شمیم آپ کو شادی کی سالگرہ مبارک ہو آپ کے پاس بھی خلوص کچھ کم نہیں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔)

☆ کائنات عبدالحلیم، میرپورخاص سے حاضری دے رہی ہیں۔ "کافی دنوں سے سوچ رہی تھی لکھوں مگر ہمت نہیں ہو رہی تھی پھر اس مہینے دلکش کے ٹائٹل پر معین اختر صاحب کا انٹرویو دیکھ کر بس رہا نہ گیا ان کا انٹرویو پڑھ کر بہت مزہ آیا اور پھر سوچا اب خط نہ لکھوں تو غلط بات ہے سب سے پہلے تو آپ لوگوں کی تعریف نہ کروں تو ناانصافی ہو گی کہ آپ لوگ اتنا زبردست انٹرویو لیتی ہیں آپ لوگوں کا اسٹائل بہت بہت دلفریب بالکل گھریلو انداز ہوتا ہے ہلکا پھلکا۔ دلکش بہت ہی منفرد ڈائجسٹ ہے۔ اپنی اب تک کی زندگی میں، میں نے بہت سے رسائل پڑھے ہر انداز دیکھا مگر دلکش کو بہت ہی اچھا پایا۔ دلکش کی تمام رائٹرز بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں مگر مجھے تو جو سب سے زیادہ پسند آیا وہ زاہدہ پروین صاحبہ کا ناول تو جیون کی ہری گلی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ بہت اچھا جا رہا ہے۔ دوسری میری پسندیدہ رائٹر صائمہ اکرم صاحبہ ہیں ان کو میرا اسلام کہیے گا وہ بہت اچھا لکھتی ہیں ان کا انداز بہت اچھا ہے۔ (کائنات اس بزم میں شرکت کرنے کا شکریہ آپ بلا جھجک اپنے مراسلات بھیجیں۔)

☆ عائشہ کرن کراچی سے اظہار خیال کر رہی ہیں۔ "ستمبر کے شمارے کے ٹائٹل پر خوبصورت منال کی تصویر دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ زہے نصیب میں معین اختر سے ملاقات بھی اچھی رہی جبکہ دلکش رنگ میں نبیل کے ساتھ ملاقات واقعی دلکش رہی۔ حمد و نعت ہمیشہ کی طرح دلکش ہی تھے۔ سلسلے وار ناول میں تو جیون کی ہری گلی اچھا چل رہا ہے۔ زاہدہ پروین صاحبہ سے ایک بات کہنا چاہوں گی (معذرت کے ساتھ) کہ سعدیہ کچھ زیادہ ہی نازک اندام لڑکی ہے جو ذرا ذرا سی بات پر بے ہوش ہو جاتی ہے اور ایسی بے ہوش ہوتی ہے کہ لوگوں کی جان نکال دیتی ہے۔ نہ جانا شہر دل سے بھی اچھا چل رہا ہے۔ سہائی تو بہت خوبصورت ہے کیا حقیقت میں کوئی اتنا خوبصورت ہو سکتا ہے کہ بیک وقت تین تین عاشق ہوں اس کے افسانوں میں روشن آرا کی "نئی عورت" بہت اچھا لگا۔ ناولٹ میں فرحانہ ناز ملک کا "عشق دعا ہے" بیسٹ تھا دلکش ذائقے ہمیشہ کی طرح دلکش تھے۔ تسکین ذوق بھی بہت اچھا تھا۔ خاص طور سے سارہ شیخ کا شعر زبردست تھا۔ میں بھی کچھ اشعار بھجوا رہی ہوں امید ہے کہ ضرور شائع کریں گی۔ سو سنار کی میں آپ کے جوابات پہلے سے بھی زیادہ دلکش لگے۔ میری دعا ہے کہ دلکش دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین" (خط شائع ہو گیا اب تو آپ خوش ہیں)

☆ کشمالہ تحریم ضلع لیہ سے آئی ہیں۔ "پہلی بار دلکش پڑھنے کا موقع ملا پسند آیا اور اتنا کہ دل چاہا خط لکھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا جائے ساتھ میں کچھ باتیں بھی پوچھنی ہیں امید ہے کہ جواب سے نوازا جائے گا۔ دلکش کی سب سے بڑی خوبی یہ لگی کہ اس میں نئے لوگوں کو لکھنے کا بھرپور موقع دیا جا رہا ہے ورنہ ہوتا یہ ہے عام طور پر کہ نیا لکھنے والا جتنا بھی اچھا لکھتا ہو صرف نیا ہونے کی وجہ سے اسے رد کیا جاتا ہے۔" (آپ بذریعہ ای میل بھی رابطہ کر سکتی ہیں۔ تبصرے 25 تاریخ تک مل جائیں۔ تحریر کا واضح ہونا ضروری ہے۔)

☆ بنفشہ ارم تلہ گنگ سے اک آس کے ساتھ تشریف لائی ہیں۔ "ٹائٹل میں ویسی ہی یکسانیت دیکھنے کو ملی اگر ٹائٹل کو تھوڑا تبدیل کر دیں تو کیا ہی بات ہے۔ حرف اول، مفاہیم قرآن اور مفاہیم حدیث کا مطالعہ کرنے کے بعد زہے نصیب تک پہنچی جہاں معین اختر سے کی گئی خوبصورت گفتگو پڑھی پلیز آپ زہے نصیب میں جاسوسی اور سسپنس میں لکھنے والے لکھاریوں کی گفتگو بھی شائع کر دیں تو کیا ہی بات ہے۔ جو ہم پر گزری کے سلسلے میں شکست فاش موجودہ معاشرے کی صحیح عکاسی کرتی نظر آئی۔ انجم آنٹی کی نہ جانا شہر دل سے پڑھی اور رابعہ پر افسوس ہوا۔ پتا نہیں خواب دیکھنے والی اس بے وقوف لڑکی کا انجام کیا ہو گا۔ ہم صورت گر کچھ خوابوں کے پڑھ کر احساس ہوا کہ لوگوں پر کتنی قیامتیں گزر جاتی ہیں لیکن ہمیں خبر ہی نہیں ہوتی۔ حقیقت یہی ہے کہ جس پر گزرتی ہے اسے ہی معلوم ہوتا ہے ورنہ باقی لوگوں کے لیے تو راوی چین ہی چین لکھتا ہے عام سے لوگ ایک نیا سفر اور راہیں جو گم ہوئیں معاشرے کی بہترین عکاس نظر آئیں۔ نجمہ مودی کا ناول اے غم دل کا انجام بالکل جاسوسی کہانیوں کی طرح ہوا اور ویسے بھی نجمہ آنٹی کے ناولز میں جاسوسی کا رنگ غالب نظر آتا ہے کیونکہ ان کی کہانیوں کا انجام ہمیشہ غیر متوقع ہوتا ہے۔ باقی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں ہیں۔ اس لیے تبصرہ نہیں کر سکتی۔ مستقل سلسلوں میں قانونی رہنمائی بہت پسند ہے کیونکہ میں خود بھی ایل ایل بی پارٹ ون کی طالبہ ہوں۔" (بی بی کہانیوں کی ایک وسیع تعداد ہمارے پاس ہے۔ انشاءاللہ قابل اشاعت تحاریر منظر عام پر آ جائیں گی۔)

☆ صدف چوہدری لاہور سے فرماتی ہیں۔ "اس ماہ کا دلکش کا ٹائٹل اچھا لگا۔ حرف اول میں آپ کی باتیں پڑھیں بہت اچھی لگیں۔ مفاہیم قرآن حدیث سے مستفید ہوئے۔ زہے نصیب میں معین اختر سے گفتگو بے حد پسند آئی۔ سچی کہانیوں میں شیریں حیدر کی جیون ساتھی اور قیصرہ حیات کی کشمکش اچھی رہی۔ انجو آنٹی کی تحریر نہ جانا شہر دل سے بہت اچھی جا رہی ہے پڑھ کر مزہ آ رہا ہے۔ زاہدہ پروین کی تحریر تو جیون کی ہری گلی کی تعریف نہ کرنا بھی غلط ہو گا۔ وہ بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔ مستقل سلسلوں میں بنت شگوفہ کا عالموں، باباؤں میں تجزیہ بڑا زبردست رہا۔ نبیل سے ملاقات بھی دلچسپ رہی۔ ستارۂ سخن میں ہر بار ایک نئے ستارے کی چمک ہماری معلومات میں اضافہ کرتی ہے تسکین ذوق کے تمام اشعار اور قطعات معیار کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس دعا کے ساتھ اجازت دیں کہ اللہ کرے دلکش کو بہت ترقی ملے ہر گزرتا دن اس کی تازگی و دلکشی میں اضافے کا موجب بنے۔ آمین۔ سب کو آمد رمضان مبارک!" (صدف آپ کو بھی رمضان کی ساعتیں مبارک۔ تبصرے کا شکریہ)

☆ سیدہ فضہ اسد کریالہ جالب سے آئی ہیں۔ "ستمبر کا دلکش اپنے دلکش ٹائٹل کے ہمراہ سیدھا دل میں اتر گیا۔ حرف اول کی

سچائیوں سے مستفید ہونے کے بعد اپنے فیورٹ ناول نہ جانا شہر دل سے کی جانب دوڑ لگائی۔ انجم انصار قلم پر مکمل گرفت رکھے تمام کرداروں سے انصاف کر رہی ہیں البتہ سہائی کی حد درجہ بے باکی اس کے لیے مسائل بھی کھڑے کر سکتی ہے۔ راہیں جو گم ہوئیں لڑکیوں کی عاقبت نااندیشی پر دلیل کرتا ہے نعیم جیسے بلیک میلر ہر گلی ہر نکڑ پر موجود ہوتے ہیں جو شرافت کے پردے میں ایسے گھناؤنے کھیل کھیلتے ہیں۔ تاہم دعا ہے کہ سروش کو رعنا کی پاک دامنی کا یقین آ جائے نعیمہ الطاف کی کہانی ایسے لڑکے کی تھی جو زندگی کو کھیل سمجھتے ہیں مگر پھر زندگی ان سے کھیل جاتی ہے اس ماہ کا سب سے خوبصورت تحریر بدل گئے موسم، شازیہ مصطفیٰ کی تھی واقعی محبت انسان کو بدل دیتی ہے میں پاکیزہ کے بعد دلکش کی بھی مستقل تبصرہ نگار بننا چاہتی ہوں اگر جگہ ملی تو۔" (جگہ تو مل چکی ہے آپ تبصرہ بھیجتی رہیے۔)

☆ نوخیز انجم نوگراں جہلم سے تشکر کے الفاظ کے ساتھ تشریف لائی ہیں۔ "سب سے پہلے تو آپ کا بہت بہت شکریہ بہت مہربانی کہ آپ نے میری تحریر ہم صورت گر کچھ خوابوں کے دلکش میں لگائی آئندہ بھی آپ سے ایسے ہی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے جو یقیناً آپ کرتی رہیں گی۔ گزارش ہے کہ میری پہلی والی تحریریں بھی آپ کے پاس ہیں۔ حسب معمول دلکش کا ٹائٹل اپنی دلکشی برقرار رکھے ہوئے بے انتہا زبردست رہا سیاہ رنگ تو میری کمزوری ہے اور پھر خوبصورت ماڈل کے بہترین میک اپ اور دلکش تصویر کے ساتھ بہت اچھا لگا آپ نے اداریے میں موقع کی مناسبت سے بہت خوب لکھا۔ حمد و نعت بھی بہت خوب لگی۔ زہے نصیب میں معین اختر کا انٹرویو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی وہ میرے فیورٹ اداکاروں میں سے ہیں۔ ان کی باتیں ان کا لائف اسٹائل بھی پسند آیا۔ یہ سمجھ نہیں آئی کہ جو محترمہ ان کی تصویروں میں ساتھ ساتھ تھیں وہ کیا ان کی فیملی ممبر بھی ہیں یا صرف کولیگ آرٹسٹ ہیں۔ اس دفعہ ہماری بڑی رائٹرز جن میں شیریں حیدر اور قیصرہ حیات شامل ہیں وہ سچی کہانیوں کے ساتھ آئیں۔ ان کی تحریریں بہت خاص لگیں انجم آپا کا ناول بہت خوبی کے ساتھ دلچسپی برقرار رکھتے ہوئے آگے ہی بڑھتا چلا جا رہا ہے انجم آپا کے آپریشن کا سن کر ان کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں کیں اللہ عزوجل انہیں صحت و تندرستی و لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ تو جیون کی ہری گلی بھی زبردست رہا۔ رفعت رضا کے چھوٹے سے افسانے عام سے لوگ کا میسج بہت خاص تھا۔ انداز تحریر بھی بہت خوب لگا۔ نجمہ مودی کا مکمل ناول بھی اچھا رہا۔ میرا افسانہ سچ پر مبنی تھا تھوڑا سا افسانوی ٹچ دے کر میں نے لکھا تھا۔ آپ سب کو کیسا لگا ضرور رائے دیجیے گا۔" (آپ نے اپنے افسانے کے بارے میں رائے پڑھ لی ہو گی خاطر جمع رکھیے معیاری تحریریں ضرور جگہ پاتی ہیں)

☆ سیما ندیم کچھ شکایتی لہجے میں مخاطب ہیں۔ "سب سے پہلے خوش آمدید میں جھانکا اپنا تبصرہ نہیں تو کیا اور بہنوں نے محفل خوب سجائی۔ صائمہ قیصر کا تبصرہ واہ...... کیا خوب تبصرہ کرتی ہیں۔ طویل تو تھا لیکن اچھا بھی تو تھا۔ حرف اول تو ٹاپ کا ہوتا ہے ہمیشہ۔ مفاہیم حدیث اور مفاہیم قرآن پڑھ کر دینی معلومات میں اضافہ ہوا اب آتے ہیں آپ بیتی کی طرف شیریں حیدر صاحبہ نے جیون ساتھی کا جو نقشہ کھینچا ہے خوب رہا لیکن کیا یہ حقیقت ہے؟ زہے نصیب میں معین اختر سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ اتنی قابل شخصیت کا انٹرویو کیسے اچھا نہ لگتا۔ دلکش رنگ میں دلکشی بکھیرنے والی شخصیت جی ہاں نبیل سے مل کر بہت اچھا لگا۔ مجھے ان کی ایکٹنگ بہت پسند ہے۔ ان کی بیوی بھی کیوٹ لگ رہی ہیں اور بچے بھی کیوٹ نہیں بلکہ بہت کیوٹ ہیں اور ہاں انجم انصار آپی نے دل خوش کر دیا آپ نہیں جانتیں میں سب سے پہلے آپ کے ہاتھ سے لکھی گئی تحریر پڑھتی ہوں۔ نہ جانا شہر دل سے بھی بہت پسند ہے۔ اس میں جو سسپنس ہے وہی کہانی پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ پتا نہیں عمیر اور رابعہ ملیں گے کہ نہیں جب تک یہ ناول پڑھ نہ لوں چین نہیں آتا۔ اب تو سرمد صاحب سہائی پر فدا ہو گئے۔ خدا خیر کرے چلو آگے دیکھتے ہیں ہوتا ہے کیا؟ اور تمام افسانے ہمیشہ کی طرح پُراثر ہوتے ہیں۔ بنت شگوفہ جی آپ کی تو بات ہی کچھ اور ہے بات بے بات کی پڑھ کر ہو سکتا ہے عورتوں کو عقل آ ہی جائے جو روز عالموں کے پاس جاتی دکھائی دیتی ہیں۔ ماہ اکتوبر میں رمضان بھی ہے۔ آٹھ اکتوبر کے واقعہ سے دل کانپ اٹھتا ہے۔ اللہ خیر کرے ہماری دعائیں اور عبادتیں قبول فرمائے آمین۔ میرا تبصرہ اور دلکش کے لیے نظم شامل محفل ہو گا یا یوں حوالۂ ردی کر دیے جائیں گے۔ ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اور امید کے ساتھ اللہ حافظ ویسے روزوں میں ساتھ ساتھ دلکش پکوڑے اور ساتھ ہی دلکش ماہنامہ کیا خوب مزے ہوں گے۔" (بھئی ردی کی ٹوکری ہے تو ضرور مگر اس میں پیاری بہنوں کی جواب طلب باتیں ہرگز نہیں جاتیں بلکہ رسالے کی زینت بنتی ہیں)

☆ سعدیہ ہما شیخ سرگودھا سے دلکش کی وکالت کر رہی ہیں۔ "ہارٹ فیورٹ بلیک کلر میں ملبوس مسکراتے چہرے اور تیکھی ادا کے ساتھ ماڈل سیدھی دل میں اتر گئی مگر اندرونی صفحے پر تصویر بالکل ہی الٹ لگی یعنی اچھی نہ لگی۔ آئی ہوپ کہ عید نمبر کا ٹائٹل خاصا زوردار قسم کا ہو گا۔ ویسے بھی دلکش کی پہلی عید ہے۔ کیوں نزہت جی کوئی عیدی شیدی دینے کا موڈ ہے یا نہیں اگر نہیں تو پھر بتائیں کہ ہم عیدی لیے بغیر ٹلیں گے نہیں۔ حسب معمول پہلے دین کی باتوں سے مستفید ہوئے اور پھر انجم آنٹی سے ناول کی طرف دوڑ لگائی جس کی ہر EPISODE ہٹ جا رہی ہے۔ یہ قسط بھی جاندار رہی ساتھ میں شاعری کا امتزاج خوب رہا۔ شکست فاش نام نہاد ماڈرن ازم کا شکار ہو گیا۔ تمام گھروں کی کہانی ہے کاش ایسے لوگ آزادی اور بے راہ روی میں فرق کو سمجھ لیں تو اتنے سنگین انجام سے بچ دو چار نہ ہوں شیریں حیدر نے ان آئیڈیلزم کا شکار خواتین کو آئینہ دکھایا جو یہ سمجھتی ہیں کہ دیکھنے والے دوسری دنیا کے باسی ہیں عمل اور تخیل میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ویسے ہم تو SURE ہیں اور یہ شیریں آنٹی کی اپنی آپ بیتی نہیں ہے۔ نزہت سمن نے لیجنڈ معین اختر سے گپ شپ کروا دی دل خوش کر دیا۔ نزہت کسی تحریر کے ساتھ بھی حاضر ہوں نا کہ ہم آپ کو پڑھنا چاہتے ہیں۔ فرحانہ ناز عشق دعا ہے کہ ساتھ میدان مار گئیں ویلڈن فرحانہ اب تمہارے قلم میں پختگی آ رہی ہے اللہ رشیدہ جیسی شاطر عورتوں سے بچائے۔ بلقیس ظفر کا ناولٹ راہیں جو گم ہوئیں ان تمام لڑکیوں کے لیے عبرت ہے جو جذبات کی رو میں بہہ کر ساری عمر کے لیے راندۂ درگاہ ہو جاتی ہیں۔ خیر دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے۔ اس کی یہ بھول معاف ہوتی ہے یا عمر بھر کے لیے سزا بن جاتی ہے۔ سجا بن ساون میں سچویشن خاصی فلمی رہی وہ اچھی نہیں لگی۔ نجمہ مودی کا مکمل ناول اے غم دل کوئی سسپنس نہ پھیلا سکا بلکہ کرداروں میں کوئی

خاص تال میل بھی نہ رہا۔ ہمایوں ایک دم سے منظرِ عام سے غائب۔ شیراز ان ہو گیا اور پھر لمبی دوری اور اچانک ہی مریم کی ڈیتھ مصنفہ شاید خود ہی کلیئر نہیں تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ باقی مستقل سلسلے تمام زبردست رہے۔ انجم آنٹی کے حوالے سے میرا خیال ہے کہ وہ جلتر نگ ٹائپ کچھ گفٹ ہی لے کر آ رہی ہیں جس سے دلکش کی دلکشی میں چار گنا اضافہ ہوگا۔ اسی حوالے سے اکتوبر کے شمارے کا شدت سے انتظار ہے۔‘‘
(سعدیہ تبصرے کا شکریہ۔ آپ کے تنقیدی خیالات ہی رائٹرز کو مہمیز عطا کرتے ہیں۔)

☆ سیدہ سعدیہ عابد خلوص کے تحفے لیے نارتھ کراچی سے حاضر ہیں۔ ’’ماہنامہ دلکش ایک بہت ہی دلکش تفریح کے ساتھ نئے لکھنے والوں کو بھی ’’رائٹر‘‘ بننے کا بہتر موقع دے رہا ہے..... پاکیزہ تو میں پڑھتی ہی تھی اور اب دلکش بھی پڑھنے لگی ہوں۔ افسانہ لکھنے کا بہت شوق تھا صلاحیت ہے یا نہیں یہ تو آپ لوگ فیصلہ کریں گے۔ انسان کو خدا سے ہمیشہ اچھی امید رکھنی چاہیے۔‘‘

☆ عالیہ حرا کراچی سے اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود حاضر ہیں۔ ’’زہے نصیب میں بلقیس ایدھی سے ملاقات بھرپور اور مکمل رہی اسی طرح سے قد آور شخصیات سے ملاقات کروا کر خون بڑھاتی رہیں۔ اس بار بھی تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر ممتا، بے پردہ حقیقت، زرد پتے ناول نہ جانا شہر دل سے نے قدم جما لیے ہیں۔ جیون کی ہری گلی کچھ بہتر ہوا ہے مکمل ناول جنوں میں گزری کچھ روایتی سا تھا۔ قانونی رہنمائی میں مسائل ذرا انوکھے قسم کے لائیے۔ اس بار کا فیشن ٹرینڈز معلومات کے لحاظ سے بہتر تھا بات بے بات میرے خیال میں زیادہ متاثر کن نہیں ہے۔ دارالصحت بہتر ہے۔ خوشبو کا در کھلا میں کچھ نئی چیزیں پڑھنے کو ملیں۔ غرض یہ کہ چند ماہ کے نومولود نے قدم جما کر چلنا کیا بھاگنا شروع کر دیا ہے۔ دلکش کے دلکش رنگ میرے پڑھنے والوں میں پسند کیے جا رہے ہیں پلیز عائشہ ثنا سے ملاقات کروائیے۔ عذرا رسول کا فیملی انٹرویو بہت اچھا اور مکمل تھا۔ یمنیٰ احمد آپ بیتیوں سے باہر نکل کر زمین دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ آپ بلاشبہ اچھا لکھ سکتی ہیں۔ شازیہ چوہدری کی یاد نے آبدیدہ کر دیا۔ ویل ڈن صائمہ اکرم۔ نگہت غفار، نزہت جبین ضیا اور فریدہ جاوید کو سلام خلوص۔ میں آپ لوگوں کو یاد رکھتی ہوں۔‘‘ (عالیہ آپ کا خط اس مرتبہ شامل ہوا ہے۔ تبصرہ باقاعدگی سے بھیجتی رہیے۔ آپ کی اور سب کی تجاویز یقیناً قابلِ غور بھی اور قابلِ عمل بھی ہیں)

☆ شگفتہ شفیق کراچی سے حاضری دے رہی ہیں۔ ’’اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے حسین ٹائٹل سے مزین دلکش کا ستمبر کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے۔ معین اختر صاحب کا انٹرویو بہت اچھا لگا۔ ان کا ایک ڈرامہ ’’ہاف پلیٹ‘‘ مجھے تو بہت ہی زیادہ پسند ہے اور ’’لوز ٹاک‘‘ کے کیا کہنے۔ آپ بیتیوں میں شیریں حیدر کی جیون ساتھی بہت ہی پُرلطف لگی۔ زبردست مشاہدے کے ساتھ لکھتی ہیں یہ ہماری پیاری رائٹرز صاحبہ۔ انجم انصار کا ناول مستقل اپنی طرف توجہ مبذول کیے ہوئے ہے۔ رفعت رضا کا عام سے لوگ بہت ہی پسندیدہ افسانہ ٹھہرا۔ خوشگوار انجام لیے ہوئے فریدہ جمیل کا ایک نیا سفر بھی بہت اچھا لگا۔ اسی طرح تو جیون کی ہری گلی کی یہ قسط بھی آخر میں سرپرائز دے گئی۔ عشق دعا ہے کی اگلی قسط کا بھی انتظار شروع ہو گیا ہے۔ بات بے بات کی نکاہیہ کالم حسبِ معمول بہترین رہا بنتِ شگوفہ بات سے بات نکالنا خوب جانتی ہیں۔ اس طرح بہترین کالم وجود میں آتا ہے۔ خوش آمدید وہ محفل ہے جس کو پڑھ کے بہت ہی لطف آتا ہے اور بے حد اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ ابھی پورا ڈائجسٹ پڑھا نہیں ہے۔ خط نا فٹ یوں لکھ رہی ہوں کہ آگے بے حد مصروفیت ہے۔‘‘ (تبصرے کا شکریہ اسی طرح اپنی شاعری بھیجتی رہیے۔)

☆ یاسمین کنول راجپوت پسرور سے بڑی اپنائیت کے ساتھ آئی ہیں۔ ’’حمد و نعت اساتذہ کے کلام میں سے آپ نے منتخب کیا بہت ہی اچھا لگا۔ حرفِ اول کے شروع میں لکھا شعر بہت ہی پسند آیا حرفِ اول کا نفیس مضمون پُراثر تھا۔ واقعہ معراج قرآن و حدیث کی روشنی میں بہت متاثر کن تھا۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی سے خصوصی ملاقات واقعی خصوصی تھی اچھی لگی۔ خوش آمدید میں ہنستے مسکراتے خط پڑھ کر خوشی ہوئی۔ تسلیم عثمان سحر لاہور وہی تو نہیں جو ریڈیو لاہور کے پروگرام میں اپنی شاعری بھجوایا کرتی تھیں لیکن آج کل نہیں بھجوا رہیں۔ آپ ہمیں خوش آمدید کہیں تعارف مع تصویر کے ساتھ حاضر ہو جائیں گے۔ کہانیوں میں قصہ خواب عذاب کا، ساون کا بھولا، انگارے زیادہ پسند آئیں۔ تسکین ذوق کے لیے چند اشعار بھجوا رہی ہوں۔ امید ہے حوصلہ افزائی فرمائی جائے گی باقی باتیں آئندہ اجازت اللہ حافظ۔‘‘

☆ ممتاز خانم کراچی سے مزے مزے سے حاضر ہیں۔ ’’ستمبر کے شمارے میں شیریں حیدر کا افسانہ بعنوان آپ بیتی پڑھا مزہ آیا مگر اس دفعہ قیصرہ حیات صاحبہ کا افسانہ یا آپ بیتی بالکل فلمی طرح کا لگا۔ عجب بے ہودہ عورت تھی ان کی ہیروئن عورت ذات کی ناک کٹوانے والی مجھے بالکل پسند نہیں آیا ورنہ تو قیصرہ حیات صاحبہ میری پسندیدہ رائٹرز میں سے ایک ہیں اپنی عمیرہ احمد صاحبہ سے بھی کچھ لکھوائیں۔ اپنے پسندیدہ سلسلے ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی بہت اچھے لگے یعنی سوستار کی، اپنے نام سے خود کو پہچانیے۔ میں سب سے پہلے جو چیز..... پڑھتی ہوں دلکش میں خوش آمدید اور پاکیزہ میں بہنوں کی محفل یہ سلسلے مجھے بے حد پسند ہیں۔ معین اختر اور نبیل سے ملاقات اچھی لگی۔ خوشبو کا در کھلا میں اپنی ایک نظم بھیج رہی ہوں پسند آئے تو لگا دیجیے گا ورنہ کوئی زور زبردستی نہیں اگر دلکش میں اپنی پسندیدہ ترین رائٹر عمیرہ احمد کا انٹرویو پڑھ کو مل جائے تو بہت دعائیں دوں گی پلیز نزہت دیدی کوشش کرو ناں۔ اب بات بے بات کی۔ واہ کیا بات ہے بات بنتی ہیں بلکہ بنگڑ بنا ہے ویلڈن اللہ اور زور قلم زیادہ کرے۔‘‘ (ممتاز صاحبہ آپ کی تحریر بھی شامل ہے اور خط بھی بس آپ اپنا تبصرہ بھیجتی رہیے۔)

☆ علیزہ احمد کراچی سے پُرخلوص انداز لیے چلی آ رہی ہیں۔ ’’دلکش کی ماڈل گرل کا لہراتا بل کھاتا روپ اچھا نہیں لگا۔ اشتہارات کو پھلانگتے حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یاب ہوتے ہوئے افسانوں کی فہرست میں اپنا نام تلاشنے کی کوشش کی مگر مایوسی ہوئی خیر کوئی بات نہیں دل کو تسلی دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ مفاہیم قرآن و حدیث میں شب معراج کے واقعے کو خوبصورتی سے اور اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا۔ ذکیہ بلگرامی سے ملاقات اچھی رہی۔ بشریٰ مسرور کا سلگتے خواب پڑھ کر اس سے ملتا جلتا واقعہ

ذہن میں آ گیا جو میری دادی نے سنایا تھا۔ واقعی آزادی کا تاوان بعض لوگ اب تک ادا کر رہے ہیں۔ یقین کی منزل میں ہم بھی منیبہ کے خوابوں کی تعبیر کے منتظر ہیں۔ خواہشوں کے بھنور میں ثمرین کا انجام پڑھ کر دکھ ہوا کاش لڑکیاں گھر سے قدم نکالنے سے پہلے اس بارے میں سوچ لیں کہ باہر ان کی کیا حیثیت ہوگی تو شاید بربادی سے بچ جائیں۔ نہ جانا شہر دل سے انجم آنی کا شاہکار ہے ناول کی جان رابعہ بیگم کے عمیر سے طوفانی عشق پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ یہ میڈیا کا نشہ کم عمر لڑکیوں کو اس راہ کا راہی بنا دیتا ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ قصہ خواب عذاب کا عطیہ عمر کی کاوش کو نہ سراہنا زیادتی ہوگا۔ اپنی مضبوط کردار نگاری اور حساس موضوع کی بنا پر بہت اچھا لگا دیگر سلسلے بھی سب اچھے لگے۔ بنت شگوفہ کے شوہروں کی اقسام میں ہمیں بھی اپنے شوہر کی صف مل ہی گئی۔ وہ موصوف بھی اچھی خاصی شوہرانہ خوبیوں سے مالا مال ہیں۔‘‘ (رسالے کا مواد پسند کرنے کا شکریہ آپ لوگوں کے تعاون سے یہ آگے بڑھ رہا ہے۔)

☆ صائمہ اکرم پیار اور تشکر کے کلمات کے ساتھ صادق آباد سے آئی ہیں۔ ’’بلیک لینگے میں شوخ انداز والی دلکش حسینہ اس ماہ کے ڈائجسٹ کے سرورق پر خاصی اٹریکٹو لگ رہی تھی۔ حرفِ اول میں نزہت کے لکھے تمام الفاظ دل کو چھو گئے۔ زہے نصیب میں معین اختر سے ملاقات بہت اچھی لگی۔ کسی دن اپنی انجم انصار کو بھی اس سلسلے میں گھیر گھار کر لے آئیے گا۔ جیون ساتھی میں اس دفعہ شیریں حیدر نے کمال کا لکھا بھئی شیریں ویل ڈن۔ واقعی پہلی آپ بیتی سب سے زیادہ حقیقت سے قریب تر لگی۔ زاہدہ پروین کا سلسلے وار ناول تو جیون کی ہری گلی میں پلاٹ سے زیادہ مجھے زاہدہ کا طرزِ بیان اچھا لگ رہا ہے بلقیس ظفر اور فرحانہ ناز ملک کے افسانوں کے آگے باقی آئندہ پڑھ کر بہت کوفت ہوئی بھئی یہ انتظار ہم سے نہیں ہوتا اوپر سے اس دفعہ دلکش میں چھپنے والے تقریباً افسانے دردناک اور الم ناک تھے۔ نعیمہ الطاف کا افسانہ پڑھ کر دل کافی دیر تک افسردہ رہا۔ میرا خیال ہے کہ اس دفعہ دلکش کے باہر دردناک نمبر لکھنا آپ لوگ بھول گئے ہیں بھئی کوئی ہے جو شوخ و شرارتی افسانے لکھے ہمارا قلم تو خود آج کل غم میں ڈوبا ہوا ہے اس لیے ہم سے ایسی فرمائش بے کار ہے۔ دلکش کی ’’خوش آمدید‘‘ محفل میں عذرا رسول صاحبہ کا خط پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا یقین کریں کہ میرے لیے ان کے لکھے ہوئے الفاظ بہت قیمتی ہیں اور میں انہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ انجم انصار کا سلسلے وار ناول بھی دلچسپ جا رہا ہے خاص طور پر سہانی کا کردار۔ باقی مستقل سلسلے بھی اچھے رہے۔ اب اجازت دیں۔ زندگی رہی تو اگلے ماہ ملاقات ہوگی۔‘‘ (صائمہ آپ ذرا غیر حاضری کے بعد حاضر ہوئیں مگر آئیں تو۔ آپ سب کے مفید مشورے ہی ادارے کو بہتر بناتے رہیں گے۔ جی بالکل انجم باجی بھی جلد ہی زہے نصیب میں جلوہ افروز ہوں گی۔)

☆ نادیہ فاطمہ رضوی کراچی سے خوشی خوشی شرکت کر رہی ہیں۔ ’’اس بار دلکش کافی تاخیر سے ملا ٹائٹل گرل کو غور سے دیکھنے کے بعد دل نے اوکے کہا اور زہے نصیب میں جا پہنچی معین اختر سے ملاقات بہت دلکش رہی خصوصاً زس والا واقعہ بہت انجوائے کیا خوش آمدید میں عذرا رسول صاحبہ کا پُرخلوص نامہ پڑھ کر ان سے ملاقات کی خواہش دوچند ہوگئی اس بار سپاس گل کا تفصیلی تبصرہ اچھا لگا انجم آپی کی طرف سے سرپرائز کا بے صبری سے انتظار ہے اور اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف جیون ساتھی شیریں حیدر صاحبہ کی آپ بیتی بہت تلخ تھی کیوں کہ حقیقت تو تلخ ہی ہوتی ہے۔ شیریں صاحبہ کی آپ بیتی پڑھ کر دل اداس ہو گیا اور ان سے بے پناہ اپنائیت محسوس ہوئی۔ قیصرہ حیات کی کشمکش نے ہمیں بھی کشمکش میں ڈال دیا یہ حقیقت ہے کہ آج کل لوگ محبت کے اصل مفہوم سے بالکل لاعلم ہیں کسی کی صورت یا اسٹیٹس دیکھ کر اس پر مرمٹنا محبت نہیں بلکہ خود غرضی اور لالچ ہے اور محبت تو ان چیزوں سے بالکل مبرا ہے۔ رفعت رضا کا افسانہ عام سے لوگ بھی اچھی تحریر تھی لیکن ربانی جیسے لوگ اس دنیا میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ بہ صورت گر کچھ خوابوں کے نوخیز انجم صاحبہ کا حقائق پر مبنی ایک سچا اور کھرا افسانہ جسے پڑھ کر آنکھیں بے ساختہ بھر آئیں نجانے لوگوں کا ضمیر کب جاگے گا جو گہری نیند سو رہا ہے یا پھر مر گیا ہے۔ رضیہ جوہر کا افسانہ تیرے جانے کے بعد زیادہ متاثر نہیں کر سکا۔ بجا بن ساون کیسا۔ نعیمہ الطاف کا انتہائی سبق آموز افسانہ لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل سبق کم ہی لیتی ہے۔ جب تک خود ہی کوئی بڑی ٹھوکر نہ کھا لیں بہرحال تحریر پُراثر تھی جب کہ شازیہ مصطفیٰ کے ناولٹ بدل گئے میرے موسم نے موڈ کو فریش کر دیا۔ دلکش رنگ میں اداکار نبیل سے ملاقات بہت دلکش رہی اس کے علاوہ سوستار میں شبانہ ندیم اور حنا عروج کے سوالات کے جوابات بہت پسند آئے۔ مختصراً اس ماہ کا پورا رسالہ ہی دلکش اور دلچسپ تھا۔ جیسا نام ہے ویسا ہی کام ہے غرض یہ کہ دلکش نئے اور پرانے رائٹرز کا حسین امتزاج ہے۔‘‘ (بہت خوب تبصرہ فرمایا آئندہ بھی حاضری دیتی رہیے گا۔)

☆ بشریٰ ناہید جذبہ شوق لیے تشریف لائی ہیں۔ ’’آپ کا اپنائیت بھرا رویہ اور سب سے اتنا اچھا اخلاق دیکھ کر اور پاکیزہ میں (دلکش میں کہانی لکھیے) کا ایڈ دیکھ کر بہت عرصے سے دل میں چھپی خواہش انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی ہے اور اسی خواہش کی بدولت قلم اٹھانے پر مجبور ہو گئی ہوں۔ کہانی لکھ کر بھجوانے کی جرأت کر تو لی ہے لیکن ایک ڈر ہے کہ کہیں یہ کہانی ردی کی ٹوکری کی نذر نہ ہو جائے لیکن پھر بھی امید پر دنیا قائم ہے اللہ کے بعد آپ کی محبت اور پاکیزہ اور دلکش کی مستقل قاری ہونے کی حیثیت سے یہ جرأت کر رہی ہوں۔ جب سے دلکش آیا ہے وہ بھی ہمارے گھر کی زینت بنا ہوا ہے۔‘‘ (آپ کے خلوص کا شکریہ! کہانی کی اشاعت کے لیے انتظار شرط ہے۔)

☆ رضیہ قریشی خانیوال سے چلی آتی ہیں۔ ’’سب سے پہلے آپ کو اتنا خوبصورت ماہنامہ دلکش کے لیے مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ ہر بار دل نے سوچا کہ ہم بھی آپ کے خوش آمدید میں حصہ لیں مگر دماغ نے کہا کہ کہاں تم اور کہاں دلکش بس دل کی خواہش دل میں دبالی مگر جب آپ نے نئے لوگوں کو دعوت دی تو دل بغیر لگام کے (گھوڑے) کی طرح بھاگتا ہوا آپ کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے دروازہ کھول دیں یا خالی ہاتھ واپس بھیج دیں دلکش کی کیا بات ہر بار اپنی دلکشی برقرار رکھنا دلکش کا ہی کمال ہے۔ پاکیزہ میں دلکش کا ٹائٹل دیکھا بہت اچھا لگا۔ بس فوراً خریدا۔ دلکش کا ہر سلسلہ بہترین ہے خاص طور پر زہے نصیب میں آپ نے اب تک جن لوگوں سے بھی ملایا ہے سب سے ملاقات اچھی لگی۔ سب سے اچھی عذرا رسول اور ان کی فیملی سے ان کی باتیں بھی بہت خوبصورت تھیں خاص طور پر انہوں نے جو

شعر کہا بہت اچھا لگا۔ انجم انصار کا ناول نہ جانا شہر دل سے۔ آہستہ آہستہ ہمارے دل میں اپنی جگہ بنا رہا ہے۔ زاہدہ پروین بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ یمنیٰ احمد کے انٹرویو لینے کے انداز کی کیا بات ہے۔ ہر بات کھول دیتی ہیں۔ ہماری ایک پیاری اور اچھی رائٹر نے کہا تھا کہ سوسنار کی، ستارہ سخن، آرائش و زیبائش، قانونی راہ نمائی کے سلسلوں کو ختم کر دینا چاہیے مگر میں کہوں گی کہ یہ سب دلکش کی زینت ہیں اگر یہ ختم ہو جائیں گے تو دلکش اپنی انفرادیت کھو دے گا کیوں کہ دلکش میں وہ سب کچھ ہے جو ہم پڑھنا چاہتے ہیں اس لیے اسے ختم نہ کیا جائے بہت کچھ ہے لکھنے کو مگر اگلی بار سہی۔ دعا ہے کہ پروردگار عالم ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین" (محفل میں شرکت کا شکریہ۔ ہم تمام قارئین کی آرا کا احترام کرتے ہیں۔ کہانی کی اشاعت کا فیصلہ بھی جلد ہی ہو جائے گا۔)

☆ ایس عندلیب، ڈیرہ غازی خان سے حاضر ہیں۔ "میں نے پاکیزہ کے بعد دلکش کو ایسا پایا کہ...... کہ قلم مجبور ہو گیا اور اپنا ماضی (آج سے کم و بیش 26 سال جب میں آٹھویں کلاس کی طالبہ تھی) آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ مارکیٹ گئی رائٹنگ پیڈز اور لفافے لیے اور دیکھو کہاں ہوں۔ میرے بچے تو مطالعے کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ نہ دن نہ رات بس مطالعہ! بیٹی 9th میں ہے اس نے دلکش کا پیچھا جو پکڑا ہے تو نہ کھانے کا ہوش نہ کسی کی پروا اب اس کی خاطر مجھے لگوانا پڑے گا۔ انشاء اللہ اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو غیر حاضری نہیں ہوگی۔ آپ کے توسط سے محترمہ سلمیٰ زیدی آف بہاولپور تک میری دلی دعائیں پہنچیں ان کے خطوط بھی پاکیزہ میں باقاعدگی سے شامل ہوئے تھے عرصہ دراز سے ان کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ (آواز دے کے دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے) کے مصداق۔ حمد و نعت، حرف اول، مفاہیم قرآن و حدیث، زہے نصیب، سمندر کو کوزے میں بند کرنے والی بات یعنی صفحہ نمبر 1 سے لے کر صفحہ نمبر 324 تک کچھ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا خدا اس ماہنامے کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عنایت فرمائے۔" (محترمہ آپ کی آمد سر آنکھوں پر باقاعدگی سے حاضری دیجیے۔)

☆ رمیصہ افتخار اٹک سے آئی ہیں۔ "سب سے پہلے تو معراج رسول صاحب اور عذرا رسول صاحبہ کو اور آپ کے تمام اسٹاف کو ایک نیا رسالہ متعارف کروانے پر بہت بہت مبارک باد۔ بھئی میرا بس چلے تو اس سے بھی زیادہ مبارک باد دوں۔ مجھے اپریل اور مئی کے رسالے نہ مل سکے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ البتہ جون کے رسالے کی تو کیا بات ہے۔ ٹائٹل تو بہت ہی اچھا تھا اور کونے سے جھانکتی ہوئی معراج صاحب کی فیملی نے اس پر چار چاند بلکہ آٹھ چاند لگا دیے۔ سب سے پہلے حمد اور نعت پڑھی جو بہت ہی اچھی لگی پھر نزہت اصغر صاحبہ کا حرف اول اور پھر مفاہیم قرآن اور حدیث جو کہ پڑھتے ہی دل میں اتر گئے اور جناب اس سے آگے تو معراج رسول صاحب کی فیملی سے آپ کی سنجیدہ سی گفتگو سن کر بلکہ دیکھ کر نہیں پڑھ کر بہت متاثر ہوئے۔ شمعونہ نقوی کی آپ بیتی بہت اچھی لگی۔ شمعونہ ایسے ہی دل سے لکھتی رہیں۔ ذرا سی بات یمنیٰ احمد نے لکھی جو ایک سبق آموز کہانی تھی۔ یمنیٰ آپ نے تو دل موہ لیا باقی سب کچھ اپنی جگہ فٹ فاٹ ہے اور تو اور "امیر واجد" کے خیالات جان کر اچھا لگا۔ آپ لوگ سعدیہ امام کا انٹرویو ضرور لیجیے گا۔ میں نے بھی دلکش کے لیے ایک تحریر بھیجی ہے پلیز اسے بھی دلکش میں ضرور جگہ دیں۔ ویسے میں ہر ماہ اپنی تحریر کے ساتھ حاضر ہو کر آپ کو اپنی یاد دلاتی رہوں گی اور اگر آپ کا رسالے میں میرا مطلب ہے دلکش رسالے میں سعدیہ امام کا انٹرویو نہ دے سکیں تو پلیز ٹائٹل میں ان کا چہرہ ضرور دکھا دیجیے گا اور آخر میں میری دعا ہے کہ دلکش اپنی تمام تر دلکشی کے ساتھ ہر پڑھنے والے کے دل میں اتر جائے۔ پھولوں کی طرح ہنستا مسکراتا ویسے پھول ہنستے مسکراتے تو نہیں مگر مجھے لگتا ہے کہ مسکرا رہے ہوں۔ پرندوں کی طرح چوں چوں چاں چاں کرتا ہر ماہ ہم تک جلدی جلدی پہنچے۔" (آپ کو رسالے کی بابت تاخیر سے علم ہوا چلیں کوئی بات نہیں مگر اب غیر حاضری نہ کیجیے گا۔ تبصرہ اگرچہ کافی پہلے شمارے پر ہے مگر پہلی پہلی آمد کو پذیرائی بخشنے کے لیے لگا دیا ہے۔)

☆ زارہ محمود ڈرتے ڈرتے مگر پرامید لہجے میں گوجرہ دوپٹا سے آئی ہیں۔ "میں آج پہلی بار یہ ادبی کاوش لے کر آپ کی محفل میں حاضر ہوئی ہوں۔ یہ میری کئی دنوں کی انتھک محنت کا نتیجہ ہے۔ آپ کا رسالہ ہمیں پسند ہے۔ امید ہے حوصلہ افزائی فرمائیں گی۔" (آپ کے بے حد خلوص کا شکریہ۔ ہمیشہ پرامید رہیں اور رسالے پر اپنی رائے سے نوازتی رہیں۔)

☆ حفصہ شعیب گوجرانوالہ سے شرکت کر رہی ہیں۔ "امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی آپ کو اس نئی دلکش شروعات پر بہت مبارک باد قبول ہو آپ نے نئے لکھنے والوں کو دعوت عام دے کر مجھ جیسے نوآموزوں کو حوصلہ بخشا ہے۔ اس پر میں آپ کی شکرگزار ہوں میں جو جانے کب سے اس میدان عمل میں اترنے کے لیے پر کہیں (قلم) تول رہی تھی اس لیے حوصلہ جمع کیا۔ اندیشوں کو نفی کیا ہمت کو ضرب دی اور حاصل جواب آپ کے پیش نذر کر دیا یہ میری زندگی کی پہلی کوشش ہے جو پہلی مرتبہ ہی کسی پرچے کی نذر کر رہی ہوں۔ میں نے بڑی حوصلہ مندی سے یہ قدم اٹھایا ہے اور میں یقیناً بہت آگے تک جانا چاہتی ہوں۔ خدارا میرے اس قدم کو کہیں محدود نہ کر دیجیے گا مجھے اس خط کا جواب ضرور دیجیے گا میں شدت سے منتظر ہوں۔" (حفصہ آپ کی یقیناً حوصلہ افزائی کی جائے گی بس تھوڑا انتظار کر لیں۔)

☆ شاہین اختر، فیصل آباد سے آئی ہیں۔ "دلکش کے مستقل سلسلے لاجواب ہیں۔ خصوصاً سوسنار کی اس کا برجستہ موڈ پڑھنے والے کو جکڑ لیتا ہے۔ شریک زندگی ہم ہیں بہت اچھا ہے لیکن اس کے سوالات اور شیڈول میں تھوڑا تنوع پیدا کیجیے نکاہیہ کالم بہت اچھوتا خیال ہے۔ دلکش شروع ٹائٹل سے لے کر آخری صفحے تک اتنا نیا ہے کہ اس میں بندھے ٹکے اشتہارات پرانے پرانے سے لگے۔ کہانیوں کے آغاز میں شعروں کا سلسلہ بہت اچھا لگتا ہے اس کو بندمت کیجیے گا۔ سلسلے وار کہانیاں بعض اوقات پرچے کی عدم دستیابی یا دیگر وجوہ کی بنیاد پر نہیں پڑھی جا سکتیں اس لیے شروع میں خلاصہ (خواہ تھوڑا سا ہی ہو) دے دیا کریں اس سے ذہن نہیں الجھتا۔ دلکش کے لیے ایک تجویز بلکہ خواہش ہے اس میں کلاسیکل اردو ادب کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے اور افسانے یا دیگر کہانیاں شامل کی جائیں کیونکہ آج کی نسل نو کے پاس اتنا وقت اور پیسا نہیں ہے کہ وہ خاص اہتمام سے جا کر پرانا ادب خرید کر پڑھے یوں وہ اپنی ہی اصل سے بے نیاز ماضی سے کٹ کر مستقبل کے بارے میں سوچتی

ہے۔ آپ بیتیوں کا سلسلہ ایک کہانی کی صورت میں بھی باقی رہ سکتا ہے لیکن یہ اہم کام انہی صفحات میں طے پا جائے تو میرے خیال میں وومنگ کروالیں بہت سے قارئین اور مصنفات بھی میرے حق میں ہوں گی۔ زہے نصیب میں آپ مستقبل میں بھی رسالے سے متعلقہ افراد کو ہی جگہ دیجیے گا۔ شوبز کی شخصیات کو ہرگز نہیں یا پھر ان کو جو پس پردہ کام کرتی ہیں اور بھلائی کے لیے کوشاں ہیں۔ درثمن سلیم صاحبہ اگر میرے خط کو پڑھیں تو ان سے میری گزارش ہے کہ وہ دلکش میں اپنی تحریر ضرور بھجوائیں۔ خط خاصا طویل ہو گیا ہے آپ سے میری درخواست ہے کہ بامقصد تنقید اور تجاویز کی پذیرائی ضرور کیجیے گا اور بلاوجہ تنقید کو ہمیشہ ہی ایک کان سے سن کر دوسرے سے نہ اڑا دیا کریں۔ (آپ نے بہت اچھی طرح اظہار خیال کیا ہے آپ کی تجاویز واقعی اچھی ہیں اور بہنوں کی بھی رائے معلوم کریں گے۔)

☆ نجمہ گیلانی حاضری دے رہی ہیں۔ "میں پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں وہیں آپ کے دلکش کا ایڈ پڑھا تو اسی ماہ سے شروع کیا ہے بھی سلسلے میرے پسند کے ہیں کوشش لاجواب ہے ہاں اونچے معیار کی صف کے لیے ابھی بہت کوشش کرنی ہوگی...... (برا مت مانیے گا یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے) تحریریں بہترین تھیں کچھ نیا انداز تھا لکھنے والیوں کا اچھا لگا؟ آپ کے تمام مستقل سلسلے انتہائی مناسب اور موزوں ہیں ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہوں گی کہ ایک سلسلہ بچوں کی تربیت کے عنوان سے شروع کر دیں جس میں بچوں سے متعلق مسائل کا ذکر ہو۔ اس سے وہ خواتین جو نئی نئی مائیں بنی ہیں اور تربیت دینے کے مراحل سے گزر رہی ہوں ان کے لیے سہولت ہو جائے گی۔ امید ہے میرے مشورے پر عمل ضرور کریں گی۔" (آپ کے مشورے واقعی بہت اچھے ہیں اس کے علاوہ خاصی صحت مند تنقید فرمائی ہے۔ بہت خوب یہ حقائق ہی اسے بہتر بنائیں گے۔)

☆ فائزہ عنبرین سیال...... شاہ جیونہ سے ذرا تکلف برتتی چلی آ رہی ہیں۔ "مجھے کہانیاں پڑھنے اور لکھنے کا بہت شوق ہے اس لیے میں نے ایک کہانی آپ کو لکھی ہے جو آپ کو انشاء اللہ ضرور پسند آئے گی اور امید کرتی ہوں آپ اس کو ضرور شائع کریں گے۔ میری کہانی میں یقیناً غلطیاں ہوں گی تو آپ ضرور نظر ثانی کریں۔ میں بس امید لے کر آئی ہوں آپ کا رسالہ بہت اچھا ہے۔" (محترمہ عنبرین سیال آپ کی آمد کو سراہا جا رہا ہے مگر کہانی لکھنے کے لیے مشق درکار ہے۔)

☆ رابیل محفوظ عطاری، بلیر کراچی سے آئی ہیں۔ "ماہ اگست کا شمارہ نظروں کے سامنے ہے ایک بار پھر کہوں گی کہ سرورق کلوز اپ میں ہو تو زیادہ اچھا لگے گا۔ حمد و نعت سے فیضیاب ہوئے "حرف اول" کا ہر لفظ دل کو بھایا۔ ذکیہ بلگرامی آنٹی سے انٹرویو ٹھیک رہا تینوں آپ بیتیاں پسند آئیں۔ فوزیہ یونس کی ہری گلی رسالے کی جان ہے میری طرف سے زاہدہ پروین کو بہت مبارک باد۔ عطیہ عمر کا منی ناول آج کی عورت کے لیے بہترین سبق ہے اور اس میں اصلاح کا پہلو نکلتا ہے۔ شمعونہ نقوی کے ناولٹ میں جو پیغام چھپا ہے کاش اس سے ہم سب سبق حاصل کریں۔ ہمارے معاشرے میں رشتے اور تعلق صرف ہم پلہ لوگوں سے جوڑے جاتے ہیں کسی نوکرانی کے بیٹے یا بیٹی سے رشتہ جوڑنا تو دور کی بات خوش اخلاقی سے بات کرنا بھی برا سمجھا جاتا ہے۔ شہلا شکور کے مکمل ناول نے اچھا تاثر چھوڑا۔ دلکش ذائقے کی نگران دلکش آپی یہ ٹپس بتائیں کہ جب مچھلی کو مسالا لگا کر تلا جاتا ہے تو سارا مسالا تیل میں رہ جاتا ہے یعنی مچھلی کے اوپر سے ہٹ جاتا ہے۔ کوئی ایسی ٹپ ہے کہ مسالا مچھلی سے نہ ہٹے باقی سلسلے ٹھیک رہے۔ پلیز نزہت آپی ایک ایسا سلسلہ شروع کریں جس میں ہم اپنے بچھڑے ہوئے دوستوں، ساتھیوں کو پیغام دے سکیں۔" (بہن رابیل آپ کی تجاویز نوٹ کر لی گئی جو یقیناً ہماری رہنمائی کریں گی مچھلی سے متعلق آپ کا سوال بہنوں کے لیے بھی ہے شاید کوئی بہن ٹپ بتا سکے بہرحال ہم موسم سرما کے آغاز میں مچھلی اور جھینگوں سے متعلق کافی کچھ بتائیں گے۔)

☆ فرحانہ ناز ملک ڈیرہ غازی خان سے بڑی بھرپور حاضری دے رہی ہیں۔ "سرورق حسب سابق تھا۔ سرورق کے اس قسم کے پوز کے لیے چھ ماہ کافی ہیں اب کچھ تغیر لائیں۔ حمد و نعت سے فیض یاب ہونے کے بعد فہرست کا سرسری جائزہ لیا پھر حرف اول کی باری آئی کہ جو حرف بہ حرف میرے دل کی آواز تھی۔ زہے نصیب میں معین اختر کا انٹرویو اچھا لگ ہی گیا۔ بعد ازاں آپ بیتیوں کو کھنگالا۔ واؤ شیریں حیدر کمال کا سچ لکھا ہے آپ نے مجھے کیوں محسوس ہوا کہ آپ نے خود کو موضوع بنا کر لکھا ہے۔ جب کہ آپ کہانی والی شرمین سے قطعی مختلف لائف گزار رہی ہیں ہے ناں!! قیصرہ حیات نے اپنے مخصوص انداز کا جادو جگایا۔ بہت بھلی لگیں۔ سلسلے وار کہانیاں دونوں ٹاپ پر ہیں انجو آنٹی تو ہیں ہی تعریف کے قابل...... بلا کی برجستہ مکالمہ نگاری ہوتی ہے ان کی تحاریر میں اور "زاہدہ پروین جی" اتنا خوبصورت لکھتی ہیں آپ......!!! اب تک کہاں تھیں؟ میں نے ان کی یہ پہلی تحریر پڑھی اور داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔ ماشاءاللہ...... الفاظ کا تو ذخیرہ ہے آپ کے پاس اوپر سے انداز بیان بے حد مہذب اور قرینے والا ہے المختصر آپ کا انداز تحریر بہت پسند آیا اور آپ کو لکھتے رہنا چاہیے۔ مجھے اس قسم کے بھرپور افسانے، ناول کہ جن میں اردو زبان نہایت خوبصورت طریقے سے استعمال ہوئی ہو بہت اچھے لگتے ہیں پڑھ کر ہمیں خود کو بھی مدد ملتی ہے کہ ہم بھی ایسے ہی انداز و بیان سے لکھیں۔ یہی تعریف محترمہ بلقیس ظفر کے ناولٹ کے لیے ہے میں نے بیچ میں سے چند ایک صفحات پڑھے تو اندازہ کر لیا کہ یہ ضرور کسی پرانے لکھاری کے کرشمہ ساز الفاظ ہیں اور نام دیکھ کر یقین بھی ہو گیا۔ نوخیز انجم تو چھپی رستم نکلیں۔ اچھی...... زبردست کوشش تھی ان کی۔ اپنے ناولٹ عشق دعا ہے کی اشاعت فطری خوشی بخش گئی اس ناول کے مرکزی کردار سجاول کو حقیقی کردار سمجھ کر پڑھا جائے تو مہربانی ہوگی اور اب بات کرتے ہیں اے غم دل کی نجمہ صاحبہ ہماری فیورٹ لکھاری ہیں اور دلکش میں بھی بہت جاسوسی قسم کا لکھتی ہیں۔ ان کی تحاریر میں بھی الفاظ کا استعمال خوب ہوتا ہے اردو کا صحیح توازن پڑھنے کو ملتا ہے۔ طویل ناول پسند آیا۔ دلکش رنگ میں جتنے بھی فنکاروں کے انٹرویوز کیے گئے سب کے سب بور رنگ رہے کہ ہمیں وہ اداکار یا اداکارائیں ہی ناپسند تھیں لیکن نبیل ان سے بازی لے گئے۔ بہرحال ان کا انٹرویو تصاویر سمیت اچھا لگا۔ "خوش آمدید" میں ارش بڑھتا جا رہا ہے جناب یعنی دلکش کی کامیابی کی علامت اس ماہ عذرا آپی کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے اپنے لیٹر میں بڑے مزے کی باتیں بتائیں۔ بشریٰ مسرور کا شادی شدہ اور ماما ہونا بڑا حیران کر گیا۔ چلیے آپ بھی

ہمارے سرکل کی ہیں آپ کا چھوٹا بیٹا میری "حیفہ" کے جیسا ہوگا ماشاءاللہ۔ بہت سی بہنوں نے کمال کے تبصرے کیے۔ شریک زندگی ہم ہیں میں محمد غوث اور مسز کے جوابات اچھے تھے ویسے اس سلسلے کو مزید ترقیاں دیں ذرا خصوصاً دلہا دلہن کی تصاویر بڑی شائع ہونی چاہئیں۔ باقی سلسلے بھی اپنی اپنی جگہ پر بیسٹ نظر آئے۔" (بہت شکریہ فرحانہ کہ اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکالا۔)

☆ زہت جبین بڑی باقاعدگی سے تشریف لاتی ہیں سو آج بھی حاضر ہیں۔ "ماہ ستمبر کا دلکش، دلکش ٹائٹل کے ساتھ 7 ستمبر کو ملا۔ حمد باری تعالیٰ اور نعتِ رسول مقبولؐ کے بعد حرف اول سے مستفید ہوئے۔ زہے نصیب میں اپنے فیورٹ معین اختر کا انٹرویو دیکھ کر ازحد خوشی ہوئی ایک بات بتاتی چلوں کہ آج سے تقریباً تیس سال قبل ہم نے معین اختر کو پہلی بار اپنی خالہ اماں کے گھر دیکھا تھا ہم لوگ اس وقت بہت چھوٹے ہوا کرتے تھے معین اختر اکثر و بیشتر ہماری خالہ اماں کے فیملی فنکشنز میں آتے اور اپنی پرفارمنس دکھایا کرتے تھے جنہیں دیکھ کر مجھے اچھی طرح یاد ہے ہمارے بابا (مرحوم) نے ہماری امی سے کہا تھا یہ لڑکا بہت آگے جائے گا اور واقعی آج معین اختر شہرت کی ان بلندیوں پر ہیں کہ جس کی خواہش ہر کوئی کرنا چاہے گا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ معین اختر کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین) اس کے علاوہ نبیل سے گفتگو بھی اچھی رہی۔ آپ بیتیوں میں پہلی آپ بیتی شیریں حیدر کی بہت اچھی لگی۔ اس بار شیریں نے بہت اچھوتے انداز میں لکھا۔ شکست فاش ہمارے معاشرے کا ایک ایسا سچ ہے جس کو انجم فاروق نے بہت اچھے پیرائے میں بیان کیا۔ بجا بن ساون کیسا، نعیمہ الطاف نے ہمارے ملک کے بھولے اور دوستوں کے بہکائے میں آنے والے نوجوانوں کا ذکر کیا ہے جو نادانی میں اپنے ہاتھوں ہی برباد ہو جاتے ہیں اینڈ دکھی کر گیا۔ تیرے جانے کے بعد رضیہ جوہر کی تحریر کوئی تاثر نہ دے سکی۔ نئی عورت، روشن آرا کی خوبصورت اور پراثر تحریر تھی۔ مصنفہ نے بہت اچھی طرح قلم پر گرفت مضبوط رکھی اختتام بہت بہترین رہا۔ ایک نیا سفر فریدہ جمیل کی اچھی تحریر تھی۔ ہم صورت گر کچھ خوابوں کے نوخیز انجم کی تحریر جسے پڑھ کر آنکھیں نم ہو گئیں واقعی ہمارے اردگرد ہمارے اپنے کتنی کسمپرسی میں جی رہے ہیں اس بات کا خوب اچھی طرح اظہار کیا ہے۔ عام سے لوگ رفعت رضا کی تحریر بھی اچھی لگی جبکہ بلقیس ظفر راہیں جو گم ہوئیں میں ہمیشہ کی طرح ہٹ رہی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر سلسلے بھی اچھے رہے۔ ستارہ سخن میں فیض احمد فیض کو دیکھ کر اچھا لگا۔ سلسلے وار دونوں ناول ہی زبردست جا رہے ہیں۔ اب آپ تمام کے لیے محبت بھری دعاؤں اور چاہتوں کے خزانوں کے ساتھ اللہ حافظ۔"

☆ ناہید امجد اوکاڑہ سے خلوص بھرے الفاظ کے ساتھ آئی ہیں۔ "سب سے پہلے تو دلکش کی تعریف کرنا چاہوں گی۔ زہے نصیب میں انٹرویو کا سلسلہ بہت پسند آیا ڈاکٹرز کیہ بلگرامی کی قابلِ احترام شخصیت اور ان کے انٹرویو میں مزے مزے کے سوال و جواب بہت ہی اچھے لگے۔ عطیہ عمر کا ناول بہت پسند آیا اور انجم انصار کا نہ جانا شہر دل سے تو بہت زبردست جا رہا ہے اور شوہر حضرات کی وراثت تو بہت ہی دلچسپ تھا دراصل اس میں انجم انصار صاحبہ نے یہ دکھایا ہے کہ ہر رشتہ ہی خودغرض ہے کسی کی منگنی کا پڑھ کر خوشی ہوئی تو کوئی سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور سراب تو سراسر دھوکا ہے تینوں آپ بیتیاں بہت مزے کی ہوتی ہیں لیکن عالیہ تصور کی آپ بیتی واقعی بہت عمدہ تھی۔ عالیہ صاحبہ اس نیکی کا صلہ آپ کو اللہ تعالیٰ دے گا۔" (ناہید آپ کا بہت شکریہ آپ اپنی کاوشیں بھیجتی رہیں۔)

☆ شبانہ ندیم حاضری دے رہی ہیں کراچی سے۔ "دلکش واحد رسالہ ہے جو نئے ٹیلنٹ کو آگے بڑھانے میں سنگ میل ثابت ہوگا خدا اسے سب سے آگے بڑھائے اور خوب ترقی دے میری اور میرے احباب کی دعائیں دلکش کے ساتھ ہیں۔ ایک بات بتاؤں میں آپ کو دلکش میرے جاننے والوں میں کافی مقبول ہو رہا ہے۔ چاہے وہ میری وجہ سے پڑھ رہے ہیں لیکن خوب پسند کر رہے ہیں۔ تمام کہانیاں معیاری اور سبق آموز ہوتی ہیں سلسلے بھی منفرد ہیں۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے۔ سرورق کا انداز تو سب سے زیادہ دل کو لبھاتا ہے۔ (دلکش کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ آپ تبصرے اور دیگر تحریریں بھیجتی رہیں)

☆ شازیہ تبسم اچھرہ لاہور سے پہلی دفعہ چلی آئی ہیں۔ "میڈم آج آپ سے فون پر بات کر کے دل باغ باغ ہو گیا اور دل سے خود بخود آپ کے لیے دعائیں نکلتی چلی گئیں۔ اتنے محبت اور پیار و آرام سے آپ نے میری بات سنی اور حوصلہ افزائی کی میرے پاس شکریے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ میں ہمیشہ آپ کی اور دلکش کی زندگی کے لیے دعا گو رہوں گی میں دلکش میں اپنی پہلی شاعری بھیج رہی ہوں۔ امید ہے حوصلہ افزائی ہوگی۔"

☆ انجم نگار...... فیصل آباد سے آئی ہیں۔ "رب کریم آپ کو اپنی امان میں اور خوش و خرم رکھے اور اپنی کاوشوں سے دلکش کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے سب سے پہلے دلکش کے اجرا پر مبارکباد۔ حرف اول بہت اچھا ہوتا ہے۔ زہے نصیب میں معراج رسول صاحب، عذرا رسول صاحبہ کا انٹرویو پسند آیا ان کے معمولات کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔ دلکش کے سارے ہی سلسلے اچھے ہیں۔ مفاہیم قرآن اور مفاہیم حدیث کا سلسلہ بہت اچھا ہے اس سے ایمان کی تازگی رہتی ہے۔ اپنی مصروفیت کے باعث پہلے شرکت کرنے سے قاصر رہی۔ پاکیزہ کی تبصرہ نگار ہوں شاعری کی بھی کوشش کرتی رہتی ہوں اور اپنی ایک غزل بھیج رہی ہوں اگر دلکش میں جگہ ملی تو بندی حاضر رہے گی۔ خوش آمدید کا سلسلہ بہت اچھا ہے۔" (آپ کو جگہ مل چکی ہے۔)

☆ رابعہ اسلم وڑائچ حسب سابق رحیم یار خان سے چلی آرہی ہیں۔ "دلکش کا ٹائٹل پچھلے ٹائٹلو سے بہتر ہے اور بہترین کی طرف سفر جاری ہے۔ حرف اول پڑھ کر مفاہیم قرآن و حدیث پڑھی۔ انہیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ پہلی آپ بیتی پڑھی جس کی رائٹر ہماری پیاری سی شیریں حیدر ہیں اب پوچھنا ہے کہ کیا رائٹرز اپنی لائف کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیتی ہیں ویسے خیال میرا بھی یہی ہے

بہرحال شیریں حیدر ہمارے لیے بے حد منفرد کہانی لکھتی ہیں جسے پڑھ کر بے حد لطف آتا ہے دوسری آپ بیتی قیصرہ حیات جیسی ٹاپ رائٹر لے کر آئیں ان کی کہانی میں ایک بہترین سبق تھا اور بڑی خوبصورتی سے انسانی نفسیات کا تجزیہ کیا۔ انجم فاروقی کی تیسری آپ بیتی پڑھی بے حد پسند آئی۔ کبھی کبھی بچے بھی بڑوں کی سیٹ سنبھال لیں تو بڑوں کو برا نہیں ماننا چاہیے کہ یہ تو بچہ ہے اس کو کیا پتا کبھی کبھی والدین غلط ہوتے ہیں اور یہ ثابت کرنا کہ "بزرگوں کی غلطی کو پکڑنا بھی بڑی غلطی ہے۔" غلطی نہیں ہے مگر بزرگوں سے عزت و احترام کی وجہ سے ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرنا شرمندہ کرواتا ہے۔ والدین کی تھوڑی سی غلطی کا خمیازہ یوں بھگتنا پڑا کہ سارا گھر تباہ و برباد ہو گیا۔ انجم انصار کی تحریر بہت اچھی چل رہی ہے فی الحال ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ رفعت رضا کی عام سی تحریر میں ایک خاص بات تھی۔ ایم آئی رائٹ ناں؟ نوخیز انجم بھی تشریف لائی ہیں ان کا افسانہ اچھا تو لگا مگر دکھی کر گیا۔ بہرحال نوخیز کی تحریر بہت پراثر تھی فریدہ جمیل کی کاوش "ایک نیا سفر" سو سو گئی زاہدہ پروین کا سلسلے وار ناول بھی اچھا چل رہا ہے روشن آرا کا افسانہ "نئی عورت" بولڈ ٹاپک پر لکھی ہوئی منفرد سی تحریر لگی معاشرے میں کیا ہو رہا ہے یہ ہمیں ان کہانیوں کے ذریعے پتا چلتا ہے بلکہ معاشرہ تو اب برائی کی دلدل میں اس کہانی سے کہیں زیادہ دھنتا جا رہا ہے۔ اب بات ہو جائے میری اور ہم سب کی سوئٹ فرحانہ ناز ملک کی جی جناب ان کا سلسلے وار ناول عشق دعا ہے پہلی ہی قسط میں ہماری ساری توجہ کھینچ کر لے گیا۔ فرحانہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ، کیپ اٹ اپ میری طرف سے ڈھیروں دعائیں آپ کے اور تمام رائٹرز کے لیے۔ بلقیس ظفر نظر آئیں اپنے ناولٹ کے ساتھ بہت اچھا ٹاپک لیا۔ اصلاح کے بہت سے پہلو نظر آئے۔ میں ہر کہانی میں اصلاح کا پہلو ڈھونڈتی ہوں اور حیرت انگیز طور پر دلکش کی ہر کہانی بے حد منفرد ہوتی ہے۔ یقین کریں اب تک تمام شماروں کی تمام کہانیاں بالکل مختلف ٹاپک پر تھیں ایسا ہے کہ ہم یکسانیت کا شکار نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس کی انفرادیت یونہی قائم و دائم رکھے۔ رضیہ جوہر کا افسانہ "تیرے جانے کے بعد" بہت ہی اچھا لگ رہا تھا مگر اینڈ میں آ کر یہ کیا کر دیا بھئی۔ بہرحال یا تو اینڈ تھوڑا مختلف ہوتا یا پھر ہوتا کیونکہ کہانی پڑھ کر ایک تشنگی سی رہ گئی۔ نعیمہ الطاف کی کاوش اچھی لگی برے انسان کے ساتھ دو قدم بھی چل دو تو اچھا انسان بھی برا کہلائے گا اور غلط کام کے نتائج بھی غلط ہی ہوتے ہیں۔ شازیہ منظور کی تحریر بدل گئے میرے موسم بہت پسند آئی دلچسپ کہانی تھی۔ بندہ ولید جیسا مستقل مزاج ہو تو بھلا منزل تک کیسے نہ پہنچے گا۔ بات بے بات لڑیں بڑے ہی مزے کا ٹاپک تھا بلکہ آج کل تو ہر طرف "بابے" ان ہیں ان کا سیزن بھی ایور گرین ہے۔ نجمہ مودی کی کاوش اے غم دل ٹاپ آف دی لسٹ رہی۔ نجمہ مودی نے لاجواب لکھا۔ شروع سے لے کر آخر تک ہم کہانی سے توجہ نہ ہٹا سکے۔ نبیل سے انٹرویو بھی زبردست رہا۔ خوش آمدید میں تمام بہنوں کے تبصرے جاندار تھے۔ سیاس گل کا شکریہ جنہیں ہمارا تبصرہ پسند آیا۔ دلکش اور دلکش کے بہن بھائی یعنی پاکیزہ سسپنس وغیرہ کا ایک خاصہ ہے ایک تو ان کا ماحول فیملی جیسا ہے دوسرا ہر چھوٹے سے چھوٹا سلسلہ ہی کیوں نہ ہوں مراسلات بھیجنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ (بہت بھرپور اور جاندار اظہار خیال فرماتی ہیں آپ! اللہ آپ کو خوش رکھے)

☆ نگہت زیدی.......... اسلام آباد سے مخاطب ہیں۔ "سب سے پہلے تو دلکش کی کامیابیوں پر مبارکباد قبول کیجیے۔ اتنے کم عرصے میں یہ کافی مقبولیت حاصل کر چکا ہے مگر کہنا یہ ہے کہ اسلام آباد کے تمام بک اسٹالز پر دستیاب نہیں ہو رہا ہے وہ لوگ کہتے ہیں جلدی ختم ہو جاتا ہے۔ ہم مین اسلام آباد سے کچھ فاصلے پر رہتے ہیں۔ آپ پورے پاکستان کے دور دراز علاقوں میں بھی اس کی ترسیل ممکن بنائیں۔ اس کے تمام مضامین اچھے ہیں دلکش ذائقوں کا سلسلہ تو بہت معلومات دیتا ہے۔ میں بھی کچھ تراکیب بھجوانا چاہ رہی ہوں اس کے علاوہ حرف اول اور حمد و نعت کا بھی انتخاب خوب ہوتا ہے۔" (دلکش کی پسندیدگی کا شکریہ یہ آپ کا ہی پرچہ ہے اس کے ہر سلسلے میں شرکت کیجیے۔)

☆ شہلا حسن...... اسلام آباد سے موسم کے لطف لیتی ہوئی آرہی ہیں۔ "دلکش نے اپنے پہلے شمارے سے ہی جو توجہ حاصل کی اور اس میں شامل مواد سے جو ہمیں مزے مزے کی باتیں پڑھنے کو ملیں تو اس نے ہمیں بالکل ہی گرویدہ بنا دیا ہے۔ آپ نے نئے اسٹائل سے خواتین کا یہ ماہنامہ شروع کیا ہے اور اس میں جو تراشے لگائے جاتے ہیں وہ بھی کلاس کے ہوتے ہیں اس کے علاوہ کہانیوں کے معیار پر بھی سمجھوتا نہ کریں۔ ضروری نہیں کہ ہر جگہ چھپنے والی رائٹرز اچھا بھی لکھ رہی ہوں۔ بعض اوقات نئی رائٹر اور کم نام لکھاری بھی بہت شاندار تحریر پیش کرتی ہیں آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں اور ماہ رمضان کی مبارکباد۔" (بہت گہرائی سے آپ نے رسالہ پڑھا پھر خط لکھا اس کا شکریہ)

☆ رخسانہ نذر...... اٹلانٹا سے چلی آتی ہیں۔ "میں نے دلکش جولائی میں پڑھا تھا جب سے ہی بہت متاثر ہوئی ہوں۔ اتنی دور رہ کر اپنے وطن کے لوگوں سے بذریعہ ڈائجسٹ ملنے کا موقع آپ کا ادارہ فراہم کرتا رہتا ہے۔ یہاں پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد مقیم ہے۔ نئی نسل تو اردو رسالے پڑھتی نہیں مگر ہم جیسے لوگ تو اردو کے رسالے اور اخبار ہی پڑھنا چاہتے ہیں یوں اپنے آپ کو اپنے ہی ہم وطنوں میں پاتی ہوں۔ آپ اس میں نوجوان لڑکیوں کی رہنمائی اور تربیت کے لیے کہانیاں اور مضامین ضرور شامل کریں۔ اس کے علاوہ اگر عمر رسیدہ سوشل ورکرز سے ملاقات ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہے تاکہ ان کے تجربات سے نئے آنے والے فائدہ اٹھا سکیں۔ (بہن رخسانہ آپ نے بے انتہا اچھی تجاویز دی ہیں۔ رسالے کے مضامین سراہنے کا بہت شکریہ۔)

☆ ان قارئین کے نام جنہوں نے تحریر کے میدان میں نیا نیا قدم رکھا اور کہانیاں بھجوائیں۔ یہاں رسید کے طور پر ان کے نام درج ہیں۔

☆ فادیہ نقوی سیالکوٹ۔ "آپ حوصلہ رکھیں۔ کہانی کا انتخاب پڑھ کر کیا جاتا ہے پھر یہ ایک قطار میں لگ جاتی ہے اور باری آنے پر شائع ہو جاتی ہے۔ آپ بھی کچھ انتظار کریں۔

☆ صائمہ زہرا لاہور سے لکھتی ہیں کہ مجھے کہانیاں لکھنے کا بے حد شوق ہے اس کے جواب میں عرض ہے بلکہ کبھی کے لیے اگر آپ لوگ

تعلیم سے فارغ ہو گئے ہیں اور بے پناہ شوق بھی رکھتے ہوں تو کہانی بھی لکھیے مگر کسی بڑے سے اصلاح کروالیں۔ اس کے لیے ادب و زبان سے واقفیت ضروری ہے اس کے علاوہ معلوماتِ عامہ اور عام معاشرتی مسائل پر بھی گہری نظر ہو۔ کہانی اور اچھی کہانی میں بہت فرق ہے کوشش کیجیے کہ آپ کی تحاریر پُراثر اور جامع ہوں......اور یہ تربیت اور مشق سے ہی ممکن ہے۔

☆ فریحہ ارم، ڈیرہ اسماعیل خان سے بعد شوق تشریف لائی ہیں اور اس میدان میں قدم رکھنا چاہتی ہیں جو بے شک ریاضت اور مطالعے کے بغیر ممکن نہیں۔ فریحہ آپ کی نیک تمناؤں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تحریر کے بارے میں فیصلہ کرنے میں کچھ وقت درکار ہے آپ پُرامید رہیں۔

☆ سمعیہ بلوچ لاڑکانہ کے لیے عرض ہے کہ آپ کہانیوں کے علاوہ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کیجیے اور رسالہ پڑھ کر اس پر باقاعدگی سے تبصرہ بھی بھیجیے۔

☆ روشانے سیمین لاہور کے لیے عرض ہے کہ آپ اچانک غائب ہو جاتی ہیں۔ اپنے تبصرے سے نوازتی رہیے اور تحریر بھی ضرور بھیجیے۔

☆ تہمینہ راجپوت مورو سندھ سے حاضر ہیں بہت شکریہ اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے دلکش کے نام کا انعام سات ماہ گزرنے کے بعد بھی ہمارے لیے رکھا اور ہمیں بھیجا مجھے بہت ہی خوشی ہوئی تھی آپ لوگ میرے والد کی صحت کے لیے دعا کریں۔ (محترمہ انعام تو قرض ہوتا ہے جو ضرور حقدار تک پہنچانا ہوتا ہے آپ کے والد انشاءاللہ روبہ صحت ہو جائیں گے بس آپ دلکش میں درج دعاؤں کا ورد زبان پر رکھیں)

☆ عائشہ الطاف ڈھڈیال سے پُرخلوص دعائیں لیے حاضر ہیں۔ (عائشہ آپ کی کوشش کو یقیناً سراہا جائے گا)

☆ صبا کمال۔ اسلام آباد کے لیے عرض ہے کہ آپ میں موروثی لکھنے کی صلاحیت ہو گی آپ کے والد معروف صحافی احمد کمال راولپنڈی اسلام آباد کے حلقے میں خاصے جانے پہچانے تھے۔ انشاءاللہ آپ کی تحریر پر بھی غور کیا جائے گا مگر اس کے لیے صبر و تحمل اور انتظار شرط ہے۔

☆ شہناز ریاست علی ...... گھوٹکی کے لیے عرض ہے کہ آپ کی تحریر پر غور کیا جائے گا باری آنے پر تمام مواد نظر کے سامنے آتا رہتا ہے کوئی چیز ضائع نہیں کی جاتی بس چھان پھٹک میں دیر لگ جاتی ہے۔ دلکش کو انشاءاللہ آپ کے علاقے سمیت پاکستان کے دیگر گوشوں میں پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہمارے پاس دیگر علاقوں سے بھی خطوط آئے ہیں دلکش کی ترسیل کے سلسلے میں۔

☆ صبا امیر، نجو پور رحیم یار خان کے خط کے جواب میں اتنا کہنا ہے کہ آپ لکھنے کی مشق جاری رکھیں اگر کہانی کسی قلمکار کو دکھا دیں تو بہت اچھی بات ہے۔ اس کے علاوہ کتب و رسائل کا مطالعہ جاری رکھیں۔

☆ سعدیہ عزیز سعدی گوجرانوالہ کے خط کے جواب میں یوں عرض ہے کہ آپ دیگر سلسلوں میں بھی باقاعدگی سے شرکت کیجیے کہانی کے لیے مزید مشق جاری رکھیے مقبول رسائل کی کہانیاں اور کلاسیکل ادب کچھ سیکھنے کی غرض سے پڑھیے اس طرح اپنی خامیاں معلوم ہو جائیں گی۔

قارئین اس مرتبہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ قاری کے تعارف کے سلسلے "پذیرائی" کا آغاز ہو چکا ہے اس سلسلے میں آپ سے گزارش ہے کہ اپنا مختصر تعارف مع اپنے کارنامے تعلیم یا دیگر ہنر......اس کے علاوہ شہر کے متعلق بھی بتا سکتی ہیں۔ ایک عدد تصویر کے ساتھ بھیج دیجیے ہم تمام قارئین کی یکساں پذیرائی کریں گے۔ ایک بات اور آپ سے کہنا ہے کہ ماہ دسمبر اور جنوری میں بعنوان گزشتہ سال کیسا گزرا اور آئندہ کی کیا امید ہے اور یہ بھی کہ خواتین کے حوالے سے آگے کیا کیا اقدامات ہونے چاہئیں......اس پر مختصر مختصر اپنی رائے سے نوازیے۔ اس میں تمام رائٹر بہنیں اور دیگر قارئین شرکت کر سکتے ہیں پہلے آیئے اور پہلے پایئے۔ چھوٹی سی شرط ہے کہ خوش آمدید کا رسالے میں چھپا ہوا کٹنگ کاٹ کر خط کے ساتھ ضرور بھیجیں تاکہ آپ کی شمولیت یقینی اور حتمی بنائی جا سکے۔ دسمبر اور جنوری میں یہ "اظہارِ خیال" شائع ہوں گے نوٹ فرمالیں۔

رازونیاز!

عزیز دلکش بہنو! آپ کے پُرخلوص نامے شہد آگیں الفاظ ہمارے لیے بلاشبہ ٹانک کا درجہ رکھتے ہیں آپ سب جس محبت و اپنائیت کا اظہار کرتے ہیں اس کے لیے شکریے کا لفظ بہت چھوٹا ہے۔ ہم آپ کی عنایات کی دل سے قدر کرتے ہیں کہانی لکھنے کی دعوت دینا دراصل چھپے ہوئے ٹیلنٹ کو ابھارنا ہے اور جس طرح بہت سی قلمکار بہنوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ کسی اور رسالے میں اتنی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی آپ کا ادارہ تجربہ کار مصنفین کے ساتھ ساتھ نئے لکھاریوں کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتا ہے اس کے لیے جواباً عرض ہے کہ ہر شعبے میں کچھ عرصے بعد نئے خون، نئے ٹیلنٹ اور نئے محنت کش کی ضرورت پڑتی ہے سو یہی بات اس شعبے میں بھی ہے۔ انشاءاللہ آپ لوگوں میں سے ہی قرۃ العین حیدر، رضیہ بٹ اور ذکیہ بلگرامی جیسی قلمکار منظرِ عام پر آئیں گی۔ اس کے لیے مشق، حوصلے اور انتظار کی ضرورت ہے۔ اس مرتبہ دو نئے سلسلے شروع کیے ہیں آپ لوگوں کی آرا کا انتظار رہے گا۔

اب آپ سے اجازت طلب کرتے ہوئے قلم کو وقتی طور پر آرام دیتے ہیں اس دعا کے ساتھ کہ ربِ کائنات ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے (آمین)

رمضان المبارک کے ساتھ ساتھ عید الفطر کی بھی پیشگی مبارکباد قبول کیجیے اور عید میں اپنی تیاریوں کے ساتھ ساتھ مستحق اور ضرورت مند قرابت داروں کو ہرگز مت بھولیے انشاءاللہ نومبر کے شمارے میں عید کے حوالے سے مواد شامل کریں گے آپ لوگ جلد از جلد مراسلات روانہ کر دیجیے۔ خوش رہنا اور خوش رکھنا سیکھیے۔ اللہ حافظ!

شریک زندگی ہم ہیں

افشاں عباس

عزیز ساتھیو! اس مرتبہ ہم ان (تینوں جوڑوں) کے صرف جوابات تحریر کر رہے ہیں، سوالات جاننے کے لیے آپ ذرا دلکش کے پچھلے شمارے اٹھالیں پھر معلوم ہو جائے گا کس سوال کا کیا جواب......تو پڑھیے خوبصورت جواب۔

وسیم احمد و انیلا وسیم

۱۔ یہ خوبصورت لمحہ یکم اپریل 2000ء کو آیا یعنی اپریل فول والے دن۔ (اب معلوم نہیں کون کس کو بنا رہا ہے)

۲۔ شادی اگرچہ ارینج تھی مگر ظاہر ہے اب تو لو میرج بن چکی ہے۔

۳۔ شادی سے پہلے کی زندگی آزادی اور خودمختاری کی زندگی ہوتی ہے جس میں نہ گھر جانے کی جلدی ہوتی ہے اور نہ ہی یہ احساس کہ گھر پر کوئی آپ کا منتظر ہے جب کہ شادی کے بعد آزاد پنچھی کے پر کاٹ دیے جاتے ہیں۔ (یہ خیالات صرف وسیم احمد کے ہیں)

۴۔ آپ کی اس بات سے میں مکمل اتفاق کرتا ہوں بلکہ ہم دونوں ہی کہ...... دلہن وہی جو پیا من بھائے۔

۵۔ روٹھنے کے بعد روٹھنے والا چودھویں کا چاند معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ ناکام شادی سے بچنے کے لیے ہوم منسٹری کو سر پر بٹھا کر رکھو۔

۷۔ ارے بھئی کم عقل لوگ پیسے بدلتے ہیں۔

۸۔ نصیحت تو بہت خوبصورت ہے۔ بھئی ایسی خوبصورت غلطی ضرور کیجیے......یعنی شادی کرنے کی......

وسیم احمد اپنی شریک زندگی انیلہ وسیم کے ہمراہ

سونیا

۱۔ 13 جون 2004ء بروز اتوار میری زندگی کا خوبصورت لمحہ بن کر آیا۔

۲۔ نوٹل ارینج میرج تھی بعد میں لو بھی شامل ہو گیا جیسا اکثر ہو جاتا ہے۔

۳۔ پہلے ذمے داری سے نہیں اپنی موڈی مزاج سے کام کرتی تھی لیکن اب پورے گھر کی ذمے داری مجھ ناتواں کے کندھوں پر ہے۔ (آہم..... آہم)

۴۔ واقعی دلہن ہی وہی ہے جو صرف شوہر کے دل کو فتح کر کے حکومت کرے۔

۵۔ ارے ہماری قسمت میں کہاں کہ وہ ہمیں منائیں الٹا لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔

۶۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ناکام ہونے کی یہ ہے کہ لڑکی جب بیاہ کر دوسرے گھر جاتی ہے تو اسے پرایا ہی محسوس کرتی ہے اگر وہ اسے اپنا لے وہ بھی اچھائی برائی سمیت تو کبھی ناکام نہیں ہوگی۔

۷۔ اکثر کیسوں میں یہ پہیے بدل جاتے ہیں لیکن اگر ان پہیوں کو زندگی کی طویل سڑک پر بدگمانی اور بے جا شکوک کی کیلوں سے بچا کر چلایا جائے تو یہ گاڑی رواں دواں رہے گی۔

۸۔ خدا کے لیے شادی کرنے سے پہلے ایک لمحہ رک کر ضرور سوچ لیں کہ آپ میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو ایک کامیاب بیوی میں ہونی چاہیے اگر ہیں تو پھر سو بسم اللہ۔

محمد انور

۱۔ جی بالکل! 13 جون 2004ء بروز اتوار ہم پابند سلاسل ہوئے۔

۲۔ ارینج میرج تھی پھر ان کی بھولی بھالی صورت دیکھ کر لو بھی ہو گیا۔

۳۔ شادی سے پہلے آزادی تھی اپنی مرضی سے گھومو۔ پھرو شادی کے بعد عمر قید ٹل گئی۔ (یہ مذاق تھا)

۴۔ اگر لڑکی شوہر کے دل کو نہیں بھائے گی تو کیا سسرال والوں کے دل کو بھائے گی.....؟

۵۔ ایسے موقع بہت کم آتے ہیں جس میں میرا ہاتھ کم ہوتا ہے یعنی رونے کے.....

۶۔ بیوی اگر شوہر اور سسرال والوں کے مزاج کے مطابق خود کو ڈھال لے اور شوہر بیوی کی اس قربانی کو مان لے تو شادی کبھی ناکام نہیں ہوگی۔

۷۔ زندگی اونچی نیچی راہ گزر ہے بہت احتیاط، بہت نزاکت سے ان پہیوں کو رکھا جائے تو کبھی گاڑی کا نقصان نہیں ہوگا۔

۸۔ پہلے تو میاں بیوی اپنی اپنی حماقتوں اور اپنی غلطیوں پر دل کھول کر ہنسیں اور آئندہ ان باتوں پر ہنسنے دینے کے بجائے خوش دلی سے انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔

محمد انور اپنی شریک سفر سونیا انور کے ساتھ

دلکش بہنیں

پذیرائی

قارئین کرام! جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قارئین کے تعارف کا الگ صفحہ ترتیب دیا جا رہا ہے۔ دنیا بھر میں جہاں جہاں ہماری بہنیں اس دل پسند ماہنامے کو پڑھتی ہیں وہ اپنے بارے میں اپنے مشاغل اور اپنی تعلیم کے بارے میں سب کو آگاہ کریں اس کے علاوہ اگر کوئی اصلاحی و تعمیری عمل آپ سماجی سطح پر انجام دے رہی ہیں تو اس کی بھی مکمل تفصیل بھیجیں۔ آپ قارئین کے تعارف سے اس شمارے میں مزید چار چاند لگ جائیں گے۔

شکیب اپنے تعارف کے لیے بس اتنا کافی ہے
ہم اس سے مل کر جلتے ہیں جو رستہ عام ہو جائے

آداب..... میں ہوں رابعہ اسلم دنیا سے بے گانی دلکش کی دیوانی، یکم فروری 1984ء کو رحیم یار خان میں تشریف لائی۔ سو میرا اسٹار "دلو" ہے اور مجھ میں وہ تمام خامیاں اور خوبیاں موجود ہیں جو "دلو" لوگوں میں ہونا چاہیے۔ رسالے بہت پڑھتی ہوں اور میری مصروفیت میں گھر کے کام کرنا بھی شامل ہیں۔ شاعری پڑھنے کرنے اور لکھنے کا بے حد شوق ہے۔ میوزک سنتی ہوں شوق سے۔ بہت ضدی اور موڈی ہوں۔ تنہائی پسند نہیں ہوں مگر آج کل بہت ڈپریس ہوں الگ تھلگ بیٹھی رہتی ہوں مگر لگتا نہیں کہ اکیلی ہوں کیونکہ "دلکش" اور میرے فیورٹ رسالے میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ بہت کیئرنگ ہوں اور مخلص بھی، اپنے لیے میں یہ کہتی ہوں "نام ہی کافی ہے" آزمائش شرط ہے۔ میں حساس تو بہت زیادہ ہوں۔ چھوٹی چھوٹی بات کو بھی دل پر لے لیتی ہوں اور گھنٹوں روتی رہتی ہوں اور مجھے کسی کی پروا نہیں مگر جب امی ڈانٹ دیں تو نہ مجھے کھانا پینا اچھا لگتا ہے نہ ہی کسی سے بات کرنا۔ ناراض بہت جلدی ہو جاتی ہوں غصہ تو مجھے بہت ہی زیادہ آتا ہے جس کی وجہ سے بدمزاج اور بدتمیز بھی کہلائی جاتی ہوں۔ صاف گو یعنی منہ پھٹ بھی ہوں جو دل میں آتا ہے کہہ دیتی ہوں دل میں نہیں رکھتی کوئی بات۔ جھوٹ بولتی ہوں مگر مصلحت کے تحت ورنہ ہمیشہ سیدھی اور سچی بات کرتی ہوں جلوؤں کو کم ہی ہضم ہوتی ہے۔ دال کے علاوہ سب کچھ کھا لیتی ہوں۔ دودھ اور سبزیاں میرے فیورٹ مشروب ہیں اور..... اور..... اور نہ جانے آپ کو یہ تعارف کیسا لگے آپ نے تو کوئی سوال نہ کیا سب کچھ ہمیں خود ہی بتانا ہے تو جناب گھر میں سب سے زیادہ ابو سے پیار ہے۔ لمبی قمیص چوڑی دار پاجامہ اور ساتھ ہو بڑا سا دوپٹا! واہ جی واہ کیا ڈریس ہے۔ آفٹر آل میرا فیورٹ جو ہے۔ گھا گھرا، ساڑھی..... ایسٹ اینڈ ویسٹ سارے ڈریسز ہی پہن لیتی ہوں شوق سے۔ بلیک ڈریس شوق سے پہنتی ہوں کلر تو جناب ریڈ ہی اچھا لگتا ہے باقی تمام کلرز بھی پہنتی ہوں موسم تو بس بارش کا ہو، سردی اچھی لگتی ہے۔ جیولری میں چوڑیاں، رنگز، چین بہت پسند ہیں۔ مہندی لگانے کا بھی شوق ہے۔ مخلص لوگ مجھے بہت کم ملے سو فرینڈز بھی میری کم ہی ہیں۔ ویسے میں بہت فرینڈلی ہوں جلد دوستی کر لیتی ہوں اور اعتبار بھی۔ عید کا بہت انتظار رہتا ہے مگر عید کا دن بے حد اداس گزرتا ہے جس کی کئی وجوہات ہیں کہ میری عزیز ترین ہستیاں مجھ سے دور ہوتی ہیں۔ سرفہرست نانی اماں جواب ہم میں نہیں مگر ان کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ وہ ایک عظیم عورت تھیں اور ان کی یاد بہت آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے (آمین) اب اجازت چاہوں گی۔

☆☆

دِلکش ذائقے

دلکش آپی

پیاری بہنو! ابھی تو مختلف حلووں کے ذائقوں سے منہ میٹھا ہی تھا کہ افطار کی تیاریوں کا موسم آ گیا اور ہر طرف چٹخارے دار پکوانوں کی خوشبوئیں پھیلتی محسوس ہونے لگیں۔ جی ہاں! اسی لیے تو آپ کی آپی بھی کچھ انوکھے اور مزیدار پکوان لیے حاضر ہے۔ بس ایک بات کا خیال رکھیے گا کہ ان پکوانوں میں سے ایک پلیٹ افطاری، خوشنودیِ خدا کی خاطر کسی بھی مستحق کو روزانہ پہنچا دیجیے گا تاکہ آپ کے افطار کا لطف دوبالا ہو سکے۔ کیوں ٹھیک ہے ناں......!

مزیدار کالے چنے

(آٹھ سے دس افراد کے لیے)

اجزا: کالے چنے ایک کلو۔ ثابت سرخ مرچ دس عدد۔ ہری مرچ 4 عدد کٹی ہوئی۔ درمیانی پیاز دو عدد۔ ہرا دھنیا تھوڑا سا۔ کالی مرچ، لونگ، بڑی الائچی بالترتیب پانچ، تین اور... ایک عدد۔ سفید زیرہ دو بڑے چمچے۔ میٹھا سوڈا ایک چائے کا چمچہ۔ لیموں دو عدد۔ تیل دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب: چنے رات میں میٹھا سوڈا ڈال کر بھگو دیں صبح نتھار کر نئے پانی میں اُبال کر گلا لیں۔ ایک کڑاہی یا پتیلی میں تیل ڈال کر پیاز سنہری کر لیں۔ پیاز نکال کر اس آئل میں تمام مسالے مع سفید زیرہ ہلکے فرائی کر لیں۔ اب یہ مسالا نکال کر پیاز سمیت پیس لیں اور اسی تیل میں اُبلے چنے اور پسا ہوا مسالا مکس کر لیں اور دس منٹ تک ہلکی آنچ پر رکھیں اوپر سے دونوں لیموں کاٹ کر نچوڑ لیں اور اچھی طرح مکس کر لیں سرو کرتے وقت لچھے دار پیاز، ہرا دھنیا اور ہری مرچ ڈال دیں۔

اسپیشل آلو بالز

اجزا: آلو ایک کلو، اُبلے ہوئے گاجر اور مٹر ایک کپ۔ ڈبل روٹی کے سلائس تین عدد، پیاز چوکور کٹی ہوئی ایک کپ، ہری مرچ، ہرا دھنیا اور پودینے کے تازہ پتے حسب پسند...... بیسن ایک کپ۔ چاول کا آٹا دو کھانے کے چمچ (یہ آپ گھر میں بھی پیس سکتی ہیں) پسا ہوا سفید زیرہ دو کھانے کے چمچے۔ ہلدی ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ میٹھا سوڈا چٹکی بھر۔ پسا ہوا لہسن آدھا چائے کا چمچ۔ لیمن جوس دو کھانے کے چمچ پانی حسبِ ضرورت صرف بیسن گھولنے کے لیے۔ تیل ڈیپ فرائی کے لیے۔

ترکیب: آلو اور سبزی اُبال کر اچھی طرح میش کر لیں اب اس میں سلائس بھی توڑ کر شامل کر لیں تمام مسالا بھی شامل کر لیں یہ بھرتے کی شکل ہو جائے گی۔ اب اس آمیزے کے چھوٹے چھوٹے گولے بنا لیں۔ ایک برتن میں بیسن، ہلدی، میٹھا سوڈا، نمک اور سرخ مرچ

گاڑھا گاڑھا گھول لیں اور یہ گولے اس آمیزے میں ڈِپ کر کے کڑاہی میں سنہرے ہونے تک تل لیں۔ ایک پلیٹ میں لچھے دار پیاز اور سلاد کے پتے سجا کر یہ گولے اس میں سجاتی جائیں اور چٹنی یا کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔ افطار کے لیے بہترین ہیں۔ آپ چاہیں تو آلوؤں کے ساتھ اُبلے انڈے بھی شامل کر سکتی ہیں۔ آلو اور بیسن کے آمیزے میں نمک مرچ مناسبت سے حسبِ ذائقہ ڈال لیں۔

☆☆☆

لکھنوی دہی بڑے

اجزا: دال ماش دلی ہوئی ایک کپ۔ دال مونگ آدھا کپ۔ پسی ہوئی سرخ مرچ، پسا دھنیا۔ نمک حسبِ ذائقہ۔ بھنا ہوا سفید زیرہ ایک کھانے کا چمچہ۔

چٹنی کے لیے اجزا: املی کا گودا، آدھا کپ۔ پسی سونٹھ دو چائے کے چمچے۔ کلائی پسی ہوئی ایک چائے کا چمچ، پسا میتھی دانہ چٹکی بھر نمک مرچ حسب ذائقہ گڑ کا شیرہ آدھا کپ (اسے باریک کپڑے میں چھان لیں) دہی بڑوں میں بھرائی کے لیے چند دانے کشمش تھوڑا تھوڑا ہرا دھنیا، ہری مرچ، ہری پیاز اور ادرک باریک باریک کتر لیں۔ دہی آدھا کلو۔ اس میں نمک مرچ، زیرہ اور تھوڑی سی چینی اچھی طرح مکس کر لیں۔

ترکیب: دالوں کو تین سے چار گھنٹے بھگونے کے بعد نتھار کر پیس لیں۔ اس میں اوپر بتایا گیا مسالا ڈال لیں اور اچھی طرح پھینٹ لیں مگر خیال رہے کہ خوب گاڑھا گاڑھا رہے۔ اس کی تیاری چیک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پانی سے بھرے برتن میں اس پیسٹ کو چمچ سے ٹپکائیں اگر بوندی اٹھ کر اوپر آ جائے تو سمجھیں تلائی کے لیے تیار ہے۔ بیسن کے آمیزے کو بھی اسی طرح چیک کریں۔

ایک سوتی کپڑے کے ٹکڑے پر کھانے کا ایک چمچ دال کا پیسٹ ڈالیں۔ اب اس میں بھرائی کے لیے دی گئی اشیا ایک چائے کے چمچے کی مقدار میں ڈال دیں اور اس طرح سے کپڑا اتر چھا کریں کہ یہ اشیا دال کے پیسٹ میں ڈھک جائیں۔ اسی طرح کے باقی کے

''بڑے'' بھی تیار کرتی جائیں۔ کپڑے میں رکھنے سے یہ ہوگا کہ اضافی پانی جذب ہو جائے گا۔ اب ان بڑوں کو احتیاط سے فرائی پین میں تلتی جائیں اور چپٹی کفگیر کی مدد سے ایک خاکی کاغذ پر اتارتی جائیں اور کچھ دیر بعد نمک ملے پانی میں ڈال دیں جب پانی میں اچھی طرح ڈوب جائیں تو ایک ایک کر کے باہر نکالیں اور ہتھیلی پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے ہلکا سا دبا کر پانی نچوڑ لیں پھر انہیں ایک ڈش میں سجاتی جائیں۔

سرو کرنے سے پندرہ بیس منٹ قبل ان پر دہی ڈال دیں اور اوپر سے املی کی چٹنی بھی...... ہرا دھنیا، ہری مرچ اور پسے ہوئے سفید زیرے سے سجاوٹ کریں۔

ڈیٹس کوکیز

اجزا: نرم کھجوریں (گٹھلی نکال لیں) آدھا کلو۔ میری بسکٹ کا ہاف رول۔ مکھن تین کھانے کے چمچے۔ باریک چینی چار کھانے کے چمچے۔ انڈا ایک عدد۔ ونیلا ایسنس۔ دو تین قطرے پسا کھوپرا پون کپ۔

ترکیب: مکھن کو پگھلا کر شکر ملا لیں۔ اب اس میں چاپ کیے ہوئے کھجور ملا لیں اور ان اشیا کو اتنا پکائیں کہ

یہ اچھی طرح مکس ہو جائیں۔ اب اس میں تمام بسکٹ بھی چورا چورا کر ڈالیں اور دو چار دفعہ چمچ چلا کر چولھے سے اتار لیں۔ اب اس میں انڈا اور ایسنس پھینٹ کر ڈال دیں اور اچھی طرح مکس کر لیں اگر کسی دھات کا بنا ہوا سانچا چوکور یا مستطیل شکل کا ہو تو اس میں یہ آمیزہ ڈال لیں اور دبا دبا کر سطح ہموار کریں۔ اب ایک چھری پر مکھن لگا کر چوکور چوکور ٹکڑوں کی شکل میں اس آمیزے کو کاٹ لیں اور پسا ہوا ناریل چھڑک کر ریفریجریٹر میں رکھ کر خوب ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

دلکش معلومات

انار:۔ انار مفرّح، مسکّن اور زود ہضم پھل ہے۔ اسے ہمیشہ سے غذا کے ساتھ دوا کے طور پر بھی لیا جاتا ہے۔ یہ دل کے امراض میں بہت سود مند ہے۔ میٹھا انار قبض کشا ہوتا ہے جب کہ ہلکی کھٹاس والے انار کے دانے درم معدہ اور دل کے درد کی لاجواب دوا اور ٹانک ہے۔ اسہال یا خونی پیچش میں مبتلا مریضوں کے لیے انار کا رس بہترین ہے۔ یہ خون کی کمی کا قدرتی علاج ہے۔ انار کی جڑ کی چھال کو اُبال کر مریض کو پلانے سے پیٹ کے کیڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ انار کے پھول استقاطِ حمل کو روکنے کے لیے بطور دوا استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ یرقان میں بہت مفید ہے۔ انار کے خشک چھلکوں کا سفوف کالی مرچ اور نمک ملا کر بطور منجن استعمال کرنے سے دانت چمکدار اور مسوڑھے مضبوط ہو جاتے ہیں۔

کھجور:۔ یہ بھرپور نشوونما کرنے والے پھلوں میں سے ایک پھل ہے۔ کھجور ایک نہایت مقوّی اور پُرغذا پھل ہے۔

عربوں میں ایک پرانی کہاوت تھی کہ ایک سال میں جتنے دن ہوتے ہیں۔ کھجور کے اتنے فائدے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ یہ دماغ کے ضعف کو دور کرتی ہے۔ قلب کو تقویت پہنچاتی ہے۔ کھجور کا پھل زچّہ کے لیے بہترین ہے۔ اسے دودھ اور مکھن کے ساتھ بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے۔ نوعمر بچیوں کے ایّام کی تکلیف میں اسے دودھ کے ساتھ اُبال کر کھلایا جائے۔

شیر خواروں کے دانت نکلنے کے زمانے میں شہد اور کھجور کا معجون بنا کر انہیں چٹانا چاہیے۔ کھجور استعمال کرنے سے پہلے انہیں اچھی طرح سے دھو لینا ضروری ہے۔

قابلِ عمل نسخے

☆ اپنی آنکھوں کو تھکن سے بچائیے۔ ہر دوسرے دن دس سے پندرہ منٹ کے لیے کھیرے یا آلو کے قتلے ٹھنڈے پانی سے دھو کر آنکھوں پر رکھ کر آرام کی پوزیشن میں لیٹ جائیں۔ بعد میں ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں سے آنکھوں کو دھوئیں۔

☆ بلاوجہ آنکھیں ملنے سے گریز کریں۔ آئی میک اپ چھڑانے کے لیے لوشن یا کریم کاٹن کے ساتھ آہستگی سے استعمال کریں۔

☆ گاجر اور انار کا رس پینا بینائی کے لیے مفید ہے۔

☆ سورۂ نور یا دعائے نور مسلسل پڑھنے سے آنکھوں کی بینائی تیز ہوتی ہے۔

☆ آشوبِ چشم کا بہترین علاج..... ایک پیالے میں ایک انڈے کی سفیدی لکڑی کے چمچے کی مدد سے اس قدر پھینٹیں کہ اس میں سے جھاگ اٹھ آئے اگر گرمی کے باعث آنکھ متاثر ہے تو ذرا پر کی مدد سے دو قطرے آنکھ میں ڈال لیں۔

ڈاکٹر عدنان اکرم دارُالصحت

جگر کا ذکر ہمارے ہاں اکثر رہتا ہے کہیں شاعر کی شاعری میں تو کہیں ادیبوں کے محاوروں میں لیکن ان سب سے بڑھ کر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جگر انسانی جسم کا ایک انتہائی اہم عضو ہے۔ جس کی اہمیت اور افادیت سے انکار ہم میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا جگر کا تعلق صرف نظامِ ہضم ہی سے نہیں ہے بلکہ ہمارے جسم میں ہونے والے تقریباً تمام افعال میں جگر کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کلیدی کردار ہوتا ہے لہٰذا اگر جگر کسی بھی وجہ سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے اثرات تمام جسم پر پڑتے ہیں جگر کے فعل میں خرابی سے انسانی جسم کا لمبے عرصے تک زندہ رہنا ممکن نہیں ہوتا۔

آج کل جگر کی بیماریوں کے حوالے سے ہیپاٹائٹس یا سوزشِ جگر کے بارے میں اکثر سننے کو ملتا ہے۔ یہ وہ مرض ہے کہ جو ہمارے یہاں بہت تیزی سے پھیل رہا ہے جس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ عام لوگ ہیپاٹائٹس کے بارے میں اتنی معلومات نہیں رکھتے کہ جن پر عمل پیرا ہو کر مرض سے موثر بچاؤ یا علاج ممکن ہو سکے۔ اس بار ہمارے اس مضمون کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہم آپ کو ہیپاٹائٹس کے بارے میں کچھ آگاہی دے سکیں تاکہ آپ اپنی زندگی جیسے انمول تحفے کی حفاظت کر سکیں اور دوسروں کی زندگی بھی محفوظ بنا سکیں۔

ہیپاٹائٹس وائرس سے ہونے والا مرض ہے جس کی ان اقسام کا ذکر ہم کریں گے ہیپاٹائٹس A,B,C,D,E ان میں ہیپاٹائٹس A سب سے زیادہ عام ہے۔ ہیپاٹائٹس A اور E وہ اقسام ہیں جن میں مرض شدید علامات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے یہ علامات تیزی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں جو ایک مقررہ مدت تک کے لیے ہوتی ہیں ان علامات میں بھوک کا نہ لگنا، تھکن کا احساس ہونا، پیٹ میں درد، تمام جسم اور سر میں درد، ہلکا بخار، متلی، قے، قبض یا دست، پیشاب کا پیلا پن اور آنکھوں کے سفید حصے اور تمام جلد کا زرد ہو جانا جسے عرفِ عام میں یرقان بھی کہا جاتا ہے شامل ہے۔ ہیپاٹائٹس A اور E کا وائرس پانی، دودھ اور دیگر غذاؤں سے پھیلتا ہے۔ یہ متاثر مریض کے فضلے میں خارج ہوتا ہے۔ گنجان آباد علاقے اور ایسی جگہیں جہاں پر سیوریج کا مؤثر نظام موجود نہ ہو جس کی وجہ سے عام استعمال کے پانی یا پینے کے پانی میں سیوریج کے پانی کی آمیزش ہو رہی ہو..... ہیپاٹائٹس کے پھیلنے کا سبب ہیں۔ اس طرح ہیپاٹائٹس A اور E بہ آسانی پھیلتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس A دو تین ہفتوں میں ٹھیک ہونا شروع ہو جاتے ہیں ہیپاٹائٹس A کا شکار ہونے والے مریض صحت یاب ہو جاتے ہیں اور صرف ایک فیصد مریضوں میں یہ مرض پیچیدگی اختیار کر سکتا ہے جس کا نتیجہ LIVER FAILURE کی صورت میں ہوتا ہے جس کا مطلب ہے کہ جگر اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اگر مریض دورانِ حمل ہیپاٹائٹس E میں مبتلا ہو جائے تو اس کے پیچیدہ ہونے کا امکان 20 فی صد تک ہوتا ہے اسی طرح اگر کسی مریض کو پہلے سے ہیپاٹائٹس C ہو اور وہ ہیپاٹائٹس A میں مبتلا ہو جائے تو یہ ایسے مریضوں کے لیے جان لیوا بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے سب لوگوں کو اور خاص طور پر ان کو جو ہیپاٹائٹس B یا C میں مبتلا ہیں کہ وہ ہیپاٹائٹس A اور E سے بچنے کے لیے صاف ستھری غذا کا استعمال کریں، پانی اُبال کر استعمال کریں اور ہر کھانے سے پہلے اپنے ہاتھ صابن سے اچھی طرح دھو لیں۔

ہیپاٹائٹس A کی ویکسینیشن کروائیں۔

ہیپاٹائٹس کے مریض کے لیے آرام کرنا بہت ضروری ہے مریض کو چاہیے کہ وہ چکنائی والی اشیا مثلاً مکھن، گھی، تیل اور بالائی وغیرہ سے مکمل پرہیز کرے اور زیادہ نشاستے، لحمیات والی ہلکی اور زود ہضم غذا استعمال کرے اور پینے کے لیے تازہ پھلوں کے جوس خاص طور پر گنے کا رس بہت فائدہ مند ہوتا ہے یاد رہے کہ ہیپاٹائٹس A اور ہیپاٹائٹس E کی علامات (جن کا ذکر اوپر کیا گیا) شدید نوعیت کی ہوتی ہیں اور اگر احتیاطی تدابیر پر عمل کیا جائے تو یہ بیماری جلد ختم ہو جاتی ہے اور مریض بالکل صحتیاب ہو جاتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ علامات کے ظاہر ہوتے ہی کسی مستند معالج سے رجوع کیا جائے تاکہ مرض کی تشخیص بروقت ہو سکے اور کسی پیچیدگی سے بچتے ہوئے مرض کا علاج شروع کیا جا سکے۔

اب ہم بات کریں گے اس ہیپاٹائٹس کی جس کی علامات بہ ظاہر شدت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتیں اور یہ مرض بہت آہستگی سے پھیلتا ہے۔ ہیپاٹائٹس B اور C کا شمار اسی میں ہوتا ہے۔ ہیپاٹائٹس کی قسم اوپر بیان کیے گئے ہیپاٹائٹس A اور E سے کہیں زیادہ خطرناک اور مہلک ہے۔ ہیپاٹائٹس B جسے عرفِ عام میں کالا یرقان بھی کہا جاتا ہے...... استعمال شدہ سرنجز، انتقالِ خون، جنسی تعلق اور استعمال شدہ بلیڈ کے ذریعے پھیلتا ہے۔

وہ تمام وجوہات جن سے ہیپاٹائٹس B پھیلتا ہے وہ ہیپاٹائٹس C کے بھی پھیلنے کا سبب ہیں۔ کالا یرقان یا ہیپاٹائٹس B اور C متاثرہ ماں سے پیدا ہونے والے بچے میں بھی منتقل ہونے کا کافی امکان ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہمارے ہاں ناک، کان۔ چھیدنے والے جراثیم آلود UNSTERILIZED INSTRUMENTS استعمال کرتے ہیں۔ ان کے یہ اوزار انتہائی غیر محفوظ ہیں اور ہیپاٹائٹس B اور C کے پھیلنے کا ایک سبب بھی ہیں۔ اسی طرح حجاموں کے پاس وہ لوگ بھی جاتے ہیں جو ان امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ شیو بنانے اور بال تراشنے کے اوزار خاص طور پر بلیڈ اور استرے سے بھی یہ مرض ایک سے دوسرے شخص میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نشہ کرنے والے وہ لوگ جو اپنے نشے کے لیے ایک دوسرے کی سرنجز کا استعمال کرتے ہیں اکثر ہیپاٹائٹس B اور C میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

انتقالِ خون BLOOD TRANSFUSION سے بھی لوگ اس کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسا خون جو پیشہ ور لوگ بیچتے ہیں کبھی محفوظ نہیں ہوتا۔

ہیپاٹائٹس B اور C کی علامات عام طور پر اچانک ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ یہ دھیرے دھیرے ظاہر ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اس کی تشخیص ابتدا میں نہیں ہو پاتی۔ شروع میں یہ بڑی عام سی شکایات اور علامات ہوتی ہیں جیسے پورے جسم میں کمزوری کا احساس، جسم میں درد، جلد تھکن کا احساس ہونا، بھوک کا نہ لگنا، فلو ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ بعض اوقات تو مریض کو کسی قسم کی کوئی علامت یا شکایت نہیں ہوتی اور مرض کے بارے میں اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ خطرناک حد تک آگے بڑھ کر پیچیدہ ہو چکا ہوتا ہے یا حادثاتی طور پر روٹین چیک اپ کے دوران اس کا انکشاف ہوتا ہے کہ بہ ظاہر اچھا خاصا صحت مند نظر آنے والا انسان اس خطرناک مرض میں مبتلا ہے۔

ہیپاٹائٹس B اور C ہیپاٹائٹس A اور E کے مقابلے میں زیادہ خطرناک اور جان لیوا ہوتے ہیں کیوں کہ یہ A اور E کی طرح ایک مدت پوری کرنے کے بعد بھی مریض کا پیچھا نہیں چھوڑتے بلکہ لمبے عرصے تک مریض کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ مرض پیچیدہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ مرض جب پیچیدہ ہوتا ہے تو مریض کو یہ شکایات اور علامات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ خون کی الٹیاں آنا، پیٹ میں پانی کا بھر جانا، پیٹ کا پھول جانا...... جگر مکمل طور پر کام کرنا چھوڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے گردوں اور پھیپھڑوں کے افعال بھی متاثر ہوتے ہیں۔ جسم کے اندر موجود فاسد مادے دماغ پر اپنے اثرات ظاہر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ (یہ فاسد مادے ہمارے جسم میں عام حالات میں بنتے ہیں لیکن جگر ان سب کو ختم کر دیتا ہے) اور مریض اردگرد کے ماحول سے بے خبر اور لاتعلق ہو جاتا ہے اور بے ہوشی COMA میں چلا جاتا ہے۔ (جاری ہے)

☆☆☆

آرائش و زیبائش

رضوانہ خان

دلکش آرائش سے مزین پیاری بہنو! خدا آپ کی ظاہری اور باطنی خوبصورتی سلامت رکھے۔ ان صفحات کا مقصد آپ کے مسائل کا حل پیش کرنا اور اپنے آپ کو مزید اچھا لگنے کے طریقوں پر عمل کروانا ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں ہر ماہ ڈھیروں خطوط موصول ہوتے ہیں کچھ بہنوں کے مسئلے یکساں ہوتے ہیں سوان کے لیے مجموعی طور پر معلومات حاضر ہیں۔

☆ انجم نگار...... فیصل آباد ☆ تسنیم سلیم...... گجرات ☆ ماہم شاہد...... ملیر کراچی ☆ انیلا ظفر...... اسلام آباد ☆ فضہ حسین...... بہارہ کہو ☆ شہلا حسن...... اسلام آباد ☆ ایلیا حیدر...... لاہور ☆ فروہ ناصر راولپنڈی ☆ آمنہ شریف...... کراچی۔

آنکھوں کا حسن

آنکھوں کی حفاظت کے متعلق بتانا اگرچہ ماہر امراضِ چشم کا کام ہے مگر ایک بیوٹیشن بھی آدھی ڈاکٹر ہی ہوتی ہے سو آج کی مستند باتوں سے فائدہ اٹھایئے۔

آنکھوں میں سرمہ اور کاجل لگانے کا سلسلہ بہت قدیم ہے اگرچہ یہ اب کچھ کم ہو گیا ہے مگر اب سرمے کی سلائی کی جگہ کاجل کے برش اور پینسلیں استعمال ہو رہی ہیں کاجل صحیح انداز میں لگایا جائے تو آنکھوں کی ساخت اور بناوٹ بھی اچھی نظر آ سکتی ہے مثلاً...... چھوٹی آنکھیں یا چندھی آنکھیں...... آنکھ کے بیرونی کونوں اور نچلے حصے میں کاجل لگانے سے کھلی کھلی نظر آ سکتی ہیں۔

اسی طرح گول آنکھیں نچلے پپوٹے کے کنارے پر لکیر لگانے سے بیضوی نظر آ سکتی ہیں۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اوپری پپوٹے پر ذرا گہری لکیر لگائی جائے۔

نشیلی اور خواب آلودہ آنکھیں اوپری پپوٹے کے بیرونی کونوں اور اوپر اٹھی ہوئی لکیر کے لگانے سے بیدار اور کھلی نظر آ سکتی ہیں۔

آنکھوں کو کاجل، کالی پینسلوں یا سرمے سے نمایاں اور خوبصورت تر بنانے کا کام مہارت اور پریکٹس کے بغیر ممکن نہیں جو یہ مشق کر لیتے ہیں یعنی باقاعدہ پارلر سے تربیت حاصل کر لیتے ہیں یا گھر میں ہی کسی ماہر سے سیکھ لیتے ہیں ان کے لیے خود اپنی آنکھوں کو فتنہ ساماں بنانا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کے لیے چند ٹپس حاضر ہیں۔

اس میں رفتار کا خیال رکھیں۔ لکیر لگانے کی رفتار دھیمی ہو تو لکیر پھیل جائے گی۔ اس کے لیے آئی لائنر یا پینسل ذرا تیزی سے چلائی جائے۔ یہ کام مشق سے ہی ہو سکتا ہے۔

آنکھوں کے پپوٹوں پر آنکھیں بند کر کے احتیاط سے پاؤڈر لگایا جائے۔ اس طرح لکیر دیر تک لگی اور جمی رہے گی۔

اپنا ہاتھ چہرے کے قریب رکھیے اور کہنی کسی سطح شے (ٹیبل یا سنگار میز) وغیرہ پر ٹکائے رکھیے تاکہ ہاتھ کی حرکت میں یکسانیت برقرار رہے وہ اِدھر اُدھر ہو گا تو آئی میک اپ بھی ٹیڑھا ہو جائے گا۔

کاجل، لائنر یا پینسل کی لکیر کونے سے باریک اور درمیان سے نسبتاً موٹی ہو۔

آنکھوں پر مطلوبہ میک اپ شیڈ لگا کر آخر میں لائنر

اور مسکارا لگائیے۔ نچلی پلکوں پر مسکارا لگاتے وقت خیال کریں کہ آنکھ کی جلد سے نہ چھو جائے ہو سکے تو پلک کے نیچے ٹشو رکھ کر مسکارا فائنل کریں۔

مسکارا یا لائنر سوکھنے پر زیتون کے تیل یا کیسٹر آئل کے چند ڈراپس ڈال کر تازہ کر سکتی ہیں مگر لگاتے وقت آنکھ کی اندرونی سطح کو بچائیں۔

آئی میک اپ اتارنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کوئی بھی موئسچرائزر کریم کاٹن میں لگا کر نہایت نرم ہاتھ سے آئی میک اپ صاف کریں یا میک اپ چھڑانے کی مخصوص کریم یا لوشن استعمال کریں۔

رات میں ہمیشہ چہرہ دھو کر موئسچرائزر لگا کر سوئیے۔ سردیوں میں بالائی، عرق لیموں گلیسرین اور عرق گلاب سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں۔ آنکھ پر کریم انگلیوں کی پوروں کی مدد سے لگائیں۔

آنکھوں کی حفاظت کا آسان ترین نسخہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنا ہے۔ اس طرح گرد و غبار بھی نکل جاتا ہے۔

کچھ بہنوں نے آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے دور کرنے کی بھی ترکیب دریافت کی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ نیند پوری ہو، معدہ درست فعل انجام دے رہا ہو اور بے ڈھنگے انداز میں مطالعہ کرنا اس کا سبب ہے۔ لیٹ کر ٹی وی دیکھنے اور پڑھنے سے گریز کریں۔

آنکھوں کو زور زور سے ملنا یا سخت کپڑے سے رگڑنا نقصان دہ ہے۔ اس کے لیے نرم کپڑے یا تولیے سے صرف آہستہ آہستہ تھپکیں۔ پڑھتے وقت کتاب پر اندھیرا نہ ہو۔ کمرے کی لائٹ آف کر کے کمپیوٹر اسکرین یا ٹی وی اسکرین پر نظریں جمانا نہایت نقصان دہ ہوتا ہے۔

پودینے کے پانی کو ابال کر چھان لیں اب اس پانی سے آنکھیں دھوئیں خصوصاً حلقوں پر اس کے پتوں کا لیپ بھی کر سکتی ہیں۔ دن میں کم از کم ایک مرتبہ دس سے پندرہ منٹ کے لیے آلو کے قتلے یا کھیرے کے قتلے آنکھ پر رکھیں بالکل آرام دہ پوزیشن میں لیٹ جائیں۔

عرق گلاب سے آنکھیں دھونا بھی مفید ہے۔ ان ساری تراکیب میں آنکھ کے اندرونی حصے کی حفاظت ضروری ہے۔

پلکیں اور بھوئیں گھنی کرنے کے لیے کیسٹر آئل یا زیتون کا تیل لگائیں مگر شرط ہے کہ آنکھ کے اندر نہ جائے۔

دھوپ میں سن گلاسز کا استعمال کیجیے۔ سورج کو دیکھنے سے گریز کریں۔ دھوپ لگنے پر آنکھیں چندھیانے سے گریز کریں اس سے بہتر ہے کہ آنکھوں پر اپنے دوپٹے، اسکارف یا کسی بھی چیز کا سایہ کر لیں۔

موسم گرما میں دھوپ میں چلنا مجبوری ہو تو چھتری کا استعمال بہترین ہے۔

اگر عینک لگانا مقصود ہو تو چہرے اور آنکھوں کے آرام کو مدِ نظر رکھیں نا کہ فریم کی خوبصورتی کو۔

دونوں آنکھوں کے مابین کم فاصلے کی صورت میں ہلکے رنگ کا فریم لگائیں۔ فریم ہمیشہ اپنی استطاعت اور شخصیت دیکھ کر خریدیں نا کہ دوسروں کی نقل میں۔

وٹامن اے آنکھوں کے لیے مفید ہے۔ اس لیے گاجر کا جوس بہت ضروری ہے۔ کوشش کریں اپنی غذا میں سلاد اور سبز پتے والی سبزیاں شامل رکھیں۔

نہار منہ چٹکی بھر سونف دو تین بادام اور ذرا سی مصری کھانے سے بینائی میں تیزی آتی ہے۔

کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر آنکھوں پر تین تین مرتبہ پھیریں۔

ان تمام باتوں پر عمل کرنے سے آپ کے حسن میں اضافہ ہوگا اور اس نعمتِ خداوندی کا شکر بھی ادا ہوگا جو آنکھوں کی شکل میں آپ کے پاس ہے بے شک یہ ربِ دو جہاں کی نادر تخلیق ہے۔

خوشبو کا در کھلا

فصاحت فاطمہ

ماہِ رمضان کے فضائل

حضرت ابو نصرؒ نے بالاسناد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ شعبان کے آخری دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

"اے لوگو! ایک عظیم المرتبت اور برکتوں والا وہ مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض کیے ہیں اور اس مہینے کی راتوں میں عبادت کو افضل قرار دیا ہے۔ جس شخص نے اس مہینے میں ایک نیکی کی یا ایک فرض ادا کیا اس کا اجر اس شخص کی طرح ہوگا جس نے کسی دوسرے مہینے میں ستر فرض ادا کیے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا صلہ جنت ہے۔ یہ مہینہ نیکی پہنچانے کا ہے۔ اس مہینے میں مومن کی روزی میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس شخص نے کسی روزے دار کو افطار کرایا، اس کے گناہ بخش دیے گئے۔ اس کی گردن آتشِ دوزخ سے آزاد کی جائے گی اور روزے دار کے روزے کا ثواب کم کیے بغیر افطار کرانے والے کو بھی روزے دار کے برابر ثواب ملے گا۔"

بہ حوالہ۔ غنیۃ الطالبین
از حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
مرسلہ: صبا جاوید کراچی

غزل

گلی گلی مری یاد بچھی ہے پیارے رستہ دیکھ کے چل
مجھ سے اتنی وحشت ہے تو میری حدوں سے دور نکل

ایک سے ترا پھول سا نازک ہاتھ تھا میرے شانوں پر
ایک یہ وقت کہ میں تنہا اور دکھ کے کانٹوں کا جنگل

یاد ہے اب تک تجھ سے بچھڑنے کی وہ اندھیری شام مجھے
تو خاموش کھڑا تھا لیکن باتیں کرتا تھا کاجل

میں تو ایک نئی دنیا کی دُھن میں بھٹکتا پھرتا ہوں
میری تجھ سے کیسے نبھے گی ایک ہیں تیرے فکر و عمل

میرا منہ کیا دیکھ رہا ہے، دیکھ اس کالی رات کو دیکھ
میں وہی تیرا ہمراہی ہوں ساتھ مرے چلنا ہو تو چل

کلام: ناصر کاظمی
پسند: آسیہ عاشق، بنکاک

مقدر اور ظرف

ایک بار حضرت علیؓ اپنے گھوڑے پر کہیں جا رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ گھوڑے سے اترے۔ قریب ہی ایک بدو چرا رہا تھا، آپ نے اسے بلایا اور کہا تھوڑی دیر کے لیے گھوڑے کی لگام پکڑ لو تا کہ میں نماز ادا کر لوں۔ بدو راضی ہو گیا اور حضرت علیؓ نماز پڑھنے لگے۔ یہ بات مشہور تھی کہ نماز پڑھتے ہوئے آپؓ دنیا سے بے خبر ہو جاتے۔ بدو نے موقع غنیمت جانا اور گھوڑے کی لگام لے کر بھاگ گیا۔ نماز کے بعد آپ نے دیکھا کہ گھوڑا تو موجود ہے لیکن لگام غائب ہے۔ اسی دوران آپؓ کے غلام قنبرؓ کا گزر ہوا۔ آپؓ نے ان کو دو درہم دیے اور بازار سے لگام خرید کر لانے کو کہا حضرت قنبرؓ بازار پہنچے تو دیکھا کہ ایک بدو لگام لیے کسی گاہک کا انتظار کر رہا ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ کی لگام پہچان لی اور بدو کو پکڑ کر حضرت علیؓ کے پاس لے آئے

حضرت علیؓ نے پوچھا۔ ''اسے کیوں پکڑ لائے ہو؟''
حضرت قنبرؓ نے جواب دیا کہ: اس کے پاس آپ کے گھوڑے کی لگام ہے۔ آپؓ نے پوچھا یہ اس لگام کی کیا قیمت مانگ رہا ہے۔ حضرت قنبرؓ نے جواب دیا کہ دو درہم۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا اسے دو درہم دے کر چھوڑ دو۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہ دو درہم اس کے مقدر میں ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ نماز پڑھنے کے بعد اسے دو درہم اس کی خدمت کے عوض دوں گا لیکن یہ اس کا اپنا ظرف ہے کہ اس نے اپنا مقدر دوسری طرح لینا پسند کیا۔ یہ سن کر آپ کے غلام نے اس بدو کو دو درہم دے کر چھوڑ دیا۔

مرسلہ: نویدہ مشتاق، شیخوپورہ

دروازہ کھلا رکھنا

دل درد کی شدت سے خوں گشتہ و سی پارہ
اس شہر میں پھرتا ہے اک وحشی و آوارہ
شاعر ہے کہ عاشق ہے جوگی ہے کہ بنجارہ
دروازہ کھلا رکھنا
سینے سے گھٹا اٹھے، آنکھوں سے جھڑی برسے
پھاگن کا نہیں بادل، جو چار گھڑی برسے
برکھا ہے یہ بھادوں کی، برسے تو بڑی برسے
دروازہ کھلا رکھنا
آنکھوں میں تو اک عالم آنکھوں میں تو دنیا ہے
ہونٹوں پہ مگر مہریں۔ منہ سے نہیں کہتا ہے
کس چیز کو کھو بیٹھا۔ کیا ڈھونڈنے نکلا ہے
دروازہ کھلا رکھنا
ہاں تھام محبت کی گر تھام سکے ڈوری
ساجن ہے ترا ساجن اب تجھ سے تو کیا چوری
یہ جس کی منادی ہے بستی میں تیری گوری
دروازہ کھلا رکھنا
شکووں کو اٹھا رکھنا، آنکھوں کو بچھا رکھنا
اک شمع دریچے کی چوکھٹ پہ جلا رکھنا
مایوس نہ پھر جائے، ہاں پاسِ وفا رکھنا
دروازہ کھلا رکھنا

کلام: ابن انشا
پسند: لالہ رخ، پشاور

آپ کی عمر کیا ہے؟

دیکھنے میں یہ طالب علم لڑکے اور لڑکیاں دس بارہ چودہ سال تک کے لگتے تھے اور چونکہ انہیں اردو پڑھتے ابھی دوسرا سال تھا، اس لیے ان کی استعداد کا اندازہ کر کے ہم نے ان کو بچوں کی کتابیں دیں ''بلو کا بستہ'' اور چاند تارا وغیرہ۔ ان میں لڑکیاں بھی تھیں۔ جن کو ہم ازراہِ سرپرستی تھپک رہے تھے۔ اتفاقاً ایک لڑکی سے ہم نے پوچھ لیا۔ تمہاری عمر کیا ہے بیٹا؟ ایک لڑکا بول اٹھا ''بیس سال کی ہیں یہ۔'' لڑکی نے فوراً تردید کی اور کہا ''یہ شرارت کرتا ہے جی، جھوٹ کہتا ہے۔'' ہم نے اطمینان کا سانس لیا کہ ہمارا پہلا اندازہ درست تھا۔ تاہم احتیاطاً ان بٹیا سے پوچھا۔ ''تو پھر کیا ہے تمہاری صحیح عمر؟'' بولیں ''اب کے جون میں بائیس برس کی ہو جاؤں گی۔''
ہم فوراً الگ ہو کر بیٹھ گئے اور بلو کا بستہ واپس لے کر ان کو موازنہ انیس و دبیر وغیرہ دیں۔

اقتباس: چلتے ہو تو چین کو چلیے از ابن انشا
انتخاب: صنوبر گل کوئٹہ

تو نے کبھی سوچا

گلہ کم گوئی کا مجھ سے بجا ہے
لیکن اے جانِ سخن!
تو نے کبھی سوچا
کہ تیری سمت جب میں آنکھ بھر کر دیکھتی ہوں تو
مری ہلکی سنہری جلد کے نیچے
اچانک
اتنے ڈھیروں ننھے ننھے سے دیے کیوں جلنے لگتے ہیں؟

ماہِ تمام از پروین شاکر سے
سیدہ زرینہ، کالا شاہ کاکو کا انتخاب

ملاقات

خجستہ سے میری ملاقات بس یونہی سرسری سی تھی۔ میں اپنے کوٹھے پر آنے کا اعلان شیلے کے اشعار سے کیا کرتا اور وہ اپنی چھت پر آ کر زور سے پکارتی ''سارے کپڑے اتار لاؤں امی؟'' اور ہماری ملاقات ہو جاتی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ الگنی پر ڈالا ہوا ان کا کوئی رومال سوکھ کر ہوا سے اڑتا ہوا ہمارے کوٹھے پر آ جاتا اور میں اس کی آمد کی خبر پا کر رومال کی گیند اپنے کوٹھے سے ان کے یہاں پھینکتا اور کہتا ''آپ کا رومال ہے۔ اڑ کر ہمارے یہاں پہنچ گیا تھا لیکن اس کے جواب میں صرف ''شکریہ!'' کا ایک لفظ وصول ہوتا میرے ساتھی کو دیرینہ زکام کی شکایت تھی۔ وہ میرے اس طرح رومال لوٹا دینے پر چیں بہ جبیں ہوتا اور اکثر ایک ہی قصہ سنایا کرتا کہ کس طرح اس نے ایک لڑکی کو اغوا کرنے کا منصوبہ باندھا اور لڑکی سے اس ارادے سے باخبر کر کے اس سے اجازت حاصل کی اور پھر جب وقتِ مقررہ آ پہنچا اور اس لڑکی نے ڈیوڑھی کا دروازہ رات بھر کھلا رکھا تو وہ دبے پاؤں ان کے گھر داخل ہوا اور ٹٹولتے ٹٹولتے ان کی ایک اصیل مرغی اغوا کر کے لے گیا جسے اس نے لونگ اور جائفل کا بگھار دے کر صبح و شام دو دو وقت ضیافت اڑائی لیکن میں تو ہمیشہ رومال واپس کر دیا کرتا تھا کیونکہ رومال نہ تو بگھارا جا سکتا ہے اور نہ مجھے زکام ہوا ہے۔

اقتباس: ایک محبت سو افسانے از اشفاق احمد
مرسلہ:۔ جویریہ سہیل، کراچی

غزل

نہ سننے میں، نہ کہیں دیکھنے میں آیا ہے
جو ہجر و وصل مرے تجربے میں آیا ہے
نئے سرے سے جل اٹھی ہے پھر پرانی آگ
عجیب لطف تجھے بھولنے میں آیا ہے
نہ ہاتھ میرے، نہ آنکھیں مری، نہ چہرہ مرا
یہ کس کا عکس مرے آئینے میں آیا ہے
جواز رکھتا ہے ہر ایک اپنے ہونے کا
یہاں پہ جو ہے، کسی سلسلے میں آیا ہے
ہے واقعہ ہدف سیلِ آب تھا کوئی اور
مرا مکان تو بس راستے میں آیا ہے
وہ رازِ وصل تھا جو نیند میں کھلا مجھ پر
یہ خوابِ ہجر ہے جو جاگتے میں آیا ہے
جمال دیکھ کے جیتا تھا جو کبھی تجھ کو
کہیں وہ شخص بھی کیا دیکھنے میں آیا ہے

کلام: جمال احسانی
پسند: حنا عروج جیکب لائن کراچی

دستک

سر جھکائے کھڑی تھیں
کئی ساعتیں
میری یادوں کی دہلیز پر
اور میں
منتظر تھا کہ کب
دل کے دروازے پر کوئی دستک اگے
بڑھ کے زنجیر میں کھول دوں!

ظفر زیدی کے مجموعے ''زخم زخم اجالا'' سے
ارم سعید، کراچی کا انتخاب

اقوالِ زریں

۱۔ تمہیں چاہیے کہ حقیقت کو سمجھو ہمیشہ لیکن ظاہر کرو کبھی کبھی۔
۲۔ بکواس پر کوئی حسد نہیں کرتا سوائے بہرے کے۔
۳۔ خوش طبعی کو تُو اس وقت سمجھے گا جب کہ پیش آنے والی ہر فرصت کو غنیمت سمجھنے لگے۔
۴۔ انسان کی قدر و قیمت اس چیز سے نہیں جو اسے حاصل ہو جائے بلکہ اس چیز سے ہے جس کے حصول کے لیے وہ تڑپتا رہے۔
۵۔ یاد رکھنا بھی ملاقات کی ایک شکل ہے

''اقوالِ خلیل جبران'' سے ادیبہ یوسف، کورنگی کراچی کا انتخاب

غزل

چراغ صبح کی تصویر میں ڈھلی ہوں میں
کبھی بجھائی گئی ہوں کبھی جلی ہوں میں
بلا سبب تو نہیں پیرہن غبار آلود
ہوا کے ساتھ بہت دُور تک چلی ہوں میں
مسافتوں کا کوئی خوف تھا نہ اب ہے ملال
مگر یہ کس کے لیے دھوپ میں چلی ہوں میں
بدل گیا تیرا معیار زندگی ورنہ
دل و نگاہ کا وہی گھر، وہی گلی ہوں میں
نگاہ جیسی پڑی نور، ویسی آئی نظر
اک آئینہ ہوں بری ہوں نہ کچھ بھلی ہوں میں
پسِ غبارِ تمنا دھنک بھی آپ ہوں خود
الجھ رہی ہے جو مجھ سے وہ بے کلی ہوں میں

شہناز نور کے مجموعہ کلام
''نشاطِ ہجر'' سے عطیہ نوشین کی خوشہ چینی

چاندنی

چاندنی
اس دریچے کو چھو کر
میرے نیم وا جھروکے میں آئے نہ آئے
مگر
میری پلکوں کی تقدیر سے نیند چنتی رہے
اور اس کی آنکھ کے خواب بنتی رہے

شاعرہ: پروین شاکر
پسند: نزہت جبین ضیا، کراچی

جگر

سنہ ۳۱ء یا ۳۲ء میں حیدر آباد گیا تھا۔ واپسی میں دو دن کے لیے سیّد ابو محمدؒ مرحوم کے ہاں بھوپال میں ٹھہرا تھا۔ سیّد صاحب بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ آپ انہیں یوں پہچانیے کہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے بڑے بھائی تھے جگر صاحب اس زمانے میں بھوپال ہی میں تھے۔ خبر نہیں کہاں سے انہیں معلوم ہوا تیسرے پہر کو مجھ سے ملنے چلے آئے۔ ان سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ بڑے خلوص و محبت سے گلے ملے۔ میری خیریت پوچھی، ساقی کی کیفیت دریافت کی۔ خود ہی ساقی کے لیے اپنا کلام بھیجنے کا وعدہ کیا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اپنی ایک غزل لکھ کر دی۔ بڑے خوش خط تھے جگر صاحب جو انداز پرانے زمانے کی وصیلوں کا ہوتا ہے۔ اسی انداز میں یہ غزل قلم برداشتہ لکھی تھی مگر موتی جڑ دیے تھے۔ اختتام پر اپنے نام پر طغرا بنا دیا تھا۔ مزاج کی نفاست زبان قلم سے بھی ٹپکتی تھی۔ کتنی خوب صورتی چھپی ہوئی تھی اس ظاہرہ بدشکل انسان کے اندر! میری فرمائش پر غزل پڑھ کر بھی سنائی۔ نور کا گلا پایا تھا۔ اندھیرے میں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ کیا آبِ حیواں کی طرح دنیا کی بیش قیمت چیزیں تاریکی ہی میں ہیں؟

اقتباس: گنجینۂ گوہر از شاہد احمد دہلوی
انتخاب: ثنا یوسف، ملتان

غزل

یہ سب کچھ تو ہونا تھا
داغ جگر کو دھونا تھا
مجھے آخری سرحدوں تک
لاشہ اپنا ڈھونا تھا
اک نئے جہاں کے لیے
پرانا سب کچھ کھونا تھا
زنداں کی تنہائی میں
خوابوں نے اب سونا تھا
دار و رسن تک آ پہنچے
قسمت میں یہ ہونا تھا
ستارہ آنکھوں نے اب تو
نوحہ کرتے رونا تھا
کسی سے کوئی گلہ نہیں ہے
جو ہوا، سو ہونا تھا

شاعرہ: نوخیز انجم، نوگراں

سفر

ہمیں پتا ہے کہ ہم نے کتنا سنبھل کر دیکھا
نئی اور پرانی راہ گزاروں پہ چل کر دیکھا
ہزار راستہ بدل کر دیکھا
مگر میری جان ہر رستہ تمہاری جانب پلٹ گیا
تمام نقشہ الٹ گیا
اداس سفر میں وجود زخموں سے اَٹ گیا ہے

شاعر: فرحت عباس شاہ
پسند: فریدہ جاوید فری، لاہور

ٹوٹی کہاں کمند

''فلاں صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے میرے خیال میں تو وہ بے حد وسیع القلب، وسیع الدماغ اور وسیع الخیال انسان ہیں۔''

''درست ہے، بے حد نیک اور بامروت شخص ہیں۔ ایسے راست گو اور نیک خصلت انسان اتفاق سے ملتے ہیں اور پھر ان کے چہرے کی نورانی مسکراہٹ کیسی ہی جیسے ولی اللہ ہوں۔''

''اس روز آپ کے ہاں اتفاق سے ملاقات ہو گئی شاید وہ آپ کے عزیز دوستوں میں سے ہیں۔''

''جی نہیں، ہم دوست تو نہیں ہیں۔ بس واقف ہیں۔''

''میں آپ کو ان کا عزیز سمجھتا رہا۔ اس دن اکٹھے دیکھا تھا۔''

''نہیں وہ میرے عزیز نہیں اس روز یوں ہی اتفاق سے مل گئے تھے۔''

''اچھا ان کے متعلق تو کچھ افواہیں بھی سننے میں آتی رہتی ہیں خدا جانے جھوٹ ہیں یا سچ۔''

''ہاں میں نے بھی بہت سی باتیں سنی ہیں۔''

''اب اتنے سارے آدمی جھوٹ کیا بولتے ہوں گے۔ کچھ صداقت تو ہو گی ان افواہوں میں، میرے خیال میں تو یہ افواہیں درست ہیں اگر سچ پوچھیے تو وہ نہایت ہی نامعقول شخص ہیں۔''

''بالکل بجا فرماتے ہیں آپ اور ساتھ ہی اوّل درجے کا رشوت خور اور چغل خور ہے۔ میرے خیال میں اس قدر بے ہودہ اور شرارتی انسان ملک بھر میں نہیں ہو گا۔''

''واقعی'' بے حد مردود اور خبیث شخص ہے۔

شفیق الرحمٰن کی ''حماقتیں'' سے اقتباس
مرسلہ: فاکہہ فردوس، بہاولپور

غزل

قسمیں نہ کھاؤ تم کہ ہمیں اعتبار ہے
ہم جانتے ہیں خوب تمہیں ہم سے پیار ہے
اک پل کو بھی سکون میسر نہیں مجھے
دل بدحواس ہے تو نظر بے قرار ہے
وہ بات جو کسی سے کہی بھی نہیں کبھی
وہ بات کچھ دنوں سے مرے دل پہ بار ہے
پھر بھی جراحتوں سے کبھی چوکتا نہیں
وہ جانتا ہے خوب مرا دل فگار ہے
سچ کے سوا زباں سے کبھی کچھ نہیں کہا
شاید اسی لیے تو مقدر میں دار ہے
عثمان اس سے حالِ غم دِل میں کیا کہوں
یہ بات بھی تو اس کو بہت ناگوار ہے

شاعر: عثمان بدایونی
مرسلہ: شمیم ناز صدیقی، بفرزون نارتھ کراچی

مجھے کہنے دو

☆ سانپ کا سر، بچھو کا ڈنگ اور برے آدمی کا انگ انگ زہریلا ہوتا ہے۔

☆ جو بچپن میں ادب نہیں سیکھتا اس سے بڑے ہونے پر بھی ادب کی توقع نہ رکھی جائے اس لیے کہ گیلی لکڑی کو جس طرف موڑو مڑ جائے گی مگر خشک لکڑی کو آگ ہی سیدھا کرے گی۔

☆ بولیاں اور زبانیں تو بہت ہوتی ہیں مگر ایک بولی ایسی ہے جو ہر ایک کی سمجھ میں آ جاتی ہے وہ بولی ہے ''پیسا''۔

مرسلہ: فرح ظفر، اوکاڑہ کینٹ

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

نمک دان

کتنی عجیب صورت حالات ہو گئی
قومی زباں کا اپنے وطن میں یہ حال ہے
اے ویری ہپی عید ہے عید سعید بھی
اردو کے عید کارڈ کا ملنا محال ہے

انتخاب: رابعہ اسلم، رحیم یار خان

قسمت

ایک اجنبی کسی گاؤں میں داخل ہوا۔ ایک جگہ کافی لوگ جمع تھے اس نے وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ ایک بڑھیا کی سالگرہ ہے اور آج وہ پورے سو برس کی ہو چکی ہے۔ بڑھیا کے بازو میں ایک اور بوڑھا کھڑا تھا جو بے حد پریشان نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اجنبی نے پوچھا "یہ کون ہے اور اتنا پریشان کیوں ہے؟" جواب ملا۔
"یہ بڑھیا کا داماد ہے جو پچھلے پچاس برسوں سے اس کی زندگی کی انشورنس کی قسطیں بھر رہا ہے۔"

طلب

ایک صاحب ساری رات غائب رہ کر صبح پانچ بجے گھر پہنچے۔ بیوی نے جل بھن کر دروازہ کھولا اور شوہر کو نشے میں دھت دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اس نے گرج کر پوچھا۔ "اے بے شرم انسان! ساری رات گھر سے غائب رہ کر نشے میں جھومتے ہوئے آخر صبح کے پانچ بجے تم کیا کرنے گھر آئے ہو؟"
"ناشتہ۔" شوہر نے مسکین صورت بنا کر جواب دیا۔

مرسلہ: میمونہ عارف، راولپنڈی

غزل

عکس سارے آئینوں میں بٹ گئے
خواب میرے کرچیوں میں بٹ گئے
محل جو میں نے بنایا تھا کبھی
اس کے حصے دوستوں میں بٹ گئے
حق کا رستہ چھوڑ کر پایا ہے کیا
نور سارے ظلمتوں میں بٹ گئے
ہو گئے بے مول جو انمول تھے
اونی پونی قیمتوں میں بٹ گئے
زر کے پیچھے بھاگنے سے کیا ہوا
چین کھویا آفتوں میں بٹ گئے
زندگانی کم ہے چاہت کے لیے
لوگ کیسے نفرتوں میں بٹ گئے!
دہر میں خانم خدا ہی آسرا
میرے اپنے دشمنوں میں بٹ گئے

شاعرہ: فریدہ خانم، لاہور

شام کا تارا

ذرا ان سے کوئی کہہ دے
سفر اپنا ہے کچھ ایسا
کہ ڈھلتی شام ہو جیسے
سفر یہ ڈھلتی شاموں کا
سراب زندگی جیسے
اگرچہ آبلہ پا ہوں
قدم بڑھتے ہی جاتے ہیں
مگر منزل نہیں ملتی
ہر اک سو دھند پھیلی ہے
نشانِ راہ بھی گم ہے
کہیں پریوں کے ڈیرے ہیں
کہیں بھوتوں کے مسکن ہیں
اندھیرا ہی اندھیرا ہے
مگر وہ شام کا تارا
مجھے آواز دیتا ہے
میری ڈھارس بندھاتا ہے
میرے پاؤں کے چھالے ہیں
مجھے مہمیز کرتے ہیں
کہ اب منزل تو پانا ہے
مجھے آگے ہی جانا ہے
مجھے آگے ہی جانا ہے

کلام: یمنیٰ احمد، کراچی

☆☆☆

سو سنار کی

نزہت اصغر

☆ رابعہ اسلم وڑائچ ....رحیم یار خان
س...... آپی جی اس صدی میں خون سفید اور سستا کیوں ہو گیا ہے؟
ج...... ہم نے تو آج تک سفید خون سے بھرا کوئی "چنٹ" نہیں دیکھا۔
س...... ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے پاس خلوص کا ایک بڑا خزانہ ہے اگر حکومت اس خزانے پر ٹیکس کی ادائیگی کا مطالبہ کر دے تو؟
ج...... آہستہ بولیں...... حکومتی ایوان کے کان بہت تیز ہیں۔
☆ شبانہ ندیم ....کراچی
س...... میں جب بھی فریج میں کھانے کی کوئی چیز رکھتی ہوں تو فوراً پڑوسن مانگ بیٹھتی ہے؟
ج...... اور رکھیں جا کر پڑوس کے فریج میں......
س...... ایک مچھلی زندگی سے تنگ آ گئی تو دریا میں کود کر خودکشی کر لی۔ کیا یہ سچ ہے؟
ج...... آپ نے شاید غلطی سے لڑکی کی جگہ مچھلی لکھ دیا ہے۔
س...... اونٹ کی نازکی دیکھ کر ایشوریا رائے کا دل اس پر آ گیا کیا واقعی؟
ج...... اس کے پاس دماغ جو نہیں تھا۔
☆ انیقہ انا .... چک وال
س...... بارش ہوتے ہی بجلی چلی جاتی ہے۔ ٹیلی فون منقطع ہو جاتے ہیں، گاڑیاں پھنس جاتی ہیں۔ چھتیں ٹپکنے لگتی ہیں پھر بھی لوگ بارش کو رومینٹک موسم کہتے ہیں؟
ج...... جب رومانس سچا ہو تو یہ مشکلات کوئی معنی نہیں رکھتیں۔
س...... اچھی آپی برستی بارش کے ہمراہ یادیں کیوں کھڑکی سے اندر آ جاتی ہیں؟
ج...... یادوں کو خود سے جدا کیوں کرتی ہو کہ انہیں کھڑکی سے آنا پڑے۔
☆ ایس عندلیب ....ڈی آئی خان
س...... مجھے آرزو تھی جس کی..............؟؟
ج...... وہ رسالہ مل گیا ہے...... "دلکش"
س...... ٹائی کی ناٹ اور بیگم کی ناٹ not میں کیا چیز مشترک ہے؟
ج...... خود بیگم جو دونوں "ناٹوں" کی خالق ہے۔
☆ عنبر نوشین ....گوجرانوالہ
س...... پاؤں میں پائل، ہاتھوں میں کنگنا، ماتھے پہ بندیا، آنکھوں میں کجرا، بالوں میں گجرا، ہونٹوں پہ لالی، کانوں میں بالی، پوچھیں تو یہ کون ہے؟
ج...... ہمیں تو یہ عنبر نوشین کا ہی سراپا لگ رہا ہے۔
س...... اپیا! رات آپ نے خواب میں کسے دیکھا؟
ج...... ارے تمہیں کیوں بتاؤں......!
س...... اگر شاہ رخ خان مجھے اپنے ساتھ ہیروئن کی آفر کرے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟
ج...... اپنی امی سے کہو تمہارے چٹکی بھر لیں۔
☆ شہلا حسن ....اسلام آباد
س...... لوگ اتنے خود غرض کیوں ہوتے ہیں؟
ج...... لوگ تو بہت قسم کے ہوتے ہیں آپ کن لوگوں کی بات کر رہی ہیں!

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام
وقار عظیم

س...... دل کے قریب کون رہتا ہے؟
ج...... دل تو بادشاہ ہے زیادہ قریب کسی کو نہیں آنے دیتا۔

☆ کومل رحمٰن خان............ اورنگی ٹاؤن کراچی
س...... اگر بندہ غلطی کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ شیطان نے بہکایا ہے اور جو غلطی شیطان نے کی تھی اسے کس نے بہکایا؟
ج...... سرکشی نے۔
س...... ارے او دلکش بی بی لہنگے، شرارے بنا تمہارے حسن میں کوئی کمی آ جائے گی جو ہر وقت یہی ٹانگے رکھتی ہو وہ بھی ڈھیروں زیور کے ساتھ......
ج...... اس کا حسن آپ کو کیوں کھٹک رہا ہے۔

☆ نادیہ فاطمہ رضوی............ کراچی
س...... وہ جب بھی گھر آتے ہیں ہم سے نگاہیں چرا لیتے ہیں؟
ج...... آج کل کا جل جو لگانا شروع کر دیا ہے۔
س...... شوہر بیوی کا مجازی خدا ہے تو بیوی شوہر کی کیا ہے؟
ج...... وہ تو بے چاری ہر صورت کنیز ہی ہے۔
س...... شاعر حضرات صرف عورت کے حسن کی تعریف کیوں کرتے ہیں کیا مرد تعریف کے لائق نہیں؟
ج...... وہ خود تعریف جو کر رہے ہوتے ہیں ویسے بھی وہ اپنی صنف کی اصلیت سے تو واقف ہوتے ہیں ناں۔

☆ اقصیٰ انشراح............ کراچی
س...... روزہ رکھ کر سونا ہی کیوں ضروری ہوتا ہے جیسا کہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے؟
ج...... کوئی ضروری نہیں......
س...... ان بارشوں کے باوجود اتنی شادیاں دیکھنے کو ملیں کیا دلہنوں نے ہانڈیاں چاٹی تھیں؟
ج...... ویسے یہ بات تو دلہا کے لیے کہی جاتی ہے۔ لڑکی تو بچپن سے ہی ہانڈیاں چاٹ رہی ہوتی ہے۔

☆ سونیا انور............ گولیمار، کراچی
س...... افطار میں کون سی ڈش لازم و ملزوم سمجھی جاتی ہے؟
ج...... پسند اپنی اپنی...... افطار اپنا اپنا
س...... روزے رکھنے کے باوجود وزن کم نہیں کر پا رہے وجہ تو بتائیں؟
ج...... اپنی پلیٹ کا وزن کم رکھا کریں۔

☆ کومل کنول............ گلشن اقبال
س...... رمضان میں مما ہمیں پکوڑے کھانے نہیں دیتیں؟
ج...... آپ پھلکیاں کھا لیا کریں۔
س...... ہم نے کھجور والے سے کہا ذرا ٹھیلے پر سے کمبل تو ہٹاؤ تو اس نے کہا...... جی!
ج...... اور پھر آپ نے ایک پاؤ ''کمبل'' لے لیا معاف کیجیے گا کمبل زدہ کھجوریں۔

☆ نفسہ حسین............ بہارہ کہو
س...... دل توڑنے والے دیکھ کے چل ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں...... کس نے کس سے کہا؟
ج...... راہ میں پڑے پتھروں نے روڈ رولر سے کہا۔
س...... میں ہمیشہ دل کی بات مانتی ہوں کیوں؟
ج...... کسی نیورو سرجن سے پوچھو شاید تمہارے سر میں بھی ایک دل ہو۔

☆ انجم نگار............ فیصل آباد
س...... بچوں کی کون سی قسم شریف ہوتی ہے؟
ج...... جو ابھی دنیا میں آئی نہیں۔
س...... میں تو چھوڑ چلی بابل کا دیس پیا کا گھر پیارا لگے۔ آج کل میں یہی گنگنا رہی ہوں بتایئے کیوں؟
ج...... کیا تم پیا کا محل نما گھر دیکھ آئی ہو...... بری بات!

☆ راحیلہ قریشی............ راولپنڈی
س...... کہا جاتا ہے دنیا گول ہے مگر گھر کیوں چوکور ہوتے ہیں؟
ج...... تمہاری مرضی ہے۔ تم گول بنوا لینا پھر چکراتی پھرنا۔

☆☆☆

تسکینِ ذوق

صغریٰ زیدی

☆ عالیہ نثار............ حویلیاں
روز تمہارے زخموں کو میں تازہ کروں
اور پھر اپنی چاہت کا اندازہ کروں
وہ مجھ کو بے چہرہ دیکھ کر رو دے گا
اس کی خاطر مصلحتوں کا غازہ کروں

☆ عروبہ ناز............ کوٹلی
تھی کتنی حماقت میں، یہ کیا ڈھونڈ رہی تھی
میں آپ کی آنکھوں میں وفا ڈھونڈ رہی تھی
وہ جس نے میرے زخم کی تشخیصِ جنوں کی
میں اس کے ہی ہاتھوں میں شفا ڈھونڈ رہی تھی

☆ نورالصباح............ میرپورساکرو
دیدہ و دل نے درد کی، بات بھی کی تو کس سے کی
وہ تو درد کا بانی ٹھہرا وہ کیا درد بٹائے گا

☆ صنوبر گل............ کوئٹہ
اتنی شدت کی آندھی ہے پاؤں جمانا مشکل ہیں
خواہشوں کا موسم اب بھی مانوس ہواؤں جیسا ہے

☆ انعم جاوید............ کراچی
رات کے خواب سنائیں کس کو، رات کے خواب سہانے تھے
دھندلے دھندلے چہرے تھے، پر سب جانے پہچانے تھے
ضدی، وحشی، الھڑ، چنچل، میٹھے لوگ، رسیلے لوگ
ہونٹ ان کے غزلوں کے مصرعے، آنکھوں میں افسانے تھے

☆ جویریہ سہیل............ کراچی
ذکر چھڑ جائے مرا تو وہ برا مانتا ہے
جس کو ہر شخص مرے نام سے پہچانتا ہے
کیسے کٹتے ہیں شب و روز مرے اس کے بغیر
مجھ کو معلوم ہے یا مرا خدا جانتا ہے

☆ آمنہ شریف............ لانڈھی، کراچی
جس دن کی راہ دیکھی انشا اتنے برسوں آنے تک
وہ دن بھی آیا بیت گیا پھر بھی رہا میں بوجھل بوجھل

☆ مقدس طاہرہ............ بہاولپور
سکوتِ شب ہی ستم ہو تو ہم اٹھائیں بھی
وہ یاد آئے تو چلنے لگیں ہوائیں بھی
دلوں کا قرب کہیں فاصلوں سے مٹتا ہے
یہ خود فریب ترا شہر چھوڑ جائیں بھی

☆ سیدہ زرینہ............ کالا شاہ کاکو
زخم کو پھول تو صرصر کو صبا کہتے ہیں
جانے کیا دور ہے کیا لوگ ہیں کیا کہتے ہیں
کیا قیامت ہے کہ جن کے لیے رک رک کے چلے
اب وہی لوگ ہمیں آبلہ پا کہتے ہیں

☆ مہوش عاطف............ جرید
پلک جھپکتے ہی دنیا اجاڑ دیتی ہے
وہ بستیاں جنہیں بستے زمانے لگتے ہیں

☆ نفسہ زیدی............ بہارہ کہو
تو اے دوست کہاں لے آیا چہرہ یہ خورشیدِ مثال
سینے میں آباد کریں گے، آنکھوں میں تو سما نہ سکے

☆ ملکہ خان............ سکھر
احباب کر رہے تھے جو منزل کے فیصلے
چپ چاپ سن رہا تھا میں محفل کے فیصلے
طوفان سے تو بچ کے نکل آئے دوستو!
لیکن بڑے عجیب تھے ساحل کے فیصلے

☆ سلمیٰ جہانگیر............ کوئٹہ
تیری خوشبو مری سانسوں میں بسانے آئے

دل کی دنیا میں بہاروں کے زمانے آئے
یہ الگ بات کہ تعبیر نہ دے ساتھ مرا
خواب تو جتنے بھی آئے وہ سہانے آئے

☆ میمونہ عارف.................راولپنڈی
میں اس کے تغافل کی تردید نہیں کرتا
گو ایسا ہوا لیکن ایسا نہ کہا جائے
یادوں کی رفاقت میں ہر لمحہ گزرتا ہے
مجھ کو کسی عالم میں تنہا نہ کہا جائے

☆ صبا جاوید..............کراچی
اگر چہ تجھ سے بہت اختلاف بھی نہ ہوا
مگر یہ دل تری جانب سے صاف بھی نہ ہوا
عجب تھا جرمِ محبت کہ جس پہ دل نے مرے
سزا بھی پائی نہیں اور معاف بھی نہ ہوا

☆ نورین زبیر..............مانسہرہ
اک چادرِ دلداری ہے اس طرح سے مجھ پر
تن ہے کہ الجھتا رہے، سر ہے کہ کھلا جائے

☆ لالہ رخ..............پشاور
قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے
دستار کے ہوتے ہوئے سر کاٹ رہا ہے

☆ حنا عروج..............جیکب لائن کراچی
کیسا بھید چھپا ہے آخر اس کے من کے اندر
وحشت ہے سوچوں میں میری بھید یہ کیسے کھولوں
ہو جائے معلوم اگر اس ہار میں جیت ملے گی
پیار کی بازی کی خاطر میں اپنی جاں پہ کھیلوں

☆ زویا اکبر..............ملتان
لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں
ہر دھڑکتے پتھر کو لوگ دل سمجھتے ہیں
عمریں بیت جاتی ہیں دل کو دل بنانے میں

☆ ہادیہ حق..............اسلام آباد
شہرِ جمال کے خس و خاشاک ہو گئے
اب آئے ہو جب آگ سے ہم خاک ہو گئے
اے ابرِ خاص! ہم پہ برسنے کا اب خیال
جل کر ترے فراق میں جب راکھ ہو گئے

☆ بتول رضا..............بحرین
راستے بھر کی رفاقت بھی بہت ہے جانِ من
ورنہ منزل پر پہنچ کر کون کس کا آشنا

☆ شبانہ ندیم..............لائنز ایریا
اس کی آنکھوں میں محبت کا ستارہ ہو گا
ایک دن آئے گا وہ شخص ہمارا ہو گا
زندگی! اب کے مرا نام نہ شامل کرنا
کر لیا طے کہ یہی کھیل دوبارہ ہو گا

☆ انشرح ندیم..............گلشنِ ظہور، کراچی
عذابِ ہجر نہیں خواہشِ وصال نہیں
جدا ہوئے ہیں مگر یوں کہ اب ملال نہیں
خوشی کے بات ہے تو اپنے طور پر جی لے
میرا بھی اب کے محبت کا کچھ خیال نہیں

☆ فاطمہ ندیم..............جیکب لائن، کراچی
راہ رو جو عدم کا کوئی ملے، میں روک کے اس سے پوچھوں!
سب بند کیے آنکھیں جاتے ہیں، کیا دیکھا بھالا رستہ ہے

☆ ثروت سجاد..............لندن
چاند نکلا تھا مگر رات نہ تھی پہلی سی
یہ ملاقات، ملاقات نہ تھی پہلی سی
رنج کچھ کم تو ہوا آج ترے ملنے سے
یہ الگ بات کہ وہ بات نہ تھی پہلی سی

☆ شاکرہ ناز انصاری..............لاہور
یوں ہی نہیں بہار کا جھونکا بھلا لگا
تازہ ہوا کے یاد پرانی بھی ساتھ ہے

☆ الماس رضوان..............گلشن اقبال، کراچی
ترے بغیر بھی خالی نہیں مری راتیں!
ہے ایک سایہ مرے ساتھ ہمنشیں کی طرح

☆ نگہت اعوان..............سرگودھا
ترے بدن میں دھڑکنے لگا ہوں دل کی طرح
یہ اور بات ہے کہ اب بھی تجھے سنائی نہ دوں

☆ کائنات عبدالحلیم..............میرپور خاص
نہ جانے کون دعاؤں میں یاد رکھتا ہے
میں ڈوبتا ہوں، سمندر اچھال دیتا ہے

☆☆☆

اپنے نام سے خود کو پہچانیے

محمود عالم کمالی

☆ فائزہ اختر......شیخوپورہ
ج......خوبیاں: ہردلعزیز، خوش مزاج، حوصلہ مند، دیانتداری، جوشیلا پن، خودداری، مہمان نوازی
خامیاں: مغرور، غیر ذمے دار، مکار، چڑچڑاپن، بے پروائی، جذباتیت، پریشان خیالی۔
کوشش کرنے پر اعلیٰ تعلیم ہے ورنہ نہیں...... قسمت میں آنے والی مشکلات میں امدادِ غیبی کا امکان ہے۔ باہر بھی جا سکتی ہیں ہمیشہ اچھی امید رکھیں۔

☆ نیئر سلطانہ عرف روزی......کلفٹن کراچی
ج...... شخصیت محمد فہیم کی کچھ اس طرح ہے۔
خوبیاں: دور اندیش، باعمل، صاف گو، مستقل مزاج، انصاف پسند۔
خامیاں: سخت لہجہ، حساس، کام دوستی سے اہم، محبت میں غلط اصول۔
دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ دو سال کے اندر انشاءاللہ۔
دونوں کی شخصیت کچھ یوں ہے۔
خوبیاں: رحمدل، سخی، آرٹ پسند، رومانٹک، قربانی دینے والا، انصاف پسند، دوست مزاج، سچائی پسند۔
خامیاں: غصیلی، آئیڈیل پرست، موڈی، حساس، فضول خرچ۔

☆ عاصم بیگ......گلشن اقبال کراچی
ج...... شخصیت خامیاں: شرارتی، فلرٹ، جلد باز، غصیلا، موڈی، کینہ پرور، بے پروا، حاسد، ضدی۔
خوبیاں: پھرتیلا، بہادر، علم سے لگاؤ، ذہین، بحث و مباحثہ، ہرفن مولا، تجرباتی، نئے نئے خیالات ذہن میں آنا۔

☆ ایڈووکیٹ سعدیہ ہما شیخ......سرگودھا
ج...... شخصیت: آپ ہر کام اپنے موڈ سے کرتی ہیں، مزاج میں غصہ رکھتی ہیں لیکن سست لوگوں میں شمار نہیں ہوتیں بلکہ پھرتیلے لوگوں میں شمار ہوتی ہیں۔ بزدلی سے نفرت کرتی ہیں لیکن جلد بازی کی وجہ سے اکثر اپنے بنے بنائے کام بگاڑ دیتی ہیں۔ شرارتی مزاج ہونے کی وجہ سے فلرٹ سے گریز کریں۔
PLANS کم کامیاب ہوں گے مگر ناامیدی کی کیفیت پیدا نہ ہو کوشش جاری رکھیں۔

☆ جمشید علی ...... گجرات
ج......خوبیاں: فلسفیانہ خیالات، خدمت گار، فلاحِ انسانی کے لیے سوچ و فکر، دوسروں کو ہنسانے کے فن سے واقف، علم سے لگاؤ، حقیقت پسندی۔
خامیاں: ضدی، غصہ ور، خودسری، انتقام، من مانیاں، خیالی دنیا، مردہ محبت۔
بیرونِ ملک جانا مشکل ہے کافی عرصے بعد امید ہو سکتی ہے۔
جنرل اسٹور یا کمپیوٹر کا کاروبار بہتر رہے گا مگر ہر کام میں محنت شرط ہے۔
درودِ ابراہیمی کا ورد کرتے رہیں۔ سورۂ یاسین ہر روز پڑھیں اور اس کی آیت ”سلام قولاً من رب الرحیم “ پر پہنچیں تو آیت 100 مرتبہ پڑھیں اور مقصد کے لیے دعا کریں پھر باقی سورۃ مکمل کریں۔

☆ سعدیہ ادریس بخاری......کوہاٹ
ج......رشتہ کا امکان اپنوں میں زیادہ نظر آتا ہے اور شادی کے امکانات 3 سال کے اندر نظر آتے ہیں۔ جن کے ساتھ آپ کی خواہش ہے وہاں شادی ہوتی مشکل نظر آتی ہے۔ M.A کرنے میں مشکلات کا سامنا ہوگا مگر ہمت کسی صورت نہیں ہاریں۔

☆ کومل رحمٰن ......اورنگی ٹاؤن، کراچی
ج...... شخصیت کے منفی پہلو: حساسیت، من مانی، تصورات حد سے زیادہ رومانٹک، فضول باتیں، شرمیلا

پن۔

آپ کی زندگی میں دولت کم ہے، عزت اور محبت زیادہ ہے۔ آپ کے لیے اعلیٰ تعلیم کے مواقع ہوں گے اور شادی کے بارے میں عرض ہے کہ آپ کی شادی بیس پچیس سال کی عمر میں متوقع ہے۔ غیروں میں زیادہ امید ہے، شادی کے بعد باہر جانے کی امید بھی ہے۔

بیٹا آپ روزانہ بارہ سو مرتبہ یاحیّ یاقیوم پڑھ کر اپنے مقصد میں کامیابی کے لیے دعا کیا کریں۔

☆ نگہت حسین ...... تلہ گنگ چکوال

ج ...... شخصیت، خوبیاں: سوشل، مضبوط، لیڈر، اپنی بات پر قائم، نڈر اور ثابت قدم۔

خامیاں: مغرور، من مانی، خود سر، آوارگی، منفی ذہنیت۔

آپ کی شادی ایک سال کے اندر متوقع ہے۔ خاندان سے باہر جن سے شادی کی امید ہے ان کے نام کا پہلا حروف س، م، ف، ہ۔

☆ فرح ظفر ...... اوکاڑہ کینٹ

ج ...... شخصیت، خوبیاں: رحم دل، حسّاس، سخی، محبت، والدہ سے محبت، معصوم۔

خامیاں: غصہ، کبھی معصوم کبھی خونخوار، یوں سمجھ لیں کہ کچھ کچھ موڈی طبیعت ہے۔ آپ M.S.C (سائیکالوجی) کر سکتی ہیں اس طرف آپ کا رجحان ہے۔

جس سے شادی ہوگی ان کے نام کا پہلا حرف ب، د، س ہوگا۔ روحانیت میں محنت کریں تو آگے جا سکتی ہیں۔ آپ نے بڑے مختلف قسم کے سوالات پوچھے ہیں بہر حال جواب حاضر ہے ویسے غیب کا علم تو اسی ربِ کائنات کے پاس ہے جو ہم سب کا خالق و مالک ہے۔

☆ وضاحت حسین ...... راولپنڈی

ج ...... آپ نہایت متلون مزاج، موڈی اور تغیر پسند شخصیت ہیں۔ یہی خصوصیات آپ کے پروفیشن پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔

مثبت خوبیاں تو بہت ہیں مگر مالی آسودگی نہ ہونے کی وجہ سے یہ چھپ جاتی ہیں۔ آپ نیکی کرنے پر آئیں تو کسی اور طرف نہیں دیکھتے۔

بہر حال مجموعی طور پر رحم دل اور ہمدرد ہیں بس اپنے پیشے میں سیریس ہو جائیے۔

☆☆☆

کوپن

برائے شمارہ

نومبر

2006

سوسنار کی / اپنے نام سے خود کو پہچانیے / قانونی راہ نمائی

نام مع عرفیت / تاریخ پیدائش / عمر / اوقات / سوال

سوال ____________________

نام ____________________

پتا ____________________

____

ماہنامہ دلکش پوسٹ بکس نمبر 230 کراچی

ضروری نوٹ: جس سلسلے میں سوال بھیجنا مقصود ہو اس پر ✓ کا نشان لگا دیں ہر سلسلے کے لیے علیحدہ کوپن استعمال کریں

قانونی راہ نمائی

ایڈووکیٹ
ناصرائے رضوی

ماہِ گزشتہ ہم نے مختارنامہ (POWER OF ATTORNEY) کے ذیل میں گفتگو کرتے ہوئے چند نکات آپ کی معلومات اور استفادے کے لیے رقم کیے تھے۔ اس بار بھی اس حوالے سے چند اور اہم باتیں اس کالم کی وساطت سے آپ تک پہنچانا مقصود ہیں۔ عموماً مختارنامے کا استعمال جائداد کی فروخت یا کرایہ وغیرہ پر دینے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ کسی کو مختار بناتے وقت جن امور کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے ان کی مختصر وضاحت گزشتہ کالم میں کی جا چکی ہے۔ اس بار ہماری گفتگو کا محور وہ امور ہوں گے جن کو ملحوظ رکھنا ہر اس شخص یا ادارے کے لیے ضروری ہے جو کسی مختار کے ذریعے کوئی لین دین کر رہا ہو مثلاً اگر الف مختار ہے اور وہ ج کو ایک مکان فروخت کر رہا ہے تو ج کو چاہیے کہ وہ اطمینان کر لے مذکورہ مختارنامہ قانونی لوازم و شرائط پر پورا اترتا ہے؟ اسے باقاعدہ رجسٹرار کے پاس رجسٹر کرا لیا گیا ہے؟ جس وقت لین دین یا اس کا کوئی معاہدہ کیا جا رہا ہے، اس وقت تک وہ مختارنامہ روبہ عمل ہے؟ کیونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے مختارنامہ بناتے ہوئے اس میں کسی مخصوص مدت کا ذکر کر دیا گیا ہو جس کے بعد وہ مختارنامہ از خود منسوخ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اہم ترین بات جس کا خیال رکھنا ضروری ہے، صاحبِ جائداد کا بقیدِ حیات ہونا ...... لہٰذا اگر ممکن ہو تو یہ اطمینان کیا جائے کہ جائداد کا اصل مالک زندہ ہے اور اس نے الف کو مختار مقرر کیا ہے۔ بعض صورتوں میں ان معلومات کا حصول مشکل یا ناممکن بھی ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں مذکورہ مختار سے اس امر کا حلف لے لیا اور کہہ دیا جائے کہ جس وقت وہ اس مختارنامے کی رو سے کوئی لین دین کر رہا ہے، اس وقت مختار قرار دینے والی شخصیت زندہ ہے کیونکہ کوئی بھی پاور آف اٹارنی اس وقت ختم اور بے حیثیت ہو جاتا ہے جب مختار بنانے والا یا والی اس دنیا سے رخصت ہو جائے۔ اس حوالے سے اگر مزید کسی وضاحت کی ضرورت ہو تو ماہنامہ دلکش کی معرفت ہم سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ: یسمیٰ غلام محمد ...... کراچی

میرا مسئلہ مجھ سے براہِ راست متعلق تو نہیں ہے مگر متعلق ہے بھی ...... دراصل یہ مسئلہ میرے شوہر کو درپیش ہے اور اس طرح مجھ سے بھی اس کا تعلق بنتا ہے۔ بات اتنی ہے کہ میرے شوہر گارمنٹ کا کاروبار کرتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ گزارہ نہایت بہتر طریقے سے ہو رہا ہے لیکن پس انداز نہیں ہو پا رہا۔ ان کی خواہش ہے کہ وہ اس کاروبار میں کسی کو شریک کر کے اس کو ذرا وسیع پیمانے پر کریں۔ انہوں نے ایک دوست سے رقم انویسٹ کرنے کی بات کی ہے، وہ اس کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ میرے شوہر رقم کی دستیابی پر خاصے خوش ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق تو انہیں دوست کی جانب سے ملنے والی رقم کاروبار میں بہتری کا سبب بنے گی مگر میں جھجک رہی ہوں کیونکہ میں نے سنا ہے، ساجھے کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹتی ہے ایسا نہ ہو ان کے ساتھ دھوکا ہو جائے۔ نیز انہوں نے مجھے بتایا ہے وہ دوست صرف سرمایہ فراہم کرے گا دیگر امور میرے شوہر کو ہی دیکھنا ہوں گے تو کیا اس قسم کی شرکت قانونی طور پر ممکن ہے کہ ایک فریق کاروباری معاملات میں کسی قسم کا دخیل نہ ہو بس منافع میں شریک ہو جائے۔ براہِ کرم اس حوالے سے مجھے مشورہ دیں کہ ہمیں قانونی طور پر کیا کرنا چاہیے کہ میرے شوہر کے حقوق محفوظ رہ سکیں؟

حل: محترمہ یسمیٰ غلام محمد صاحبہ، آپ نے یقیناً یہ

قطعہ

رت ڈھل گئی چپکے سے لے کے آنکھوں میں تیرے خواب
یہ خواب گزشتہ آئندہ مسافتوں کے عذاب
بھیگتا چاند فضا میں تنہا اور یادوں کا کرب
کچھ یوں ہوا بن گئی تیرے بعد زندگی سراب

شاعرہ: شکیلہ اعظم ...... سرگودھا

بھی سنا ہوگا کہ ایک اکیلا اور دو گیارہ لہٰذا اگر آپ کے میاں سمجھتے ہیں کہ ان کا کاروبار اکیلے نہیں چل سکتا تو کسی کو اپنا شراکت دار بنا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ قانونی طور پر تو اس حوالے سے باقاعدہ پارٹنر شپ ایکٹ موجود ہے جس میں، تمام شراکت داروں کے حقوق و فرائض کا تعین کر کے ہر ایک کو بھرپور تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ آپ کو ہمارا مشورہ یہی ہوگا کہ وہ جو معاملہ طے کریں۔ اسے معاہدے کی صورت میں قلم بند کریں اور پارٹنر شپ ایکٹ کے تحت مجاز رجسٹرار کے پاس اسے رجسٹر بھی کرالیں۔ نیز کوشش کریں کہ مذکورہ معاہدہ کسی ماہرِ قانون کی وساطت سے تیار کرایا جائے۔ اس صورت میں ہمیں امید ہے کہ آپ کے شوہر مستقبل میں کبھی بڑی مشکل کا شکار نہیں ہوں گے۔ نیز جہاں تک اس الجھن کا تعلق ہے کہ کوئی شریک صرف سرمایہ فراہم کر کے منافع میں کس طرح شریک ہو سکتا ہے تو بی اس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ محنت اور سرمایہ دونوں ہی کاروبار کو چلانے کے لیے ضروری ہیں۔ محنت آپ کے میاں کر رہے ہیں سرمایہ ان کے دوست کا ہے لہٰذا نفع یا نقصان دونوں صورتوں میں دونوں طے شدہ شرائط کے مطابق شریک ہوں گے۔

مسئلہ: بتول بیگم ...... گمبٹ

ماہنامہ دلکش کے تمام ہی سلسلے دلکش ہیں مگر قانونی راہنمائی کا سلسلہ متعارف کرا کے واقعی آپ نے دعائیں سمیٹنے کا سامان کر لیا ہے۔ اس خط کے ذریعے میں بھی ایک اہم مسئلے پر آپ کی رائے جاننا چاہتی ہوں۔ کوشش کیجئے گا کہ اس کا جواب قریبی شمارے میں شامل ہو جائے۔ میری بیٹی جس کی عمر اب کوئی پچیس برس ہے قریباً چار سال قبل اس کی شادی ہوئی تھی اور بیاہ کر سکھر چلی گئی تھی۔ شروع کا ایک سال تو اچھا گزرا پھر تلخیوں اور ناچاقیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میری بیٹی سسرال میں رہنے پر آمادہ نہیں تھی کیونکہ اس کے مطابق ساس اور نندوں کا رویہ اس سے صحیح نہیں تھا۔ شادی کے تقریباً دو سال بعد میرے داماد نے سکھر کے ایک علاقے میں مکان کرائے پر لے کر رہائش اختیار کر لی۔ گویا اب حالات صحیح ہو گئے تھے لیکن پھر اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ کوئی چار ماہ پہلے میری بیٹی روتی پیٹتی گھر آ گئی اور اس نے بتایا کہ اسے شوہر نے طلاق دے دی ہے۔ ہم نے طلاق نامہ یا کوئی ثبوت مانگا تو وہ اس کے پاس نہیں تھا۔ اس نے بتایا زبانی طلاق دی ہے۔ میں بیوہ ہوں تاہم کوشش کی کہ داماد سے رابطہ ہو سکے مگر وہ مجھے نہیں مل سکا۔ اس کے ماں باپ اس کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرتے رہے۔ ابھی چند دن قبل میری بیٹی کو اس کے شوہر کا قانونی نوٹس موصول ہوا ہے کہ جس میں اس نے حقِ زوجیت ادا کرنے کا لکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے، میری بیٹی بلاسبب ناراض ہو کر اس کے گھر سے آ گئی تھی اور اب وہ عدالت کے ذریعے اسے واپس بلانا چاہتا ہے۔ یہ خاصی الجھی ہوئی صورتِ حال ہے۔ بیٹی کا کہنا ہے اسے طلاق ہو گئی اور دوسری طرف اس کا شوہر اس سے حقِ زوجیت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ آپ راہ نمائی فرمائیں، ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

حل: بتول صاحبہ، صورت محولہ بالا میں چونکہ طلاق کا کوئی گواہ نہیں اس لیے اس کا فیصلہ مجاز عدالت دونوں فریقین کو سن کر ہی کرے گی۔ آپ اپنے داماد کو عدالت میں جانے دیں۔ جب عدالت سے سمن آ جائے تو اس وقت جج کے سامنے یہ صورتِ حال بیان کی جائے کہ اس نے کس طرح آپ کی بیٹی کو طلاق دے دی تھی۔ فتح حق و سچ کی ہوتی ہے لہٰذا مجھے یقین ہے، آپ کی بیٹی کا سچ تسلیم ہوگا اور اس کے شوہر کا دعویٰ خارج ہو جائے گا۔

⁂

اسماء الحسنیٰ۔ کامیابی کا راستہ

اسماء الحسنیٰ اور دینِ اسلام کی روشنی میں آپ کے مسائل کا حل

محترم ایس۔ ایم۔ قادری صاحب معروف روحانی سکالر، اسماء الحسنیٰ کے محقق و دیگر دینی اور روحانی علوم پر گہری نظر رکھنے والے عرصہ پندرہ سال سے اندرون اور بیرون ملک عوام کو اپنے مشوروں سے مستفید فرما رہے ہیں۔ انتہائی قابلِ قدر کتب کے مصنف ہیں۔ ان کے کالم ملک کے تمام قومی اخبارات، جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے مداحوں میں ملکی و غیر ملکی معروف اہل علم، دانشور، بیوروکریٹس اور اہم سیاسی شخصیات شامل ہیں۔ اندرون اور بیرون ملک ایک وسیع تر حلقہ محترم ایس، ایم، قادری صاحب کے مشوروں سے فیضیاب ہو کر سکون اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہر سال بارہ سے پندرہ ہزار افراد بذریعہ خط و کتابت روحانی تسکین اور جسمانی امراض میں شفا کے حصول کیلئے رہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔ یہ طرۂ امتیاز بھی محترم ایس۔ ایم۔ قادری صاحب کو ہی حاصل ہے کہ وسطی ایشیا، عرب ممالک، کینیڈا، امریکہ اور یورپ میں بسنے والے ہزاروں افراد بھی آپ سے بذریعہ خط و کتابت فیض حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کی شخصیت اس لحاظ سے بھی ممتاز و منفرد ہے۔ کہ ان کے پروگرام بعنوان اسماء الحسنیٰ 1998ء سے پی ٹی وی ورلڈ پر ٹیلی کاسٹ ہونا شروع ہوئے۔ ان پروگرام کی مقبولیت اور افادیت کا یہ عالم ہے کہ روزانہ دنیا میں کسی نہ کسی چینل پر، پروگرام اسماء الحسنیٰ ٹیلی کاسٹ ہوتے رہتے ہیں۔

محمد علی۔ شارجہ

○ محترم! آپ کے بتائے ہوئے اسم الٰہی سے کفیل نے ویزہ تو بڑھا دیا لیکن ابھی تنخواہ کا معاملہ طے نہیں ہوا ہے۔ آپ کے لئے میں نے خانہ کعبہ میں خصوصی دعا کی ہے اور آپ کی طرف سے عمرہ بھی ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں اضافہ فرمائیں۔

☆ دعاؤں اور محبتوں کا بہت بہت شکریہ۔ یہی وظیفہ پنج وقتہ نمازوں کے ساتھ جاری رکھیں۔ لوح مشتری ارسال ہے۔

محمد حفیظ۔ کوئٹہ

○ محترم! میرے بیٹے کو اٹلی گئے ہوئے تین سال کا عرصہ ہو گیا ہے اور ایک سال ہو گیا ہے، پیپر جمع کروائے ہوئے۔ لیکن جب بھی کوئی امید ہوتی ہے پیپر ملنے کی تو کوئی نہ کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے پیپروں کے بغیر نوکری بھی نہیں ملتی بہت پریشانی ہے اُدھر بیٹا پریشان ہے اِدھر میں پریشان ہوں کچھ سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔ میری مدد کریں۔ کوئی وظیفہ بتائیں۔

☆ "یا قائم یا رقیب یا رحمٰن" بکثرت پڑھیں۔ نقش فتح نامہ ارسال ہے۔ [illegible] پابندی فرمائیں۔

شازیہ صدیق۔ [illegible]

○ محترم! ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خوش حال زندگی گزار رہے تھے مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ میری ساس تعویز گنڈے کروا کر بیٹے کے گھر میں لڑائی کروا رہی ہے بغیر کسی وجہ کے میرا خاوند آگ بگولا ہو جاتا تھا میں نے لاپرواہی کا اظہار کیا جیسے تیسے دس سال گزار لیے۔ لیکن اس اثنا میں میرا میاں بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر چل پڑا کہ اتنی زیادتیاں کرنے کے باوجود یہ گھر نہیں چھوڑ رہی تھی تو اس نے بھی تعویز گنڈوں کے ذریعے مجھے پاگل کرنے کی کوشش کی میری اللہ نے مدد کی بروقت مجھے پتہ چل گیا میں نے چائے سے تعویز نکال لیا اور چائے نہ پی۔ اب میری حالت یہ کہ رات کو دروازے کھلتے ہوئے دیکھتی ہوں۔ دیکھتی ہوں تو سامنے کچھ نہیں ہوتا کبھی ٹیلی فون کا مائیک اپنے آپ آن ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی روحانی حل بتائیں۔

☆ "یا سلام یا رافع یا حفیظ" بکثرت پڑھیں۔ غذا میں نمک کی مقدار کم کر دیں۔ بدگمانیاں ترک کر دیں۔ لوح عطارد ارسال ہے۔

ارشد۔ گجرات

○ محترم! میرا مسئلہ کچھ یوں ہے۔ میرے ابو انگلینڈ میں ہوتے ہیں وہاں ان کا اپنا ہوٹل ہے ہوٹل بہت بڑا ہے لیکن چلتا نہیں کبھی

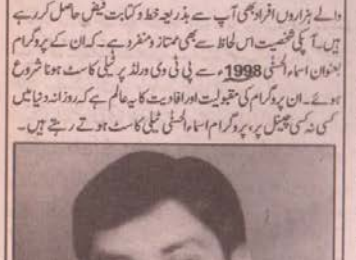

اچھا کام ہوتا ہے کبھی کچھ کام نہیں ہوتا ابو کو تین سال ہو گئے ہیں وہاں گئے ہوئے۔ یہ سارا خرچہ میرے چاچو کے کاروبار سے چل رہا ہے میرے ابو کے دو بھائی اور ہیں یعنی کل ملا کر تینوں بھائی اکھٹے رہتے ہیں۔ ہم سب بہن بھائی باہر جانا چاہتے ہیں کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ جس سے ہمارا کاروبار بھی چل پڑے اور ہم سب بہن بھائی باہر چلے جائیں۔

☆ آپ ہر جمعرات کو حسب توفیق صدقہ دیا کریں۔ اور ''یاوہابُ'' کا ورد کثرت سے کریں۔ لوح مشتری ارسال ہے۔

☆ نقش شب قدر ☆

ماہ رمضان المبارک خیر و برکت اور انسانی ترقی اور درجات کے لئے مخصوص ہے۔ اس ماہ مبارک میں جس قدر عبادت الٰہی اور درود شریف کا معمول اختیار کیا جائے خیر و برکت، آخرت کی ترقی اور نجات کے لئے بہترین ہے۔ اس ماہ مبارک میں نماز تراویح تہجد کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ اور زیادہ سے زیادہ درود شریف کا ورد کیا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس مبارک ماہ میں بطور خاص عالم انسانیت کی جانب متوجہ ہوتی ہیں۔ ماہ رمضان المبارک میں جس قدر ذکر الٰہی کا بندوبست کیا جائے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم ایک تجربہ شدہ عمل لکھتے ہیں۔ یہ عمل شب قدر کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ گزشتہ سالوں میں جن بہن بھائیوں نے اس عمل کو پوری شرائط کے ساتھ مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک احمد مصطفےٰ ﷺ کے طفیل ان کی حاجات پوری کیں۔ میرا ایمان ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا نام خلوص نیت سے لیا جائے گا۔ کاموں میں آسانی اور مشکلات سے نجات ہوگی۔ جو بہن بھائی جس مقصد کے لئے بھی کریں گے۔ آئندہ رمضان تک وہ مقصد ضرور پورا ہوگا۔ انشاء اللہ۔ یہ عمل رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر شروع کریں۔ یہ عمل سورۃ القدر کا انتہائی جلیل القدر عمل ہے۔ جو کہ تیسویں پارے میں ہے۔

طریقہ: اول سب سے پہلے دو رکعت نماز حاجت ادا کیجئے، پہلی رکعت میں ۱۳ مرتبہ سورۃ القریش اور دوسری رکعت میں ۱۳ مرتبہ سورہ نصر پڑھیں اور اپنے مقاصد کے لئے دعا کریں۔ (یہ نماز حاجت پہلے دن پڑھیں) اس کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان اس سورہ مبارک کو یعنی سورۃ القدر صحت قرات کے ساتھ 286 مرتبہ پڑھیں اور اول و آخر ۱۱ مرتبہ درود ابراہیمی کا ورد کریں۔ اور یہی عمل نماز فجر کے بعد کیجئے۔ 28 روز اس عمل کو بلا ناغہ کیجئے۔ 29 ویں روز بعد نماز عصر زعفران اور عرق گلاب کو ملا کر سیاہی بنائیں اور اس سورہ مبارکہ کو اعراب کی صحت کے ساتھ ایک سفید کاغذ پر لکھ کر محفوظ کرلیں۔ اور مغرب کے وظیفے کے بعد دم کر کے حفاظت سے رکھ لیں۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رحم و کرم کا نظارہ کیجئے۔ بعد عمل اس سورہ کو ہمیشہ ۱۶ مرتبہ اول و آخر ۱۱ مرتبہ درود شریف ابراہیمی کے ساتھ ورد میں رکھیں۔ انشاء اللہ جملہ مقاصد حل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا دست غیب کھلے گا کہ دنیا دیکھے گی۔ اس عمل میں یہ خیال رہے کہ کوئی ناغہ نہ ہو۔ جگہ تبدیل نہ ہو۔ اور وقت وظیفہ خوشبو کا استعمال رہے۔ اس وظیفے کی اجازت عام ہے۔ یہ زندگی میں درپیش تمام مقاصد کیلئے پڑھا جاسکتا ہے۔ اگر آپ اپنی مصروفیات کے باعث اس عمل کو خود نہیں کر سکتے تو 992 روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ نقش عید کے بعد کوریئر کے ذریعے ارسال کردیا جائے گا۔

شہلا کریم۔ کراچی

O سوتے وقت، یا کسی وقت تنہائی میں مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی مجھے بری طرح دبا رہا ہو۔ بعض اوقات تو میری سانس بھی گھٹنے لگتی ہے۔ ڈاکٹرز کے مطابق میں جسمانی اعتبار سے بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے کوئی نسوانی شکایت بھی نہیں ہے۔ اسکا کوئی روحانی حل بتائیں۔

☆ آپ پر آسیبی اثرات ہیں۔ ''یاحفیظ'' بکثرت پڑھیں۔ لوح اسم ذات ارسال ہے۔ نماز کی پابندی فرمائیں۔

حمید۔ لاڑکانہ

O آٹھ سال سے میرا معدہ کام نہیں کر رہا ہے۔ کوئی حل بتائیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔

☆ آپ بکثرت "یا واجد" پڑھا کریں۔ لوح شفاء آپ کو ارسال کی جارہی ہے۔ نمازی کی پابندی رکھیں۔

باقر علی۔ لاہور

O میں نے جس کے لئے کیا۔ اسی نے مجھے دھوکا دیا۔ حتیٰ کہ ایک بے سہارا لڑکی سے یہ سوچ کر شادی کی کہ اس کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ لیکن چار سال کے بعد 2 بچے لیکر اس نے طلاق لے لی اور مجھے کنگال کر گئی۔ میں نے تو جس سے پیار کرنا چاہا۔ اسی نے مجھے تڑپایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ بھی لوگوں کے لئے کچھ کرتے ہیں تو یقیناً اس میں بھی کوئی آپ کا مطلب ہوگا۔ سچ ہی

تو کسی نے کہا ہے کہ دنیا مطلب دی یار ہے! شاید آپ میرے خط کا برا مانیں۔ لیکن اب میں بے مقصد جی رہا ہوں۔ مجھے کوئی خوشی میسر نہیں ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

☆ میں نے آپ کے خط کا قطعی کوئی برا نہیں مانا۔ میں بھی یہ سب اپنی غرض کے لئے کرتا ہوں کہ میرے بہن بھائی جو اس دنیا میں پریشان ہیں ان کے کسی نہ کسی کام آسکوں۔ اور اس کے بدلے مجھے سکون ملتا ہے۔ اور میں مطمئن ہوتا ہوں کہ آج جو بہن یا بھائی میرے بتائے کسی اسم الٰہی، آیت قرآنی کا ورد کر رہے ہیں۔ اس وقت وہ فقط اللہ سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ اور اس کے ذریعے خدا مجھ گنہگار کو شاید یوم القیامت بخش دے۔ کبھی آپ نے اس بات پر غور کیا کہ آپ نے خالصتاً اللہ کی مخلوق کے لئے کیا کیا؟ شادی کی تو یہ سوچ کر کہ آپ نے اسکو سہارا دیکر احسان کیا۔ دوستوں کے لئے کچھ کیا تو یہ سوچ کر اس کے بدلے وہ آپ کو کچھ دیں۔ یہی خرابی کی جڑ ہے۔ آپ اپنے جملہ معاملات کو یہ سوچ کر انجام دیں کہ آپ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ صرف دلی سکون، اللہ کے حکم اور خوشنودی کے لئے کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ آپ کی دلی کیفیت مثبت ہوجائے گی۔

روبینہ۔ کراچی

O میری خالہ نے بڑی منت سماجت سے میرا رشتہ لیا تھا۔ منگنی میرے خالہ زاد کی پسند سے ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے اسقدر شدت سے محبت کرتا تھا کہ بعض اوقات مجھے اس کی بے تابی سے خوف آنے لگتا تھا۔ لیکن ایک معمولی سی بات کو بہانہ بنا کر خالہ نے وہ رشتہ ختم کردیا۔ اور ستم یہ کیا کہ جو میرا دیوانہ تھا وہ اس طرح بدل گیا کہ جیسے مجھے جانتا ہی نہیں۔ اب اس کا کہنا ہے کہ میری ماں جو فیصلہ کریں گی وہ مجھے منظور ہوگا۔ خدا کے لئے آپ اس کو کوئی حل بتائیں۔

☆ خدا کا شکر ادا کریں کہ آپ بڑی پریشانی سے بچ گئیں۔ اللہ تعالیٰ انشاء اللہ آپ کو اس سے کہیں بہتر نعم البدل عطا فرمائے گا۔ آپ بعد نماز عشاء 313 مرتبہ "یا عزیز" پڑھیں۔ لوح زہرہ ارسال ہے۔ نماز کی پابندی فرمائیں۔

میمونہ۔ حیدرآباد

ماہنامہ ''اسماء الحسنیٰ'' کامیابی کا راستہ شائع ہوگیا ہے

اپنے قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں۔

O آپ سے آسیبی سائے کا علاج کروایا تھا۔ اب کافی افاقہ ہے۔ گزارش ہے کہ علاج جاری رکھیں یا ترک کردیں۔

☆ مکمل صحت تک مذکورہ وظیفہ جاری رکھیں۔

نور بانو۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ

O محترم! کافی عرصے سے بیمار ہوں ایک بیماری جاتی ہے تو دوسری تاک میں ہوتی ہے اس زندگی سے تنگ آگئی ہوں سارے جسم میں درد رہتا ہے سر میں ہر وقت چکر چلتے رہتے ہیں ہاتھ پاؤں کے جوڑ سوج جاتے ہیں منہ کا ذائقہ تلخ رہتا ہے۔ اور مزاج اس سے بھی زیادہ کڑوا رہتا ہے کوئی ایسا روحانی علاج تجویز کیجئے کہ جس سے یہ بیماریاں دور ہوجائیں اور میں بھی زندہ لوگوں کی طرح زندگی میں حصہ لے سکوں۔

☆ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ آپ کو صحت کاملہ سے نوازے۔ (آمین) ''یاقوی یامقیت'' 544 مرتبہ ٹہلتے ہوئے پڑھا کریں۔ اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ نماز کی پابندی فرمائیں۔ لوح شفاء ارسال کی جارہی ہے۔

محبوب الٰہی۔ لاڑکانہ

O محترم! کے طفیل آپ سے تعارف ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ محبتوں اور عقیدتوں کا یہ سفر ہمیشہ جاری رکھے۔ آپ بڑی خدمت کر رہے ہیں اس کا اجر تو اللہ ہی عطا فرمائے گا۔ میں نے بھی دستِ سوال دراز کیا ہے میری جھولی میں بھی دعا کے موتی ڈال دیں۔ مسئلہ میری بہن کی شادی کا ہے ہم نے اس کی منگنی بچپن میں کر دی تھی اپنے چچا کے گھر لیکن بڑے ہونے پر میرے چچا نے اس رشتے سے صرف اس لئے انکار کردیا کہ اب ان کے حالات ہم سے بہت اچھے ہوگئے ہیں۔ جب منگنی کی تھی تو ہمارے حالات بہت اچھے تھے مگر والد صاحب نے ان کی اس وقت کی غربت کا کوئی خیال نہ کیا اور اب وہ ہمیں روپوں کے ترازو سے تول رہے ہیں آپ فرمایئے کہ ہم کیا کریں لڑکا اور لڑکی دونوں ہی شادی پر

ملاقات: روزانہ صبح 9 تا مغرب ''جمعۃ المبارک تعطیل'' (براہِ راست جواب کیلئے جوابی لفافہ بھیجئے۔)

ایس۔ ایم۔ قادری B-359 فیصل ٹاؤن لاہور۔ فون نمبر: 042-5167842,5168036

ختم گیارہویں شریف اور اجتماعی دعا ہر انگریزی مہینے کی پہلی جمعرات کو بعد نمازِ عصر تا مغرب منعقد ہوتی ہے۔

راضی ہیں ہمارے گھر والوں کو تو کوئی ظاہر ہے اعتراض نہیں ہے مگر میری چاچی بھی میری بہن کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہے مسئلہ تو صرف چاچا کی طرف سے ہے آپ سے التجا ہے کہ کوئی ایسا وظیفہ یا لوح ارسال کردیں کہ جس سے سارا معاملہ ہنسی خوشی حل ہوجائے اور میری بہن کا گھر بس جائے۔

☆عزیزم! اللہ تعالیٰ بچھڑوں کو ملانے والا ہے اور ہدایت دینے والا ہے آپ ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ ''یا جامع یا فتاح'' پڑھ کر دعا کریں اول آخر 7 مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ لوح زہرہ ارسال کی جارہی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی تمام امیدوں کو پورا فرمائے۔ (آمین)

ضروری گزارش

☆☆خط لکھتے وقت اپنا نام اور پتہ معہ شہر کے مکمل لکھئے۔ مخفف نام والے خطوط قابل جواب نہ ہوں گے۔ براہ راست جواب کے لئے پتا لکھا ہوا جوابی لفافہ ارسال کیجئے اور ف، ک، ٹائپ کے نام لکھنے سے گریز کیجئے۔ اگر آپ اپنا نام نہ شائع کروانا چاہیں تو فرضی نام لکھ کر واضح ہدایت کر دیجئے۔ فون پر مسئلہ ڈسکس نہیں کیا جاتا جوابی لفافے کے ہمراہ خط لکھ دیں۔

○ سائرہ مجید، شبانہ چوہدری، آسیہ ملک، سدرہ، محمود خان، حنیف، محمد ارشاد، میمونہ رانی۔ مفرق شہر

☆آپ سب نے ختم شریف میں قرآن حکیم، کلمہ شریف، سورۂ ملک، سورۂ یٰسین، آیت کریمہ کی جو پڑھائیاں ایصال ثواب کے لئے تحریر کئے تھے۔ وہ سب محفل ختم شریف میں حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، انبیاء علیہ السلام صحابۂ اجمعینؓ، سیدنا غوث الاعظمؒ جملہ مسلمین و مسلمات کیلئے ہدیہ کردیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری کاوشوں کو قبول و مقبول فرمائے۔ جو بہن بھائی ایصال ثواب حصول خیر و برکت کیلئے قرآن حکیم، مختلف سورتیں۔ کلمہ شریف، درود شریف شریف پڑھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ ان کی طرف سے ہادی عالمؐ کی بارگاہ میں، بزرگان دین کے لئے پڑھائیوں کے ہدیئے بھیجنا چاہیں وہ بذریعہ خط، ٹیلی فون مطلع فرمادیا کریں۔

☆☆☆

اوقات ملاقات ماہِ رمضان المبارک صبح 9 بجے تا 3 بجے

اس مرتبہ ختم گیارہویں شریف اور اجتماعی دعا انشاء اللہ 15 اکتوبر کو ہوگی۔
تمام بہن اور بھائیوں اور مریدین سے شرکت کی استدعا ہے۔

شرفِ ستارگان کی الواح

اپنے نام اور ستارے کے مطابق لوح بنوا کر کامیاب زندگی بسر کریں۔

لوح شرفِ مریخ

دل کی گھبراہٹ، ڈپریشن، مردانہ امراض، خواتین کے امراض، خون کی کمی، آسیب سے نجات، افسرانِ بالا کی توجہ اور رجوع خلق کے لئے تیار کی جاتی ہے۔

لوح شرفِ زہرہ

تسخیر خلق، پسند کی شادی، ڈاکٹر و حکیم، سیاستدان، عورتوں کے امراض، انیٹریئر ڈیکوریشن، مصوروں، خطاطوں اور ادیبوں کے لئے تیار کی جاتی ہے۔

لوح شرفِ عطارد

علمی ترقی، حافظے میں اضافہ، تعلیم میں کامیابی، یادداشت میں اضافہ، بچوں کا خواب میں ڈرنا، ٹرانسپورٹ تجارت اور کمیونیکیشن سے منسلک افراد کیلئے تیار کی جاتی ہے۔

لوح شرفِ قمر

پرانی جسمانی بیماریاں، نسوانی امراض، تسخیر، ترقی، زراعت اور باغبانی کے لئے مفید ہے۔ دماغی قوتوں میں اضافہ، روحانی علوم میں کامیابی، تسخیر خلق کے لئے تیار کی جاتی ہے۔

لوح شرفِ شمس

ترقی، عروج، سحر، جادو سے حفاظت، روپے پیسے کی آمد، سماجی مرتبے میں اضافے کے لئے تیار کی جاتی ہے، جن کے زائچے میں شمس کمزور ہے ان کیلئے مفید ہے۔

لوح شرفِ مشتری

مالی خوش بختی، حصول دولت، آمدنی کے مختلف ذرائع کو ترقی دینا، انعامی اسکیموں میں فائدہ، مستقبل کی بہتری، کیریئر اور ترقی کے استحکام کے لئے تیار کی جاتی ہے۔

لوح شرفِ زحل

کاموں میں رکاوٹ، جائیداد کے تنازعات، پرانے امراض، ضدی امراض، نحوست، جادو، آسیب سے نجات کیلئے تیار کی جاتی ہے۔

لوح شرفِ سبع ستارگان

ساتوں ستاروں کا کمبی نیشن

خیر و برکت، مالی خوش بختی، تسخیر خلق، مرد اور عورتوں کے پرانے امراض، شادی میں تاخیر اور رکاوٹ، علمی ترقی، تعلیم میں کامیابی، گھریلو پریشانیاں، جادو و آسیب سے نجات کے لئے تیار کی جاتی ہے۔

اپنی پسند کی لوح بنوانے کیلئے رابطہ کیجئے۔ B-359 فیصل ٹاؤن لاہور۔ پاکستان۔ فون نمبر: 5168036-5167842